

جدید تجارتی شکلیں
شرعی نقطہ نظر

ترتیب

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ



ایفا پبلیکیشنز



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مَجْلِسُ التَّحْقِیْقِ الْإِسْلَامِيِّ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

جدید فقہی تحقیقات

جدید تجارتی شکلیں قبضہ کے بغیر خرید و فروخت

اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے ”نویں فقہی سمینار (جے پور) بتاریخ
۲۷-۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۱-۱۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء“ میں
پیش کئے جانے والے علمی و تحقیقی مقالات کا مجموعہ |

ترتیب

حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

www.KitaboSunnat.com

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب :	جدید تجارتی شکمیں - قبضہ کے بغیر خرید و فروخت
ترتیب :	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی
صفحات :	۶۷۳
قیمت :	۱۰ روپے
طبع اول :	اپریل ۱۹۹۹ء
طبع دوم :	جنوری ۲۰۱۱ء
ISBN :	978-81-910932-6-1

ناشر

ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

۱۶۱-ایف، بیسمنٹ، جوگابائی، پوسٹ باکس نمبر: ۹۷۰۸

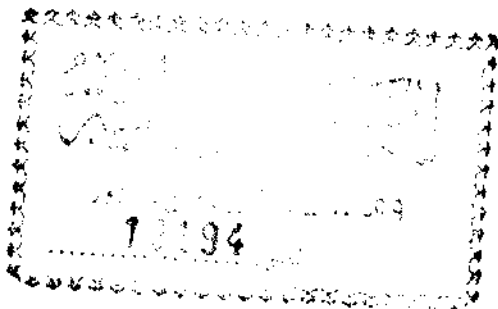
جامعہ نگر نئی دہلی - ۱۱۰۰۲۵

فون: 011-26981327

ای میل: ifapublications@gmail.com

مجلس اولیٰ

- ۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
- ۲- مولانا محمد برہان الدین سنہلی
- ۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
- ۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
- ۵- مولانا عتیق احمد بستوی
- ۶- مفتی محمد عبید اللہ اسعدی



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

فہرست مضامین

۱۱	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	چیش لکھا
۱۵	حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی	اقتناع دہ

پہلا باب (تسمینی امور)

۲۱		اکیدمی کا فیصلہ
۲۳		سوالنامہ
۲۶	مفتی محمد فہیم اختر ندوی	تفصیلی مقالات
		عرض مسئلہ
۳۸	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	سوال نمبر ۱
۴۸	مفتی محمد فہیم اختر ندوی	سوال نمبر ۲
۵۳	مفتی محمد عبید اللہ اسعدی	سوال نمبر ۳-۵
۶۶	مفتی نسیم احمد قاسمی	سوال نمبر ۶-۷

دوسرا باب: تفصیلی مقالات

۸۱	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	قرنی حقیقت اور قبضہ سے پہلے خرید و فروخت - فقہ اسلامی کی روشنی میں
۹۷	مفتی محمد عبید اللہ اسعدی	قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور قبضہ کی نوعیت
۱۰۷	مولانا ذکریٰ ظفر الاسلام اعظمی	قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور غرار کے احکام
۱۲۵	مولانا اختر امام عادل	قبضہ سے پہلے خرید و فروخت - اصولی مباحث
۱۳۹	مولانا ابو سفیان منٹاجی	خرید و فروخت میں ملوث اور قبضہ کی کیفیت
۱۵۰	مولانا قاضی عبدالکلیل قاسمی	شریعت میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت
۱۶۱	مفتی نسیم احمد قاسمی	قبضہ سے پہلے بیع و شراء کے احکام

- ۱۸۰ مفتی جنید عالم ندوی قاسمی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے احکام
- ۱۹۸ مفتی جمیل احمد ندیری قبضہ سے پہلے بیعتی
- ۲۱۰ مولانا محمد زید مظاہری ندوی قبضہ سے پہلے بیعت و شرا کے حکم
- ۲۲۸ مفتی محمد علی الدین بڑودوی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں فساد و بطلان کی تعیین
- ۲۳۱ مفتی شبیر احمد قاسمی خرید و فروخت میں قبضہ کی حقیقت اور اس کا مفہوم
- ۲۵۸ مولانا ابو بکر قاسمی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا مسئلہ
- ۲۸۴ مولانا ابو جندل قاسمی بیعت میں تحریری و لفظی و کتابی قبضہ کی حیثیت
- ۲۹۸ مولانا محمد حنیف قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے احکام
- ۳۲۴ مولانا ارشاد قاسمی قبضہ شرعی سے قبل اشیاء کی خرید و فروخت کا شرعی حکم
- ۳۳۸ مولانا محبوب الغفار اسعد قبل قبضہ بیعت و شرا کی شرعی حیثیت
- ۳۶۱ مولانا ابوالحسن علی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت
- ۳۷۱ مولانا اشتیاق احمد اعظمی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ضمانت عمومی یا خصوصی؟
- ۳۸۵ مولانا ظفر عالم ندوی قبضہ سے پہلے بیعت و شرا کے مسائل
- ۳۹۵ مولانا محمد عزیز اختر القاسمی قبضہ سے پہلے ہونے والی خرید و فروخت کا شرعی حکم
- ۴۱۹ مولانا وحید الدین قبضہ سے پہلے خرید و فروخت شریعت کی روشنی میں
- ۴۵۱ مولانا اقبال قاسمی بیعت قبضہ قبضہ کی نئی سے متعلق احادیث
- ۴۶۸ مفتی احمد نادر القاسمی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور چند جدید مسائل
- ۴۸۷ مولانا محمد ارشد قاسمی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے متعلق مسائل و احکام
- ۵۰۱ مفتی محمد شاہد قاسمی خرید و فروخت میں تکلیف کی حیثیت

تیسرا باب: مختصر تحریریں

- ۵۱۵ مولانا محمد برہان الدین شنبلی قبضہ سے پہلے بیعت کی شرعی حیثیت
- ۵۱۹ مفتی محبوب علی وجہی اشیاء کی قیمت سے قبضہ کا تعیین

۵۲۲	مولانا زبیر احمد قاسمی	قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا شرعی حکم
۵۲۹	مولانا شمس پیر زادہ	قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی شرعی حیثیت
۵۳۷	مولانا ڈاکٹر عبداللہ جولم	بیع قبل القبض فی ضوء اناتاب وامت
۵۴۷	مولانا محمد رضوان القاسمی	خرید و فروخت میں قبضہ کی حقیقت اور عرف
۵۵۳	مفتی عبدالرحیم قاسمی	خرید و فروخت میں قبضہ اور تکلیف کا شرعی معیار
۵۵۶	مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی	شریعت میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا حکم
۵۶۴	مفتی ثناء الہدی قاسمی	بیع و شراء میں قبضہ کسی وکفی کی نوعیت
۵۶۸	مفتی احمد دیوبندی	قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور ائمہ کا موقف
۵۷۷	ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	خرید و فروخت میں وثیقہ اور دستاویزات کی حیثیت
۵۷۹	مولانا محمد ابراہیم گیالاحی	شریعت میں قبضہ کا مفہوم و مصداق
۵۸۵	مولانا سلطان احمد اصلاحی	خرید و فروخت میں استیلاء اور قبضہ کا مفہوم
۵۸۹	مفتی انور علی اعظمی	کتاب و سنت کی روشنی میں قبضہ کی حقیقت
۵۹۶	مفتی عزیز الرحمن بجنوری	قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور اس کے چند احکام
۵۹۸	مولانا خورشید احمد اعظمی	اسلام میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا اعتبار
۶۰۸	مفتی اسماعیل بھد کوہروی	بیع پہ قبضہ سے پہلے اس کی فروہنگی کا حکم
۶۱۳	مولانا عبدالقیوم پالنپوری	قبضہ سے پہلے بیع و شراء کا شرعی حکم
۶۱۹	مولانا منظور احمد قاسمی	اشیا منقولہ فی بیع قبضہ سے پہلے
۶۲۴	مولانا احمد حسن	قبضہ سے پہلے کسی چیز کا فروخت کرنا
۶۲۷	مولانا عبد اللطیف پالنپوری	قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے متعلق مسائل
۶۳۲	مفتی ثکلیل احمد سیتا پوری	قبضہ سے پہلے خرید و فروخت
۶۳۷	مولانا عبدالرحمن پالنپوری	قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور اس کا حکم
۶۴۲	مولانا عبدالرشید قاسمی	قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور فقہاء کی تشریحات
۶۴۵	مولانا محمد ارشد فاروقی قاسمی	اشیا منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کا حکم
۶۴۹	مولانا ابراہیم بن محمد بڑودوی	شرع اسلامی سے اعتبار سے بیع قبل القبض

- ۶۵۲ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور اس کے چند اہم پہلو
مولانا اخلاق الرحمن قاسمی
- ۶۶۱ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت
مولانا تنویر احمد قاسمی
- ۶۶۹ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا شرعی حکم
مولانا خلیل احمد قاسمی
- ۶۷۵ قبضہ سے متعلق امادیت کی حیثیت اور غرر کے احکام
مولانا محمد اختر قاسمی



پیش لفظ

تجارتی معاملات میں ایک اہم عمل ”قبضہ“ کا ہے، قبضہ کے بغیر اگر خرید و فروخت کی زنجیر بنتی جائے اور سامان بنانے والے اور اصل سامان حاصل کرنے والے کے درمیان، آٹھ، دس واسطے ہو جائیں تو دس روپے کی چیز سو روپے کی ہو جاتی ہے، اور جن لوگوں نے درمیان میں خرید و فروخت کی، وہ نقصان کا کوئی خطرہ مول لئے بغیر نفع کما تے چلے جاتے ہیں، دوسرے قبضہ کرنے سے پہلے اگر کوئی چیز فروخت کی جاتی ہے تو اس بات کا بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ بیچنے والا بروقت خریدار کو وہ چیز مہیا نہیں کر پائے، اس طرح خریدار کو دھوکہ ہو سکتا ہے، ان مصالح کے پیش نظر شریعت نے کسی چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اسے بیچنے سے منع کیا ہے، حدیث میں اس کی صراحت آئی ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں دو نکات قابل توجہ ہیں: اول یہ کہ یہ حکم تمام چیزوں کی خرید و فروخت سے متعلق ہے، یا کچھ خاص چیزوں کی خرید و فروخت سے؟ فقہاء نے شریعت کی مصالح کو سامنے رکھتے ہوئے اس سلسلہ میں اجتہاد کیا ہے، بعض فقہاء نے تمام اشیاء سے اس حکم کو متعلق رکھا ہے، کیونکہ بغیر قبضہ کے خرید و فروخت سے مصنوعی گرائی پیدا ہوتی ہے، بعض فقہاء نے غذائی اشیاء اور دوسری اشیاء کے درمیان فرق کیا ہے، کیونکہ غذائی اشیاء انسان کے لئے ناگزیر ضرورت ہے، ان کو ارزاں ہونا چاہئے، انسانی زندگی کے لئے دوسری اشیاء کی اہمیت نسبتاً کم ہے، تیسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ منقولہ اشیاء میں قبضہ سے پہلے خرید

و فروخت کی ممانعت ہے، کیونکہ اس میں اندیشہ ہے کہ بیچنے والا وہ شی مہیا نہ کر سکے، غیر منقولہ اشیاء کو آگے بیچنے کے لئے قبضہ ضروری نہیں، مالک ہونا کافی ہے، کیونکہ اس کے ضائع ہو جانے یا چرا لئے جانے کا اندیشہ نہیں، اس مسئلہ پر تفصیلی بحثیں فقہاء اور شارحین حدیث کی کتابوں میں پہلے سے موجود ہیں۔

دوسرا قابل غور نکتہ یہ ہے کہ قبضہ کا اطلاق کس کیفیت پر ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے قبضہ سے پہلے بیچنے کو منع تو فرمایا، لیکن قبضہ کی حقیقت کیا ہے؟ اسے متعین نہیں کیا، غالباً اس کی حکمت یہ ہے کہ مختلف ادوار میں اشیاء کی نوعیت اور لوگوں کے رواج کے اعتبار سے قبضہ کی کیفیت متعین کی جائے؛ اسی لئے فقہاء متقدمین کے یہاں قبضہ کا دائرہ بہت تنگ ہے، اور فقہاء متاخرین نے اس میں وسعت برتی ہے۔

عصر حاضر میں بہت سی ایسی چیزیں پیدا ہو گئی ہیں کہ ان پر فقہاء کی ان تعریفات کے لحاظ سے قبضہ کا تحقق ناممکن یا دشوار ہے؛ اسی لئے موجودہ دور میں اسلامی مالیات کے ماہرین نے قبضہ کی دو قسمیں کی ہیں: قبضہ حسی اور قبضہ معنوی، اسی کو بعض اہل علم نے قبضہ حقیقی اور قبضہ حکمی سے تعبیر کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ موضوع بڑا اہم ہے اور شریعت پر مبنی سرمایہ کاری کرنے والے ادارے بجا طور سے اسے اپنی تحقیق کا موضوع بنا رہے ہیں۔

اسی پس منظر میں اسلامک فکڈ اکیڈمی (انڈیا) نے اپنے نویں فقہی سمینار (جے پور) بتاریخ ۲۷-۳۰ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۱-۱۳ اکتوبر ۱۹۹۶ء میں اس مسئلہ کو علماء اور ارباب افتاء کے غور و فکر کا موضوع بنایا اور اس پر بڑے تفصیلی مقالات آئے، یہ کہنا مبالغہ آمیز نہ ہوگا کہ اردو زبان میں اس سے پہلے اس موضوع پر اتنی تفصیل سے قلم نہیں اٹھایا گیا، مقالہ نگاروں نے قرآن و حدیث کی عبارات و اشارات اور مذاہب اربعہ کے کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

اجتہادات کو سامنے رکھ کر اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ ان مضامین کا مجموعہ پہلی بار بانی اکیڈمی حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی نگرانی میں ان ہی کی زندگی میں شائع ہوا تھا، بحمد اللہ اہل علم اور اصحاب ذوق کے درمیان اکیڈمی کے دوسرے لٹریچر کی طرح اسے بھی بڑی پذیرائی حاصل ہوئی، اب ”ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی“ سے اس کا نیا ایڈیشن نئی ترتیب کے ساتھ دوبارہ شائع ہو رہا ہے، جسے محبت عزیز مولانا مفتی احمد نادر القاسمی صاحب نے بڑی کاوش کے ساتھ مرتب کیا ہے، امید کہ اب یہ مجموعہ ”نقش ثانی بہتر از نقش اول“ کا مصداق ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور اسلامی مالیاتی اداروں کے قیام کے سلسلے میں عالمی سطح پر جو کوششیں کی جا رہی ہیں، اس میں اس حقیر خدمت کو بھی مدد و معاون بنائے۔

خالد سیف اللہ رحمانی

۹ صفر ۱۴۳۲ھ

۱۴ جنوری ۲۰۱۱ء

ابتدائیہ

تجارت، لین دین اور باہمی معاہدہ کی مختلف دور میں مختلف صورتیں رائج رہی ہیں، بہت سے عقود اور معاملات بنیادی طور پر قدیم زمانہ میں بھی رائج تھے اور عہد جدید میں ان کی ترقی یافتہ صورتیں رائج ہو گئیں ہیں، کہیں جو پہلے مطلق تھا اب مقید ہو گیا ہے اور کچھ جو پہلے مقید تھا اب مطلق ہو گیا ہے، آج کے دور میں زیادہ سے زیادہ فائدہ کی طلب مقصود ہوتی ہے، معاملات میں عدل و قسط کی رعایت کم سے کم یا معدوم ہے، اور غرر اور دھوکہ عام ہے، نہ ذہنوں میں خدا کا تصور ہے نہ آخرت کی جواب دہی کی فکر، اس لئے تجارت کے رائج طریقوں میں صرف مادی اور نقد نفع مطلوب رہ گیا ہے، ایسے نازک موقع پر ایک مسلمان کے لئے بہت سی دشواریاں کھڑی ہو جاتی ہیں، ظاہر ہے کہ وہ تجارت کی دنیا سے جلا وطن نہیں ہو سکتا اور نہ محرمات اور ظلم کا مرتکب ہو سکتا ہے، اس لئے وہ صحیح احکام شرعی کو جاننے کے لئے بے چین ہے۔

علماء و فقہاء اسلام نے عبادات میں اصل حرمت اور حظر کو قرار دیا ہے، اور معاملات میں حلت و اباحت کو، یعنی معاملہ اور عقد کی ہر وہ صورت جائز ہوگی جو نصوص میں کتاب و سنت اور قواعد شرع سے متعارض نہ ہو، عام طور پر ہمارے فقہاء نے معاملات میں سہولت کو پیش نظر رکھا ہے، اور مسائل اجتہاد میں دفع حرج اور رفع ضرر کے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے ایک امام مجتہد کے قول سے دوسرے امام مجتہد کے قول کی طرف رجوع کو جائز قرار دیا ہے۔

اس طرح کے تجارتی مسائل میں ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا خریدی ہوئی شے پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت کیا جاسکتا ہے یا نہیں اور اس کا منافع حاصل کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟ آج قبضہ کے عنوان سے بہت سارے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، مثلاً صرف کے وہ تمام عقود جن میں تقابض بد لین کا مجلس واحد میں ہونا ضروری ہے، کیا چیک، ڈرافٹ، کریڈٹ کارڈ یا دوسری سندات مالی کو قبضہ تصور کیا جائے گا یا نہیں؟ یا کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ ادائیگی کو فوری قبضہ تسلیم کیا جائے گا یا نہیں؟ بین الاقوامی تجارت میں جو آج زیادہ تر فون، فیکس اور ای میل کے ذریعہ انجام پا رہے ہیں، کروڑ ہا کروڑ روپے کے معاملات اور لین دین طے ہو جاتے ہیں، جب کہ ہر دو فریق ہزار ہا میل کی دوری پر ہے، اسی طرح ایک ملک کا تاجر دوسرے ملک میں LC (سند اعتماد) کھلوا کر کاروبار کرتا ہے، دوسرے ملک کا تاجر مال کا شپمنٹ (Shipment) کرتا ہے اور قبل اس کے کہ مال خریدار تک پہنچے خریدار محسوس کرتے ہوئے کہ بازار میں تیزی آچکی ہے اگر میں ابھی اس مال کو فروخت کر ڈالوں تو مجھے زیادہ نفع ملے گا، اس لئے وہ اس مال کو اپنے قبضہ میں آنے سے پہلے ہی جبکہ مال راستہ میں ہے، فروخت کر ڈالتا ہے، تجارت کی یہ صورتیں کئی سوالات کھڑا کرتی ہیں:

۱۔ اتحاد مجلس کی صورتیں: کیا ٹیلیفون، فیکس اور ای میل کی صورت میں بائع اور خریدار کی مجلس متحد قرار پائے گی اور وہ ایجاب و قبول جس میں اتحاد مجلس ضروری ہے اس صورت میں اس ضروری شرط کے پورا ہونے کی کیا صورت ہے؟

۲۔ اسی طرح دوسرا سوال یہ ہے کہ قبضہ کی حقیقت کیا ہے؟ اور اشیاء کی نوعیت کے مختلف ہونے کی وجہ سے کیا قبضہ کی نوعیت بھی مختلف ہو جائے گی، چیک یا ڈرافٹ پر قبضہ

اصل نقد پر قبضہ تسلیم کیا جائے گا یا نہیں؟

۳۔ اس مسئلہ میں ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ اگر وہ شی جو خریدی گئی ہے درمیان میں ضائع ہو جائے تو اصل بائع پر اس کی ضمان ہوگی یا درمیان والے اس خریدار پر ضمان ہوگی جس نے اس کو تیسری پارٹی کے ہاتھ فروخت کیا ہے، یا اس تیسری پارٹی کو اس نقصان کو بھگتنا پڑے گا، پس ”بیع مالہ یقبض“ کے ذیل میں ”ربح مالہ یضمن“ کا سوال پیدا ہو جاتا ہے، یعنی ایسا تو نہیں کہ کوئی شخص ایسی چیز سے فائدہ اٹھا رہا ہے جس کے ضائع ہوجانے کی صورت میں اس کے خسارہ اور نقصان کو اسے نہ بھگتنا پڑے؟۔

مشہور قاعدہ فقہیہ ”الخراج بالضمنان“ اور ”الغنم بالغرم“ کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کے ضائع ہوجانے کی صورت میں اس کے نقصان کا ذمہ دار نہیں تو اس سے حاصل ہونے والے فائدہ کا بھی وہ ذمہ دار نہیں۔

یہ اور اس طرح کے کئی وہ سوالات ہیں جن کا حل عہد حاضر کے بہت سے تجارتی مسائل، مشکلات اور دشواریوں کو حل کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

اسی لئے ”مجمع الفقہ الاسلامی الہند“ نے اس اصولی مسئلہ کو نو فی فقہی سیمینار میں موضوع بحث بنایا کہ ”بیع قبل القبض“ کا کیا حکم ہے، اور اس کے ذیل میں جو دیگر مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا کیا حل ہے؟

مجھے خوشی ہے کہ علماء نے اس پر بہت باریک بینی کے ساتھ اپنی بحثیں تیار کیں اور سنجیدہ مذاکرہ کے بعد تجاویز طے کیں جن کی حیثیت اصولی ہے، اور اس طرح کے تجارتی احکام و مسائل کو حل کرنے میں مفید و معاون ہیں۔

آج جب ہم ان مباحث کے مجموعہ کو شائع کرنے جا رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے لئے بہت زیادہ شکر اگذاری کا جذبہ اپنے قلب میں محسوس کرتے ہیں کہ اس نے اس کی توفیق عطا فرمائی، جو لوگ علمی کام کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اس طرح کی بحث علمی اور

{۱۸}

مباحثات و مذاکرے کی تصحیح و ترتیب کتنا مشکل کام ہے۔ میں اکیڈمی میں کام کرنے والے اپنے رفقاء کے لئے دل سے دعا گو ہوں جنہوں نے بہت خاموشی اور سنجیدہ محنت کے ذریعہ اس اہم کام کو انجام دیا۔ جزاہم اللہ أحسن الجزاء وتقبل اللہ منهم ومن العلماء الباحثین۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی

جدید فقہی تحقیقات

پہلا باب
تمہیدی امور

امکینہ کا فیصلہ:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت

دور حاضر میں خرید و فروخت کی بہت سی ایسی صورتیں مروج ہیں جن میں فروخت شدہ شے پر قبضہ کے بغیر خریدار دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ”بیع قبل القبض“ سے منع فرمایا ہے، اسی پس منظر میں ایسے مروجہ معاملات کی بابت اسلام فقہ اکیڈمی کے نویس مینار منعقدہ ”جامعۃ الہدایہ جے پور“ میں درج ذیل باتیں طے پائیں:

۱۔ اصولی طور پر قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، تاہم اگر قبضہ سے پہلے بیع کر دی جائے تو یہ بیع فاسد ہوگی نہ کہ باطل، اور قبضہ کے بعد مفید ملک ہوگی۔

۲۔ کتاب و سنت میں قبضہ کی حقیقت اور اس کی کوئی خاص صورت مقرر نہیں کی گئی ہے، گویا شریعت نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے عرف کو اصل قرار دیا ہے، لہذا ہر عہد کے مروجہ طریقوں اور اشیاء کی مختلف انواع کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت متعین ہوگی۔

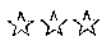
۳۔ فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ اصل میں مبیع پر خریدار کے ایسے استیلاء کا نام ہے کہ مبیع پر اس کے تصرف میں کوئی مانع باقی نہ رہے، اسی کو فقہ کی کتابوں میں ”تحلیہ“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴۔ بیع قبل القبض کی ممانعت ”غرر انفساخ“ کی علت پر مبنی ہے، یعنی جب تک مبیع خریدار اول کے ہاتھ نہ آجائے اس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ مبیع اس کے قبضہ میں آہی نہ پائے، اور وہ خریدار دوم کو مبیع کی حوالگی پر قادر نہ رہے۔

۵۔ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت کا تعلق اموال منقولہ سے ہے، اموال غیر منقولہ میں ”بیع قبل القبض“ جائز ہے، بشرطیکہ خریدار کے لئے انتفاع سے کوئی قوی مانع نہ پایا جاتا ہو۔

۶۔ اگر ایک شخص کسی بائع (فیکٹری وغیرہ) سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دے، اور ابھی خریدار ہوا مال فیکٹری نے روانہ بھی نہ کیا ہو تو یہ صورت ”بیع قبل القبض“ میں داخل ہے اور جائز نہیں ہے۔

۷۔ اگر ایک شخص کسی فیکٹری وغیرہ سے خرید کر اس کو کسی خاص ذریعہ (جہاز، ٹرانسپورٹ، پرمٹ وغیرہ) سے سامان کی ترسیل کا آؤردے اور مطلوبہ سامان فیکٹری سے روانہ بھی کر دیا جائے اور نقصان کی صورت میں خریدار اس کا ضامن ہوتا ہو، نیز ترسیل کی اجرت خریدار کے ذمہ ہے، تو جس ذریعہ سے مال روانہ کیا جائے اس کا قبضہ خریدار کی طرف سے وکالتہ قبضہ متصور ہوگا، لہذا اس صورت میں مال پہنچنے سے پہلے خریدار کو فروخت کرنا جائز ہے، اور یہ ”بیع قبل القبض“ میں داخل نہیں، البتہ جس شخص نے اس خریدار سے مال خریدا ہے اس خریدار دوم کے لئے مال پہنچنے سے پہلے دوبارہ بیع جائز نہیں اور اگر بیع کرے تو یہ ”بیع قبل القبض“ کے زمرہ میں داخل ہوگی۔



سوالنامہ:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت

قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مختلف احادیث مروی ہیں، ان میں سے بعض مطلق ہیں، بعض متقید۔ احادیث و روایات کے اختلاف کی بنیاد پر ”بیع قبل القبض“ کے مختلف مسائل میں فقہاء مجتہدین میں اختلاف بھی ہوا ہے، جن کی تفصیل کتب فقہ اور شروح حدیث میں موجود ہے، لیکن جمہور فقہاء فی الجملہ ”بیع قبل القبض“ کے ناجائز ہونے پر متفق ہیں، ادھر دور حاضر میں خرید و فروخت کی ایسی بہت سی شکلیں مروج ہیں جن کے بارے میں ”بیع قبل القبض“ کے دائرے میں شامل ہونے کا شبہ پیدا ہوتا ہے، اس لئے ”بیع قبل القبض“ کی حقیقت، احکام اور اس سے وابستہ جدید مسائل و معاملات کے بارے میں درج ذیل سوالات پیش خدمت ہیں:

- ۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے ”بیع قبل القبض“ جائز ہے یا ناجائز؟ اور ناجائز ہے تو اس کا شمار بیع باطل میں ہے یا بیع فاسد میں یا بیع مکروہ میں؟
- ۲۔ اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت کیا ہے، کتاب و سنت نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین کر دی ہے یا اسے لوگوں کے عرف و عادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے۔

- ۳- اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق ہوگا یا دونوں میں قبضہ کی ایک ہی صورت ہوگی؟
- ۴- ”بیع قبل القبض“ کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں یا نہیں، اگر معلول بالعلۃ ہیں تو علت نہی کیا ہے؟
- ۵- ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت عام ہے یا اس میں کچھ استثناءات اور تخصیصات بھی ہیں، اس بابت مختلف ائمہ کی آراء اور ان کے وجوہ و دلائل تحریر کئے جائیں۔
- ۶- ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر (۲) کو روانہ کر دیتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے، نہ خریدار نمبر (۲) پر، بلکہ یہ اسی شخص (خریدار نمبر (۱) کا نقصان قرار پاتا ہے، اس صورت معاملہ میں اگر فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر اگرچہ حسی قبضہ نہیں ہوا، لیکن وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہنچنے سے پہلے اس کے ضمان میں رہا، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے ”ربح مالم یضمن“ (ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) حاصل کیا، بلکہ اس نے مال مضمون پر نفع حاصل کیا ہے، سوال یہ ہے کہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ حسی نہ پائے جانے کی وجہ سے دوسرے شخص کے ہاتھ اس فروختگی کو ناجائز قرار دیا جائے گا یا ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے گا؟۔

۷۔ وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت میں شیپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے، جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کر دیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا، بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے، کیا یہ صورت شرعاً جائز ہوگی؟



تلیخیر مقالات :

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے احکام

مفتی محمد نعیم اختر ندوی

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مختلف الفاظ میں متعدد احادیث مروی ہیں، بعض احادیث میں بعض مخصوص سامانوں کا نام لے کر قبضہ سے پہلے ان کی خرید و فروخت سے روکا گیا ہے، جب کہ دیگر احادیث میں یہ حکم ممانعت کسی سامان کی صراحت کے بغیر عمومی الفاظ میں آیا ہے، اس بنا پر فقہاء مجتہدین کے درمیان قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے مختلف مسائل میں اختلاف بھی ہوا ہے، اس مسئلہ سے متعلق جو سوالات یہاں اٹھائے گئے تھے، مقالہ نگار حضرات علماء کرام نے ان پر تفصیل سے اظہار خیال فرمایا ہے، مجموعی طور پر متعدد نکات کے تعلق سے ان کی آراء میں کوئی اختلاف نہیں ہے، چند نکات کی بابت اختلاف آراء ہوا ہے، ذیل میں ان سوالات سے متعلق مقالہ نگار حضرات کے جوابات بالترتیب درج کئے جا رہے ہیں:

۱۔ ”بیع قبل القبض“ کی حیثیت:

تقریباً تمام حضرات نے کتب فقہ کی مختلف جزیات کے حوالہ سے ”بیع قبل القبض“ کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اسے فاسد بتایا ہے، بعض حضرات کا رجحان جواز کی جانب بھی ہے، چنانچہ:

۱۔ جناب شمس پیر زادہ صاحب نے موجودہ کاروباری طریقوں میں جہاں ضرورت

متقاضی ہے، ضرر کا اندیشہ نہ ہونے کے برابر ہے اور بائع کی طرف سے ضمانت بھی ہے، ”بیع قبل القبض“ کی اجازت دی ہے۔

۲- مولانا زبیر قاسمی صاحب کا خیال ہے کہ فساد کا حکم محض قضاء ہے، لہذا اگر کوئی نزاع نہ ہو تو اس کے جواز و صحت اور نفاذ و لزوم ہی کا فتویٰ دینا دیا جانا چاہئے۔

۳- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اور مولانا شکیل احمد سینٹاپوری کی رائے میں موجودہ حالات میں فقہ مالکی یا فقہ حنبلی کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۲- قبضہ کی حقیقت:

تمام مقالہ نگار حضرات کا خیال ہے کہ قرآن و سنت میں قبضہ کی کوئی خاص حقیقت نہیں بتائی گئی ہے، بلکہ احادیث میں قبضہ کی مختلف کیفیات کا ذکر ہے، حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک روایت میں مقام خریداری سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ تجارت خرید کردہ مال کو اپنے کباوے میں منتقل کر لیں، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ناپ تول کو قبضہ قرار دیا گیا ہے، اسی لئے فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس بابت لوگوں کا عرف ہی معیار ہے، جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

”ولا يشترط القبض بالبراجم ، لأن معنى القبض هو التمكن والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة حقيقة“۔

(اٹلیوں سے قبضہ شرط نہیں، اس لئے کہ قبضہ کے معنی ”تمکن“ اور ”تخلي“ اور عرف و عادت اور حقیقت کے اعتبار سے موانع کے ختم ہو جانے کے ہیں)۔

علامہ درودیر مالکی تحریر فرماتے ہیں:

”وقبض العقار ... بالتخلية... وقبض غيره... بالعرف الجاري بين الناس“۔

(غیر منقولہ اموال میں قبضہ تخلیہ کے ذریعہ... اور دوسری اشیاء میں لوگوں کے عرف و رواج کے مطابق ہوگا)۔

امام نووی شافعی کا بیان ہے:

”لأن القبض ورد به الشرع وأطلقه فحمل على العرف، والعرف في ما ينقل النقل، وفي ما لا ينقل التخلية“۔

(شریعت نے قبضہ کا ذکر کیا ہے اور اسے مطلق رکھا ہے، لہذا اس کو عرف پر محمول کیا جائے، اور عرف کی رو سے منقولہ اموال میں منتقلی اور غیر منقولہ میں تخلیہ قبضہ ہے)۔

ابن قدامہ حنبلی کہتے ہیں:

”لأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف“۔

(کیونکہ قبضہ شریعت میں مطلق ہے، لہذا عرف کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے)۔

۳- قبضہ میں سامان کی نوعیت کا لحاظ:

مذہب اربعہ کی کتب فقہ میں مذکور متعدد جزئیات اور فروعی مسائل کا تفصیلی تذکرہ کرتے ہوئے تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے مختلف اشیاء میں مختلف نوعیت کے عمل دخل کو قبضہ تصور کیا ہے، منتقلی اور ناپ تول سے لے کر سامان کی جانب اشارہ، کنجی کی حوالگی اور تخلیہ، یعنی موانع کا ہٹا دینا یہ سب قبضہ ہی کی شکلیں ہیں، جو اشیاء کی نوعیت کے لحاظ سے ہر شئی میں اس کے حسب حال ہوتی ہیں، مگر چرچہ فقہاء احناف کے نزدیک منقولہ وغیرہ منقولہ تمام اشیاء میں تخلیہ ہی قبضہ مانا گیا ہے، اور مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اموال غیر منقولہ میں تخلیہ کو قبضہ قرار دیا گیا ہے، لیکن اموال منقولہ میں ان اشیاء کے حسب حال قبضہ کی علاحدہ علاحدہ شکلیں بیان ہوئی ہیں، تاہم احناف کے نزدیک تخلیہ کے مفہوم میں داخل قبضہ حقیقی اور قبضہ حکمی کے وسیع دائرہ میں ہی وہ تمام شکلیں آ جاتی ہیں، ان تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ ہر دور کے عرف و رواج اور ہر شئی کے حسب حال قبضہ کی نوعیت متعین ہوگی۔

۴۔ ممانعت کی علت:

تمام مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ ”بیع قبل القبض“ سے ممانعت پر مشتمل احادیث علت پر مبنی ہیں، چند مقالات میں امام مالک کی صرف ایک روایت یہ نقل کی گئی ہے کہ یہ ممانعت امر تعبدی ہے۔

متعدد حضرات نے مسالک اربعہ میں اس ممانعت کی علت اور بعض صحابہ کرام سے اس بابت منقول علت کا ذکر کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

☆ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک اس کی علت ربا ہے، ”فتح الباری“ میں حضرت ملاؤس کے سوال پر ان کا یہ جواب مذکور ہے: ”الا تراهم يتبايعون بالذهب والطعام مرجا“۔

☆ حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی اسے ربا ہی قرار دیا ہے، مروان سے انہوں نے فرمایا: ”أحللت بيع الربا؟ فقال ما فعلت؟ فقال أبو هريرة، أحللت بيع الصكاك، وقد نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام حتى يستوفي“ (صحیح مسلم)۔

☆ مالکیہ کے نزدیک علت ممانعت ربا و سود ہے، ایک دوسرے قول میں منفعت عمل کے ضیاع کو علت قرار دیا گیا ہے (المفرد علی المذاہب الاربعہ)۔

☆ احناف کے نزدیک اس کی علت غرر ہے، ”فتح القدیر“ میں ہے: ”لأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك“۔

☆ شوافع اور حنابلہ نے بھی غرر کو ہی ممانعت کی علت قرار دیا ہے۔

ابو اسحاق شیرازی رقمطراز ہیں:

”ولأن ملكه عليه غير مستقر، لأنه ربما هلك، فانفسخ العقد وذلك غرر من غير حاجة فلم يجز“۔

اور ابن قتادہ لکھتے ہیں:

”ما يتوهم فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه لم يجز ببناء عقد آخر عليه تحرزا من الضرر ، وما لا يتوهم فيه ذلك الغرر ، انتفى المانع فجاز العقد عليه“۔

بعض حضرات نے ایک مزید علت ”ربح ما لم يضمن“ (ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) کا بھی ذکر کیا ہے۔

مولانا خورشید احمد اعظمی صاحب نے ”فتح الباری“ کے حوالہ سے امام شافعی کے نزدیک اسے ہی ممانعت کی علت بتایا ہے، اور مفتی محمد عبید اللہ اسعدی صاحب نے ”ربح ما لم يضمن“ کی علت کو رائج قرار دیا ہے۔

۵۔ ممانعت عام یا مخصوص:

”بيع قبل القبض“ کی ممانعت کے سلسلہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، ان کے الفاظ میں باہم فرق ہے اور اسی فرق کی بنیاد پر فقہاء کی آراء میں اختلاف ہوا ہے، چنانچہ بعض فقہاء کے نزدیک یہ ممانعت تمام اشیاء میں عام ہے، جبکہ دیگر فقہاء نے حکم ممانعت کو مختلف اشیاء کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے۔

فقہاء کی آراء ذکر کرنے سے پہلے بعض وہ احادیث بیان کی جا رہی ہیں جن میں مختلف الفاظ میں قبضہ سے خرید و فروخت کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ:

”إن رسول الله ﷺ نهى أن يبيع الرجل طعاما حتى يستوفيه“

(بخاری)۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ:

”من اشترى طعاما بكيل أو وزن فلا يبعه حتى يقبضه“ (مسند احمد)۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے الفاظ ہیں:

”من اشتری طعاما فلا یبعہ حتی یکتالہ“ (مسلم)۔

حضرت حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ:

”قلت یا رسول اللہ ، انی اشتری بیوعا فما یحل لی منها وما یحرم

علیّ؟ قال: فإذا اشتریت فلا تبعہ حتی تقبضہ“ (مسند احمد)۔

اور حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ:

”إن النبی ﷺ نہی ن تباع السلع حیث تبتاع حتی یحوزها التجار

إلی رحالہم“ (ابوداؤد)۔

انہیں صحابہ کرامؓ سے الفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ کچھ اور روایات بھی مروی ہیں؛ مذکورہ روایات میں کہیں قید کے ساتھ ممانعت اور کہیں علی الاطلاق ممانعت کے پیش نظر فقہاء مجتہدین کی آراء میں اختلاف ہوا ہے، فقہاء کی آراء ذیل میں درج کی جا رہی ہیں:

☆ حکم ممانعت عام ہے، کسی بھی سامان کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، یہ رائے حضرت امام شافعی، امام محمد بن حسن شیبانی اور امام زفری ہے۔

”لا یجوز بیع المبیع قبل قبضہ عقاراً کان أو منقولاً لا بإذن البائع ولا

بغیر إذنه، لا قبل أداء الثمن ولا بعده“ (شرح المہذب)۔

ابن عقیل کی ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کا بھی ایک قول یہی ہے۔

ان حضرات نے بنیادی طور پر حضرت حکیم بن حزام اور حضرت زید بن ثابت کی ان روایات کو پیش نظر رکھا ہے، جن میں مطلق خریدی ہوئی اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت میں یہ اضافہ بھی نقل کیا ہے ”وأحسب کل شیء مثله“ یعنی میرا خیال ہے کہ دوسری اشیاء کا بھی یہی حکم ہے۔

☆ یہ ممانعت صرف اشیاء خورد و نوش کے ساتھ خاص ہے، دوسری اشیاء قبضہ سے پہلے کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

فروخت کی جاسکتی ہیں، یہ رائے حضرت امام احمد بن حنبل کی ہے۔
ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

”نقل عن أحمد أن المطعوم لا يجوز بيعه قبل قبضه سواء كان مكيلاً أو موزوناً أو لم يكن“ (المغنی)۔

ان کا مستدل حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وہ روایات ہیں جن میں صراحت ہے کہ یہ ممانعت خوردنی اشیاء کی بابت تھی۔

مالکیہ کے نزدیک یہ ممانعت صرف خوردنی اشیاء جو ناپ کر، تول کر، یا گن کر خریدی گئی ہوں، کے ساتھ مخصوص ہے، چنانچہ اگر خوردنی اشیاء بھی بلا تعین مقدار، مجموعہ (جزافاً) خریدی گئی ہوں تو ان کو بھی قبضہ سے پہلے فروخت کیا جاسکتا ہے۔

ابن قدامہ حنبلی امام مالک کا قول نقل کرتے ہیں:

”فإنه قال: ما بيع من الطعام مكيلاً أو موازنة لم يجوز بيعه قبل قبضه، وما بيع مجازفة أو بيع من غير الطعام مكيلاً أو موازنة جاز بيعه قبل قبضه“ (المغنی)۔

مالکیہ کے پیش نظر وہی روایات ہیں جن میں ممانعت صرف طعام کے ساتھ مخصوص بیان ہوئی ہے، ناپ تول کر خریدی ہوئی اشیاء ہی میں ممانعت مخصوص کرنے کی دلیل غالباً مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وہ روایت ہے، جس میں ناپ تول کر خریدی ہوئی اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، مالکیہ کے نزدیک بلا کیل و وزن خرید و فروخت کی صورت میں نفس عقد ہی سے بیع خریدار کے ضمان میں آجاتی ہے اور تصرف کرنا جائز ہو جاتا ہے۔
صالح عبدالسیع الابلی لکھتے ہیں:

”بخلاف الجزاف وهو بيع الشيء بلا كيل ولا وزن ولا عدد، فإن بيعه قبل قبضه جائز على المشهود؛ لأنه ملكه بالعقد ولذا لو تلف قبل قبضه كان ضمانه من المشتري“ (اثر الدانی)۔

☆ احناف کے نزدیک حکم ممانعت صرف اشیاء منقولہ کے ساتھ مخصوص ہے، جو اشیاء منتقل نہیں کی جاسکتی ہیں، جیسے زمین و مکان وغیرہ، ان کی فروختگی قبضہ سے پہلے جائز ہے، یہ رائے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی ہے۔

احناف کے پیش نظر گرچہ وہی روایات ہیں جن میں حکم ممانعت عام ہے، لیکن انہوں نے روایات کے الفاظ کے بجائے مقصد پر نگاہ رکھی ہے کہ اصل مقصد غرر سے بچانا ہے، اموال غیر منقولہ میں یہ اندیشہ نہیں کہ حواگی سے پہلے وہ چیز ضائع ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ اگر اموال غیر منقولہ میں بھی یہ اندیشہ پیدا ہو جائے، مثلاً زمین و مکان دریا کے کنارے واقع ہوں اور سیلاب کی زد میں آجانے کا خطرہ ہو، یا صحرائی علاقہ میں ریت میں ڈھک جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں مکان و زمین کو بھی قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں ہے۔

قبضہ سے پہلے زمین کی فروختگی کا جواز حضرت عثمانؓ سے عملاً ثابت بھی ہے۔

پس قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے مسئلہ میں سب سے زیادہ تنگی حضرات شوافع کے یہاں ہے۔ اور اس کے برعکس سب سے زیادہ وسعت مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک ہے، احناف نے علت کی بنا پر نص میں تخصیص کا راستہ اختیار کرتے ہوئے غیر منقولہ میں جواز اور منقولہ اشیاء میں عدم جواز کی رائے اپنائی ہے۔

☆ ابن حزم کے نزدیک یہ ممانعت صرف گندم کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ طعام سے مراد ان کے نزدیک صرف گندم ہی ہے۔

☆ عثمان البتی سے مطلقاً جواز کی رائے منقول ہے، ابن حزم نے عطا کی بھی یہی رائے نقل کی ہے، لیکن یہ ایک قول شاذ و غیر معتبر ہے۔

”هذا قول مردود بالسنة والحجة المجمعۃ علی الطعام“ (تملح فیہم)۔

۶۔ فیکٹری سے خریداری کے بعد قبضہ سے پہلے فروختگی:

فیکٹری سے مال کی خریداری کے بعد اسے قبضہ میں لئے بغیر دوسرے کے ہاتھ

فروخت کر کے فیکٹری ہی سے اپنی ضمانت پر مال ترسیل کرائی جائے تو مال پر قبضہ حسی نہ پائے جانے کی وجہ سے اس فروختگی کو ناجائز قرار دیا جائے گا، یا ضمانت کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھتے ہوئے حکم جواز دیا جائے گا، اس بابت شرکائے گرامی کی آراء میں اختلاف ہے۔

بیشتر حضرات علماء کرام نے اس صورت معاملہ کو جائز قرار دیا ہے، مجوزین حضرات میں سے اکثریت کی رائے میں خریدار اول کے ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام، بائع کو خریدار کا وکیل قرار دیتے ہوئے بائع کے تصرف کو خریدار کے لئے قبضہ حکمی اور ضمان کو قبضہ حکمی مان کر اس صورت معاملہ میں جواز کا فتویٰ دیا جائے گا، یہ استدلال درج ذیل حضرات کا ہے:

مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی محبوب علی وجیبی، مولانا شاہین جمالی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مفتی شکیل احمد سینا پوری، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا منظور عالم قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا احمد دیولوی، مفتی احمد نادر القاسمی، مولانا ایوب سبیلی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا نور عالم قاسمی، مولانا مسعود احمد، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا شمس پیر زادہ، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مفتی جمیل احمد ندیری، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا ارشد قاسمی، مولانا قمر عالم، مولانا ابراہیم احمد خاں ندوی، مولانا شہزاد اکرام۔

☆ درج ذیل حضرات نے اس مسئلہ میں مسلک مالکی کو اختیار کرتے ہوئے فتویٰ جواز دینے کی رائے دی ہے:

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا اقبال احمد قاسمی، مولانا عزیز اختر قاسمی، مولانا عبدالرشید، مولانا طاہر مظاہری۔

☆ درج ذیل علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ اگر فیکٹری میں خریدار کا مال علاحدہ کر دیا جائے یا اس پر نشان وغیرہ لگا کر کسی طرح ممیز کر دیا جائے، تاکہ تخلیقہ کی کوئی صورت پائی جاسکے تو یہ صورت

معاملہ درست ہو جائے گی:

مفتی نسیم احمد قاسمی، مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا ابو جندل قاسمی۔

☆ مولانا نعیم اختر قاسمی کی رائے میں رسید پر قبضہ کے بعد فروختگی درست ہے۔

☆ دوسری رائے عدم جواز کی ہے، اس رائے کے قائلین کا استدلال ہے کہ ضمان کا وجود

قبضہ پر موقوف ہوتا ہے، اس لئے قبضہ سے پہلے ضمان درست نہیں، نیز نقصان کا ضامن ہو جانا قبضہ کے تحقق کے لئے کافی نہیں ہے، لہذا چونکہ قبضہ حسی موجود نہیں، یہ صورت معاملہ ناجائز ہوگی:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا رضوان القاسمی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا ابراہیم بن محمد، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبدالرحمن پالنپوری، مولانا عبد الرحیم، مولانا محمد زید ندوی، مولانا حنیف ملی۔

☆ مولانا محمد برہان الدین سنبللی صاحب کی رائے میں قبضہ سے پہلے فروختگی کی ممانعت کی وجہ صرف ”رجح ما لم یضمن“ نہیں، بلکہ انفساخ عقد کا احتمال، غرر، ملک غیر کی بیع بغیر اجازت مالک، سبھی ہیں، لہذا ایک وجہ کے ارتقاع سے حکم ممانعت ختم نہیں ہوگا۔

۷۔ ایک سامان پر قبضہ سے پہلے متعدد خرید و فروخت:

بین الاقوامی تجارت میں جہاز پر مال چڑھانے کے بعد فروخت کنندہ کی ذمہ داری ختم ہو کر خریدار کی ضمانت میں مال آجاتا ہے، اور مال جہاز پر سمندر میں ہوتے ہوئے پہلا خریدار دوسرے شخص کے ہاتھ اسے فروخت کر کے اپنی ضمانت سے فارغ ہو جاتا ہے، اس صورت مسئلہ کی بابت بھی مقالہ نگار علماء کرام کی آراء میں اختلاف ہوا ہے، کچھ حضرات نے جواز کی رائے دی ہے، جبکہ بیشتر حضرات نے اسے ناجائز قرار دیا ہے۔ بعض حضرات نے پہلی خریداری اور دوسری خریداری کے احکام میں فرق بھی کیا ہے، یہ مختلف نقطہ ہائے نظر اور ان کے مستدلات درج ذیل ہیں:

☆ عدم جواز کی رائے اپنانے والے علمائے کرام کے نزدیک یہ صورت مسئلہ قبضہ سے

پہلے فروختگی اور فروخت کنندہ کی جانب سے عدم ضمان کی وجہ سے ناجائز ہے:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابوالحسن، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ابوجندل قاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا مجیب الغفار اسعد، مولانا احمد دیولوی، مولانا عبد اللطیف، مولانا ابراہیم بن محمد، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا عبدالرشید، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، مفتی احمد نادر القاسمی، مولانا ارشد قاسمی، مولانا قمر عالم، مولانا قمر الزماں ندوی، مولانا ابرار خاں ندوی، مولانا شہزاد اکرم، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا سعید احمد، مولانا عبدالرحیم۔

☆ دوسری رائے جواز کی ہے، اس رائے کے قائلین میں سے درج ذیل حضرات کے نزدیک خریدار اول، اسی طرح دوسرے خریدار کا قبضہ حکمی بھی پایا جا رہا ہے، اور ساتھ میں ضمان بھی، اس لئے یہ صورت درست ہے۔

مولانا شمس پیرزادہ، مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مفتی محبوب علی وجہی، مولانا مسیح اللہ قاسمی، مولانا نور قاسمی، مولانا نعیم رشیدی قاسمی، مولانا ظفر الاسلام اعظمی، مفتی ثلیل احمد سیتاپوری

☆ مندرجہ ذیل حضرات کے نزدیک جہاز کا عملہ خریدار کے اجیر کی حیثیت رکھتا ہے، لہذا اجیر کا قبضہ مستاجر کا قبضہ ہوگا، اسی طرح جب دوسری خریداری عمل میں آتی ہے تو عملہ دوسرے خریدار کا اجیر ہو جاتا ہے اور قبضہ حکمی دوسرے خریدار کو حاصل ہو جاتا ہے، اس بنیاد پر یہ صورت مسئلہ درست ہے۔

مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا عزیر اختر قاسمی، مولانا ابوبکر قاسمی، مولانا ایوب سیلی۔

☆ درج ذیل حضرات نے موجودہ حالت میں مسلک مالکی پر عمل کرتے ہوئے فتویٰ جواز دیئے جانے کی رائے دی ہے:

مولانا محمد زید، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا اقبال قاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولوی مجاہد الاسلام۔

☆ ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی صاحب اور مولانا نعیم اختر قاسمی نے بالترتیب دستاویز اور رسید پر قبضہ کے بعد اس صورت کو بکراہت جائز اور درست بتایا ہے۔

☆ تیسری رائے ان علمائے کرام کی ہے جنہوں نے اس صورت مسئلہ میں پہلی خریداری کو تو درست قرار دیا ہے کہ جہاز پر مال چڑھانے سے خریدار اول کا قبضہ حکمی پایا گیا اور مال اس کی ضمانت میں بھی آگیا، لیکن اب جبکہ مال سمندر میں ہے خریدار اول اس مال کی حوالگی پر قادر نہیں ہے، نیز دوسرے خریدار تک مال کی وصولی تک وہ مال کی ضمانت بھی نہیں لے رہا ہے، اس لئے مال کی وصولیابی سے پہلے خریدار اول کے لئے اس کی فروختگی جائز نہیں ہوگی۔

مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا شاہین جمالی، مفتی حنیف ملی۔

☆ درج ذیل تین علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ چونکہ خریدار اول کا مال پر قبضہ حکمی پایا گیا، لہذا وہ دوسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت تو کر سکتا ہے، لیکن وصولی سے پہلے اگر مال ضائع ہو جائے تو اس کا ضمان خریدار اول ہی پر ہوگا، خریدار ثانی کا اس مال پر نہ تو قبضہ پایا گیا ہے اور نہ ہی خریدار اول کی جانب سے حمل و نقل یا تحلیہ وغیرہ کوئی عمل صادر ہوا ہے، لہذا اگرچہ زبانی معاہدہ بھی ہو جائے اس مال کو خریدار ثانی کے ضمان میں داخل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی۔

☆☆☆

عرض مسئلہ:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سوال نمبر ۱

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

بیج قبل القبض کے مسئلہ پر کل چالیس علماء اور تیرہ طلبہ تخصص نے اپنی تحریریں اکیڈمی کو بھیجی ہیں، ان کے نام درج ذیل ہیں:

مولانا ابوالحسن علی، مفتی جمیل احمد ندیری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مفتی عبدالرحیم قاسمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مولانا عبد الرحمن پالنپوری، مولانا منظور احمد قاسمی، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا اقبال قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی، مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا تنویر احمد قاسمی، مفتی شاہین جمالی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی محبوب علی وجہی، مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبد الرحمن مدنی، مولانا ابراہیم گبیا فلاحی، مفتی محمد زید مظاہری، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا ابوجندل قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا احمد ابو موسیٰ، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا عزیز اختر القاسمی، مفتی شکیل احمد سیٹا پوری، مولانا ڈاکٹر اسرار

الحق سبیلی، حکیم ظل الرحمن اور راقم الحروف۔

طلبہ تخصص میں گیا رہ طلبہ دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد، اور دودارالعلوم حیدر آباد کے ہیں، جہاں تک ”بیع قبل القبض“ کے جائز اور ناجائز ہونے کی بات ہے، تو سوائے حکیم ظل الرحمن کے یہ سبھی حضرات اس کے ناجائز ہونے پر متفق ہیں، اور ان حضرات کا استدلال حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت جابر بن عبد اللہؓ اور حضرت حکیم بن حزام کی ان صحیح اور صریح روایات سے ہے جو صحاح اور مسند احمد میں منقول ہیں، حکیم صاحب نے ”بیع سلم“ سے استدلال کیا ہے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ بیع سلم مستثنیات میں سے ہے، اس لئے ان صریح روایات کے مقابلے میں یہ دلیل قابل قبول نہیں ہو سکتی، محترم جناب شمس پیرزادہ صاحب کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ بیع قبل القبض ہے تو ناجائز ہی ہے، لیکن ”مروجہ کار و باری طریقوں میں جہاں ضرورت متقاضی ہے اور غرر کا اندیشہ نہ ہونے کے برابر ہے اور بائع کی طرف سے ضمانت بھی ہے، تو ایسی صورت میں بیع قبل القبض کی اجازت ہوگی“، گویا موصوف بیع قبل القبض کی ممانعت کی نصوص کو غرر پائے جانے کے ساتھ مشروط تصور کرتے ہیں، اسی طرح اصولی طور پر عدم جواز سے وہ بھی متفق ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بعض جزئی اختلافات سے قطع نظر، بیع قبل القبض کی ممانعت ایسی صحیح اور صریح نصوص پر مبنی ہے کہ اس سے نہ صرف نظر ممکن ہے اور نہ تاویل کی گنجائش ہے، شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو کہ اس مسئلہ پر امت کا اجماع و اتفاق ہے، صرف ابن حزم نے اس سلسلے میں عطاء اور نووی نے عثمان بنی کا اختلاف نقل کیا ہے (دیکھئے: المحلی ۵۲۰/۸، شرح نووی شرح مسلم ۵/۲)، لیکن نووی کی یہ بات بالکل بجا معلوم ہوتی ہے کہ یہ شاذ اور غیر معتبر قول ہے، ”و اما الخلاف فیما سواہ فهو شاذ متروک“ (شرح نووی شرح مسلم ۵/۲)، اس لئے اس پر مزید گفتگو کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی، رہ گئی یہ بات کہ اس کی تفصیل میں فقہاء کے درمیان کیا اختلاف رائے پایا جاتا ہے تو یہ سوال نمبر ۵۲۳ میں زیر بحث ہے، اس لئے اس پر آپ مستقل عرض سماعت فرمائیں گے۔

سوال نمبر ۱ کا دوسرا جز یہ ہے کہ اگر بیع قبل القبض ناجائز ہے تو یہ کس زمرے میں داخل ہے؟ بیع باطل ہے یا فاسد یا مکروہ؟ محض مکروہ ہونے کا کوئی قائل نہیں، مولانا منظور احمد قاسمی اور مولانا ابوسفیان مفتاحی نے بیع باطل قرار دیا ہے، مولانا عبدالعظیم اصلاحی کا خیال ہے کہ عوضین شریعت کی نظر میں مال ہوں تو بیع فاسد ہوگی، ورنہ باطل، میرے خیال میں دونوں حضرات نے جن صورتوں کو بیع باطل قرار دیا ہے، اس کے باطل ہونے میں شاید کوئی اختلاف نہ ہو، سوال کا منشاء وہ صورتیں ہیں جن میں ربوانہ پیدا ہوتا ہو اور خرید و فروخت ایسی چیز کی جاری ہو جو شریعت کی نظر میں مال ہو، اس لئے سمجھنا چاہئے کہ ان دو حضرات کے نزدیک بھی یہ بیع، بیع فاسد ہی کے زمرے میں داخل ہے، یہی نقطہ نظر مولانا منظور احمد اور مولانا مفتاحی کے علاوہ سبھی حضرات کا ہے، البتہ مولانا سلطان احمد اصلاحی کا نقطہ نظر میری سمجھ میں نہیں آیا، وہ لکھتے ہیں کہ ”اس پر بیع باطل، فاسد اور مکروہ تینوں کے احکام وارد کئے جاسکتے ہیں۔“

جن حضرات نے بیع باطل قرار دیا ہے ان کی دلیل فقہاء کی بعض عبارات ہیں جیسے ابن ہمام کا قول:

”وقبل القبض فى المنقول لا ينعقد اصلاً“ (فتح القدیر ۶/۴۲) (مولانا منظور احمد قاسمی)۔

اور ابن نجیم کی یہ عبارت:

”فلم ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم“ (البحر الرائق ۵/۲۷۹)۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اگر بیع قبل القبض میں بائع اور خریدار معاملہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں، اور بیع ایسی چیز کو بنایا گیا ہو جس میں بیع بننے کی صلاحیت ہو تو یہ بیع فاسد ہی ہوگی، جیسا کہ اکثر حضرات کی رائے ہے نہ کہ باطل۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عام طور پر فقہاء نے بیع باطل و فاسد کی جو تعریف کی ہے وہ خاصی مبہم ہے، یعنی یہ کہ جو بیع اصل کے اعتبار سے مشروع و درست نہ ہو وہ باطل ہے، اور جو کسی خارجی

وصف کی وجہ سے نادرست قرار دی گئی ہو وہ فاسد ہے (دیکھئے: فتح القدیر وغنایہ ۶/۲۰۲)، لیکن عمدۃ الفقہاء علامہ شامی نے اپنے مزاج و مذاق خاص کے مطابق اس عقدہ کو بھی حل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”کل ما اورث خلافاً رکن البیع فهو مبطل، و رکن البیع هو الإيجاب والقبول، بأن كان من مجنون أو صبی لا یعقل..... أو فی محله اعنی المبيع، فإن الحلل مبطل، بأن كان البیع مینة أو دماً أو حراً أو خمرًا“ (رد المحتار ۴/۱۱۲ طبع کوئٹہ)۔

اس طرح بیع باطل وہ ہے جس میں ایجاب و قبول درست نہ ہو، جس کی ایک صورت یہ ہے کہ ایسے اشخاص سے ایجاب و قبول کا صدور ہوا ہو جو اس کے اہل ہی نہ ہوں، یا ایسی چیز کو بیع کا محل بنایا گیا ہو جس میں محل بیع ہونے کی صلاحیت ہی نہ ہو۔

اس اصول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر خریدار اور فروخت کنندہ بیع کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں اور معاملہ کی اساس (بیع) ایسی چیز کو بنایا گیا ہو جو شرعاً مال ہو تو یہ بیع باطل نہیں ہوگی، بیع قبل القبض کی ممانعت اصل میں اس اندیشے کی وجہ سے ہے کہ معلوم نہیں بائع اس کو خریدار کے حوالہ کر سکے گا یا نہیں؟ اور ابن ہمام کے بقول: ”الوجه عندی ان عدم القدرة علی التسليم مفسد لا مبطل“ (فتح القدیر ۶/۴۲۲)۔

یہ تو اصولی بحث تھی، فقہاء کے یہاں ایسی تصریحات بھی موجود ہیں جن سے اس بیع کا فاسد ہونا معلوم ہوتا ہے، نہ کہ باطل، درمختار میں ہے:

”وفسد بیع المنقول قبل قبضه ونفی الصحة یحتملہما“ (الدر المختار ۴/۱۸۲ طبع کوئٹہ)۔

(مال منقول کی بیع قبضہ سے پہلے فاسد ہو جائے گی اور بیع کے صحیح ہونے کی نفی باطل ہونے کا بھی احتمال رکھتی ہے اور فاسد ہونے کا بھی)۔

اس پر شامی کا بیان ہے:

”أى يحتمل البطلان والفساد والظاهر هو الثانى؛ لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركنى العقد“ (رد المحتار ۳/۱۸۲)۔

(یعنی بطلان اور فساد دونوں کا اس لفظ میں احتمال ہے اور یہ ظاہر فاسد ہونا مراد ہے، اس لئے کہ (جیسا کہ مذکور ہوا) فساد کی علت غرر ہے اور ایجاب و قبول پایا جا رہا ہے۔

اس لئے یہ بیع فاسد ہے، بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ قبضہ کے بعد خریدار کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، البتہ اہم سوال یہ ہے کہ بیع فاسد کے ذریعہ جو چیز خریدی گئی ہے اگر اس کو نفع کے ساتھ فروخت کیا جائے تو وہ نفع حلال ہوگا یا نہیں؟ عام طور پر فقہاء نے اس کی بابت لکھا ہے: ”لا یطیب له الربح“۔

میرا خیال یہ ہے کہ ”لا یطیب له الربح حرمت یا کراہت تحریمی کا اظہار نہیں ہے، بلکہ اس سے کراہت تنزیہی کی طرف اشارہ ہے، اس سلسلہ میں علامہ بارتی کی یہ عبارت قابل توجہ ہے:

”ورد بأن المبيع لو كان ما كولا لم يحل أكله ولو كانت جارية لم يحل وطؤها ذكره فى شرح الطحاوى فلم يملك التصرف مطلقا وأجيب بالمنع فإن محمداً نص فى كتاب الاستحسان على حل تناوله، قال: لأن البائع سلطه على ذلك وذكر شمس الأئمة الحلوانى يكره الموطأ ولا يحرم فالمدكور فى شرح الطحاوى يحمل على عدم الطيب“ (عنایہ مع الفتاویٰ ۶/۳۶۶)۔

فقہاء کے یہاں بیع فاسد کی تعبیر بہت عام ہے، چاہے فساد کا سبب حق اللہ ہو یا حق العباد، ظاہر ہے کہ اگر فساد حق اللہ کی بنا پر ہو تب تو یہی حکم ہوگا، جیسے شراب کی بیع یا مردار وغیرہ کو معاملہ میں شمن کا درجہ دینا، لیکن اگر فساد بیع کا سبب حق العبد ہو جیسے اندیشہ غرر کہ شاید بائع خریدار کو بیع حوالہ ہی نہ کر پائے یا اندیشہ نزاع کہ ممکن ہے، بیع کی تعین میں آئندہ اختلاف پیدا ہو جائے تو اگر بیع خریدار کے حوالہ کر دی گئی اور نزاع پیدا نہ ہوئی تو وجہ فساد کا نہ پایا جانا متحقق ہو گیا، اس لئے

اس صورت میں خیال ہوتا ہے کہ نفع کو حلال ہونا چاہئے، کیونکہ نہ بائع نے کسی حرام چیز کو بیع یا شمن کا درجہ دے کر شریعت کی بے حرمتی کی ہے، اور نہ دھوکہ دہی سے کام لیا ہے۔

یہ خیال نہ ہونا چاہئے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت چونکہ حدیث میں ہے، اس لئے یہ صورت بھی شریعت کی بے حرمتی کے مترادف ہے، کیونکہ بیع قبل القبض کی ممانعت بذات خود مقصود نہیں، اگر ایسا ہوتا تو بیع استھناع اور بیع سلم کی بھی اجازت نہ ہوتی، مقصود لوگوں کو غرر سے بچانا ہے، یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے شرط کے ساتھ خرید و فروخت کو منع کیا گیا ہے، اور یہ بھی بیع فاسد ہے، لیکن اگر کوئی شرط معروف و مروج ہو جائے تو فقہاء نے اس کو مستثنیٰ قرار دیا ہے، کیونکہ اصل مقصود نزاع سے بچانا ہے، اور جب کوئی چیز معروف و مروج ہو جاتی ہے تو وہ باعث نزاع نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے مضاربہ اور شرکت کے بعض معاملات کو فاسد قرار دینے کے باوجود اس کے نفع کو حلال قرار دیا ہے۔

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اس سلسلہ میں مشائخ کے یہاں مجھے کوئی صراحت نہیں مل پائی، البتہ ماضی قریب کے معروف و ممتاز مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی نگاہ دور رس نے اس طرف اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

”إن من البيوع الفاسدة مالواً تي بها أحد جازت ديانة، وإن كانت فاسدة قضاء، وذلك، لأن الفساد قد يكون لحق الشرع بأن اشتمل العقد على مآثم فلا يجوز بحال، وقد يكون الفساد لمخافة التنازع ولا يكون فيه شيء آخر يوجب الائم، فذلك إن لم يقع فيه التنازع جاز عندى ديانة، وإن بقي فاسداً قضاء لأنتفاع علة الفساد وهى المنازعة، ويدل عليه مسائلهم فى باب المضاربة والشركة، فإنه ربما تكون فاسدة مع أن الربح يكون طيباً وراجع ”الهداية“ وبه الحافظ ابن تيمية فى رسالته على أن من البيوع مالا يفع فيه النزاع فتكون تلك جائزة فإذا دخلتها فى الفقه وجدتها محظورة، لأن أكثر

أحكام الفقه تكون من باب القضاء والديانات فيها قليلة، وإنما يصار إلى القضاء بعد النزاع، فإذا لم يقع النزاع ولم يرفع الأمر إلى القاضي نزل حكم الديانة لامحالة فيبقى الجواز“ (فيض الباری ۲/۲۵۸)۔

(بیع کے بعض فاسد معاملات وہ ہیں کہ اگر کوئی ان کو کرے لے تو دیانہ جائز ہے گو قضاء فاسد ہے، اور وہ اس لئے کہ فساد کبھی حق شرع کی بنا پر ہوتا ہے، بایں طور کہ انجام دیا گیا معاملہ کسی گناہ کو شامل ہو تو یہ کسی حال میں جائز نہیں، اور کبھی معاملہ اندیشہ نزاع کے تحت فاسد ہوتا ہے اور اس میں کچھ اور باعث گناہ نہیں ہوتا، تو اگر اس میں نزاع کی صورت نہ پیدا ہو تو میرے نزدیک یہ معاملہ دیانہ جائز ہے، گو یہ قضاء فاسد رہے گا، کیونکہ نزاع جو علت فساد تھی وہ موجود نہیں اور اس کی دلیل مضاربت و شرکت کے ابواب کے مسائل ہیں، کہ بعض اوقات یہ معاملات فاسد ہوتے ہیں، لیکن نفع حلال ہوتا ہے (اس سلسلہ میں ”ہدایہ“ سے مراجعت کی جاسکتی ہے)، نیز حافظ ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ میں اس پر تنبیہ فرمایا ہے کہ جس بیع میں نزاع پیدا نہ ہو وہ جائز ہوگی، اگر تم اس کو باب فقہ میں داخل کر دو گے تو ناجائز پاؤ گے، کیونکہ فقہ کے اکثر احکام و قضاء کے باب سے ہوتے ہیں، اور دیانت کے احکام اس میں بہت کم ہوتے ہیں، قضاء کی طرف اسی وقت رجوع کیا جاتا ہے کہ نزاع پیدا ہوگئی ہو، لہذا اگر نزاع پیدا نہیں ہوئی اور معاملہ قاضی کے پاس نہیں گیا تو لامحالہ دیانت کا حکم جاری ہوگا اور جواز باقی رہے گا)۔

پس ”بیع قبل القبض“ فاسد ہے، قبضہ کے بعد اس پر خریداری ملکیت حاصل ہو جاتی ہے، اور اگر وہ فروخت کرے اور نفع حاصل ہو تو اس سے استفادہ کی گنجائش ہے، البتہ حاصل شدہ نفع کو صدقہ کر دینا بہتر اور قرین احتیاط ہے۔

قبضہ کی حقیقت کے بارے میں سوائے مولانا اخلاق الرحمن قاسمی کے سمجھوں کا اتفاق ہے کہ یہ بنیادی طور پر عرف پر مبنی ہے، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی کا خیال ہے کہ ”قبضہ کے باب اور حد میں عرف کو دخل نہیں“، بلکہ خود شریعت نے اس کی حد مقرر کر دی ہے، چنانچہ حدیث میں

وارد ہے: ”یأمرنا بانتقاله من المكان الذی ابتعاه فیہ الی مکان سواه قبل أن یبعده“۔

تاہم صحیح نقطہ نظر وہی نظر آتا ہے جس کا اظہار اکثر حضرات نے کیا ہے کہ شریعت نے قبضہ کی حقیقت اور حد کو قطعی طور پر بیان نہیں کیا ہے، بلکہ یہ ان الفاظ میں سے ہے جس کی حقیقت عرف سے متعین ہوگی، سیوطی وغیرہ نے اس سلسلہ میں اصولی بات لکھی ہے کہ:

”کل ماورد به الشرع مطلقا ولا ضابط له فیہ ولا فی اللغة یرجع فیہ الی العرف، ومثله بالحرز فی السرقة والتفرق فی البیع والقبض“ (الاشیاء والنظار للسیوطی ۱۹۶)۔

(شریعت میں جو لفظ مطلق وارد ہوا ہو اور اس کی بابت نہ شریعت میں ضابطہ مقرر ہو اور نہ لغت میں تو اس میں عرف کی طرف لوٹایا جائے گا، چوری کے مسئلہ میں ”حرز“ (حفاظت) بیع میں ”تفرق“ نیز ”قبضہ“ سے فقہاء نے اس کی مثال دی ہے)۔

فقہاء حنفیہ میں علامہ علاء الدین کاسانی (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)، فقہاء مالکیہ میں ابوالبرکات دردریر (الشرح للکبیر علی ہامش الدسوقی ۳/۱۳۵)، شافعیہ میں نووی (شرح مہذب النووی ۹/۲۷۵)، اور حنابلہ میں ابن قدامہ (المغنی ۴/۹۰) کے یہاں صراحت ملتی ہے کہ قبضہ کا مفہوم عرف پر محمول ہے۔

چنانچہ خود روایتوں میں قبضہ کی مختلف صورتیں موجود ہیں، یعنی احادیث میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سامان منتقل کرنے کو قبضہ قرار دیا گیا ہے (دیکھئے: الموطن امام مالک ۲۶۳ عن عبد اللہ بن عمر)، بعض روایتوں میں خرید کردہ مال کو کجاوہ میں منتقل کر لینے کو قبضہ کہا گیا ہے (ابوداؤد ۲/۴۹۴، عن زید بن ثابت)، اور حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں ناپ تول کو قبضہ قرار دیا گیا ہے (مسلم ۵/۲)، اس لئے روایت میں قبضہ کی کوئی خاص صورت منقول ہو تو وہ قبضہ کے مفہوم کی تحدید و تعین نہیں ہے، بلکہ قبضہ کی صورتوں میں سے ایک صورت کا بیان ہے، تاہم بنیادی طور پر فقہاء

کے یہاں قبضہ تخلیہ سے عبارت ہے، علامہ کاسانی کے الفاظ میں:

”القبض هو التمكن والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة وحقيقة“ (بدائع الصنائع ۵/۲۳۳)۔

(قبضہ کے معنی تمکن و تخلی ہیں اور عرف و عادت اور حقیقت کے اعتبار سے موانع کے ختم ہو جانے کے ہیں)۔

گو فقہاء کے کلام سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ حنفیہ کا مسلک ہے، دوسرے فقہاء کے نزدیک صرف اموال غیر منقولہ میں تخلیہ قبضہ ہے، اموال منقولہ میں نہیں، لیکن میرے خیال میں کوئی جوہری اختلاف نہیں، بلکہ حنفیہ نے ”تخلیہ“ کے مفہوم میں وسعت پیدا کی ہے، اور تخلیہ حقیقی و حکمی کی دو صورتیں کر کے استیلاء کی تمام صورتوں کو اس میں سمیٹ لیا ہے، اور دوسرے فقہاء نے ”تخلیہ“ کو تخلیہ حقیقی تک محدود کر کے اس کا دائرہ نسبتہ تنگ رکھا ہے، اور اس کے مقابلہ میں قبضہ کی دوسری کیفیات متعین کی ہیں، اگر تخلیہ حکمی کی کیفیات شامی وغیرہ کتب حنفیہ میں دیکھی جائیں اور اموال منقولہ میں قبضہ کی تفصیلات دوسرے فقہاء کی کتابوں میں، تو کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوگا۔

بہر حال فقہاء کی عبارات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ تسلیم کے لئے ”تخلیہ“ ضروری ہے، اور تخلیہ محض اس بات کا نام ہے کہ بیع اور خریدار کے درمیان کوئی رکاوٹ اور خریدار کے لئے مانع تصرف باقی نہ رہے، علامہ کاسانی کے الفاظ میں:

”فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلو البائع بين المبيع والمشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه“ (بدائع الصنائع ۵/۲۳۳)۔

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ بعض اشیاء میں اصل شیء پر قبضہ ممکن نہیں ہوتا، یا بہت دشوار ہوتا ہے، تو جہاں ایسی صورت درپیش ہو وہاں ”سند شیء“ کو اصل شیء کا درجہ

حاصل ہوگا، اور سند پر قبضہ اصل پر قبضہ کے حکم میں ہوگا، میں اس کی دو مثالیں پیش کروں گا:
الف- اگر کوئی شخص ایک مقام سے روپیوں کا ڈرافٹ بنوا کر دوسرے شہر لے جائے
اور اس کے بدلہ نقد رقم حاصل کرے تو یہ طرفین کی طرف سے تقابض فی المجلس ہی تصور کیا جائے گا،
اور اس کا شمار بوافساد میں نہ ہوگا۔

اس سلسلہ میں فقہاء کی اس نظیر سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جس میں مکان کی کنجی پر قبضہ
کو مکان پر قبضہ کے حکم میں رکھا گیا ہے، کہ یہ اسناد بھی گویا سرمایہ کے لئے کلید ہی کا درجہ رکھتے
ہیں۔

البتہ میں نے جس قدر بھی غور کیا ہے یہ بات صحیح نظر نہیں آتی کہ محض کسی سامان کے
نقصان کی ضمانت قبول کر لینے کو قبضہ تصور کیا جائے۔



عرض مسئلہ:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سوال نمبر ۲

مفتی محمد رفیع اختر ندوی

معزز علمائے گرامی قدر!

یہ عرض مسئلہ زیر بحث سوالنامہ کے دو جزء سے تعلق رکھتا ہے، پہلا جزء ”مختلف سامانوں میں قبضہ کی مطلوبہ نوعیت و صورت کیا ہے؟ اور دوسرا جزء قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کا دائرہ اور اس بابت مختلف ائمہ مجتہدین کی آراء اور دلائل کیا ہیں؟

ان دونوں اجزاء پر تمام مقالہ نگار علمائے کرام نے اپنی تحریروں میں کتب حدیث و فقہ کے متعلقہ مسائل اور ائمہ مجتہدین کی آراء اور ان کے دلائل کی تفصیلات کا عطر کشید کر کے اپنی اپنی ترتیب و اسلوب میں پیش فرمایا ہے، چونکہ یہ ساری تفصیلات بیشتر مقالات میں محض نقل و اقتباس کی حیثیت سے اور محدودے چند میں تبصرہ و رائے کے ساتھ آئی ہیں، اس لئے ان دونوں اجزاء کی بابت مقالہ نگار حضرات کے درمیان کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے، ہم ذیل میں بالترتیب ان دونوں اجزاء کے مشتملات اور اس بابت چند قابل غور نکات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ مختلف سامانوں میں قبضہ کی مطلوبہ نوعیت:

سوالنامہ میں یہ سوال ان الفاظ میں آیا ہے: ”اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی

نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق ہوگا یا دونوں میں قبضہ کی ایک ہی صورت ہوگی؟

حقیقت یہ ہے کہ مذابب اربعہ کے فقہاء کا جب یہ اتفاق ہے کہ قبضہ کی حقیقت میں لوگوں کا عرف ہی معیار ہے اور ہر شے پر قبضہ اس شے کی نوعیت کے لحاظ سے معتبر ہے، تو پھر اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی ایک ہی صورت کیونکر ہو سکتی ہے، تاہم اشیاء چونکہ بے شمار ہیں، اور ہر دور کا عرف و رواج بھی اس میں مؤثر ہوتا ہے، اس لئے فقہاء حنفیہ نے ایک ایسی جامع تحدید کرنی چاہی جو مختلف اشیاء میں معتبر قبضہ کی نوع بہ نوع شکلوں پر محیط ہو، اور جس سے قبضہ کی کچھ حقیقتیں بھی سامنے آ جاتی ہو، چنانچہ انہوں نے منقولہ اور غیر منقولہ تمام اشیاء میں ”تخلیہ“ کو قبضہ قرار دیا، تخلیہ کا مفہوم علامہ کا سانی کے الفاظ میں یہ ہے کہ خریدار اور سامان کے درمیان رکاوٹ اس طرح دور کر دی جائے کہ خریدار کو اس پر تصرف کی قدرت حاصل ہو جائے، ظاہر ہے کہ تخلیہ اور اس کا یہ مفہوم اپنا ایک وسیع دائرہ رکھتا ہے جس میں حسی اور معنوی قبضہ کی بہتیری شکلیں سمٹ کر آ جاتی ہیں، جو مختلف اشیاء میں ان کی نوعیت کے لحاظ سے جدا جدا ہوتی رہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ تخلیہ کو منقولہ اور غیر منقولہ تمام اشیاء میں قبضہ قرار دیتے ہوئے، تفصیلات میں آ کر فقہاء حنفیہ خود مختلف اشیاء میں قبضہ کے اعتبار کے لئے علاحدہ علاحدہ شکلوں کو ضروری قرار دیتے ہیں، علامہ ابن عابدین شامی نے تخلیہ کو حکمی قرار دیتے ہوئے ”لکن ذلک یختلف بحسب حال المبیع“ کہہ کر اس ضمن میں جو مثالیں بیان کی ہیں، وہ اس حقیقت کی واضح غمازی کرتی ہیں۔

فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے بھی غیر منقولہ اشیاء جیسے مکانات و اراضی وغیرہ میں تخلیہ کو قبضہ مانا ہے، لیکن اشیاء منقولہ میں قبضہ کی شکلیں متعین کرتے ہوئے ناپ، تول، وزن اور عدد والی اشیاء میں انہی امور کی انجام دی، جزا، یعنی مجموعہ کے بطور خرید و فروخت میں منتقلی، درہم و دینار جیسی چیزوں کو ہاتھ میں لے لینے وغیرہ کی مثالیں دی ہیں، ظاہر ہے کہ ان شکلوں کی تعین مثالوں ہی کی حیثیت رکھ سکتی ہیں، اصولی تحدید اگر تلاش کی جائے تو مالکی، شافعی، اور حنبلی تینوں دبستان فقہ اس بابت عرف ہی کو معیار قرار دیتے ہیں، اور فقہ حنفی کی ترجمانی کرتے ہوئے

علامہ کاسانی بھی مفہوم قبضہ کی تشریح میں ایک دوسرے مقام پر عرف کی اثر اندازی کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں: ”لأن معنى القبض هو التمكن والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة و حقيقة“۔

ان تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فقہاء عظام نے اپنے اپنے دور کے عرف و رواج کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف اشیاء میں قبضہ کی مختلف شکلیں متعین فرمائی ہیں، اور احادیث و روایات میں اگرچہ قبضہ کا کوئی متعین مفہوم و مصداق بیان نہیں ہوا ہے، لیکن قبضہ کی جن مختلف کیفیات کی جانب اشارے موجود ہیں، مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ناپ تول، حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت میں اپنے کباہہ میں منتقلی اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں مقام خریداری۔۔۔ دوسرے مقام تک منتقلی، ان کیفیات کو بھی بعینہ فقہاء نے ضروری نہیں قرار دیا ہے، جبکہ امام نوویؒ نے تو صراحت فرمائی ہے کہ اپنے کباہہ میں منتقلی کی شرط کے غیر لازمی ہونے پر اجماع ہے، ”و اما التخصص بالرحال فخرج على الغالب ودل الاجماع على انه ليس بشرط في أصل النقل“ (المجموع ۹/۲۸۳)۔

لہذا ہمارے سامنے قابل غور امر اب یہ آتا ہے کہ آج کے دور میں جہاں خرید و فروخت کے نئے نئے طریقے سامنے آگئے ہیں، تجارتی کاروبار بہت ہی تیز رفتار ہو گئے ہیں، سامانوں کی رسید، بلٹی، قیمتوں کی ادائیگی میں چیک، ڈرافٹ، کرنسیوں کے نقل و تبادلے اور مختلف اشیاء میں جاری کئے جانے والے سرفیکلز وغیرہ کی بابت موجودہ عرف و رواج کو سامنے رکھتے ہوئے قبضہ کی کیا شکلیں اور کیفیات ہوں گی، اس سلسلہ میں اصولی اور تطبیقی دونوں طرح کی تحدید کی ضرورت ہے۔

۲۔ ممانعت بقی قبل القبض کا دائرہ:

قبضہ سے قبل خرید و فروخت کی ممانعت کے باب میں رسول اللہ ﷺ سے مروی احادیث بنیادی طور پر دو طرح کی ہیں، ایک جن میں طعام کی قید کے ساتھ ممانعت وارد ہوئی ہے، کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے الفاظ کے تھوڑے بہت فرق کے ساتھ مروی متعدد روایات، حضرت ابن عمرؓ کی متعدد روایات، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایات طعام کی صراحت کے ساتھ آئی ہیں، دوسری قسم کی روایات میں ممانعت علی الاطلاق ہے، حضرت حکیم بن حزام کی حدیث ہے: ”فإذا اشتریت ببعاً فلا تبعه حتى تقبضه“ (مسند احمد)، اور ایک دوسری روایت میں ”ببعاً“ کی جگہ ”شیناً“ کا لفظ ہے، اور حضرت زید بن ثابت کی حدیث ہے: ”نہی أن تباع السلع حيث يتباع حتى يجوزها التجار إلى رجالهم“ (ابوداؤد)، ان دونوں احادیث میں ”کوئی چیز“ اور ”سامانوں“ کے الفاظ عمومی ممانعت کو بتا رہے ہیں، مگر روانہ کرتے ہوئے حضرت عتاب بن اسید کو دیئے گئے حکم ”انہم عن بیع مالہم یقبضوہ“ میں بھی عمومی ممانعت کا اسلوب ہے، ان دو قسموں کی احادیث کے علاوہ چند روایات ایسی بھی ہیں جن سے سامان یا قیمت میں قبضہ سے پہلے تصرف کی مثالیں ملتی ہیں، حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا حضرت عمرؓ سے اونٹ کی خریداری کے بعد قبضہ سے قبل حضرت ابن عمرؓ کو ہدیہ کر دینے، حضرت جابرؓ سے اونٹ کی خریداری اور قبضہ سے پہلے انہیں ہی ہدیہ کر دینے اور حضرت ابن عمرؓ کی روایت میں قبضہ سے قبل ثمن پر تصرف کے تذکرے ملتے ہیں۔

ان تینوں اقسام کی روایات کے پیش نظر فقہاء مجتہدین کے نزدیک اس بابت اختلاف رائے ہوا کہ قبضہ سے قبل خرید و فروخت کی ممانعت کا دائرہ کیا ہے، آیا یہ ممانعت تمام اشیاء کے لئے عام ہے یا حکم ممانعت سے کچھ چیزیں مستثنیٰ ہیں۔

پہلا رہنما حضرت امام شافعیؒ، امام محمد بن حسن شیبانیؒ اور امام زفر نے اختیار فرمایا ہے، اور عمومی ممانعت والی روایات اور بالخصوص طعام والی روایات کے ایک راوی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے واضح خیال ”وأحسب كل شيء مثله“ کی بنیاد پر حکم ممانعت کو بالکل عام قرار دیا ہے، فقہ شافعی کی ترجمانی کرتے ہوئے صاحب ”شرح المہذب“ صاف لکھتے ہیں: ”لا يجوز بيع المبيع قبل قبضه عقاراً كان أو منقولاً لا بإذن البائع ولا بغير إذنه لا قبل أداء الثمن ولا بعده“۔

امام ابو یوسف کی بھی ابتدائی رائے یہی تھی، اور ابن عقیل کی روایت کے مطابق حضرت امام احمد بن حنبل کا بھی ایک قول یہی ہے۔

دوسرا رجحان فقہاء حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کا اختیار کردہ ہے، ان حضرات کی آراء میں گرچہ کافی اختلاف ہے، لیکن مجموعی طور پر یہ ساری آراء حکم ممانعت سے کچھ اشیاء کو مستثنیٰ قرار دینے پر متفق ہیں۔

فقہاء حنفیہ میں سے امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف نے صرف اراضی و مکانات وغیرہ غیر منقولہ اشیاء کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، انہوں نے ایک جانب روایات جواز اور حلت بیع کے قرآنی حکم کے عموم اور دوسری جانب ممانعت والی روایات کے مقصد پر نظر رکھتے ہوئے علت کی بنیاد پر ان میں تخصیص اور دونوں آراء میں تطبیق کی راہ اپناتے ہوئے غیر منقولہ اشیاء میں جواز کی رائے دی ہے۔

فقہاء مالکیہ نے تمام غیر خوردنی اشیاء اور بلا تعین مقدار مجموعی طور پر خریدی ہوئی خوردنی اشیاء کو بھی مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے حکم ممانعت کو صرف ان اشیاء خوردنی کے دائرہ میں محدود رکھا ہے، جن کا حصول بطریق معاوضہ اور ناپ تول یا تعداد کے ساتھ ہوا ہو، امام مالک کی ایک دوسری روایت کی رو سے تمام مطعومات میں حکم ممانعت عام ہے، خواہ وہ جزافاتی کیوں نہ حاصل ہوئی ہوں۔

فقہاء حنابلہ کے نزدیک روایت المذہب کے مطابق صرف کیل، وزن، عدد اور ذراع کے ذریعہ خرید کی گئی اشیاء قبضہ سے پہلے فروخت کی جاسکتی ہیں، خود امام احمد بن حنبل سے اس بابت متعدد روایات منقول ہیں، ابن عقیل کی اختیار کردہ ایک روایت کے مطابق حکم ممانعت عام ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ صرف خوردنی اشیاء خواہ وہ کیلی اور وزنی ہوں یا نہ ہوں، قبضہ سے پہلے فروخت نہیں کی جاسکتیں، ابن عبد البر نے اسے ہی ”الأصح عن أحمد“ قرار دیا ہے، تیسری روایت کی رو سے قبضہ سے قبل فروختگی کا جواز صرف ان اشیاء میں ہے جو جزافاً، یعنی مجموعی طور پر خرید کی گئی ہوں، ان کے علاوہ اشیاء میں ممانعت ہے۔

ان دونوں رجحان سے ہٹ کر تمام ہی اشیاء میں جواز کا ایک تیسرا شاہ رجحان عثمان
الہتبی اور عطا سے منقول ہے جس کے غلط و باطل ہونے پر بقول امام نووی اجماع نقل کیا گیا ہے،
ابن عبد البر کہتے ہیں: ”هذا قول مردود بالسنة والحجة المجمعة على الطعام“۔
فقہاء کی آراء پر ایک نظر:

ان مختلف آراء پر بحیثیت مجموعی اگر نظر ڈالی جائے تو درج ذیل امور واضح ہو کر سامنے
آتے ہیں:

۱- خوردنی اشیاء میں قبضہ سے قبل خرید و فروخت کی ممانعت پر تمام فقہاء متفق ہیں،
فقہاء حنفیہ اور شافعیہ کی رائے تو واضح ہے، امام مالک نے کیل و وزن کی صورت میں ناجائز تو
قرار دیا ہی ہے، جزافا بھی قبضہ کے بعد ہی فروختگی کو انہوں نے اختلاف سے بچنے کے لئے بہتر
بتایا ہے، ”حکمی القاضی أبو محمد أن مالكا استحب أن يباع بعد نقله ليخرج من
الخلافة“ (قوانین ھبیہ ۲۳۹، ہدایہ المجتہد ۱۳۶/۲، منتقى ۲۸۳/۲)، اور امام احمد کی بھی صحیح روایت
میں تمام خوردنی اشیاء کی خرید و فروخت بشمول جزافا ممنوع قرار دیا گیا ہے، ابن قدامہ کے الفاظ
ہیں: ”وهذا يدل على تعميم المنع في كل طعام مع تنصيصه على المبيع
مجازفة“ (المنہج ۳۳۶/۲)، اسی لئے ابن المذہب نے اس پر اجماع نقل کرتے ہوئے کہا ہے: ”أجمع
أهل العلم على أن من اشترى طعاماً فليس له أن يبيعه حتى يستوفيه“ (سابق حوالہ)۔

۲- قبضہ سے قبل خرید و فروخت کا مسئلہ مجتہد فیہ ہے، تقریباً تمام فقہاء نے احادیث
ممانعت کو معلول بالعلہ قرار دیا ہے، گوکہ انہوں نے علاحدہ علاحدہ علتیں ذکر فرمائی ہیں، بنیادی
طور پر یہ علتیں تین ہیں: ربا، ربح الملم یضمّن اور غرر، موجودہ تجارتی کاروبار میں ان علتوں کے
وجود اور ان کے تناسب پر غور و فکر کی ضرورت ہے۔



عرض مسئلہ:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت

سوال نمبر ۳، ۴، ۵

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی

”بیع قبل القبض“ سے متعلق سوال نمبر ۵۲۳ کا عرض پیش خدمت ہے، سوال نمبر ۳ یہ

ہے کہ: اشیاء منقولہ و غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق ہوگا یا نہیں؟

اس بابت فقہاء کے کلام میں اگرچہ قبضہ کی ایک اصطلاحی و اصولی حیثیت و حقیقت کا تذکرہ ملتا ہے، بالخصوص حنفیہ کے یہاں، لیکن مذاہب اربعہ کے محققین کی صراحت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک یہ امر اتفاقی ہے کہ ہر شی میں قبضہ کی ایک ہی صورت متعین و مطلوب نہیں، بلکہ اشیاء کے اختلاف کے ساتھ۔ ان کے مناسب صورت و شکل کا اعتبار ہوگا اور اس میں بنیادی چیز عرف ہے، جیسا کہ ”الفقہ الاسلامی“ میں ذکر کیا گیا ہے، اس لئے اس بابت قبضہ حسی و قبضہ حکمی اور قبضہ حقیقی و تقدیری کی گفتگو بحث بھی آتی ہے، تفصیل کے لئے مذاہب اربعہ کی کتب مثلاً ”درمختار و رد المحتار، شرح الکبیر علی ہامش الدسوقی، الوجیز للامام الرافعی، المغنی لابن قدامہ“ ملاحظہ کی جائیں، فقہ حنفی کی ایک قدیم و معتد کتاب ”المصنف فی الفتاویٰ“ میں اس بابت یوں تفصیل آئی ہے:

قبضہ کی پانچ صورتیں ہیں:

اول۔ انگور کے باغ اور مکانات، نیز ایسی جگہیں جس کا دروازہ اور بند کرنے کا کوئی

نظام ہو تو یا تو بیچنے والا کبھی دے دے، ورنہ خریدار اگر اندر تک پہنچے اور بیچنے والا کہے کہ میں نے اس کو تمہارے سپرد کر دیا تو کافی ہے۔

دوم۔ زمین (یعنی خالی زمین جیسے کھیت) پر قبضہ تو اس کی صورت اس زمین پر پہنچنا ہے اور اس کو دیکھ لینا ہے۔

سوم۔ جانور پر قبضہ، اس کی صورت یہ ہے کہ جانور ایسی جگہ و ایسے حال میں ہو کہ خریدار اس کو اپنے ہاتھ و تصرف میں لے سکے۔

چہارم۔ ناپی و تولی جانے والی چیز پر قبضہ۔ اگر خریدار اس کو اپنے برتن میں تول لے یا بیچنے والا اس کے سامنے تول دے یا وکیل کی موجودگی میں تو قبضہ ہو جائے گا، اس طرح اگر خریدار نے برتن دے دیا اور اس کی غیر موجودگی میں تو لا گیا تو بھی امام بوضیفہ وغیرہ کے یہاں قبضہ ہے۔

پنجم: دیگر اشیاء پر قبضہ، تو اس کی صورت یہ ہے کہ ان کو خریدار کے سپرد کر دیا جائے، یا اس حال میں کر دیا جائے کہ خریدار جو چاہے کر سکے (المبئن فی الفتاویٰ ۳۸۰، ۳۸۱)۔

اس سوال کے تحت تمام مقالہ نگار حضرات مذکورہ تفصیل پر متفق ہیں، اور اس بابت عرف کا بھی تذکرہ کیا ہے، نیز بعض حضرات، جیسے مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا محمد زید مظاہری صاحب وغیرہ نے خصوصیت سے قبض حسی و قبض حکمی کی تفصیل کی ہے، البتہ اعظم گڑھ اور گجرات کے اکثر حضرات نے قبضہ کی بابت اصولی بات تحلیل کی جو کبھی گئی ہے اس کی بنیاد پر فرمایا ہے کہ فرق نہیں ہے، یا یہ کہ فرق نہ ہونے کا ذکر نہیں کیا، اگرچہ مذکورہ تفصیل ان میں سے اکثر حضرات کے کلام میں آئی ہے۔

اس گفتگو کو حضرت مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی کی تحقیق پر ختم کرنا مفید معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس عہد میں۔ معاملات کے باب میں امامت و اجتہاد کے منصب پر فائز تھے جس کی شاہد ان کی گرانقدر کتاب، عطریہ ہدایہ ہے اور دوسرے معاصر ار باب افتاء نے اس کی فی الجملہ تائید ہی کی ہے وہ فرماتے ہیں:

پھر اس امر میں کہ قبضہ معتبر کس طور کا ہے، فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، جن سب کا مرجع عرف پر ہے، اور ہے بھی بات کہ قبضہ کوئی شرعی ایجاد نہیں، جسے لوگ قبضہ سمجھتے آئے وہی شرع میں بھی قبضہ سمجھا گیا۔

خصوصاً اس زمانہ میں اس اعتبار قبض کو وسعت دینے کی سخت ضرورت ہے، مثلاً چٹکڑے مالوں سے بھرے آتے ہیں، اور کھڑے کھڑے کئی بار بک کر آخر کار مال اتارا جاتا ہے، تو ہر بار کسی قسم کی نقل و حرکت میں غالباً مصارف اصل کے قریب یا زیادہ بڑھ جائیں گے، پس ضرورتاً (۱) بٹلی، (۲) قول قبضہ سمجھ لیا جائے، مثلاً مال کی بٹلی پر دستخط کر کے حوالے کر دے یا بیچ کر کہہ دیا کہ تم لے لو، یہ قبضہ ہے، کیونکہ عرف موجودہ میں یہ تمام امور قبضہ جائز مقصود ہوتے ہیں اور ان سے مشتری کو باقاعدہ تصرف کا اختیار ہوتا ہے (مطراہدایہ ص ۳۸)۔

سوال نمبر ۴:

سوال نمبر ۴ میں یہ بات آئی ہے کہ اس بابت ممانعت کی احادیث معلول بالحد ہیں یا نہیں اور یہ کہ اگر معلول ہیں تو علت کیا ہیں؟

”بیع قبل القبض“ سے متعلق نبی کی احادیث کی بابت اگرچہ مالکیہ و حنفیہ کے یہاں ایک رہنما نبی کے تعدی اور غیر معلول ہونے کا پایا جاتا ہے (جیسا کہ فقہ المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵ اور المبدائع ۵/۲۴۴ میں تذکرہ آیا ہے)، مگر عموماً فقہاء کا رجحان یہ ہے کہ یہ احادیث و نبی معلول ہے، یہی وجہ ہے کہ مقالہ نگار حضرات میں سے اگرچہ بعض نے تعدی و غیر معلول ہونے کے پہلوؤں کو کئے ہیں، مگر سب اس پر متفق ہیں کہ یہ احادیث معلول ہیں۔

اور علت کیا ہے؟ تو اس بابت کئی چیزوں کا تذکرہ آیا ہے، زیادہ تر حضرات نے ترتیب اور تین علتوں کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۔ غرر انفساخ العقد: جس کا مطلب یہ ہے کہ بیع کا معاملہ طے پا جانے کے بعد۔ اگر خریدار نے مال پر قبضہ نہیں کیا تو اس کا اندیشہ پایا جاتا ہے کہ اس کے قبضہ سے پہلے خرید کردہ

سامان ضائع ہو جائے اور پھر فروخت کنندہ اس کو سپرد کرنے اور خریدار اس کو حاصل کرنے سے عاجز ہو جائے اور نتیجہ عقد کو فسخ کرنا پڑے، اس لئے کہ عقد بیع میں ”بیع“ خرید کردہ سامان ہی اصل ہوتا ہے۔

۲۔ ربح مالم یضمن: جس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی سامان کسی شخص کے ضمان میں داخل ہو تب ہی اس کے لئے اس کا نفع درست ہوتا ہے، اور ضمان میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سامان کا ضیاع و نقصان اس شخص کی ملک و اثاثہ کا ضیاع و نقصان شمار کیا جائے، اور خریدار جب تک کہ خرید کردہ سامان کو اپنے قبضہ میں نہ لے وہ اس کے ضمان میں نہیں آتا، لہذا قبضہ سے پہلے اس کو فروخت کر کے اس سے نفع حاصل کرنا۔ ایسے مال سے نفع حاصل کرنا ہے جو کہ ضمان میں داخل نہیں ہوا۔

۳۔ ربا و سود کے پہلو کا پایا جانا: اور وہ یوں کہ جب ایک آدمی ایک سامان کو خرید کر قبضہ و ہاتھ میں لئے بغیر دوسرے کے ہاتھ اسے بیچے گا تو حاصل معاملہ یہ نکلے گا کہ اس نے سو روپے کا سامان خرید کر ایک سو بیس میں دیا۔ اور یوں فروخت کنندہ اول کو سو روپے جو دیئے اس کے مقابلہ میں ایک سو بیس حاصل کر لئے، درمیان میں نہ سامان اپنے ہاتھ و قبضہ میں لیا اور نہ ہاتھ سے دیا۔

مولانا محمد برہان الدین سنہلی، مولانا اختر امام عادل صاحب نے بعض دوسری علتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے، جیسے بعض دوسرے حضرات نے غیر مقدور التسلم ہونے یا مزدوروں کی منفعت کے ضائع ہونے کا ذکر کیا ہے، (ان چیزوں کا تذکرہ مبسوط شرحی اور الفقہ علی المذاہب وغیرہ میں آیا ہے)، مگر زیادہ تر مذکورہ بالا تین علتوں کا تذکرہ مقالہ نگار حضرات نے کیا ہے، اور چند ہی حضرات ہیں جنہوں نے تیسری علت کا تذکرہ کیا ہے، کسی نے مالکیہ کی طرف نسبت کر کے اور کسی نے مطلقاً۔ جن میں مفتی شکیل احمد صاحب (دارالعلوم اسلامیہ بستی) نے صرف اسی علت کے ذکر و بیان پر اکتفاء کیا ہے اور اس کو مدار حکم قرار دیا ہے۔

ایک بڑی جماعت نے دوسری علت کا تذکرہ کیا ہے جن میں مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبداللطیف پالنپوری نے اس پر اکتفاء کیا ہے اس کے ساتھ غیر مقدور التسلیم ہونے کو ذکر کیا ہے۔

اور پہلی علت کا معاملہ یہ ہے کہ مفتی شکیل احمد، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبداللطیف پالنپوری صاحبان کے علاوہ بقیہ تمام حضرات اس کے ذکر پر متفق ہیں، اور غرر کی مناسبت سے بعض مقالہ نگار حضرات نے ”غرر“ کی تحقیق و تفصیل بھی کی ہے، خصوصیت سے مولانا خالد صاحب، مولانا نسیم احمد صاحب، مولانا ارشاد صاحب بھگلپوری اور اسی علت ”غرر انفساخ عقد“ کا عموماً فقہاء حنفیہ نے تذکرہ کیا ہے اور بعض محققین کی صراحت اور بعض مقالہ نگار حضرات کی نقل کے مطابق حنفیہ اور شافعیہ و حنابلہ اس پر متفق ہیں (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۵۷۳، ۷۴۷)، رہا کہ پہلو کا تذکرہ مالکیہ کے یہاں ملتا ہے، جن کے اس بابت کئی اقوال ہیں، جن میں یہ زیادہ معروف ہے، اور ”رج الم یضمن“ کا تذکرہ بھی فقہاء حنفیہ، اور دیگر بعض حضرات کے یہاں ملتا ہے، بلکہ امام طحاوی وغیرہ نے نیز بعض معاصر محققین نے اسی پر اکتفاء کیا ہے یا یہ کہ اس کو کثرت و اہتمام کے ساتھ ذکر کیا ہے (ملاحظہ ہو فتح الملمع اور اعلام السنن نیز امداد الفتاوی وغیرہ)، ان علتوں میں سے اہم و اساسی کون سی علت ہے، جبکہ ایک سے زائد علتوں کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے، اور کیا جاسکتا ہے، تو جائزہ لینے پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ روایات کی رو سے ان میں سے دو زیادہ اہم ہیں، یعنی دوسری و تیسری۔ رج الم یضمن اور رہا کا پہلو۔ ایک تو اس لئے کہ ان دونوں کے احاطہ سے معاملہ کی کوئی صورت خارج قرار نہیں پاتی۔

برخلاف پہلی علت کے کہ اس کے تحت ہی امام ابوحنیفہ کی طرف سے منقول و غیر منقول۔ اور زمین و جائیداد نیز دوسری چیزوں کا فرق کیا جانا معروف ہے، کیونکہ خرید و فروخت کا معاملہ ہو جانے کے بعد قبضہ سے پہلے خرید کردہ شی کے ضیاع کا تصور و اندیشہ زمین و مکان میں نہیں پایا جاتا، ایک و صورتوں کے علاوہ جن کا ”فتح القدیر“ وغیرہ میں استثناء بھی آیا ہے۔

دوسرے یہ کہ دوسری تیسری علت کے روایات و آثار میں وارد ہونے کی وجہ سے ان میں نص و منصوص ہونے کا پہلو پایا جاتا ہے۔

تیسری علت، یعنی ربا کا پہلو، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، اس کی وضاحت اور قوت سند کی وجہ سے کہ اس کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے، علامہ شوکانی نے اس کو اہمیت دی ہے، اور مولانا ظفر احمد صاحب نے بھی استحسان ذکر کیا ہے (اعلاء السنن ۱۳/۲۲۵، مسلم مع عمدة ۱/۳۵۴)۔

اور دوسری یعنی ”رجح المالم یضمن“ مرفوعاً ثابت وارد ہے، اسی لئے مولانا تقی صاحب عثمانی نے ”تکملة فتح الملم“ میں اس کو علت منصوصہ قرار دیا ہے، اس لئے کہ قبل القبض بیع کی ممانعت سے متعلق روایات میں مختلف الفاظ آئے ہیں، لیکن وہ عموماً ہم معنی اور ایک مفہوم کو ادا کرنے والے ہیں، البتہ ایک لفظ ”نہی عن ربح مالم یضمن“ بھی آیا ہے جس کو حضرات عبد اللہ بن عمرو بن عاص کے واسطے سے متعدد محدثین نے روایت کیا ہے، نیز حضرت عتاب بن اسید سے بھی مروی ہے، سنن اربعہ کے علاوہ مستدرک حاکم اور بیہقی کی سنن کبریٰ و مصنف عبد الرزاق وغیرہ میں بھی آئی ہے اور امام محمد نے بھی کتاب الآثار میں اس کو روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اس کو حسن صحیح کہا ہے، مقالہ نگار حضرات میں مولانا ارشاد احمد صاحب بھگلپور (ریاض العلوم گورینی) نے اس حدیث کی تخریج تفصیل سے کی ہے۔

انہ حدیث و فقہ میں امام احمد نے اس کو قبل القبض بیع کی ممانعت پر ہی محمول کیا ہے، جیسا کہ امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے، اور امام طحاوی نے اس نہی و ممانعت کو ربح المالم یضمن پر محمول کیا ہے، جیسے کہ امام محمد نے بھی اس کو اختیار کیا ہے (کتاب الآثار ص ۱۶۱)۔

اس لئے یہ لفظ ”الحدیث یفسر بعضہ بعضاً“ کے قاعدہ سے اس نہی و ممانعت کی علت کو بتاتا ہے، اور یوں یہ اس حکم و ممانعت کی علت منصوصہ قرار پاتی ہے۔ اور مذکورہ تینوں علتوں میں راجح یہی علت معلوم ہوتی ہے، جس کی متعدد وجوہ ہیں۔

اول تو یہ کہ یہ منصوص ہے اور خود شارع علیہ السلام کی زبان سے صادر ہوتی ہے۔
دوم یہ کہ اس سے اس باب کا کوئی جزئیہ باہر نہیں قرار پاتا، سوم یہ کہ فقہاء نے بیع قبل القبض کے تحت جو جزئیات ذکر کئے ہیں، اور جو فتاویٰ تحریر کئے ہیں، ان سے جس کثرت و وسعت سے اس کا اعتبار ظاہر ہوتا ہے دوسری علت کا نہیں۔

چہارم۔ یہ کہ یہ علت صرف خرید و فروخت کے باب میں ہی معتبر و مؤثر نہیں مانی گئی ہے، بلکہ دوسرے ابواب و معاملات، مثلاً شرکت و مضاربت وغیرہ میں بھی اس کا اعتبار کیا گیا ہے۔

پنجم: دوسرے بعض نبوی ارشادات جو کلیہ اور قواعد فقہیہ کی حیثیت رکھتے ہیں، ان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جیسے ”الخارج بالضمآن“، اور ”الغنم بالغرم“، مولانا تقی صاحب نے ”تکملہ فتح الملہم“ (۱/۳۵۳) کے حاشیہ میں ان احادیث کا تذکرہ کیا ہے، نیز مولانا ظفر احمد صاحب نے ”اعلاء السنن“ میں جہاں تک ربا کے پہلو والی علت کا معاملہ ہے تو وہ موقوف ہے، اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے اجتہاد پر مبنی ہے، جیسا کہ مولانا تقی صاحب نے ذکر کیا ہے (تکملہ ۱/۳۵۳)، پھر یہ کہ اس کے تحت ربا و احتمال ربا کا جو اعتبار کیا گیا ہے تو وہ براہ راست نہیں، بلکہ بالواسطہ ہے کہ دو معاملے مل کر یہ بات پیدا کرتے ہیں، اور اس طرح کی بالواسطہ صورتیں خود شارع علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق ساقط ہیں، معروف ہے کہ اچھی کھجور ایک کیلو، بمقابلہ دو کیلو معمولی کھجور کے آپ ﷺ نے منع فرمایا اور بالواسطہ اجازت دے دی کہ ایک کیلو کو بمقابلہ نقد فروخت کر کے، پھر نقد سے دو کیلو خرید لو، تو وہی آدمیوں کے درمیان ایک معاملہ دو کر دیا کر دیا گیا، تو درست قرار پا گیا، یہاں تو تین کے درمیان معاملہ ہوتا ہے۔

اور معرفت علت، غرر انفساں للعقد بھی اس سے الگ نہیں، اس لئے کہ اس کو مؤثر ماننے کا باعث یہی ہے کہ قبضہ سے پہلے ہلاک ہو جانے کی صورت میں خرید کردہ سامان خریدار کے ضمان میں نہیں آئے گا، لہذا قبضہ سے پہلے فروخت کا معاملہ اس جھڈشہ و اندیشہ کے ہوتے

ہوئے ”رج مالک یضمن“ پر ہی مشتمل وجہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ بعض محققین کے کلام میں یہ دونوں علتیں ملی جلی آئی ہیں (ملاحظہ ہو: عملہ فتح الملہم ۱/ ۳۵۳)۔

پھر یہ کہ اس علت کے تحت عقار کے استثناء میں کہا جاتا ہے کہ اس کی ہلاکت نادر ہے، دو ہی ایک صورتوں میں مقصود ہے۔ تو معاملہ یہ ہے کہ عقار کے ماسوا تمام منقولات میں بھی یہ ہلاکت نادر نہ سہی، لیکن ایسی واقعی و عام بھی نہیں کہ اس کو مدار حکم ہی مان لیا جائے، فقہ حنفی کی رو سے بھی یہ یوں اہم ہے کہ امام محمد نے مؤطا اور کتاب الآثار دونوں میں اس مسئلہ کے ذکر کے ساتھ امام صاحب کے اختلاف کا تذکرہ کیا ہے، مؤطا میں قبل القبض بیع سے ممانعت کی حدیث آئی ہے اس کے تحت اور ”کتاب الآثار“ میں بواسطہ امام ”نہی عن ربح مالک یضمن“ والی حدیث آئی ہے، اور ”قبل القبض بیع“ سے ممانعت والی روایت نہیں آئی ہے، تو ”کتاب الآثار“ میں اس حدیث کے تحت اختلاف کا تذکرہ کیا ہے، اور دوسری کوئی وجہ علت ذکر نہیں فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

”قوله ﷺ: ربح مالک یضمن - فالرجل یشتري الشيء، فلیبیعه قبل أن یقبض بربح فلیس، فینبغی له ذلک و کذلک لا ینبغی له أن یبیع شئنا اشتراة حتی یقبضه، وهذا کلة قول أبی حنیفة فیہ إلا فی خصلة واحدة“ (کتاب الآثار امام محمد ص ۱۶۱، ۱۶۲)، اس علت کی روشنی میں دو چیزوں کو طے کیا جاسکتا ہے، ایک تو قبضہ کی حقیقت اور دوسرے اس بابت تخصیص و استثناء کا مسئلہ۔ مختصر بات یہ کہ جب علت، ربح مالک یضمن قرار پاتی ہے تو کسی چیز کی خریداری کے بعد وہ امر و حال۔ قبضہ شمار ہوگا، کہ جس کے بعد خرید کردہ شے کا ضمان بائع کی طرف سے خریداری کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، خواہ شرعا خواہ عرفاً۔

اور یہ کہ اصل نہی و ممانعت سے کوئی شے باہر و خارج قرار نہیں پائے گی، جیسا کہ مجموعی روایات کا تقاضا ہے، بلکہ حکم عام ہوگا، اور منقول و غیر منقول اور عقار و غیر عقار سب میں ہی دیکھا جائے گا، کہ انتقال ضمان اور اس کی بنیاد پر معاملہ پایا جا رہا ہے یا نہیں، اس موقع سے یہ عرض

لہذا مناسب ہے کہ عموماً ”نہی عن بیع مالہ بقبض“ اور ”نہی عن ربح مالہ بضمن“ الگ الگ آیا ہے، لیکن ”کتاب الآثار“ بروایت امام ابو یوسف میں اور بروایت امام محمد میں بھی ایک موقع پر ایک ہی روایت آئی ہے، ”نہی عن ربح مالہ بضمن، و عن بیع مالہ بقبض“۔ ایک روایت کو دوسرے پر محمول کرنے کی وجہ سے یہ عطف تفسیری قرار دیا جائے گا، اور گزر چکا ہے کہ ائمہ فقہ و حدیث امام محمد، امام احمد، امام ترمذی و امام طحاوی اس کے قائل ہیں، امام صاحب کے استدلال میں اہتمام سے جو ”غرر“ کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو وہ خود ان سے منقول نہیں، بلکہ بظاہر ہمارے فقہاء کی تنقیح ہے، جس سے صرف عقار کا استثناء ہے جو کہ اصلاً حضرت عثمان کے اثر و عمل پر مبنی ہے اور یوں اس اصل و نص سے خارج ہے۔

سوال نمبر ۵:

سوال نمبر ۵ یہ ہے کہ ممانعت عام ہے یا یہ کہ اس میں استثناء بھی ہے، اور ائمہ کی آراء و

دلائل کیا ہیں؟

اس سلسلہ میں تمام مقالہ نگار حضرات نے کتب فقہ و شروح حدیث کے اندر اس مسئلہ میں جو اختلاف مشہور ہے، اس کا اختصار و ربط کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، متعدد حضرات نے مذاہب کو تفصیل و وضاحت سے، نیز دلائل کو بھی بسط و تفصیل سے ذکر کیا ہے، مثلاً مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا اختر امام عادل، مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد، مولانا ارشاد احمد صاحب اور بعض حضرات نے اس سلسلہ کی روایات کا بھی استقصاء کرنے کی کوشش کی ہے۔

مذکورہ و معروف اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ بعض تابعین حضرت عطاء وغیرہ سے مطلقاً جواز منقول ہے، مگر اس کوشا ذکر قرار دیا گیا ہے، جمہور علماء امت کے نزدیک ممانعت ہی کا قول ہے، البتہ تخصیص و تفصیل میں اختلاف ہے، اور اتفاق سے چاروں اماموں و مذاہب کی آراء باہم مختلف ہیں، لیکن ان کو دو رایوں میں یوں سمیٹا جاسکتا ہے کہ امام مالک و امام احمد تو صرف

کھانے پینے کی چیز میں ممانعت کے قائل ہیں، البتہ امام مالک کھانے پینے کی ان اشیاء کو ممنوع کہتے ہیں جن میں ناپ و تول کا عمل متعارف و رائج ہے۔

(اس بابت ان حضرات کے دوسرے اقوال بھی ملتے ہیں، جیسا کہ تكملة فتح الملہم، اعلاء السنن وغیرہ میں آیا ہے)۔

اور امام ابوحنیفہ و امام شافعی - اس ممانعت کو عام قرار دیتے ہیں، کوئی بھی شے ہو کھانے پینے کی یا ناپ و تول کی، یا پیناش، مثلاً کپڑا، زمین و مکان وغیرہ، ہاں امام ابوحنیفہ ایسی زمین و مکان کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، جس میں اس کے حال کو دیکھتے ہوئے ضیاع کا اندیشہ نہ ہو، اور جس میں اندیشہ ہو، مثلاً مکان کی بالائی منزل، اور دریا وغیرہ کے ٹھیک کنارے بنے ہوئے مکانات و زمین جس میں ضیاع کا احتمال ایک درجہ قوی ہوتا ہے، ایسے زمین و مکان کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، اور موجودہ عہد کے مضبوط و ٹھوس لوہے و سہمیٹ وغیرہ کے طرز تعمیر کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ اب اس طرح کا قوی اندیشہ اور لائق لحاظ نہیں ہو گیا ہے اور حنفیہ کے یہاں جو فرق و تفصیل ہے اس کے لئے معروف تعبیر یہ ہے کہ منقول میں منع ہے اور غیر منقول میں نہیں۔

واللہ - ان سب کے اصلاً نقل و احادیث سے ہیں، اگرچہ دلیل و استدلال میں حکم کی علت کا تذکرہ بھی فقہاء کرتے ہیں، مگر علت نص صریح کے ہوتے ہوئے ثانوی چیز ہے۔

اور فرق و تفصیل کے اعتبار سے مالکیہ و حنابلہ کا مذہب توسع زیادہ رکھتا ہے، جبکہ امام شافعی کا مذہب سب سے تنگ ہے۔

امام احمد و امام مالک نے ان روایات کو دیکھا ہے جن میں اس بابت ”طعام“ کا لفظ آیا ہے، یہ روایات حضرت عبداللہ بن عباس (بخاری) حضرت عبداللہ بن عمر (بخاری و مسند احمد) حضرت ابو ہریرہؓ (مسلم)، حضرت جابر (مسلم) وغیرہ سے مروی ہیں، بعض میں جیسے حضرت ابن عمر کی روایت میں کیل و وزن کی قید آئی ہے، جس کو امام مالک نے اہمیت دے کر حکم کو مقید کر دیا ہے۔

ان روایات کے علاوہ بعض روایات ایسی ہیں جن میں ایسا کوئی لفظ نہیں، بلکہ مطلق بیع کا تذکرہ ہے، یا کسی بھی شے کی بیع کا، جیسے حضرت حکیم بن حزام کی روایت (مسند احمد)، حضرت زید بن ثابت کی (ابوداؤد و مستدرک حاکم وغیرہ) عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی (ترمذی وغیرہ)، نیز عتاب بن رشید کی (کتاب الآثار وغیرہ)۔ یہ روایات بھی صحیح قرار دی گئی ہیں، امام احمد، امام مالک ان مطلق روایت کو پہلی قسم کی مقید روایات پر محمول کر کے حکم کو خاص قرار دیتے ہیں۔

لیکن امام ابو حنیفہ و امام شافعی کا رجحان یہ ہے کہ دونوں روایات صحیح و ثابت ہیں، ایک دوسرے پر محمول نہیں ہیں، جبکہ دوسری قسم کی روایات میں صاف لفظ ”الا تبع مالم تقبضہ“ اور ”نہی أن تباع السلع حيث تباع حتى تجوزها التجار إلى رحالهم“ وغیرہ جیسے الفاظ آئے ہیں، پھر یہ کہ کھانا و پینا جیسی عام اشیاء ضروریہ میں جب پابند بنایا جا رہا ہے تو دوسری اشیاء میں بدرجہ اولیٰ پابندی ہوگی۔

اب رہا امام ابو حنیفہ و امام شافعی کے درمیان اختلاف کہ امام صاحب غیر منقول یا عقار کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، تو اگرچہ بعض مقالہ نگار حضرات نے فرمایا کہ امام صاحب مقصود و غرض کا لحاظ فرماتے ہیں (مقالہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی)، لیکن واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے جیسے حکم میں عموم روایت کی وجہ سے اختیار کیا ہے اسی طرح یہ خصوص بعض آثار کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ امام بیہقی و امام طحاوی نے بسند حسن روایت کیا ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت طلحہ سے ایک زمین مدینہ منورہ کی خریدی، اپنی زمین کے بدلہ جو کہ کوفہ میں تھی، اور فرمایا کہ میں تم سے ایسی چیز فروخت کر رہا ہوں جو کہ میں نے دیکھی نہیں اور حضرت جبیر بن مطعم نے اس خرید و فروخت کی صحت کا فیصلہ کیا جبکہ قضیہ ان کے سامنے لایا گیا (اعلاء السنن ۱۳/۲۲۹)۔

مقالہ نگار حضرات میں بعض ہی نے اس دلیل کا تذکرہ کیا ہے، عموماً عقلی دلیل پر اکتفاء کی گئی ہے، اور اس اثر و دلیل کی بابت صاحب مغنی ابن قدامہ ضلیٰ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحابہ کرام کے اتفاق کی دلیل ہے کہ اس قسم کی خرید و فروخت درست ہے (اعلاء السنن ۱۳/۲۲۵)۔

ان مذاہب و آراء میں اتفاق و عقلا رائج۔ عموم کا، یعنی امام شافعی و امام ابو حنیفہ کا مذہب ہی معلوم ہوتا ہے (امام صاحب کے نزدیک جو استثناء ہے اس کے ساتھ) اس لئے کہ:

۱۔ عام ممانعت کے متعلق متعدد صحیح و صریح احادیث موجود ہیں اور مطلق کو مقید قرار دینا خلاف اصل ہے۔

۲۔ جن حضرات سے طعام کی قید کے ساتھ روایات آئی ہیں خود ان سے مرفوعاً و موقوفاً عموم منع کی بات بھی منقول ہے، مثلاً حضرت زید بن ثابت کی روایت کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے بھی نقل کیا ہے، اور حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول بہت معروف ہے کہ انہوں نے طعام سے ممانعت کی روایت نقل کی ہے، اور اس کے بعد فرمایا: ”وا حسب کل شیء مثله“ (میں تو تمام چیزوں کو ایسا ہی سمجھتا ہوں)۔

۳۔ اس ممانعت و حکم کی معروف علتیں جن کا حنا بلہ و مالکیہ وغیرہ نے بھی اعتبار کیا ہے، ان سب کا تقاضا بھی یہی ہے، خواہ وہ غرر اور ”رجح الم یضمن“ ہو یا سود کا پہلو۔ اور غیر مقدر و غیر مقبوض کی خرید و فروخت وغیرہ۔

البتہ حالات و موجودہ عرف کو دیکھتے ہوئے حنا بلہ و مالکیہ کے مذہب میں جو وسعت ہے اس سے فائدہ ضرور اٹھایا جاسکتا ہے، متعدد مقالہ نگار حضرات نے اس خیال کا اظہار کیا ہے، مگر غور کرنے پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ مسئلہ کا حل نہیں، اس لئے کہ اس وقت ہرشی کی خرید و فروخت بڑے پیمانے اور دور دراز علاقوں سے ہو رہی ہے، اس لئے بہترین حل یہ ہے کہ عرف کے مطابق ضمان میں آ جانے کے بعد معاملات و امور کو قبضہ قرار دیا جائے، اور اس کے بغیر خرید و فروخت کو منع کیا جائے، جیسا کہ مولانا فتح محمد صاحب نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے اور دوسرے معاصر ارباب فقا و محققین فقہاء نے بھی ذکر کیا ہے۔

عرض مسئلہ:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت

سوال نمبر ۷۰۶

مفتی نسیم احمد قاسمی

اسلام فقہ اکیڈمی کی طرف سے مجھے ”بیع قبل القبض“ کے سوال نمبر ۷۰۶ پر عرض مسئلہ کا حکم دیا گیا ہے، سوال نمبر ۶ یہ تھا:

ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر (۲) کو روانہ کر دیتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے، نہ خریدار نمبر (۲) پر، بلکہ یہ اسی شخص (خریدار نمبر ۱) کا نقصان قرار پاتا ہے، اس صورت معاملہ میں اگر فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر اگرچہ حسی قبضہ نہیں ہوا، لیکن وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہنچنے سے پہلے اس کے ضمان میں رہا، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے ”ربح مالم بضمن“ (ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) حاصل کیا، بلکہ اس نے مال مضمون پر نفع حاصل کیا ہے، سوال یہ ہے کہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ حسی نہ پائے جانے کی وجہ سے دوسرے شخص کے ہاتھ اس

فروختگی کو ناجائز قرار دیا جائے گا یا ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے گا؟۔

اس سوال کے جواب میں اکیڈمی کوکل ۵۰ مقالات موصول ہوئے جن میں ۳۸ مقالہ نگاروں نے صورت مسئلہ کو جائز قرار دیا ہے، جبکہ ۱۱ مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے، ۲ مقالہ نگاروں نے اس میں تفصیل ذکر کی ہے، قائلین جواز کے اسماء حسب ذیل ہیں:

مجوزین:

مولانا سمیع اللہ قاسمی، مولانا شکیل احمد سیتاپوری، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا اشتیاق احمد قاسمی، مولانا عزیز اختر قاسمی، حکیم ظل الرحمن، مولانا محمد زید ندوی، مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا ارشد قاسمی، مولانا سید محمد ایوب، مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا محمد خورشید احمد اعظمی، مولانا احمد دیولوی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مفتی جمیل احمد ندیری، مفتی انور علی اعظمی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محمد نور قاسمی، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولوی مجاہد الاسلام سبیلی، مولانا قمر الزماں ندوی، مفتی احمد نادر القاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا محمد برہان الدین سنہلی، مفتی محبوب علی وجیہی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مفتی شاہین جمالی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابوالحسن علی، مولانا محمد شہزاد اکرم قاسمی، مولانا سعود احمد انصاری، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام قاسمی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا سلطان احمد اصلاحی۔

مجوزین حضرات نے درج ذیل دلائل سے جواز پر استدلال کیا ہے۔

وجوہ ودلائل:

۱۔ ضمان قبضہ حکمی کے درجہ میں ہے، لہذا جب سامان مشتری اول کے ضمان میں آ گیا تو اس کا قبضہ حکماً ثابت ہو گیا، مولانا ظفر الاسلام قاسمی نے اپنے مقالہ میں قواعد الفقہیہ کے حوالہ سے یہ قاعدہ نقل کیا ہے:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

”الأصل عندنا ان جواز البيع يتبع الضمان فكل ما كان مضمونا بالاتلاف جاز بيعه ومالا يضمن بالاتلاف لا يجوز بيعه“ (قواعد الفقہ ۲/۳۸)۔

مولانا شاہین جمالی اور مولانا مجیب الغفار اسعدی اعظمی نے علامہ ابن عابدین کی رد المحتار کی درج ذیل عبارت سے استدلال کرتے ہوئے صورت مسئلہ میں قبضہ کو ثابت کیا ہے۔

”ومن القبض مالوا ودعه المشتري عند أجنبي أو اعره وأمر البائع بالتسليم اليه“ (شامی ۴/۴۲)۔

مولوی مجاہد الاسلام سہیلی متعلم سہیل السلام حیدر آباد و مولانا محمد ارشد اور بعض دیگر علماء نے صورت مسئلہ میں بیع کے خریدار اول کے ضمان میں آ جانے اور قبل القبض محض وجوب ضمان کی وجہ سے اس کی بیع کے جواز پر ابن قدامہ کی درج ذیل عبارت سے استدلال کیا ہے۔

”لو دخل في ضمان المشتري جازله بيعه والتصرف فيه كما بعد القبض“ (الغنی ۴/۸۸)۔

مفتی احمد دیولوی نے اپنے مقالہ میں قبضہ ضمان کی قسمیں بیان کرتے ہوئے صورت مسئلہ کو ”قبضہ ضمان“ کے درجہ میں رکھ کر اس پر جواز کا حکم لگایا ہے۔

۲- صورت مسئلہ میں اگرچہ مشتری اول کا قبضہ حسی نہیں ہوتا ہے مگر چونکہ تجار کے عرف میں ضمان کی وجہ سے اسے قبضہ حسی کے قائم مقام سمجھا جاتا ہے، اس لئے عرف خاص کی وجہ سے اسے درست ہونا چاہئے، مولانا منظور احمد اعظمی نے اپنے مقالہ میں اس کا اظہار کیا ہے۔

۳- ”الحرج مدفوع“ کے تحت اسے جائز ہونا چاہئے کیونکہ عدم جواز کی صورت میں حرج عظیم لازم آئے گا (مولانا ظفر الاسلام اعظمی، مولانا محمد ابراہیم خاں ندوی)۔

۴- اگرچہ یہ صورت ناجائز ہے مگر چونکہ اس میں تعامل ناس پایا جاتا ہے جس کا شریعت اسلامی میں اعتبار کیا گیا ہے اس لئے اسے جائز ہونا چاہئے (مولانا محمد برہان الدین سنبھلی)۔

۵۔ مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی، مولانا محمد زید باندی، مولانا محمد عزیز اختر القاسمی کی رائے یہ ہے کہ اگرچہ یہ صورت فقہ حنفی کی رو سے ناجائز ہے، مگر فقہ مالکی کی رو سے جواز کی گنجائش نکلتی ہے، اس لئے امت کو حرج سے بچانے کے لئے فقہ مالکی کے مطابق فتویٰ دینا چاہئے، امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ طعام کے.....

۶۔ مفتی جمیل احمد ندیری نے فیکٹری کے مالک کی دو حیثیتیں تسلیم کر کے اسے جائز قرار دیا ہے، پہلی حیثیت بائع کی ہے اور دوسری حیثیت مشتری اول کے وکیل کی، اصول الشاسی کی عبارت سے بھی انہوں نے استدلال کیا ہے۔

۷۔ مولانا زبیر احمد قاسمی نے اپنے مقالہ میں دیانت و قضاء کا فرق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: بیع غیر مقبوضہ کی بیع و شراء کا حکم جو فساد و عقد سے بیان کیا جاتا ہے یہ حکم محض قضاء ہے جو کسی بھی سبب سے باہمی نزاع کے بعد مرافعہ الی القاضی کے نتیجہ میں اس بیع غیر مقبوضہ کے متعلق قاضی شریعت کا حکم و فیصلہ ہوگا، لیکن اگر بیع قبل القبض کے باوجود عاقدین میں کوئی نزاع نہیں ہوا اپنی اپنی جگہ معاملہ کی اس نوعیت پر راضی اور مطمئن رہے اور بالآخر اپنے حق تک پہنچ گئے تو ایسے معاملہ کے جواز و صحت اور نفاذ و لزوم ہی کا فتویٰ دینا نہ دیا جانا چاہئے۔

مولانا ابو جندل نے اپنے مقالہ میں اشیاء منقولہ کی قسمیں مثلی و غیر مثلی کے احکام کا فرق ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر اشیاء مبیعہ غیر مثلی ہیں تو فیکٹری کے تخلیہ سے ان اشیاء پر مشتری (۱) کو قبضہ تام حاصل ہو جائے گا، اور اگر بیع مثلی ہے تو فیکٹری کے تخلیہ سے مشتری اول کو قبضہ تام حاصل نہیں ہوا بلکہ قبضہ ناقص ہے جو جواز تصرف کے لئے کافی نہیں ہے، لہذا قبل الکیل والوزن تصرف درست نہیں ہوگا، الا یہ کہ درمیان کا آدمی کمپنی کا ایجنٹ ہو تو پھر یہ شخص فیکٹری کے لئے بحیثیت وکیل ہوگا اور اس کے نفع کو اجرت و کالت قرار دی جائے گی، اشیاء مثلی میں انہوں نے فیکٹری کے مالک کو مشتری اول کی طرف سے وکیل بالقبض یا مشتری ثانی کو مشتری اول کا وکیل بالقبض مان کر بھی اس معاملہ کو دائرہ جواز میں شامل کیا ہے۔

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی نے اپنے مقالہ میں اس کی دو صورتیں نکالی ہیں:

۱۔ فیکٹری سے مال خرید لیا قیمت ادا کر دی گئی اور مال ابھی بھی فیکٹری کے گودام میں ہے کہ مشتری اول نے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا اور فیکٹری کو آؤر دیا کہ اسے فلاں شخص کو پہنچا دو تو یہ معاملہ بیع قبل القبض کا ہے جو درست معلوم نہیں ہوتا ہے، الا یہ کہ خریدار اول کے معاملہ کے بعد فیکٹری نے اس کے خرید کردہ مال کو گودام میں ایک طرف کر دیا ہو تو تخلیہ کی صورت میں معاملہ درست قرار پائے گا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فیکٹری سے مال خریدنے والے نے پہلے معاملہ خریدار دوم سے کیا، پھر فیکٹری کو آؤر دیا مال کی خرید وارسال کا تو اس میں بیع قبل القبض کا معاملہ تو نہیں ہے، البتہ بیع معدوم وغیرہ کی خرابیاں پیدا ہوں گی، تو اس صورت میں انہوں نے خریدار اول پر وجوب ضمان کی وجہ سے اس پر قبضہ تسلیم کر کے اسے جواز کے دائرہ میں رکھا ہے۔
مانعین:

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا محمد نعیم رشیدی، مولانا عبدالرحمن پالنپوری، مفتی نسیم احمد قاسمی، مولانا ابرہیم محمد، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا اقبال قاسمی، مفتی عبدالرحیم قاسمی۔

مولانا اقبال قاسمی کے مقالہ سے صراحتہ عدم جواز کا پتہ نہیں چلتا ہے، البتہ اسلوب تحریر سے عدم جواز ثابت ہوتا ہے۔

مولانا عبداللطیف پالنپوری نے احسن الفتاویٰ کے حوالہ سے اپنے مقالہ میں جواز کی دو صورتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ مال پہنچنے سے پہلے خریدار اول بیع نہ کرے، بلکہ وعدہ بیع کرنے اور مال پہنچنے کے بعد معاملہ بیع کرے۔

۲۔ یا جہاں مال خریدا ہے وہاں کسی مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنا دے، اور اس پر

انہوں نے فتاویٰ ہندیہ (۱۹/۳) کی عبارت سے استدلال کیا ہے جس میں اجیر کے قبضہ کو مشتری کا قبضہ قرار دیا گیا ہے۔

رقم الحروف مفتی نسیم احمد قاسمی نے اپنے مقالہ میں لکھا ہے کہ یہ معاملہ بیع قبل القبض ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، البتہ اگر یہ شکل ہو کہ خریدار اول بائع اول مالک فیکٹری سے مال خرید لے اور مالک فیکٹری اس کے درمیان اور مال کے درمیان تحلیہ کر دے کہ وہ اپنے مال میں تصرف کر سکے، تو محض تحلیہ کی وجہ سے بھی قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا۔

مانعین کے وجوہ و دلائل:

عام طور پر مجوزین نے جواز پر اس سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ مال خریدار اول کے ضمان میں آجاتا ہے، اس لئے اس پر خریداروں کا قبضہ حکمی تسلیم کر لینا چاہئے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اپنے مقالہ میں اس دلیل کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”نقصان کا ضامن ہو جانا“ قبضہ کے تحقق کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی شخص قبضہ کے بغیر اپنے اوپر ضمان کی ذمہ داری قبول بھی کر لے تو اس کا اعتبار نہیں، اور علامہ شامی کی عبارت: ”اشتری بقرۃ مریضۃ و خلاھا فی منزل البائع قائل: ان هلك فمنی وماتت فمّن البائع لعدم القبض“ (رد المحتار ۴/۳۸۸) سے استدلال کیا ہے۔

مولانا محمد رضوان القاسمی نے بھی ضمان قبول کرنے کو قبضہ کے پائے جانے کے لئے کافی قرار نہیں دیا ہے۔

۲۔ قبضہ حکمی کے لئے بھی بیع کا عاقدین سے اتنا قریب ہونا ضروری ہے کہ قبضہ حسی کا تحقق ہو سکے، رد المحتار میں ہے: ”لأن إذا كان قريبا يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التحلية مقام القبض أما إذا كان بعيدا لا يتصور فيه القبض في الحل فلا تقام التحلية مقام القبض“ (رد المحتار ۴/۶۰۳-۵۹)۔

اس لئے صورت مسئلہ میں قبضہ حکمی ماننا بھی مشکل ہے (مولانا عبدالقیوم پالنپوری،

مولانا عبدالرحمن پالنپوری)۔

۳۔ بیع خریدار کے ضمان میں اس وقت آتی ہے جب اس پر اس کا قبضہ ہو جائے، قبل القبض۔ بیع بائع ہی کے ضمان میں رہتی ہے، ابن قدامہ کی عبارت سے اس کا صراحۃً ثبوت ملتا ہے۔

”وقال أبوحنيفة كل مبيع تلف قبل قبضه من ضمان البائع إلا العقار..... وقال الشافعي: كل مبيع من ضمان البائع حتى يقبضه المشتري“ (۱۹۴) (مقالہ مولانا محمد نعیم گنوری)۔

قول فیصل:

صورت مذکورہ میں جہاں تک سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشتری اول ”مال“ پر قبضہ سے پہلے ہی اسے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، البتہ وہ اس مال کا ضمان قبول کر لیتا ہے کہ ہلاکت کی صورت میں وہی ضامن قرار پائے گا، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ محض ضمان قبول کر لینا تحقق قبضہ کے لئے کافی ہے اور کیا قبل القبض ضمان کا اعتبار ہوگا، اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ ”محض نقصان کا ضامن“ ہو جانا کافی نہیں ہے، اور اگر خریدار قبضہ سے پہلے اپنے اوپر ضمان کی ذمہ داری بھی قبول کر لیتا ہے تو بھی اس کا اعتبار نہیں ہوگا جیسا کہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اپنے مقالہ میں ”رد المحتار“ کے حوالہ سے اور مولانا محمد نعیم نے ”المغنی“ کے حوالہ سے صراحت کی ہے، اس لئے قبل القبض جب ضمان کا اعتبار ہی نہیں ہے تو اسے قبضہ حکمی کے درجہ میں رکھنا مشکل ہے، البتہ اس کے جواز کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مالک فیکٹری کی طرف سے تخلیہ کر دیا جائے کہ جب مشتری چاہے اپنے مال میں تصرف کر سکے، فقہاء حنفیہ کی صراحت کے مطابق تخلیہ بھی قبضہ کے حکم میں ہے، لہذا یہ صورت جائز قرار پائے گی۔

جواز کی دوسری صورت یہ ہے کہ اس مسئلہ میں فتویٰ فقہ مالکی پر دے دیا جائے کہ ان کے نزدیک بیع طعام کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض درست ہے۔

سوال نمبر ۷:- وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت میں شیپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے، جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کر دیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا، بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے، کیا یہ صورت شرعاً جائز ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں اکیڈمی کوکل ۵۲ مقالات موصول ہوئے جن میں سے ۲۹ مقالہ نگاروں نے صورت مسئلہ کو ناجائز اور ۲۱ حضرات نے جائز قرار دیا ہے، مولانا محمد زید اور مفتی عزیز الرحمن بجنوری کے مقالے میں سوال نمبر ۷ کا جواب نہیں ملا، مجوزین حضرات کے اسماء درج ذیل ہیں:

اسمائے مجوزین:

مولانا سید القاسمی، مفتی کلیل احمد سیٹاپوری، مولانا سید محمد ایوب سیلی، مولانا تنویر عالم قاسمی، مولانا نور القاسمی، مولوی مجاہد الاسلام سیلی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی، مفتی محبوب علی وجہی، مولانا محمد طاہر مظاہری، مولانا نسیم احمد قاسمی، مولانا محمد نعیم گنوڑی، مولانا سلطان احمد اصلاتی، مولانا عزیز اختر القاسمی، مولانا قاضی عبدالخلیل قاسمی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا منظور احمد قاسمی، مولانا ڈاکٹر ظفر الاسلام اعظمی، مولانا محمد برہان الدین سنہلی، مفتی محمد عبید اللہ اسعدی، مولانا عبد العظیم اصاحی، مولانا اقبال قاسمی۔

مجوزین کے دلائل:

۱۔ مشتری اول نے جب جہاز پر لدے ہوئے مال کو اپنے مملوک و مقبوض ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تو یہ بیع قبل القبض نہیں ہوئی، بلکہ بیع مقبوض و مملوک ہونے کی وجہ سے جائز و درست قرار پائے گی اور جس طرح مالک جہاس کا قبضہ مشتری اول کا قبضہ مانا جائے گا اسی طرح مالک جہاز کا قبضہ اس مال پر مشتری ثانی کا قبضہ تصور کیا جائے گا

اور جب اس کا قبضہ تسلیم کر لیا گیا تو اس کے لئے اس کی بیع درست قرار پائے گی، فتاویٰ ہندیہ میں اجیر کے قبضہ کو مستاجر کا قبضہ تسلیم کیا گیا ہے۔

”إلا أن يقول استاجر على من يحمله فقبض الأجير يكون قبض المشتري“ (فتاویٰ ہندیہ ۱۹۳) (مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی، مفتی نسیم احمد قاسمی)۔

۲- محکمہ ریل یا جہاز کی حیثیت وکیل کی ہوتی ہے اور چونکہ وکیل کا قبضہ مشتری کا قبضہ ہوتا ہے، اس لئے جب مشتری اول نے اسے فروخت کر دیا اور علاحدہ ہو گیا تو جہاز کے عملہ کا قبضہ مشتری ثانی کا قبضہ قرار پائے گا اور اس طرح سے یہ معاملہ درست قرار پائے گا (مولانا محمد طاہر مظاہری)۔

۳- آج کی بین الاقوامی تجارت میں اشیائے منقولہ میں صحت بیع کے لئے اگر ہر حال میں قبضہ حسی ہی کو شرط قرار دیا جائے تو یہ چیز عامۃ الناس کے لئے زحمت و تنگی کا باعث ہوگی، لہذا امت کو حرج و تنگی سے بچانے کے لئے اسے جائز قرار دیا جانا چاہئے (مولانا سلطان احمد اصلائی، مولوی مجاہد الاسلام سیلی)۔

۴- چونکہ معاملات میں ناگوار چیز کو بھی گوارا کر لیا جاتا ہے، اس لئے صورت مسئلہ میں جواز کا فتویٰ ہونا چاہئے (مولانا محمد برہان الدین سنہجلی)۔

۵- اسے معاملہ بیع نہ مان کر وعدہ بیع قرار دے دیا جائے اور مال آنے پر بیع کا معاملہ کیا جائے (مفتی محمد عبید اللہ اسعدی)۔

۶- جہاز پر مال لادنے کے بعد مشتری اول کے ضمان میں وہ مال آ جاتا ہے اور ضمان کی وجہ سے اس کا قبضہ حکمی پایا گیا، اس لئے دوسرے کے ہاتھ اس کی بیع درست ہوگی (مفتی محبوب علی وجہی)۔

۷- فقہ حنفی کی رو سے تو جواز کی صورت نہیں نکلتی ہے، مگر فقہ مالکی کے مطابق جواز کا فتویٰ درست ہے (مفتی محمد شاہد قاسمی، مولانا محمد قمر الزماں ندوی)۔

۸- آج کل چونکہ یہ صورت کثرت سے وقوع پذیر ہو رہی ہے، اس لئے قبضہ کے عرف پر مبنی ہونے کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں پر محض خرید و فروخت کے معاملہ کو ”قبضہ“ تصور کر لیا جائے (مولانا محمد نور القاسمی)۔

۹- مشتری اول بیع کرتے وقت کسی دوسرے شخص کو یا مال بردار کہنی ہی کو وکیل بالقبض بنادے تو ایسی صورت میں وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ قرار پائے گا، یہ معاملہ درست قرار پائے گا (مولانا سمیع اللہ قاسمی)۔

۱۰- جب مشتری اول نے سمندر ہی میں مال کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اور سامان کی سرٹیفکیٹ اس کے حوالہ کر دی تو اسی سرٹیفکیٹ کی حوالگی کو حکماً قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا، اس لئے کہ آج کے عرف میں سرٹیفکیٹ پر قبضہ اصل بیع پر قبضہ متصور ہوتا ہے۔

مولانا تنویر عالم قاسمی اور مولانا منظور احمد صاحب کی رائے یہ ہے کہ یہ معاملہ تو درست قرار پائے گا، البتہ مشتری ثانی کو ضمان قرار دینا درست نہیں ہوگا، مولانا عبدالعظیم اصلاحی نے جو ازمع الکراہت کے قول کو اختیار کیا ہے۔

اسمائے مانعین :

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا زبیر احمد قاسمی، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی، حکیم ظل الرحمن، مولانا محمد ارشد قاسمی، مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی، مولانا قمر عالم سمیلی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی احمد دیولوی، مفتی انور علی اعظمی، مفتی احمد نادر القاسمی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابوالحسن علی، مولانا شہزاد اکرم قاسمی، مولانا مسعود احمد انصاری، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عبدالرحمن پالنپوری، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مفتی عبدالرحیم قاسمی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا محمد ابرار خاں ندوی، مولانا ابو جندل قاسمی۔

دلائل و مستدلّات:

۱- مذکورہ صورت میں ”ربح مالم یضمن“ لازم آتا ہے، یعنی خریدار ایک ایسے مال کو فروخت کر کے نفع حاصل کرتا ہے جو اس کے ضمان میں نہیں آیا اور جناب نبی کریم ﷺ نے ”ربح مالم یضمن“ کی ممانعت فرمائی ہے (مولانا ابوجندل قاسمی، مفتی جمیل احمد ندیری، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مفتی احمد نادر القاسمی، مفتی انور علی اعظمی، مولانا قمر عالم سبیلی، مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی، مولانا اشتیاق احمد اعظمی)۔

مولانا ابراہار خاں ندوی نے ”ربح مالم یضمن“ کی ممانعت پر حدیث ابن ماجہ سے استدلال کیا ہے:

”قال: قال رسول الله ﷺ: لا يحل بيع ماليس عندك ولا ربح مالم يضمن“ (ابن ماجہ ۱/۱۵۸)۔

۲- بیع قبل القبض اور بیع معدوم ہونے کی وجہ سے یہ صورت ناجائز ہے، کیونکہ اشیاء منقولہ کی قبیل سے ہے اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، حدیث میں بھی اس کی ممانعت کی گئی ہے۔

مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مفتی احمد دیولوی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا محمد رضوان القاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی نے اسے بائع کے حق میں غیر مقدور التسليم اور مشتری ثانی کے حق میں غیر مقبوض ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے، مولانا ابوالحسن علی نے بھی اسے بیع قبل القبض اور بیع معدوم (مالیس عندک) ہونے کی وجہ سے ناجائز قرار دیا ہے، مولانا محمد ارشاد قاسمی نے اسے بیع قبل القبض اور غیر مقدور التسليم ہونے کی وجہ سے ناجائز کہا ہے۔

۳- بیع الکالی بالکالی ہونے کی وجہ سے یہ عقد ناجائز ہے، یعنی اس میں ادھار کی بیع ادھار کے عوض لازم آتی ہے، اور حدیث میں بیع الکالی بالکالی سے ممانعت کی گئی ہے (مفتی

عبدالرحیم قاسمی)۔

۴۔ اگر اس طرح کے معاملات کو جائز قرار دے دیا جائے تو زبردست اقتصادی بحران پیدا ہو جائے گا، اس لئے اقتصادی بحران سے امت کو بچانے کے لئے اس طرح کے عقود و معاملات ناجائز قرار دیئے جائیں۔

مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا شہزاد اکرم قاسمی اور مولانا مسعود احمد انصاری نے (تکملہ فتح المہم ۱/ ۳۵۴) سے مولانا تقی عثمانی صاحب کی ایک عبارت سے عدم جواز پر استدلال کیا ہے، جس میں انہوں نے اس طرح کے معاملات کو اقتصادی بحران پیدا ہونے کے خطرہ کے پیش نظر ناجائز قرار دیا ہے۔

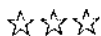
مولانا عبدالرحمن پالنپوری اور مولانا عبدالقیوم پالنپوری نے عدم جواز کا حکم لگانے کے ساتھ ساتھ احسن الفتاویٰ کے حوالہ سے جواز کی دو صورتیں ذکر کی ہیں: ۱۔ پہلی صورت یہ ہے کہ جہاں مال خریدا گیا ہے وہاں کسی دوسرے شخص کو یا کسی مال بردار کمپنی کو وکیل بالقض بنادے، اس طرح وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ قرار پائے گا، اور کوئی قباحت لازم نہیں آئے گی، ۲۔ دوسری شکل یہ ہے کہ خریداری کو وکیل بالقض بنادے اور مال پہنچنے سے پہلے بیع کا معاملہ نہ کرے، بلکہ صرف وعدہ بیع کرے، اس صورت میں اگر فریقین کی طرف سے انکار پایا جائے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، قانوناً اسے بیع پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

قول راجح:

صورت مسئلہ میں مشتری اول نے مال کی خریداری کے بعد بائع اول سے کہا کہ میرا فلاں مال فلاں جہاز پر لاد دیا جائے اور بائع اس کے حکم کے مطابق مال جہاز پر لودا دیا تو اب وہ مال بائع کے قبضہ و ضمان سے نکل کر مشتری اول کے قبضہ و ضمان میں آ گیا اور میرے نزدیک جہاز کے عملہ کا قبضہ جن کی حیثیت مشتری کے اجیر کی ہے، مشتری جو مستاجر کا قبضہ قرار پائے گا اور جب سامان اس کے قبضہ و ضمان میں آ گیا تو اس کے لئے اس میں ہر طرح کا تصرف کرنا بھی جائز قرار

پایہ لگا اور جب اس نے جہاز پر لدے ہوئے مال کو مقبوض و مملوک ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تو یہ بیع قبل القبض نہیں ہوگی، بلکہ بیع مقبوج و مملوک ہونے کی وجہ سے جائز و درست قرار پائے گی، اور جس طرح جہاز کے عملہ کا قبضہ مشتری اول کا قبضہ نہ مانا جائے گا اسی طرح جہاز کے عملہ کا قبضہ مشتری ثانی کا قبضہ بھی قرار پائے گا، ”فتاویٰ ہندیہ“ میں ہے:

”إلا أن يقول استاجر على من يحمله فقبض الأجير يكون قبض المشتري“ (فتاویٰ ہندیہ ۱۹/۳)۔



جمیع فقہی تحقیقات

دوسرا باب تفصیلی مقالات

قبضہ کی حقیقت اور قبضہ سے پہلے خرید و فروخت فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا خاند سیف اللہ رحمانی

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلہ میں مناسب ہوگا کہ فقہاء کے اقوال و مذاہب سے پہلے ایک نظر ان روایات پر ڈال لی جائے جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، اس سلسلہ کی روایات عام طور پر کتب حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ، حضرت جابر بن عبداللہ، اور حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہم سے نقل کی گئی ہیں، الفاظ کے تھوڑے فرق کے ساتھ ان صحابہ سے اسی مضمون کی متعدد روایتیں منقول ہیں، یہاں چند روایات ذکر کی جاتی ہیں، جن کے الفاظ کو مختلف مکاتب فقہ نے اپنے پیش نظر رکھا ہے:

(۱) عبداللہ بن عباس سے روایت ہے:

”ان رسول اللہ ﷺ نہی أن یبیع الرجل طعاماً حتی یمسکوفیه، قلت لابن

عباس: کیف ذلک؟ قال: ذلک درهم بدرهم والطعام مرجأ“ (بخاری ۲۸۶۱)۔

(رسول اللہ ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا کہ آدمی کھانے کی چیز وصول کرنے سے پہلے فروخت کر دے، میں نے عبداللہ بن عباس سے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ یہ درہم سے درہم کی فروخت ہے اور کھانا (غلہ) ادھار رہا؟)۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

جزل سکریری اسلام فقہ اکیڈمی (انڈیا) و ناظم المعهد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

”من اشتری طعاماً بکيل أو وزن فلا بيعه حتى يقبضه“ (مسند احمد ۱۱۱/۲)۔

(جو کيل یا وزن سے کھانا خرید کرے وہ قبضہ میں لئے بغیر اس کو فروخت نہ کرے)۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ نے آپ ﷺ کا ارشاد ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

”من اشتری طعاماً فلا بيعه حتى يكتاله“ (مسلم ۵۲/۲)۔

(جو کھانا خریدے وہ پکانے سے ناپے بغیر فروخت نہ کرے)۔

(۴) حضرت جابر بن عبد اللہ راوی ہیں:

”كان رسول الله ﷺ يقول : إذا ابتعت طعاماً فلا تبعه حتى يستوفيه“

(مسلم ۶۰/۲)۔

.. (رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ جب کھانا خرید کرو تو وصول کرنے سے پہلے

فروخت نہ کرو)۔

حضرت حکیم بن حزام سے منقول ہے:

”قلت يا رسول الله ﷺ إني اشتريت بيوعاً فما يحل لي منها وما

يحرم علي؟ قال : فإذا اشتريت فلا تبعه حتى تقبضه“ (مسند احمد ۴۰۲/۳)۔

(میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں خرید و فروخت کے بعض معاملات کرتا ہوں، تو

میرے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ فرمایا: جب خرید کرو تو قبضہ کئے بغیر فروخت نہ کرو)۔

فقہاء کی آراء:

ان احادیث کی روشنی میں فی الجملہ کسی چیز پر قبضہ سے پہلے ہی اس کو فروخت کرنے

کے ناجائز و نادرست ہونے پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے، اور کہا جاسکتا ہے کہ تفصیلات میں اختلاف

سے قطع نظر اصولی طور پر یہ ایک اجماعی رائے ہے، ابن حزم نے عطاء کا اختلاف نقل کیا ہے کہ وہ

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو مطلقاً جائز تصور کرتے تھے (المحل ۵۲۰/۸)، عثمان الحمقی سے بھی ایسا

ہی منقول ہے (شرح نووی علی مسلم ۸/۲)۔ لیکن بقول نووی یہ ایک قول شاذ و غیر معتبر ہے (حوالہ

سابق)، البتہ تفصیلات اور احادیث کے مصداق کی بابت فقہاء کی رائیں مختلف ہیں۔
شافعیہ:

فقہاء شافعیہ کے نزدیک کوئی شے جو خرید کی گئی ہو جب تک اس پر قبضہ نہ ہو جائے اس کو فروخت کرنا درست نہیں، مال منقول ہو یا غیر منقول، خوردنی شے ہو یا کچھ اور، فروخت کنندہ کی اجازت سے تصرف کرے یا بلا اجازت اور قیمت کی ادائیگی کے بعد کرے یا اس سے پہلے ہی، بہر صورت یہ جائز نہیں۔

”لا يجوز بيع المبيع قبل قبضه عقاراً كان أو منقولاً، لا بإذن البائع ولا بغير إذنه، لا قبل أداء الثمن ولا بعده“ (شرح المہذب ۲/۲۶۸)۔

(قبضہ سے پہلے بیع کو فروخت کرنا جائز نہیں، مال منقول ہو یا غیر منقول، نہ فروخت کنندہ کی اجازت سے اور نہ بلا اجازت، نہ قیمت کی ادائیگی سے پہلے اور نہ اس کے بعد)۔
امام محمد کی بھی وہی رائے ہے جو امام شافعی کی ہے (مختصر الطحاوی ۸۳)۔

فقہاء شوافع نے بنیادی طور پر حضرت حکیم بن حزام کی روایت کو پیش نظر رکھا ہے جس میں مطلق خریدی ہوئی اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس کے علاوہ مسلم نے حضرت عبد اللہ بن عباس کی روایت میں یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ حضور نے تو کھانے کی اشیاء کو قبضہ سے پہلے بیچنے سے منع فرمایا ہے، لیکن میرا خیال ہے کہ دوسری اشیاء کا بھی یہی حکم ہوگا، ”و أحسب كل شئ مثله“ (مسلم ۵۲) خود امام شافعی نے ”کتاب الام“ میں عبد اللہ بن عباس ہی کے قول کو اپنے مستدل کی حیثیت سے ذکر کیا ہے (کتاب الام ۲۹۸)۔
حنابلہ:

حنابلہ کے نزدیک غیر خوردنی اشیاء میں قبضہ سے پہلے فروختگی جائز ہے، پھر خوردنی اشیاء میں حنابلہ کے یہاں یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ جو چیزیں تول کر، ناپ کر اور گن کر فروخت کی جاتی ہیں ان میں قبضہ کے بغیر فروخت کرنا جائز نہیں، دوسری اشیاء کی بابت امام احمد سے

مختلف اقوال منقول ہیں، اور کون سا قول صحیح تر ہے؟ اس بابت بھی اختلاف ہے، ابن عبد البر کا بیان ہے کہ زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ کسی بھی خوردنی شے کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں (المغنی ۸۸۴)۔

حضرت عبد اللہ بن عباس، عبد اللہ بن عمر، ابو ہریرہ اور جابر کی روایات میں صراحت موجود ہے کہ یہ مانعت خوردنی اشیاء کی بابت تھی، اور امام احمد کا وہ قول کہ ناپی و تولی جانے والی اشیاء ہی میں قبضہ ضروری ہوگا، غالباً عبد اللہ بن عمر کی اس روایت پر مبنی ہے جو مسند احمد میں ان الفاظ میں منقول ہے:

”من اشترى طعاماً بكيل أو وزن فلا يبعه حتى يقبضه“ (مسند احمد ۱۱۱/۲)۔
جس نے ناپ یا تول کے ذریعہ کھانا خریدا تو جب تک اس پر قبضہ نہ کر لے اس کو فروخت نہ کرے۔
مالکیہ:

مالکیہ کے یہاں اس مسئلہ میں حسب ذیل تفصیل ہے:

- (الف) غیر خوردنی اشیاء قبضہ کے بغیر بھی فروخت کی جاسکتی ہیں۔
- (ب) خوردنی اشیاء اگر پیمانے سے خرید نہ کی گئی ہوں بلکہ بلا تعین مقدار مجموعہ (جزاًفاً) خریدی گئی ہوں تو ان کو بھی قبضہ سے پہلے فروخت کیا جاسکتا ہے، یہی مالکیہ کے یہاں قول مشہور ہے، کیونکہ ایسی بیع پر مالکیہ کے نزدیک عقد کے ساتھ ہی ملکیت قائم ہو جاتی ہے۔
- (ج) جو خوردنی اشیاء ناپ کر، تول کر یا گن کر خریدی گئی ہوں اور اموال ربویہ میں سے نہ ہوں یعنی اس لائق نہ ہوں کہ اس کا ذخیرہ کیا جاسکے، قبضہ سے پہلے ان کی بیع کے بارے میں امام مالک کے دونوں طرح کے قول ہیں، لیکن قول مشہور کے مطابق ان کو بھی قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں۔

(د) جو خوردنی اشیاء اموال ربویہ کے قبیل سے ہوں، قبضہ سے پہلے ان کو فروخت کرنا

درست نہیں (دیکھئے: بدایۃ المجتہد ۲/۱۱۴، البحر الدانی ۳/۱۹، المدوۃ الکبریٰ ۳/۱۶۶)۔

مالکیہ نے ان روایات کو پیش نظر رکھا ہے جن میں قبضہ سے پہلے طعام کی بیع کو منع کیا گیا ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ ایک ہی مضمون کی روایت ایک جگہ مطلق مذکور ہو اور دوسری جگہ اس کے ساتھ کوئی قید لگائی ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے، اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ مطلق روایت میں بھی یہی قید ملحوظ ہے، اور ناپ تول کر خریدی ہوئی اشیاء میں ہی اس بیع کی ممانعت کی وجہ غالباً مسند احمد کی وہی روایت ہے جس کا ذکر ہوا کہ عبد اللہ بن عمرؓ سے منقول ہے کہ ”اگر کسی شخص نے ناپ کر کوئی چیز خریدی ہو تو اس کو قبضہ کے بغیر فروخت نہ کرے“ (مسند احمد ۲/۱۱۱)۔

حنفیہ:

حنفیہ کے نزدیک غیر منقول اشیاء جیسے زمین و مکان وغیرہ قبضہ سے پہلے فروخت کی جاسکتی ہیں، منقول اشیاء قبضہ سے پہلے فروخت نہیں کی جاسکتیں (البحر الرائق ۶/۱۱۶)، امام ابو یوسف کا رجحان ابتداء اسی رائے کی طرف تھا جو امام شافعی کی ہے، مگر پھر انہوں نے امام صاحب کی رائے کی طرف رجوع کر لیا (مختصر النکاح ۲/۸۳)۔

حنفیہ نے روایات کے الفاظ کے بجائے مقصد پر نگاہ رکھی ہے کہ اصل مقصد غرر سے بچانا ہے، اموال غیر منقولہ میں یہ اندیشہ نہیں کہ حواگی سے پہلے وہ چیز ضائع اور ہلاک ہو جائے لیکن اموال منقولہ میں اس کا احتمال موجود ہے، اس لئے اموال منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہوگی، اور اموال غیر منقولہ میں قبضہ سے پہلے بھی فروخت درست ہوگی (فتح القدیر ۶/۵۱۳) یہی وجہ ہے کہ اگر زمین و مکان بھی ایسی جگہ میں واقع ہو جہاں ضیاع کا خطرہ موجود ہو مثلاً مکان دریا کے کنارے واقع ہو اور اس کا سیلاب کی زد میں آجانا بعید از قیاس نہ ہو، یا وہ صحرائی علاقہ میں واقع ہو اور ریت سے ڈھک جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں زمین و مکان پر بھی قبضہ کے بعد ہی اس کو فروخت کرنا جائز ہوگا (البحر الرائق ۶/۱۱۶)۔

غرض اس مسئلہ میں سب سے زیادہ وسعت مالکیہ اور حنابلہ کی رائے میں ہے اور سب سے زیادہ تنگی شوافع کی رائے میں، اور حنفیہ کی رائے ان دونوں کے درمیان ہے۔

ممانعت کی علت:

فقہاء کی آراء کو سامنے رکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے فروختگی کی ممانعت کی جو روایات ہیں تمام ہی فقہاء کے نزدیک علت پر مبنی ہیں، البتہ خود اس علت کی تعیین میں فقہاء کے درمیان اختلاف رائے ہے، یوں تو اہل علم نے اس کی متعدد علتوں کا ذکر کیا ہے (ہاشم بن العبد ۳۸۵/۹) لیکن اصل میں فقہاء نے دو چیزوں کو علت قرار دیا ہے: غرر اور ربا۔ حنفیہ کے نزدیک اس کی علت غرر ہے، یعنی جب تک بیع پر قبضہ نہ ہو جائے اس بات کا اندیشہ ہے کہ شاید اس پر قبضہ حاصل ہی نہ ہو پائے اور اس طرح بیع خریدار کو حوالہ نہ کی جاسکے، چنانچہ صاحب ”ہدایہ“ کہتے ہیں: ”والحدیث معلول بہ“ (ہدایہ مع الفتح ۵۱۳/۶) اور داماد آفندی کا بیان ہے:

”الغرر المنہی عنہ غرر انفساخ العقد والحدیث معلول بہ“ (مجمع

الائمہ ۷۹/۲)۔

جس غرر کی ممانعت ہے وہ یہ ہے کہ معاملہ کے ٹوٹ جانے کا خطرہ درپیش ہو اور حدیث اسی علت سے متعلق ہے۔

حنابلہ کے نزدیک بھی اصل علت غرر ہی ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

”ما یتوہم فیہ غرر الانفساخ بھلاک المعقود علیہ لم یجز بناء عقد آخر علیہ تحرزاً من الضرر وما لا یتوہم فیہ ذلک الغرر انتفی المانع فجاز العقد علیہ“ (المغنی ۹۲/۲)۔

(جس معاملہ میں بیع کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے معاملہ کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ موجود ہو تو غرر سے بچتے ہوئے اس پر دوسرے معاملہ کی بنیاد رکھنا درست نہیں، اور جس میں غرر کا اندیشہ نہیں اس میں مانع موجود نہیں، اس لئے اس پر عقد جائز ہے)۔

فقہاء شوافع کے یہاں بھی ممانعت کی اصل علت غرر ہی ہے، علامہ ابواسحاق شیرازی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ولأن ملكه عليه غير مستقر؛ لانه ربما هلك فانفسخ العقد وذلك

غرد من غير حاجة فلم يعجز“ (شرح المہذب ۱۹/۲۶۲)۔

(اس لئے کہ اس پر اس کی ملکیت خدشہ سے محفوظ نہیں ہے، کیونکہ بعید نہیں کہ بیع ضائع ہو جائے اور معاملہ فسخ ہو جانے کی نوبت آجائے، اور یہ غرر ہے جو بلا حاجت ہے، لہذا یہ جائز نہیں ہوگا)۔

اس طرح حالانکہ حنفیہ، شوافع اور حنابلہ کی آراء میں خاصا اختلاف ہے، لیکن اس بارے میں سبھی متفق ہیں کہ اس کی علت غرر ہے، البتہ شوافع اور حنابلہ نے حدیث کے ظاہری الفاظ پر اس علت کو منطبق کرنے کی کوشش کی ہے اور احناف نے علت کی بنا پر نص میں تخصیص کا راستہ اختیار کیا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک ممانعت کی اصل علت سود کے امکانی راستے کو بند کرنا ہے، اور اہل علم کے لئے یہ امر محتاج اظہار نہیں کہ سد ذرائع اور عقود ربویہ کے باب میں مالکیہ کے یہاں احتیاط سب سے زیادہ ہے، تاہم اس کی طرف حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں بھی واضح اشارہ موجود ہے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ اس کی ممانعت کیوں ہے؟ تو فرمایا:

”ذلك الدارهم بدر اھم والطعام مرجأ“ (بخاری ۶۸/۲)۔

’ (یہ درہم بہ مقابلہ درہم ہے اور کھانا ادھار رہا)۔

یعنی اگر ”الف“ نے ”ب“ سے ایک ہزار میں گیبوں خرید کیا اور قبضہ کئے بغیر ”ج“ سے بارہ سو روپے میں فروخت کر دیا تو گویا اس نے ایک ہزار روپے کر بارہ سو روپے حاصل کیے اور درمیان میں گیبوں کا واسطہ بھی نہ ہوا، سو اس طرح گویا اس نے بالواسطہ سود حاصل کیا۔ اس لئے گویا اس حدیث کا معلول ہونا ائمہ تبعیین کے درمیان متفق علیہ امر ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت بیع فاسد ہے:

بیع کے باطل و فاسد ہونے کا سبب یہ ہے کہ اگر ایجاب و قبول ایسے شخص نے کیا ہو جو

اس کا اہل نہ ہو یا معاملہ کی اساس (بیع) ایسی چیز کو بنایا ہو جو شریعت کی نگاہ میں مال نہ ہو تو بیع باطل ہے ورنہ فاسد، اس اصول پر اگر کسی حلال مال کی بیع قبضہ سے پہلے کی جائے تو یہ باطل نہ ہوگی اور نہ مکروہ ہی ہوگی، کیونکہ بیع مکروہ میں کراہت کسی خارجی وصف جیسے وقت یا مقام کی وجہ سے آتی ہے، بلکہ بیع فاسد ہوگی، شامی کے یہاں اس کی صراحت موجود ہے، درمختار میں ہے:

”وفسد بیع المنقول قبل قبضه ونفی الصحة یحتملہما“ (درمختار

۱۸۲/۴)

(مال منقول کی بیع قبضہ سے پہلے فاسد ہو جائے گی، اور بیع کے صحیح ہونے کی نفی باطل ہونے کا بھی احتمال رکھتی ہے اور فاسد ہونے کا بھی)۔

اس پر شامی کا بیان ہے:

”أی یحتمل البطلان والفساد والظاهر هو الثاني لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركنی العقد“ (رد المحتار ۱۸۲/۴)۔

(یعنی بطلان اور فساد دونوں کا اس لفظ میں احتمال ہے اور بظاہر فاسد ہونا مراد ہے، اس لئے کہ (جیسا کہ مذکور ہوا) فساد کی علت غرر ہے اور ایجاب و قبول پایا جا رہا ہے)۔

اس لئے یہ ”بیع فاسد“ ہے، اور قبضہ کے بعد خریدار کی ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، ”بیع فاسد“ کے سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اگر بیع میں فساد حق شرع کی بنا پر پیدا ہوا ہو اور وہ کسی کارگنہ پر مشتمل ہو تو یہ بہر حال باعث گناہ ہے، اگر نزاع کے اندیشہ سے ہو اور عملاً نزاع نہ پیدا ہو تو وقتاً بوقتاً بیع فاسد ہوگی، لیکن دیائے درست و صحیح ہو جائے گی، اس سلسلہ میں مولانا انور شاہ کشمیری کی یہ تحریر پر چشم کشا ہے:

”إن من البيوع الفاسدة ما لو أتى بها أحد جازت ديانة، وإن كانت فاسدة قضاء وذلك، لأن الفساد قد يكون لحق الشرع، بأن اشتمل العقد على مآثم فلا يجوز بحال وقد يكون الفساد لمخافة التنازع، ولا يكون فيه

شئ آخر یوجب الإثم فذلک إن لم يقع فیہ التنازع جاز عندی دیانۃ وإن بقی فاسداً قضاء لارتفاع علة الفساد وهی المنازعة ، وبدل علیہ مسائلہم فی باب المضاربة والشركة ، فإنہا ربما تكون فاسدة مع أن الربح یکون طیباً ، وراجع ”الہدایۃ“ ونبہ الحافظ ابن تیمیۃ فی رسالته علی أن من البیوع مالا يقع فیہ النزاع فتکون تلک جائزۃ : فإذا أدخلتها فی الفقہ وجدتها محظورة ؛ لأن أكثر أحكام الفقہ تكون من باب القضاء و الدیانات فیہا قليلة وإنما یصار إلى قضاء بعد النزاع ، فإذا لم يقع النزاع ولم یرفع الأمر إلى القاضی نزل حکم الدیانۃ لا محالة فیبقی الجواز“ (فیض الباری ۳/۲۵۸)۔

(بیع کے بعض فاسد معاملات وہ ہیں کہ اگر کوئی ان کو کر ہی لے تو دیانۃً جائز ہے گو قضاء فاسد ہے، اور وہ اس لئے کہ فساد کبھی حق شرع کی بنا پر ہوتا ہے، بایں طور کہ انجام دیا گیا معاملہ کسی گناہ کو شامل ہو تو یہ کسی حال میں جائز نہیں، اور کبھی معاملہ اندیشہ نزاع کے تحت فاسد ہوتا ہے اور اس میں کچھ اور باعث گناہ نہیں ہوتا تو اگر اس میں نزاع کی صورت نہ پیدا ہو تو میرے نزدیک یہ معاملہ دیانۃً جائز ہے اگرچہ یہ قضاء فاسد ہی رہے گا، کیونکہ نزاع جو علت فساد تھی وہ موجود نہیں، اور اس کی دلیل مضاربت و شرکت کے ابواب کے مسائل ہیں کہ بعض اوقات یہ معاملات فاسد ہوتے ہیں لیکن نفع حلال ہوتا ہے، اس سلسلہ میں ”ہدایۃ“ سے مراجعت کی جاسکتی ہے، نیز حافظ ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ میں اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ جس بیع میں نزاع نہ پیدا ہو، وہ جائز ہوگی، اگر تم اس کو باب فتنہ میں داخل کرو گے تو ناجائز پاؤ گے، کیونکہ فتنہ کے اکثر احکام قضاء کے باب سے ہوتے ہیں، اور دیانت کے مسائل اس میں کم ہوتے ہیں، قضاء کی طرف اسی وقت رجوع کیا جاتا ہے کہ نزاع پیدا ہوگئی ہو، لہذا اگر نزاع پیدا نہیں ہوئی اور معاملہ قاضی کے پاس نہیں گیا تو لامحالہ دیانت کا حکم جاری ہوگا اور جواز باقی رہے گا۔

اس لئے یہ امر بھی غور طلب ہے کہ ”قبضہ سے پہلے خرید و فروخت“ کی ممانعت از قبیل

حق شرع ہے یا حق عباد، اور یہ صرف قضاء فاسد ہے یا دینیت بھی؟ راقم الحروف کا خیال ہے کہ اس کی ممانعت حق عبد کی بنا پر ہے، نہ کہ حق شرع کی بنا پر، اور اس کا فساد دینیت ہے، نہ کہ قضاء۔ قبضہ کے مفہوم میں عرف کا دخل:

حقیقت یہ ہے کہ احادیث میں قبضہ کا کوئی متعین و محدود مصداق بیان نہیں کیا گیا ہے، بلکہ خود احادیث میں قبضہ کی مختلف کیفیات کی طرف اشارہ موجود ہے، مثلاً حضرت عبد اللہ بن عمر کی ایک روایت میں ہے کہ ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ مقام خریداری سے منتقل کئے بغیر دوبارہ اس کو فروخت نہ کریں، ”یا مرننا بانتقاله من المكان الذی ابتعناہ فیہ الی مکان سواہ قبل ان نبعہ“ (موطا امام مالک ۲۶۳)، حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ جب تک تجارت خرید کردہ مال کو اپنے کباوے میں منتقل نہ کر لیں فروخت نہ کریں، ”حتی یعوزھا التجار الی رحالہم“ (۲/۴۹۴)، حضرت ابو ہریرہ کی ایک روایت میں ناپ تول کو قبضہ قرار دیا گیا ہے: ”فلا یبعہ حتی یکتالہ“ (مسلم ۵۲)۔ ظاہر ہے کہ ناپ تول، سامان کو اس کی جگہ سے ہٹانا، اور سامان کو اپنی دوکان یا سواری میں منتقل کرنے کے مفہوم و مصداق میں خاصا فرق ہے اور جن الفاظ کی شریعت نے تحدید نہ کی ہو ان کی بابت اصول ہے کہ ”عرف“ ہی سے ان کی مراد متعین ہوگی، سیوطی کا بیان ہے:

”کل ماورد بہ الشرع مطلقاً ولا ضابط لہ فیہ ولا فی اللغۃ یرجع فیہ الی العرف ومثلوہ بالحرز فی السرقة والتفرق فی البیع والقبض“ (الاشیاء والنظار للسیوطی ۱۹۶)۔

(شریعت میں جو لفظ مطلق وارد ہوا ہو اور اس کی بابت نہ شریعت میں ضابطہ مقرر ہو اور نہ لغت میں، تو اس میں عرف کی طرف لوٹایا جائے گا، چوری کے مسئلہ میں حرز (حفاظت)، بیع میں تفرق، نیز قبضہ سے فقہاء نے اس کی مثال دی ہے۔

اسی لئے فقہاء متفق اللسان ہیں کہ قبضہ کا مصداق لغت اور اشیاء کی نوعیت کے لحاظ سے

ہوگا، علامہ علاء الدین کا سانی کہتے ہیں:

”ولا يشترط القبض بالبراجم، لأن معنى القبض هو التمكن والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة“ (بدائع الصنائع ۵/۲۳۳)۔

(انگلیوں سے قبضہ شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کے معنی ”تمکّن“ و ”تخلی“، اور عرف و عادات اور حقیقت کے اعتبار سے موانع کے ختم ہو جانے کے ہیں)۔

علامہ ابوالبرکات دررر قطر از ہیں:

”وقبض العقار .. بالتخلية .. وقبض غيره بالعرف الجارى بين الناس“ (الشرح الكبير على بائش الدسوقي ۳/۱۳۵)۔

(غیر منقول اموال میں قبضہ تخلیہ کے ذریعہ.. اور دوسری اشیاء میں لوگوں کے عرف و رواج کے مطابق ہوگا)۔

امام نووی کا بیان ہے:

”لأن القبض ورد به الشرع وأطلقه فحمل على العرف، وانعرف في ما ينقل النقل وفي ما لا ينقل التخلية“ (شرح المہذب ۹/۲۷۵)۔

(شریعت میں قبضہ کا ذکر ہے اور مطلق ہے لہذا اس کو عرف پر محمول کیا جائے گا، اور عرف منقولہ اموال میں یہ ہے کہ نقل قبضہ ہے، اور غیر منقولہ اموال میں تخلیہ)۔
فقہاء حنابلہ میں ابن قدامہ لکھتے ہیں:

”لأن القبض مطلق في الشرع، فيجب الرجوع فيه إلى العرف كالإحراز والتفريق“ (المغنی ۴/۹۰)۔

(کیونکہ قبضہ شریعت میں مطلق ہے، لہذا اس میں عرف کی طرف رجوع کرنا واجب ہے، جیسے احراز، تفريق)۔

اس لئے قبضہ کے سلسلہ میں یہ متفق علیہ ہے کہ قبضہ دراصل ”تخلیہ“ یعنی مالک اور اس

شے کے درمیان کوئی مانع تصرف امر کو باقی نہ رکھنے کا نام ہے، اور یہ ہر دور کے عرف اور ہر عہد کے رواج اور طور و طریق ہی سے متعین ہو سکتا ہے۔

قبضہ میں سامان کی نوعیت کا لحاظ:

جیسے قبضہ میں ہر عہد کے عرف کا اعتبار ہے، اسی طرح ہر شے کا قبضہ اسی کے لحاظ سے ہوگا، شامی کے الفاظ ہیں: ”یختلف بحسب المیع“ (رد المحتار ۴/۲۸۸)۔

اسی لئے فقہاء کے یہاں مختلف صورتوں میں الگ الگ کیفیات کو قبضہ قرار دیا گیا ہے، مثلاً چند صورتیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ بیع قاسد میں قبضہ کے لئے اس شے کو اپنے ہاتھ میں لینا ضروری ہے، محض تخلیہ، یعنی موانع کا ہٹا دینا کافی نہیں، ”المراد بالقبض هنا القبض بالبراجم لا بالتخلية یزید بالید“ (المحرر الرائق ۶/۱۹۳)۔

۲۔ کبھی خریدار کے تھیلے میں اس کی اجازت سے فروخت کردہ شے کا رکھ دینا قبضہ کے حکم میں ہے، چاہے ایسا کرتے وقت خریدار موجود نہ ہو، ”لو اشتری مکیلا معینا ودفع المشتري الى البائع ظرفا وأمره أن يكيه في ظرف ففعل البائع والمشتري غائب صح“ (المحرر الرائق ۶/۱۲۸)۔

۳۔ کبھی قبضہ کا اطلاق کسی شے اور اس کے خریدار کے درمیان موانع تصرف کے ختم کر دینے سے تسلیم کیا جاتا ہے، مثلاً کسی شخص کے پاس بطور امانت یا عاریت سامان موجود تھا، صاحب امانت اور صاحب عاریت نے اسی شخص سے وہ چیز فروخت کر دی تو جب بھی یہ اس سامان کے پاس آجائیں، قبضہ کی تکمیل ہو جائے گی، اب اگر اس کے بعد وہ سامان ضائع ہو جائے تو خریدار کی ملکیت سے ضائع ہوگا۔

”بصیر المشتري قابضاً بالتخلية، فإذا هلك بعد ذلك يهلك من مال المشتري“ (المحرر الرائق ۶/۸۰)۔

(خریدار تخلیہ کی وجہ سے قبضہ کرنے والا متصور ہوگا، لہذا اگر اس کے بعد بیع ضائع ہو جائے تو یہ خریدار کے مال میں سے متصور ہوگا)۔

قاضی خان لکھتے ہیں:

”اجمعوا علی أن التخلية فی البیع الجائز تكون قبضاً“ (فتاویٰ قاضیان

۴۷۴/۲)۔

اس پر اجماع ہے کہ بیع صحیح میں تخلیہ قبضہ ہے۔

عالمگیری نے بھی یہی بات نقل کی ہے، تاہم لکھا ہے کہ صاحب اجناس نے ”تخلیہ“ کے ساتھ یہ بھی شرط لگائی ہے کہ خریدار کو اس پر قبضہ کرنے کو کہہ دے، ”أن يقول خلیت بینک وبين المبیع فاقبضه“ (فتاویٰ ہندیہ ۹۸۳)، نیز خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے کہ بیع اگر دوری پر بھی واقع ہو پھر بھی ”تخلیہ“ قبضہ کے لئے کافی ہوگا، ”إن بالتخلية يقع القبض وإن كان المعقود علیه یبعد عنها“ (خلاصۃ الفتاویٰ ۸۹۳)، یہی رائے حنبلی دبستان فقہ کے مشہور شارح ابن قدامہ کی ہے، فرماتے ہیں کہ قبضہ کے لئے تخلیہ اور بیع کا ممتاز و مشخص ہونا کافی ہے، ”إن القبض فی کل شیء بالتخلية مع التميز“ (فتاویٰ ہندیہ ۱۰۸۳)۔

۴۔ کبھی فقہانے مکان کی کنجی حوالہ کر دیئے کو قبضہ کے لئے کافی تصور کیا ہے، گودہ خود اس مکان تک نہ گیا ہو، ”ولو باع الدار وسلم المفتاح فقبض المفتاح ولم یذهب إلى الدار یکون قابضاً“ (فتاویٰ قاضیان ۴۷۴/۲)۔

عالمگیری میں ہے:

”وقبض المفتاح قبض الدار إذا تهيأ له فتحها بلا كلفة“ (فتاویٰ ہندیہ

۱۰۸۳)۔

اگر کنجی سے بلا تکلف مکان کھولا جاسکتا ہو تو کنجی پر قبضہ مکان پر قبضہ کے حکم میں ہے۔

۵۔ بھی سامان میں خریدار کا تصرف قبضہ کے حکم میں ہوتا ہے، مثلاً خریدار کے حکم سے

ترجمہ کنندہ نے فروخت کئے ہوئے گیہوں کو بیس دیا، تو گیہوں پر قبضہ ہو گیا، ”واذا أمر المشتري للبائع بطحن الحنطة فطحن صار قابضاً“ (فتاویٰ ہندیہ ۱۲/۳)۔

۶۔ بیع میں خریدار کے حکم سے کوئی اور شخص تصرف کرے تو یہ بھی قبضہ کے لئے کافی ہے، فقہاء نے لکھا ہے کہ باندی پر قبضہ سے پہلے اس کا نکاح کر دے اور ناکح اس سے وطی کر لے، تو بعض حضرات کا خیال ہے کہ نکاح بجائے خود اس کی طرف سے قبضہ سمجھا جائے گا، اور بعض حضرات کے نزدیک ”وطی“ کے بعد قبضہ متحقق ہوگا، ”ومن اشتری جاریة ولم يقبضها حتى زوجها فوطيها فالنكاح جائز“ (ہدایہ ۸۶/۳)، اس سے معلوم ہوا کہ خریدار کے وکیل کا تصرف خود خریدار کا تصرف سمجھا جائے گا۔

۷۔ بعض صورتوں میں ایک چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دینے پر قبضہ کا اطلاق ہوتا ہے، ”وان كان.. فقبض المبيع نقله“ (المغنی ۱۱۱/۴)۔ ایک لفظی نزاع:

بہر حال فقہاء حنفیہ کے یہاں ”قبضہ“ تخلیہ سے عبارت ہے، البتہ اس کی کیفیت مختلف اشیاء کے لحاظ سے علاحدہ ہو سکتی ہے، خواہ اموال منقولہ ہوں یا غیر منقولہ (رد المحتار ۴/۴۸)، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اموال غیر منقولہ میں تو قبضہ ”تخلیہ“ کے ذریعہ وجود میں آتا ہے اور دوسری اشیاء میں ان کے حسب حالات، چنانچہ امام نووی نے لکڑی وغلہ جات وغیرہ میں منتقلی اور درہم و دینار میں ہاتھ یا کپڑے وغیرہ میں لے لینے کو قبضہ قرار دیا ہے (شرح المہذب ۲/۶۷۹)، حنابلہ نے ان کے علاوہ ناپی، تولی اور شمار کی جانے والی اشیاء میں خریدار کے ناپ، تول اور شمار کو بھی قبضہ شمار کیا ہے (الروض المربع ۲/۲۲۴)، مالکیہ نے بھی منقولہ اشیاء میں حسب عرف و رواج قبضہ کا مفہوم متعین کیا ہے (الشرح الکبیر علی ہاشم الدسوقی ۱۳۵/۳)۔

تاہم میرے خیال میں یہ کوئی جوہری اختلاف نہیں، بلکہ حنفیہ نے ”تخلیہ“ کے مفہوم میں وسعت پیدا کی ہے اور تخلیہ حقیقی و حکمی کی دو صورتیں کر کے استیلاء کی تمام صورتوں کو اس

میں سمیٹ لیا ہے، اور دوسرے فقہاء نے ”تخلیہ“ کو تخلیہ حقیقی تک محدود کر کے اس کا دائرہ نسبتہ تنگ رکھا ہے اور اس کے مقابلہ میں قبضہ کی دوسری کیفیات متعین کی ہیں، اگر تخلیہ حکمی کی کیفیات شامی وغیرہ کتب احناف میں دیکھی جائیں اور اموال منقولہ میں قبضہ کی تفصیلات دوسرے فقہاء کی کتابوں میں، تو کوئی خاص فرق محسوس نہیں ہوگا۔ حاصل یہی ہے کہ قبضہ کے مفہوم میں ہر عہد کا عرف و رواج بھی ملحوظ ہے اور شے مقبوض کی نوعیت بھی۔

خلاصہ بحث:

پس قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی بابت تمام مباحث کا حاصل یہ ہے کہ:

۱۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے مسئلہ میں موجودہ حالات میں فقہ مالکی یا فقہ حنبلی کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت فاسد ہے اور قبضہ کے بعد خریدی ہوئی شے پر ملکیت حاصل ہو جاتی ہے۔

۳۔ قبضہ کا مصداق نہ کتاب و سنت میں متعین ہے اور نہ فقہاء نے اس کا کوئی قطعی مفہوم مقرر کیا ہے، بلکہ ہر دور کے عرف اور خرید کی گئی اشیاء کی نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہو سکتا ہے۔

۴۔ ”قبضہ سے پہلے خرید و فروخت“ کی ممانعت ”غرر“ کی بنا پر ہے، غرر کثیر سے عقد فاسد ہو جاتا ہے، غرر لیسر سے فاسد نہیں ہوتا۔

۵۔ جو غرر باعث نزاع بن جائے وہ کثیر ہے، اور جو باعث نزاع نہ ہو اور عرف میں مروج ہو وہ لیسر ہے۔

۶۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے بیع فاسد ہوتی ہے نہ کہ باطل۔

۷۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا فساد حق عہد کی بنا پر ہے نہ کہ حق شرع کی بنا پر، اس لئے اس کا فاسد ہونا دیا ہے نہ کہ قضاء۔

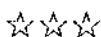
۶۔ فیکٹری سے خریدے ہوئے مال کو منتقل کئے یا کوئی ایسا عمل کئے بغیر جو حسی طور پر قبضہ کہلائے دوسرے سے فروخت کر دینا ”بیع قبل القبض“ میں داخل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، ”نقصان کا ضامن ہو جانا“ قبضہ کے تحقق کے لئے کافی نہیں، بلکہ اگر کوئی شخص قبضہ کے بغیر اپنے اوپر ضمان کی ذمہ داری قبول بھی کر لے تو اس کا اعتبار نہیں، علامہ شامی کا بیان ہے:

”اشتری بقرة مريضة وخلاها في منزل البائع فانلأ إن هلك فمني وماتت فمن البائع لعدم القبض“ (رد المحتار ۴/۳۸۸)۔

(بیمار گائے خریدی اور یہ کہہ کر فروخت کنندہ کے گھر میں چھوڑ دی کہ ہلاک ہو جائے تو میری ہلاک ہوئی اور گائے مر گئی تو یہ بائع کے مال میں سے ہلاکت متصور ہوگی، کیونکہ قبضہ نہیں پایا گیا)۔

اس لئے محض ہلاکت مال کا ضامن ہو جانا قبضہ نہیں۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت میں شپنگ کے ذریعہ خرید و فروخت کی طرف جو اشارہ کیا گیا ہے، اس میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت بھی ہے اور ”رجع الم یضمّن“ بھی، اس لئے یہ صورت بھی جائز نہیں۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور قبضہ کی نوعیت

مفتی محمد عبید اللہ اسعدی رحمہ اللہ

۱- شرع اسلامی کی رو سے خرید کردہ چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کو فروخت کرنا منع ہے، اور یہ ممانعت ”بیع فاسد“ کے درجہ کی ہے، نہ کہ بیع باطل، اگرچہ بعض حضرات کی صراحت یا الفاظ اس انداز سے ضرور ہیں (در مختار مع الشامی ۵/۱۳۸)۔

امام محمد نے اس کے متعلق فرمایا ہے: ”إن هذا مردود لا يجوز“ (المبسوط ۵/۹۱)۔ لیکن ترجیح فساد کو ہے، لایجوز وغیرہ جیسے الفاظ کے مفہوم میں وسعت ہے، علامہ شامی فرماتے ہیں: ”والظاهر الثاني (أى الفساد)“ لأن علة الفساد الغرر كما مع وجود ركني البيع وكثيرا ما يطلق الباطل على الفاسد“ (شامی ۵/۱۳۸-۱۳۹) فساد کی وجہ یہ ہے کہ علت غرر اور دھوکہ ہے جس کی وجہ سے فساد کا ہی حکم لگا کرتا ہے، یعنی عموماً، ”فتح القدیر“ میں بھی فساد کا ذکر ہے (۶/۱۳۷) پھر یہ کہ اس ممانعت کی بنیادی وجہ احادیث میں وارد ہونے والی نہی و ممانعت ہے جو کہ حنفیہ کے اصول کی رو سے فساد کا ہی فائدہ دیتی ہے بطلان کا نہیں، امام محمدؒ نے بھی (الجامع الصغير ۳۳۵) میں ”فالبیع فاسد“ فرمایا ہے۔

۲- یوں تو اس بابت وارد ہونے والی روایات میں ممانعت مختلف لفظ و انداز میں آئی ہے (فتح القدیر ۶/۱۳۶، اعلاء السنن ۱۳/۲۳۳-۲۳۴، نیل الاوطار - الجزء الخامس)، لیکن بظاہر روایات میں قبضہ کی حقیقت و صورت کی کوئی تعین نہیں آئی ہے، اس سے، نیز فقہاء محققین کی تصریح و تفصیل

سے بھی یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس میں توسع ہے اور عرف و معاملہ کا اعتبار ہوگا، اور اس بنا پر موقع و محل اور اشیاء کے اختلاف و فرق کی وجہ سے قبضہ کی صورت و حقیقت میں بھی فرق ہوگا، اس سلسلہ کی بعض روایات میں آنے والی تفصیل بھی صورت قبضہ کے مختلف ہونے کو بتاتی ہے، مثلاً یہ کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ خرید و فروخت کی جگہ سے منتقل کر کے اپنے ٹھکانے پر لے جائے بغیر خریدار اول کو اس کا فروخت کرنا منع ہے (ابن حبان والحاکم وغیرہ، اثناء ۱۳ / ۲۲۳)، اور بعض روایات میں دو مرتبہ کی ناپ و قول کے بغیر فروخت کی ممانعت آئی ہے جس میں ایک ناپ و قول تو پہلے بیچنے والے کی طرف سے ہوگی اور دوسری خریدار کی طرف سے، اور خریدار کی تول و ناپ کو قبضہ کی حیثیت دی گئی ہے اور اس کے بغیر اس کے حق میں فروخت کی ممانعت کو بھی (قبضہ سے پہلے فروخت) کے قبیل و باب سے قرار دیا گیا ہے، گویا غلہ کی خرید کے بعد اس پر قبضہ کی ایک شکل تو یہ ہے کہ اس کو دکان اور جائے خرید سے ہٹا کر اپنے ٹھکانہ پر یا ہاتھ میں لے لیا جائے، اور ایک شکل یہ ہے کہ فروخت کنندہ کی ناپ و قول کے بعد خریدار خود ناپ و قول کرے تو یہ ناپ و قول قبضہ ہے (اثناء السنن ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵)، نیز ”بدائع و شامی“ وغیرہ میں بھی اس قسم کی بات آئی ہے۔

بہر حال اس بابت توسع سمجھ میں آتا ہے اور اس کا اعتبار بھی کیا گیا ہے، لیکن ضرورت اصولی تحدید کی ہے، تاکہ اس کی روشنی میں نئی نئی شکلوں کا حکم معلوم کیا جاسکے اور مروج قدیم و جدید شکلوں کا اس پر یا اس کا ان شکلوں پر انطباق ظاہر ہو سکے۔

قبضہ کا ایک ہی دو شکلوں میں منحصر نہ ہونا، یا ایک ہی دو شکلوں میں اس کا معتبر نہ ہونا، بلکہ اس میں توسع، بظاہر یہ مذاہب اربعہ کا اتفاق حکم ہے، جیسا کہ قدیم محققین فقہاء مذاہب سے صراحت ملتی ہے، مثلاً:

فقہ حنفی کی ایک معتبر کتاب ”النفی فی الفتاویٰ“ میں آیا ہے: ”والقبض علی خمسة أوجه: أحدها قبض الكرم والدار وماله غلق وباب فيما لم يسلم البائع المفتاح إلى المشتري أو يقبض المشتري بإذن البائع فليس بقبض، وإذا كان

فی وسط الکرم والدار، وقال البائع: سلمت إليك فلا يحتاج حينئذ إلى قبض المفتاح. والثاني قبض الأرض فما لم يدخل فيها أو يمر على حد من حدودها وبراه فلا يكون قبضا، فإذا دخل فيها ومر على حد من حدودها، فيكون قبضا عند ذلك. والثالث قبض الحيوان وهو أن يكون في موضع يصل إليه بيده أو إلى لجامه أو مقوده، فيكون قبضا. والرابع قبض الكيلی فإن اكتاله المشتري في وعائه أو كاله البائع في وعائه بمحضر منه أو من وكيله، فيكون قبضا، ولو دفع الوعاء إلى البائع فكاله فيه بغير محضر منه يكون قبضا في قول أبي حنيفة وأصحابه ولا يكون قبضا في قول الشافعي ومالك.... والخامس قبض العروض وهو أن يسلمها إلى المشتري بحيث تناولها يد المشتري وخلى بينه وبينها من غير حاجز ومانع“ (الفتاویٰ ۳۸۰-۳۸۲)۔

(یعنی قبضہ کی پانچ صورتیں ہیں: ایک تو باغ و مکان وغیرہ جس کا باقاعدہ دروازہ ہو اس پر قبضہ، تو اگر کئی دیدی جائے یا یہ خریدار مالک و بائع کی اجازت سے تصرف کرنے لگے تو قبضہ ہو گیا، یا یہ کہ خریدار مکان و باغ کے اندر موجود ہو اور بائع کہے کہ میں نے سپرد کر دیا تو بھی کافی ہے۔

دوسرے عام زمین پر قبضہ، اس کے لئے زمین پر پہنچنا وغیرہ ضروری ہے۔ تیسرے جانور پر قبضہ، اس کی صورت یہ ہے کہ جانور ایسی جگہ و ایسے حال میں ہو کہ خریدار اس کو کام میں لاسکے۔ چوتھے ناپ و تول کی چیز کہ اگر خریدار یا اس کے وکیل کے سامنے فروخت کنندہ نے تول تو قبضہ ہو گیا، اور اگر غیر موجودگی میں، لیکن خریدار کے تھیلے وغیرہ میں تول تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبضہ ہو گیا۔ اور پانچویں سامان (برتن وغیرہ) پر قبضہ کی صورت یہ ہے کہ اس کو خریدار کے سپرد کر دیا جائے یا اس کو تصرف کا پورا موقع دے دیا جائے۔

ابن عبد البر مالکی کی کتاب ”الکافی“ میں جو کہ فقہ مالکی کی معتد کتابوں میں ہے، نیز

امام رافعی شافعی کی ”شرح الوجیز“ میں، اور حنابلہ کی ”المغنی“ میں بھی اسی انداز میں تفصیل آئی ہے (الکافی ۲/۶۱۱، علاء السنن ۱۳/۲۳۱ بحوالہ شرح الوجیز ۸/۴۴۸، ۴۴۹، المغنی ۳/۲۲۰)۔

جیسے کہ اس بابت یہ بات بھی آئی ہے: ”القبض قبضان، قبض حکم و قبض رقبة (قبض حقیقی) فقبض الحكم مثاله أن يشتري عبداً ثم يقتله أو يفقأ عينه أو يكسر رجله ونحو هذا، فقد صار قابضاً للعبد بهذه الجناية، وقبض الرقبة ما ذكرنا في الوجوه الخمسة“ (المغنی فی الفتاوی ص ۴۸۲) اور ”المحرر الرائق“ میں تصرف قوی وحسی یعنی قبض قوی وقبض فعلی کا تذکرہ آیا ہے (المحرر الرائق)۔

”نبھ“ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ کی دو صورتیں ہیں: قبضہ حکمی اور قبضہ حقیقی، قبضہ حکمی کی مثال تو یہ ہے کہ ایک غلام خرید اور پھر اس کو نقصان پہنچا دیا، مثلاً اس کو قتل کر دیا، یا ہاتھ پیر، آنکھ وغیرہ کو نقصان پہنچا دیا، تو اس کی وجہ سے خریدار کا قبضہ ہو جائے گا، اور قبضہ حقیقی وہ ہے جس کی پانچ شکلیں پیچھے ذکر کی جا چکی ہیں۔

”الفقه الاسلامی“ میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس میں عرف کا اعتبار ہے (الفقه الاسلامی ۴/۴۱۹)۔

اسی لئے ہر فقہ و مذہب کی جزئیات جو کہ قبضہ کے بیان میں آئی ہیں مختلف انداز کی ملتی ہیں، اور ان میں مختلف شکلوں کو قبضہ کے تحت اور قبضہ کے حکم میں یا مفید قبضہ مانا گیا ہے، فقہ حنفی میں بھی اور دوسرے مذاہب میں بھی (ملاحظہ ہو: المغنی، فتاویٰ حانیہ، شامی وغیرہ)۔

اب ان تصریحات و جزئیات اور تفصیلات کو مد نظر رکھ کر اصولی تحدید کی جائے گی، تو اس بابت فقہ حنفی کے مشہور محقق و ترجمان علامہ کاسانی کا یہ بیان ملتا ہے جس پر اعتماد بھی کیا گیا ہے:

”التسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي، وهو أن يخلي البائع

بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من

التصرف فيه ، فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً له ، وكذا تسليم الثمن من المشتري إلى البائع“ (البدائع ۵/ ۲۴۴)۔

(حنفیہ کے نزدیک قبضہ یہ ہے کہ خرید و فروخت کا معاملہ مکمل ہو جانے کے بعد فروخت کنندہ، خریدار اور خرید کردہ چیز کے درمیان یوں آزادی کر دے کہ خریدار کے لئے حسب خواہش و ضرورت خرید کردہ چیز میں ہر قسم کا تصرف، استفادہ و انتفاع ممکن ہو جائے اور بائع کی طرف سے کوئی روک و رکاوٹ باقی نہ رہ جائے)۔

یہ اصل و بنیادی بات ہے، باقی جزئیات اور ”الغف“ کا بیان اس کی صورتوں کی وضاحت و بیان ہے، جس میں عرف کے مطابق اضافہ کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ مذکورہ صورتیں عرف و معاملہ پر ہی مبنی ہیں، مثلاً آج کل بعض معاملات بالخصوص زمین کے معاملات میں کاغذی اندراج، اور اس کی سرکاری کارروائی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، لہذا اس کو کبھی کافی سمجھا جائے گا، ویسے تو زمین کے معاملہ میں یوں بھی فقہ حنفی کے اندر وسعت ہے، اور فروخت کردہ سامان کے نقصان و ضمان کا خریدار کی طرف منتقل ہو جانا خاص شکلوں میں۔

قبضہ کی بابت اختلاف کے باوجود جو تفصیلات محققین مذاہب نے ذکر کی ہیں، جیسا کہ تذکرہ آتا ہے، احقر ان سے یہ سمجھا ہے کہ خرید و فروخت میں قبضہ بہر حال مطلوب ہے اور خریدار کے تصرف کے لئے ضروری ہے اور ہر چیز میں ضروری ہے، اختلاف اصل میں اس بابت ہوا ہے کہ قبضہ کا مفہوم مختلف اشیاء و صورتوں کے اعتبار سے کیا ہے، مثلاً یہ کہ آیا زمین وغیرہ منقولات میں بھی قبضہ، بایں معنی ضروری ہے کہ خریدار استعمال و انتفاع شروع کر دے یا یہ کہ بائع کی طرف سے اس کو موقع حاصل ہو جائے، کتب مذاہب کی جزئیات اس توافق و اتفاق کے ساتھ مذکورہ جزئی و ضمنی اختلاف کو بتاتے ہیں۔

البتہ فقہاء احناف نے اس کے ساتھ یہ بحث کی ہے کہ ایک نفس قبضہ ہے اور ایک قبضہ تام، تخلیک جو ذکر کیا گیا اس سے نفس قبضہ حاصل ہوتا ہے، لیکن قبضہ تام کے حاصل ہونے میں

اختلاف ہے، اس اختلاف کی اہمیت یہ ہے کہ بالخصوص خرید و فروخت پر اس کا اثر پڑے گا، بعض حضرات ناپ و تول والی چیزوں میں ناپ و تول کے بغیر قبضہ تام کو نہیں مانتے، اور کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ان اشیاء کی خرید و فروخت منع ہے، اگرچہ ایک بڑی جماعت اصل قبضہ اور نفس تخلیہ کو دوسری اشیاء کی طرح اس میں بھی کافی مانتی ہے (البدائع ۵/۲۴۲)۔

جو لوگ قبضہ تام کو الگ مانتے ہیں ان کے نزدیک اس کے حصول کے مختلف ذرائع ہیں، مثلاً: (۱) اتلاف کہ مشتری (خریدار) خرید کردہ شے کو تلف و ضائع کر دے یا نقصان پہنچا دے، (۲) خرید کردہ شے فروخت کنندہ کی طرف سے خریدار کو بطور امانت وغیرہ دیدی جائے، (۳) جو شخص خرید کردہ شے کو کچھ نقصان پہنچائے خریدار اس سے ضمان لے لے، (۴) سابق قبضہ، یعنی خریدنے سے پہلے شے کا خریدار کے پاس موجود ہونا بشرطیکہ جہت ایسی ہو کہ اس پر ضمان لازم آتا ہو، (۵) اور تخلیہ بھی، اگرچہ ہر جگہ نہ ہو (الفتاویٰ اسلامی ۳/۴۱۸ تا ۴۲۲)۔

اور اس ضمن میں پھر یہ گفتگو بھی آتی ہے کہ خریدار کے حق میں فروخت کی اجازت و صحت کے لئے مال کا خریدار کے ضمان میں آجانا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے باوجود ممانعت رہتی ہے، اس لئے کہ ضمان تو نفس تخلیہ و نفس قبضہ سے ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ”بدائع“ وغیرہ میں بھی آیا ہے: ”وان باع مكايلة أو موازنة في المكيل والموزون وخلي فلا خلاف في أن المبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل في ضمان المشتري حتى لو هلك بعد التخلية قبل الكيل والوزن يهلك على المشتري وكذلك لا خلاف في أنه لا يجوز للمشتري بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن“ (بدائع ۵/۲۴۲)۔

۳۔ سوال نمبر (۲) کے جواب کے تحت جو تفصیل آئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اشیاء کے فرق کی وجہ سے قبضہ کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے، اگرچہ اصولی طور پر ”تخلیہ“ بنیادی چیز ہے اور اصل قبضہ ہے، پھر بھی منقولات میں نقل مکانی وغیرہ جیسی صورتیں مطلوب اور معتبر ہوتی ہیں، جبکہ غیر منقولہ اشیاء میں نفس تخلیہ ہی کافی ہے، یا یہ کہ مکان و مکان کی کچی کامل جانا وغیرہ۔

۴۔ اکثر حضرات کا میلان و رجحان اس بات کی طرف ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے نبی و ممانعت معلول ہے، اگرچہ فقہاء احناف کی ایک جماعت یا ایک بڑی جماعت اس کی قائل نہیں، جن حضرات نے تخلیک کو ہی مکمل قبضہ اور قبضہ تام کی حیثیت ہرشی میں دیدی ہے ان کا کہنا ہے کہ یہ حکم تعبدی ہے، جیسا کہ ”بدائع“ میں نقل کیا ہے اور دوسرے حضرات نے بھی ذکر کیا ہے۔

اور اکثر حضرات کے نزدیک اس نبی کی علت ”غرر انفساخ“ ہے، یا ”ربح مالم یضمن“، ”غرر انفساخ“ کا مطلب یہ ہے کہ قبضہ میں لینے سے پہلے کسی وقت بھی خرید کردہ سامان کے ضیاع کا اندیشہ ہے، جس کی وجہ سے بیع فسخ و ختم ہو جائے گی، اور چونکہ زمین کے اندر یہ اندیشہ نہیں ہوتا، اسی لئے اس کا استثناء ہے۔ اور ”ربح مالم یضمن“ کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز خریدار کے ضمان میں نہیں آئی کہ وہ ضائع ہو تو خریدار کا نقصان مانا جائے اس کا نفع لینا درست نہیں ہے۔

ایک علت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کی گئی ہے کہ ایسی خرید و فروخت میں ربا اور سود کا پہلو پایا جاتا ہے (اعلاء السنن ۱۳/۲۵ وغیرہ)۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ خریدار نے جبکہ مال خرید کر اس کی قیمت ادا کر دی اور مال کو قبضہ میں نہیں لیا، اور بیچ دیا اور بیچ کر نفع کمایا تو معاملہ کا حاصل نقد بمقابلہ نقد بنا، خریدار نمبر (۱) نے جیب سے نقد دیا، اور پھر خریدار نمبر (۲) سے نقد ہی بڑھا کر حاصل کیا، درمیان میں مال کو واسطہ نہیں بنایا کہ اس پر قبضہ کرتا پھر فروخت کرتا۔

اس علت کو علامہ شوکانی نے ترجیح دی ہے، جیسا کہ ”اعلاء السنن“ میں مذکور ہے اور صاحب اعلاء نے بھی اس کو پسند کیا ہے، اور احقر کی رائے میں بھی یہ زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ غرر انفساخ والی بات درجہ نادر میں ہے اور ضمان نفس تخلیک کی وجہ سے مان لیا جاتا ہے، نیز صاحب ”اعلاء السنن“ نے ذکر کیا ہے کہ انتقال کی شرط تمام قبضہ کے لئے نہیں ہے، اس لئے کہ

قبضہ عرفاً معلوم ہے اور یہ بات محتمل ہے، اس لئے معلوم کو مدار و معتبر مانا جائے گا، ”غرر انفساخ و ربح الم یضمن“ کی علت امام صاحب وغیرہ نے، نیز عموماً فقہاء نے مانی ہے، اور مجموعی طور پر ان سب کا اعتبار کیا جاسکتا ہے کہ علت ایک سے زائد بھی ہو سکتی ہے، چنانچہ صاحب ”اعلاء“ نے سب کا تذکرہ کیا ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت میں محل ممانعت کیا ہے، اختلاف ہے، ایک جماعت جس میں امام شافعی و امام محمد شامل ہیں، مطاقاً منع کرتی ہے، یعنی ہر چیز میں، اور بقیہ سب کے یہاں تفصیل و تخصیص ہے، مختصر بات یہ ہے کہ کھانے پینے کی چیزوں کے حق میں تو یہ ممانعت اتفاقی و اجماعی ہے، بقیہ میں اختلاف اور توسع ہے، کم از کم ائمہ ثلاثہ امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام احمد کے نزدیک، اگرچہ باہم ان کے درمیان بھی اختلاف ہے کہ امام ابو حنیفہ یہ ممانعت تمام منقولات کے حق میں مانتے ہیں اور غیر منقول کو مستثنیٰ مانتے ہیں، اصل میں بات یہ ہے کہ روایات میں کھانے پینے کی چیز کا تذکرہ زیادہ ہے، امام ابو حنیفہ نے اسی کی تنقیح منقول سے کی ہے، اور غیر منقول کے حق میں حضرت عثمان کے فعل سے حجت پکڑتے ہیں کہ انہوں نے ایک زمین خرید کر بغیر قبضہ حسی فروخت کی تھی (اعلاء السنن ۱۳/۲۲۷، ۲۲۹)۔

۶۔ کسی فیکٹری سے مال خرید کر دوسرے کو فروخت کرنا اور دوسری فروخت سے قبل اس کو فیکٹری سے ٹھکانہ و مقام کی طرف منتقل نہ کرنا، یا یہ کہ قبضہ کی ظاہری کوئی شکل اختیار نہ کرنا، اس میں دو شکلیں نکلتی ہیں:

ایک تو یہ کہ فیکٹری سے مال خرید لیا، یعنی معاملہ طے کیا، قیمت دیدی، اور مال ابھی فیکٹری اور اس کے گودام میں ہے، کہ دوسرے شخص سے خریدنے کا معاملہ مکمل کیا، اور اس معاملہ کو مکمل کر کے فیکٹری کو آرڈر دیا کہ میرا خرید کردہ مال فلاں جگہ، فلاں شخص کو پہنچایا جائے، تو یہ معاملہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا ہے جو درست معلوم نہیں ہوتا، خواہ کوئی چیز ہو، اس لئے کہ تحلیہ اور قبضہ کسی طرح کا نہیں پایا گیا۔ الا یہ کہ خریدار اول کے معاملہ کے بعد فیکٹری نے اس کے خرید کردہ

مال کو گودام میں ایک طرف کر دیا ہو، یا یہ کہ نشان وغیرہ لگا کر ممتاز کر دیا ہو تو یہ تخلیہ ہو گیا جو کہ کافی سمجھا گیا ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ فیکٹری سے مال خریدنے والے نے پہلے معاملہ خریدار نمبر (۲) سے کیا، پھر فیکٹری کو آرڈر دیا مال کی خرید وارسال کا، تو اس میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا معاملہ تو نہیں، البتہ محدود کم بیع وغیرہ کی خرابیاں پیدا ہوں گی، ضرورت کی وجہ سے توجیہ کر لیں تو مال جب روانہ ہوگا اور سوال میں مذکور تفصیل کے مطابق کہ درمیانی وقفہ میں ضیاع کی ذمہ داری خریدار نمبر (۱) کی ہے تو قبضہ مان لیا جائے گا، اور یہ معاملہ درست ہوگا، جبکہ مذکورہ صورت میں نقل مکانی بھی پایا جا رہا ہے جس کی قبضہ میں اہمیت ہے۔

۷۔ آج کل شکلیں بہت رائج ہو گئی ہیں اور ان کا تعامل ہے۔

الف۔ جن صورتوں میں عرفاً و معاملہ فروخت کنندہ نمبر (۱) کی طرف سے ضمان خریدار نمبر (۱) کی طرف منتقل مان لیا جاتا ہے، جبکہ مال فیکٹری و فروخت کنندہ کے ٹھکانہ سے روانہ ہو چکا ہو، ان صورتوں میں یہ معاملہ درست ہے کہ خریدار نمبر (۱) اس سامان کو تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دے، یہ فروخت بعد القبض ہوگی، اس لئے کہ تخلیہ اور ضمان پایا جا رہا ہے (امداد الفتاویٰ: بعض مندرجات سے اس کی گنجائش مترشح ہے، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷)۔

ب۔ اور اس دوسری فروخت میں اگر خریدار نمبر (۱) مال کے راستہ میں رہنے کے باوجود ضمان سے بری ہو جاتا ہے اور ضمان خریدار نمبر (۲) کی طرف منتقل ہوتا ہے اور اس کو تصرقات کے تمام مواقع حاصل ہوتے ہیں تو یہ بھی درست معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ تخلیہ اور ضمان دونوں پائے گئے اور قبضہ کی اصل حقیقت ضمان ہے۔

ج۔ فقہاء عصر کی تحریرات میں بعض رہنمائیاں اور صراحتیں ملتی ہیں جو کہ مروج معاملات میں کافی و کارآمد ہوں گی، مثلاً:

۱۔ خریدار نمبر (۱) جبکہ کسی بینک کو واسطہ بنائے اور وہ بینک اپنی شاخوں کے واسطے سے

مال کے نقل و ارسال و ایصال کا کام لے اور کرے تو قبضہ پالیا گیا، اور اس صورت میں بھی خریدار کی طرف سے اگلی فروخت درست ہے۔

۲- خریدار نمبر (۱) کی طرف سے نقل و حمل کی کسی کمپنی کی تعیین پائی جائے تو جب مال اس کمپنی کے سپرد کیا جائے گا تو بھی اس کا قبضہ مان لیا جائے گا۔

۳- خرید کردہ مال کی آمد و وصولیابی کے جملہ اخراجات (کرایہ وغیرہ) اگر بذمہ خریدار نمبر (۱) ہے تو مال کی روانگی کے بعد قبضہ معتبر ہے، خواہ نقل و حمل کا ذریعہ اس نے متعین کیا ہو یا نہیں (احسن الفتاویٰ ۶/۵۲۵-۵۲۶)۔

ایسی صورتوں کے فقدان کی صورت میں مال کے خریدار (۱) کے قبضہ میں آنے سے پہلے فروخت کے معاملہ کو معاملہ بیع نہ مان کر وعدہ بیع قرار دے لیا جائے، اور مال آنے پر بیع ہو جس میں اختیار رہے گا تو درست ہے، بعض معاملات میں ایسی توجیہ و مشورہ ”احسن الفتاویٰ و امداد الفتاویٰ“ وغیرہ میں آیا ہے۔

قبضہ کی مذکورہ بالا صورتوں میں غلہ وغیرہ ناپی و تولی جانے والی چیزوں کا معاملہ اہم ہے، کہ خریدار نمبر (۱) کی طرف سے اگلی فروخت صرف تخلیہ و ضمان کی بنیاد پر درست نہیں ہے، بلکہ ناپ و تول مطلوب ہے جس کے بغیر قبضہ تام نہیں ہوتا، اور اگر ہو جائے تو بھی بیع درست نہیں، البتہ ایسی چیزوں کے حق میں دوسری گنجائشوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے، مثلاً یہ کہ ناپ و تول کا لزوم اس وقت ہوگا، جبکہ پہلی فروخت اس بنیاد پر ہو، اور اگر وہ پورے کی بنیاد پر ہو کہ اتنے پورے مال اور اتنی وگیں وغیرہ اور مال پورے کا پورا رکھا ہوا اٹھا کر دیا جائے تو یہ پابندی نہ ہوگی۔

☆ ☆ ☆

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور غرر کے احکام

مولانا اکرظفر الاسلام اعظمیؒ

۱۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بیع قبل القبض فاسد ہے اور یہ صورت ”ربح مالم یضمن“ میں شامل ہے، اس کی صورت یہ ہے ”أن یشتري متاعا ویبعه من آخر قبل قبضه“ صاحب ”اعلاء السنن“ لکھتے ہیں: ”فهذا البیع باطل وربحه لا یجوز“ (اعلاء السنن ۱/۱۷۷) آگے مؤلف مذکور نے ابطال کی وجہ بھی بیان کر دی ہے، وہ یہ کہ ابھی بیع پہلے نہیں ہی کے ضمان میں ہے مشتری کے قبضہ میں نہ آنے کے باعث ضمان میں داخل نہیں ہوئی، اس کے عدم جواز میں وہ حدیث بھی پیش کی جاسکتی ہے جس میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت عتاب بن اسیدؓ کو اہل مکہ کی جانب بھیجا کہ وہ یہ چار باتیں ان تک پہنچادیں، (۱) ”إن لا یصلح شرطان فی بیع (۲) ولا بیع وسلف (۳) ولا بیع مالا یملک (۴) ولا ربح مالا یضمن“، حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے بھی یہ روایت موجود ہے جس کی اصحاب خمسہ نے بجز ابن ماجہ کے خرّج کی ہے، اس مفہوم کی دیگر مرویات باختلاف سیر ابن حبان نے اپنی صحیح میں، حاکم نے مستدرک میں، نسائی نے سنن کبریٰ میں، امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں نقل کی ہیں (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: مفتی لابن قدامہ ۳/۲۲۰-۲۲۱ بجلی لابن حزم ۸/۵۲۲)۔

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ”فمذهب أبی حنیفة لا یدخل المبیع کله فی ضمان المشتري إلا بالقبض إلا العقار وعند الشافعی العقار وغیره سواء وهو

شیخ الحدیث و پرنسپل، دارالعلوم منور۔

روایۃ عن أحمد“ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۴/۲۹۰)، عبد الرحمن الجزیری نقل فرماتے ہیں: ”الحنفیۃ قالوا من البیع الفاسد بیع الأعیان المنقولة قبل قبضها“، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بیع منقول ہو یا غیر منقول، قدرت علی التسلیم نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بیع باطل ہوگی ”فإذا اشتری منقولاً كان أو غيره ولم يسلم ثم باعه وقع البيع باطلا“ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۳)۔

اس طرح کی بیع سے متعلق ہمارے بعض علماء نے بھی باطل کا قول کیا ہے، چونکہ باطل اور فاسد میں تعارض ہے، اسلئے اس کا جواب اگر یوں دیدیا جائے کہ یہاں پر باطل بمعنی فاسد ہے تو اب تعارض نہ رہ جائے گا، نیز اس کے نظائر نصوص فقہاء میں موجود بھی ہیں، دوسرا جواب اس عبارت سے بھی دیا جاسکتا ہے جو درج ذیل ہے:

”الحنفیۃ قالوا إذا اصطاد طیرا فکان فی یدہ ثم أرسله فی الهواء فإن بیعه فی هذه الحالة یكون فاسدا لعدم القدرة علی التسلیم ، أما إذا باع الطیر فی الهواء قبل أن یصطاده فالبیع باطل لا ینعقد أصلا لعدم الملك“ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۳)۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر شکار کر کے چڑیا اپنے ہاتھ میں لے رکھا اور پھر فضا میں چھوڑ دیا تو اس صورت میں یہ بیع فاسد ہوگی قدرت علی التسلیم نہ ہونے کی وجہ سے، لیکن اگر شکار سے پہلے فضا ہی میں بیع کر لی گئی تو یہ بیع باطل ہوگی ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے۔ لہذا فساد کی وجہ عدم تسلیم للقدرة ہے اور ابطال کی وجہ عدم ملکیت ہے۔ علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں:

”فالشافعی یمنعه مطلقا ویقول هو من ضمان البائع وهو رواية ضعيفة عن أحمد وأبو حنیفة یمنعه إلا العقار ویقول: هو من ضمان البائع وهو لا یعللون بتوالی الضمانین“ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۴/۲۹۰)۔

ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام مالکؒ کے نزدیک بیع قبل القبض اعیان منقولہ میں ہوا غیر منقولہ میں، سوائے طعام کے صحیح ہے، ”المالکیۃ قالوا: یصح للمشتري أن يتصرف فی المبیع قبل قبضه بالبیع سواء كان المبیع اعیانا منقولہ أو اعیانا ثابتہ كالارض والنخيل ونحوهما الا الطعام كالقمح والفاکھة“ (کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ ۲/۲۳۵) ”وقال مالک: یجوز لأن النبی ﷺ یخص الطعام بالذكر عند النهی“ (مسوئل للرحمنی ۸/۱۳) ”ونقل عن أحمد: أن المَطْعوم لا یجوز بیعه قبل قبضه سواء كان مکيلا أو موزونا أو لم یکن“ (معنی ابن قدامہ ۳/۱۱۵) ”الحنابلہ: قالوا: یصح التصرف فی المبیع بالبیع قبل قبضه، إذا كان غیر مکيل أو موزون أو معدود“ (الفقہ علی المذاهب الاربعہ ۲/۲۳۶)۔

مذکورہ مذاہب کی روشنی میں یہ سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت امام مالکؒ کے یہاں جواز میں توسع ہے تو حضرت امام شافعیؒ کے یہاں عدم جواز میں، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اعیان منقولہ میں غیر صحیح اور اعیان غیر منقولہ میں صحیح، پھر اگر کسی نے اعیان منقولہ میں عدم جواز کے باوجود قبل القبض بیع کر لی تو وہ بیع فاسد ہوگی، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: ”ومنها القبض فی بیع المشتري المنقول، فلا یصح بیعه قبل القبض لما روى النبی ﷺ نہی عن بیع مالم یقبض، والنہی یوجب فساد المنہی ولأنه بیع فیہ غرر الانفاسخ بهلاک المعقود علیہ“ (بدائع الصنائع ۵/۱۸۰)۔

فقہاء نے ایک مسئلہ بڑی وضاحت سے اٹھایا ہے کہ ”بیع قبل القبض“ اگر کر لی گئی تو اس کا حکم کیا ہوگا، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو یہ بیع سرے سے فاسد ہے، چاہے بیچنے والے کو جی کیوں نہ بیچ دی گئی ہو، یعنی اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں: ”وقد نہی رسول اللہ عن بیع فیہ غرر سواء باعه من غیر بائعہ؛ أو من بائعہ لأن النهی ینقلق لا یوجب الفصل بین البیع من غیر بائعہ أو بین البیع من بائعہ

و كذا دعنى الغرد لا يفصل بينهما“ (بدائع الصنائع ۵/۱۸۰)، علامہ عبدالرحمن الجزیری بھی یہی تقریر فرماتے ہیں: ”سواء باعها لمن اشتراها عنه أو لغيره“ (الفقه علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵) حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بیع قبل القبض جائز نہیں، مگر چند صورتوں میں، جن میں سے پہلی صورت یہ ہے: ”الأول أن يبيعه قبل قبضه لمن اشتراه منه بنفس الثمن الذي اشتراه به بدون زيادة“ (كتاب الفقه علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۴)۔

مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہو گیا کہ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک میں ”بیع قبل القبض“ اولاً تو جائز نہ تھی، لیکن اگر مشتری نے خود بائع کو ہی ثمن اول کے ساتھ بیچ دیا تو یہ بیع صحیح ہو جائے گی، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں بھی بیع کی صحت کی چند صورتیں ہیں۔
اول یہ کہ اگر بائع نے خود خرید اتو یہ صحیح نہ ہوگی، الا یہ کہ بائع کے لڑکے باپ، یا خادم، یا بیوی نے اسے خرید لیا۔

(۱) ”فإذا اشتراها ابنه أو أبوه أو خادمه أو زوجة فإنه يصح إذا لم يكن ذلك حيلة يتوصل بها إلى الشراء“۔

(۲) ”فإن اشتراها بمثل ثمنها أو أكثر فإنه يصح“۔

(۳) ”أما إذا لم يكن من جنس ثمن الأول كما إذا باعها بنقد ثم اشتراها بعروض تجارة فإنه يصح“ (كتاب الفقه علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۶)۔

اس میں کچھ اور تفصیلات ہیں جو مفتی لابن قدامہ ۴/۱۱۸ رد المحتار ۴/۲، بدایۃ المجتہد ۲/۱۴۴-۱۴۵ پر دیکھی جاسکتی ہیں۔

اب ائمہ اربعہ کا مسلک اس طرح ہوگا:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ”بیع قبل القبض“ قاسد ہے، سوائے غیر منقول کے، یہ بیع خود بائع سے ہو، یا بائع کے علاوہ کسی اور سے۔

امام مالکؒ کے نزدیک ”بیع قبل القبض“ اعیان منقولہ و غیر منقولہ دونوں میں صحیح ہے، بجز

طعام کے، امام شافعیؒ کے نزدیک ”بیع قبل القبض“ منقول و غیر منقول دونوں میں صحیح نہیں، ۱۱۱ یہ کہ مشتری خود بائع کو ہی ثمن اول کے ساتھ بیچ دے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک غیر مکمل و غیر موزون و غیر معدود و غیر مذروع میں قبل القبض ہے، اس کے ماسوا میں نہیں۔

حنبل مسلك کی ایک روایت جو قوی ہے وہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی مؤید ہے، اور ایک ضعیف روایت حضرت امام شافعیؒ کی۔

خلاصہ کلام:

”بیع قبل القبض“ نہ تو مطلقاً جائز ہے اور نہ ناجائز، نیز اگر بیع کر لی گئی تو فاسد ہوگی اعیان منقولہ میں، اور صحیح ہوگی غیر منقولہ میں۔

۲۔ کتاب وسنت و نصوص فقہاء کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ ایک مجتہد فیہ مسئلہ ہے، حالات، زمان و مکان و بیع کے اختلاف سے قبضہ کی نوعیتیں جدا گانہ ہوں گی۔

پس اولا عرض ہے کہ فقہاء نے قبضہ کی دو قسمیں کی ہیں: حقیقی اور حکمی۔ حقیقی قبضہ تو جس اور تسلیم سے ہوگا، اور حکمی استیلاء، تمکن، اشارہ، تجلیہ و تیز سے، ابن قدامہ کی درج ذیل عبارت سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے مراد استیلاء ہی ہے جو لوگوں کے بیچ متعارف ہو۔

”وكل ما يحتاج الى قبض اذا اشتراه لم يجوز بيعه حتى يقبضه“ (مغنی لابن قدامہ ۲/۲۳۰)۔

علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: ”ثم قال الحرقی: ومن اشترى ما يحتاج الى قبضه لم يجوز بيعه حتى يقبضه ففرق بين ما يحتاج الى القبض وما لا يحتاج فما لا يحتاج يكفى فيه التمكن“ (فتاویٰ لابن تیمیہ ۲۹/۵۰۷-۵۰۸)۔

اسی رائے کی تائید ابن قدامہ کی اس تحریر سے بھی ہو رہی ہے: ”وقبض كل شيء بحسبه، فإن كان مكيلا أو موزونا فقبضه بكيله ووزنه، وبهذا قال الشافعي“،

وقال أبو حنيفة: التخلية في ذلك قبض، وقد روى أبو الخطاب عن أحمد رواية أخرى أن القبض في كل شيء بالتخلية مع التميز“ (معنی لابن قدامہ ۲۲۰/۳)۔

ہر چیز کا قبضہ بیع کے شایان شان ہوگا، چنانچہ اگر بیع از قبیل کمیل یا موزون ہے تو اس پر قبضہ کیل اور وزن سے ہوگا اور یہی امام شافعی کا مسلک ہے، اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس پر قبضہ تخلیہ سے ہوگا، ایک روایت ابو الخطاب نے حضرت امام احمد بن حنبل سے نقل کی ہے کہ صرف تخلیہ سے ہی قبضہ نہ ہوگا تا وقتیکہ خریدی ہوئی شے متمیز نہ ہو جائے۔

یہاں پر تخلیہ سے مراد قبضہ کی اجازت دیدینا ہے نہ کہ تخلیہ کا معنی مخصوص، ”قوله أن يقول: خليت الظاهر أن المراد به الإذن بالقبض لا خصوص لفظ التخلية“۔ وہ چیزیں جو جزا اور اندازہ سے خریدی جاتی ہیں ان کا قبضہ نقل ہے۔ ”وإن بيع جزا فاقبضه نقله“ (معنی لابن قدامہ ۲۲۰/۳)۔

حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ ہر وہ تصرف جس میں بدون قبضہ کے جواز ہو اس میں اگر مشتری قبضہ سے قبل تصرف کرے تو وہ جائز نہ ہوگا، اور ہر وہ تصرف جس میں تصرف قبضہ کے علاوہ جائز نہیں اس میں مشتری قبضہ سے پہلے تصرف کرے تو وہ جائز ہوگا۔

”كل تصرف يجوز من غير قبض إذا فعله المشتري قبل القبض لا يجوز وكل مالا يجوز إلا بالقبض كالهبة إذا فعله المشتري قبل القبض جاز ويصير المشتري قابضاً له“ (شامی ۵۶۱/۳)۔

علامہ سرخسی کی بھی تحریر پیش خدمت ہے: ”قال محمد: كل تصرف لا يتم إلا بالقبض، فذلك جائز في المبيع قبل قبضه إذا سلطه على قبضه فيقبضه“ (المبسوط ۸/۱۳)۔

علامہ شامی نے قبضہ کی بہت ساری صورتیں تحریر فرمائی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

”ومنه مالو اشترى دهنًا ودفع قارورة يزنه فيها فوزنه فيها بحضرة

المشتري فهو قبض، وكذا بغيبته في الأصح وكذا كل مكيل أو موزون إذا دفع له الوعاء فكاله أو وزنه فيه بأمره ومنه مالو غصب شيئا ثم اشتراه صار قابضا“ (رد المحتار ۵۶۱/۳)۔

حضرت امام احمدؒ کے نزدیک قبضہ سے مراد ممکن ہے نہ کہ نفس قبضہ: ”فظاهر مذهب أحمد أن الناقل للضمان إلى المشتري هو التمكن من القبض لا نفس القبض“ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۵۰۷/۲۹)۔

صاحب ”رد المحتار“ نے تخلیہ کو حکماً قبضہ قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: ”وحاصله أن التخلية قبض حکماً“ آگے علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں کہ قبضہ کی مختلف صورتیں ہیں: ”لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيع مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض، وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض وفي الملتقط: ولو باع داراً وسلمها إلى المشتري دار فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليمها حتى يسلمها فارغة“ (رد المحتار ۵۶۲/۳)۔

ملک العلماء ابو بکر کاسانی تحریر فرماتے ہیں: ”أما الحديث فظاهر قوله عليه السلام: ”يبدأ بيد“ فنحملها على التعيين“ (بدائع الصنائع ۲۱۹/۵)۔

ابن حزم تحریر فرماتے ہیں کہ جب شی کسی خاص کی ہو جائے تو اسے قبضہ کہیں گے: ”فهذا عمر يقول بذلك وبين أن القبض هو الذي يكون الشيء للمرأة“ (محلّ لابن حزم ۵۲۰/۸)۔

علامہ کاسانی نے قبضہ کی تفسیر اس طرح کی ہے: ”وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلّي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف

فیه، فیجعل البائع مسلماً للمبیع والمشتري قابضاً له، وكذا تسليم الثمن من المشتري إلى البائع“ (بدائع الصنائع ۲۴۴/۵)۔

تسلیم اور قبضہ ہمارے نزدیک تخلیہ ہے اور تخلیہ یہ ہے کہ بائع بیع اور مشتری کے درمیان موانع کو اس طرح دور کر دے کہ مشتری تصرف پر قادر ہو جائے، لہذا بائع بیع کو سوچنے والا اور مشتری اس پر قبضہ کرنے والا ہو جائے، ایسے ہی ثمن مشتری سے نکل کر بائع کے پاس چلا جائے، صاحب ”بدائع“ اسی مفہوم کو ایک مقام پر اس طرح بیان کرتے ہیں: ”لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة حقيقة“ (بدائع الصنائع ۱۳۸/۵)۔

مذکورہ بالا قبضہ کی تائید قواعد الفقہ کی اس عبارت سے بھی ہو رہی ہے: ”التخلية في البيع هو أن يأذن البائع للمشتري بقبض المبيع عند عدم وجود مانع من تسليم المشتري إياه“ (قواعد الفقہ از سید عظیم احسان ۲۲۴) تخلیہ فی البیع یہ ہے کہ بائع مشتری کو بیع پر قبضہ کی اجازت دیدے اور اس کیلئے بیع کو سوچنے سے کوئی شئی مانع نہ ہو۔

بہر کیف مذکورہ تفصیلات سے یہ معلوم ہوا کہ فقہاء نے جس بیع کے قبضہ کیلئے جو صورتیں بیان فرمائی ہیں وہی معمول بہا ہوں گی، اور جہاں کوئی صراحت نہیں ہے، تعامل اور عرف کے مطابق عمل ہوگا۔

۳- قبضہ کی نوعیت اعیان منقولہ اور غیر منقولہ کے اعتبار سے جداگانہ ہے، لہذا اگر بیع از قبیل عقار ہو کر جائیداد وغیرہ ہو تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ اسے فصل سے خالی کر کے مشتری کے حوالہ کر دیا جائے، اور اگر مکان ہو تو اسباب سے خالی کر کے تالہ اور کنجی خریدار کے حوالہ کر دیا جائے، یہی تمکن اور ید کے مراد ہے، لیکن اگر منقولات سے ہوں تو اس میں تفصیل ہے، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک نقل اور تحویل کے ذریعہ قبضہ ہوگا اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک قبضہ تخلیہ سے ہوگا، غالباً حضرت امام شافعیؒ کی بھی تخلیہ سے یہی مراد ہے۔

جواب (۲) کے ضمن میں تخلیہ کی تعریف اور اس سلسلہ میں فقہاء کی نصوص مفصلاً بیان

کردی گئی ہیں۔

علامہ ابن رشد قرطبی تحریر فرماتے ہیں: ”وإنما استثنى أبو حنيفة ما يحول وينقل عنده مما لا ينقل؛ لأن ما ينقل القبض عنده فيه هي التخلية“ (بدائع المجتہد ۲/ ۱۳۵)۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اشیاء منقولہ کے حکم کو اعیان غیر منقولہ سے الگ کر دیا ہے کیونکہ اعیان منقولہ میں حضرت الامام کے نزدیک قبضہ شرط ہے جو تخلیہ کے مرادف ہے۔

۴۔ احادیث مبارکہ جو اس سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور علت نبی ”غرر“ ہے، ”نہی رسول اللہ عن بیع مالہ یقبض، وعن ربیع مالہ یضمن، ونہی عن بیع الطعام قبل قبضہ“ یا اس کے علاوہ دیگر مرویات میں نبی کی علت قدرے مشترک کے طور پر ”غرر“ ہے، کیونکہ ایک دوسری روایت صریحاً بھی موجود ہے، جو اس علت منع کی وضاحت کر رہی ہے ”نہی النبی عن بیع الغرر“ صاحب ”بدائع الصنائع“ تحریر فرماتے ہیں: ”نہی رسول اللہ عن بیع فیہ غرر و بین تمکن الغرر أن الغرر هو الخطر“ (بدائع الصنائع ۵/ ۱۶۳)۔

ابن حزم نقل فرماتے ہیں: ”عن أبي هريرة قال: نهى رسول الله عن بيع الطعام حتى يجزى فيه الصاعان فيكون لصاحبه الزيادة وعليه نقصان“ (مخنی ابن حزم ۸/ ۵۲۳)۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام شافعیؒ نے جو عدم جواز کا قول کیا ہے اس کی وجہ علامہ ابن تیمیہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ: اگر بیع تلف ہوگئی تو دونوں شخص اس کے ضامن نہ ہوں گے، بلکہ وہی ہوگا جس نے اسے بیچا ہے، یعنی بائع اول ”وهؤلاء يعللون المنع بتوالي الضمانين“ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲۹/ ۵۰۶)۔

اسی طرح علامہ جزیری عدم جواز کی علت یوں تحریر کرتے ہیں: ”وقد قيل في علة

النهی ان فی قبضه منفعة للعمال إذ ینتفعون بکیله وحمله ووزنه وغیر ذلک، بخلاف ما اذا بیع وهو عند صاحبه، فإن ذلک یضیع تلک المنفعة، وقیل: إنه امر تعبدی“ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

نبی کی علت میں یہ بات بتلائی گئی ہے کہ بیع پر قبضہ کرنے سے عاملین کا نفع ہے، اس لئے کہ وہ لوگ کیل، وزن اور بار برداری سے نفع حاصل کرتے ہیں، برخلاف اس صورت، کہ جبکہ بیع پر قبضہ نہ ہو، کیونکہ اس صورت میں یہ منفعت ضائع ہو جاتی ہے، اور ایک دوسری علت یہ بھی ہے کہ وہ امر تعبدی ہے۔

خلاصہ کلام: جب قبضہ امر تعبدی ہے تو اس کی شرط وہیں لگے گی جہاں حدیث موجود ہے، کیونکہ یہ امر غیر مدرک بالقیاس ہونے کے باعث ”یقتصر علی مورد النص“ ہوگا۔
نئے ہاتھوں علامہ ابن رشد قرطبی کا بھی عندیہ معلوم کرتے چلیں، وہ اس منع کی علت یوں تحریر کرتے ہیں: ”ومن طریق المعنی ان بیع مالہ یقبض یتطرق منه الی الربا“ (بدیۃ المجتہد ۲/۱۳۵)۔

اسی طرح ایک مقام پر علامہ جزیری فساد بیع کی انواع بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”ومنها بیع الغرر وهو التردد بین أمرین أحدهما یوافق الفرض والآخر یخالفه“ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۴۲)۔

صاحب قواعد الفقہ ”غرر“ کی تفسیر ان الفاظ میں کرتے ہیں: ”ما یکون مجهول العاقبة لا یدری أن یکون أم لا“ (قواعد الفقہ ۳۹۹) یعنی جس کا نتیجہ نامعلوم ہو آیا مرتب ہوگا یا نہیں، مندرجہ بالا حدیث جسے ”بیع قبل القبض“ کے عدم جواز کی علت بنا کر پیش کیا گیا ہے، اس سے استدلال اس وقت ہوگا جبکہ ”غرر“ بمعنی خطر ہو، لیکن اگر ”غرر“ غرور سے مشتق مانیں، یا ”غرر فی صلب العقد“ پر محمول کریں تو استدلال صحیح نہ ہوگا، علامہ کا سانی تحریر فرماتے ہیں: ”الغرر هو الخطر الذی استوی فیہ الطرف والوجود والعدم بمنزلة الشک، وأما

الحديث فيحتمل أن يكون الغرر هو الخطر ويحتمل أن يكون من الغرور فلا يكون حجة أو نحمله على الغرر في صلب العقد بالتعلق بشرط أو بالإضافة إلى وقت“ (بدائع الصنائع ۵/ ۱۶۳)۔

عند الفقہاء ”غرر“ کی دو قسمیں ہیں: غرر یسر، غرر کثیر، غرر یسر کی فقہاء کے یہاں گنجائش ہے، اس سے بیع کے جواز میں خلل واقع نہیں ہوتا، جیسا کہ ”کتاب الفقہ“ میں موجود ہے:

”ویغفر الغرر اليسير للضرورة وكما جارتها بمشاهدة مع احتمال نقصان الشهور وزيادتها، بخلاف ما إذا كان الغرر كثيرا كبیع الطير في الهواء“ (کتاب الفقہ علی المذاهب ۱۱۱۲/ ۲۳۳)۔

(ضرورت غرر قلیل کی گنجائش ہے، جیسے مہینوں کی ایام کے اعتبار سے کمی و بیشی کے باوجود اجارہ کا صحیح ہونا، البتہ غرر کثیر کی گنجائش نہیں، جیسے فضا میں چڑیوں کی بیع وغیرہ)۔

ایک مقام پر علامہ ابن القیم جوزی کا قول مفتی ظفر احمد صاحب تھانوی نقل فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ ہر ”غرر“ تحریم کا باعث نہیں ہوتا، اگر ”غرر“ یسر ہو تو مصلیہ للناس اس کے جواز کا قول کرنا چاہئے۔ اور اسے مانع صحت عقد قرار نہیں دینا چاہئے: ”ولو قدر أن فی ذلک غررا فهو غرر یسر یغفر فی جنب المصلحة العامة التي لا بد للناس منها، فلیس کل غرر سببا للتحریم، والغرر إذا کان یسیرا، أو لا یمکن الاحتراز منه لم یکن مانعا من صحة العقد“ (اعلاء السنن ۱۳/ ۱۲۲)۔

جب بیع کے عدم جواز کی وجہ غرر کثیر کا وجود ہے تو ان صورتوں میں بیع بدون کسی زلفی کے صحیح ہو جائے گی، جہاں غرر کلیہ مفقود ہو، جیسے غیر منقول کہ اس میں غرر کا شائبہ تک نہیں، اور اگر غرر ہے بھی تو یہ غرر نادر ہے اور نادر کا اعتبار نہیں، ”واحتج أبو حنیفة بأن الحكم معلل بغرر انفساخ العقد بهلاك المبيع والهلاک فی غیر المنقول نادر والنادر

کا معدوم“ (اعلاء السنن ۱۲/۲۲۵)۔

۵۔ علامہ ابن رشد قرطبی مبیع کی انواع اور ائمہ کے مذاہب بیان کرنے کے بعد قبضہ کی شرطوں کا سات اقوال میں احاطہ فرماتے ہیں، وہ تحریر کرتے ہیں: ”فی حتم فی اشتراط القبض سبعة أقوال: الأول فی الطعام الربوی فقط، والثانی فی الطعام بإطلاق، والثالث فی الطعام المکیل والموزون، الرابع فی کل شیء ینقل، الخامس فی کل شیء، السادس فی المکیل والموزون، السابع فی المکیل والموزون والمعدود“ (بدایہ الحجۃ ۲/۱۳۵)۔

مندرجہ بالا اقوال میں سے صرف پانچواں قول جس میں بیع کی صحت کیلئے ہر طرح کی بیع پر قبضہ شرط ہے جس کے قائل حضرت امام شافعیؒ اور سفیان ثوریؒ ہیں، عام ہے، بقیہ سارے اقوال میں کسی نہ کسی درجہ کی تخصیص ہے۔

بہر کیف جمہور ائمہ کے نزدیک ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت خاص ہے، مسند احمد کی ایک روایت سے جسے حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے مرفوعاً نقل کیا ہے، یہی معلوم ہوتا ہے۔ ”من اشتری طعاما اشتراه بکيل أو وزن فلا یبعه حتی یقبضه“، دوسری مرویات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، مگر الفاظ مختلف ہیں، نسائی کی روایت میں: ”حتى یستوفیه“ اور دارقطنی میں ”حتى یجوز فیہ الصاعان“ ہے، ظاہر ہے ”استیفاء“ اور ”یجوزی الصاعان“ کا تعلق کیل اور موزون سے ہی ہے۔

ابن رشد قرطبی لکھتے ہیں: ”وإنما استثنی أبو حنیفة ما یحول ینقل عنده مما لا ینقل“ (بدایہ الحجۃ ۲/۱۳۵)۔

فالحاصل حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے نصوص کو خاص کیا ہے منقول کے ساتھ، نیز یہ ممانعت ”معلول بالعلۃ“ ہے، اور امام شافعیؒ نے ان نصوص کو عدم جواز میں عموم پر محمول کیا ہے، بشرطیکہ وہ بیع متمیز نہ ہو، حضرت امام محمدؒ کے نزدیک بھی نہیں سے عمومی نہیں

ہے، حضرت مولانا مفتی ظفر احمد صاحب تھانوی تحریر فرماتے ہیں: ”إلا أن أبا حنيفة وأبا يوسف خصا النصوص بالمنقول بعلّة النهي وهو غرر انفساخ العقد بالهلاك قبل القبض، ومحمد أجراها على عمومها، والشافعي خصها بما لم يكن متميزاً، وهو اختلاف الاجتهاد“ (اعلاء السنن ۱۴/۲۲۳) حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک بھی تخصیص ہی کا ہے: ”ونقل عن أحمد أن المطعوم لا يجوز بيعه قبل قبضه سواء كان مكيلاً أو موزوناً أو لم يكن“ (مغنی لابن قدامة ۴/۱۱۵)۔

ذکر کردہ عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مکیل اور موزون میں بیع قبل القبض صحیح نہیں، لیکن اس سے مراد کیا ہے اس کی وضاحت بعض فقہاء اس طرح کرتے ہیں: ”وقال القاضي وأصحابه: المراد بالمكيل والموزون والمعدود ما ليس بمتعين كالقفيز من صبرة والرطل من زبدة فأما المتعين فيدخل في ضمان المشتري كالصبرة يبيعها من غير تسمية“ (مغنی لابن قدامة ۴/۱۱۵) قاضی اور ان کے اصحاب نے فرمایا ہے کہ مکیل، موزون اور محدود سے مراد جو متعین نہ ہو، جیسے غلہ کی بوریوں سے ایک بوری اور سکہ سے ایک رطل، پس بہر حال جو متعین ہوگا وہ مشتری کے ضمان میں داخل ہوگا، جیسے صبرہ کو بغیر تعین کے کوئی بیچے۔

بیع قبل القبض کی تخصیص کا پتہ ظاہر روایت سے بھی چلتا ہے، علامہ ابن قدامةؒ لکھتے ہیں: ”ظاهر المذهب أن المكيل والموزون لا يدخل في ضمان المشتري إلا بقبضه“ (مغنی ۴/۱۱۵) اس سلسلہ میں عبد الرحمن الجزيريؒ کی بھی تحریر ملاحظہ فرمائیے: ”أما بيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض والضياء والنخيل والدور ونحو ذلك من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها فإنه يصح“ (كتاب القفزة على المذاهب ۲/۲۴۴)۔

۶۔ صورت مسئلہ میں اگر درج ذیل ضابطے ملحوظ ہوں تو مسئلہ کی وضاحت میں قدرے

رہنمائی مل سکتی ہے، علامہ ابن قدامہ تحریر فرماتے ہیں: ”وکل عوض ملک بعقد ینفسخ بهلاکہ قبل القبض لم یجز التصرف فیہ قبل قبضہ وما لا ینفسخ العقد بهلاکہ جاز التصرف فیہ قبل قبضہ“ (مغنی ابن قدامہ ۲/۲۲۱) وقال أبو حنیفۃ کل ما ملک بعقد ینتقض العقد بهلاکہ فلا یجوز بیعہ قبل قبضہ کالبیع والإجارۃ إلا العقار“ (مغنی ابن حزم ۸/۵۲۰) حضرت امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ معاملہ جس میں انسان عقد کے ساتھ مالک ہو اگر وہ معاملہ بلاکت سے ختم ہو گیا تو اس کی بیع و شراء قبل القبض جائز نہیں ہے۔

علامہ کاسانی کی رائے اس سلسلہ میں ملاحظہ ہو: ”والأصل أن کل عوض ملک بعقد ینفسخ فیہ العقد بهلاکہ قبل القبض لا یجوز التصرف فیہ کالبیع والإجارۃ إذا کان منقولاً عیناً وکل عوض ملک بعقد لا ینفسخ العقد فیہ بهلاکہ قبل القبض لا یجوز التصرف فیہ کالمہر وبدل الخلع“ (بدائع الصنائع ۵/۱۸۱)۔

اگر ان ضابطوں کو سوال (۶) کے ساتھ منسلک کر دیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ بیع کی بلاکت سے خریدار (۱) کا معاملہ بائع سے یا فیکٹری سے ختم نہیں ہوتا ہے، اسلئے خریدار (۱) کا تصرف بھی صحیح ہونا چاہئے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں ”بیع قبل القبض“ کا ثبوت بھی ہوا کہ نہیں، میری فہم ناقص میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب قبضہ کی بہت ساری قسمیں ہیں تو قبضہ حکمی مان کر جواز کا قول کر دینا چاہئے، کیونکہ جب مشتری، یا اسکے وکیل نے معاملہ میں بیع کر لیا تو کم از کم قبضہ حکمی اشارہ اور تمیز ضرور ہوگا، نیز یہ صورت تو ”ربح مالہم بیضمن“ میں بھی داخل نہیں ہو رہی ہے، کیونکہ مشتری اول تو نفع و نقصان دونوں کا ضامن ہو رہا ہے، اور مشتری ثانی کا اس میں کوئی نقصان بھی نہیں، پھر علت نہی تو ”غرر“ ہے اور یہاں سرے سے غرر ہی نہیں، کیونکہ

نت سنے ناپ تول کے آلات ایسے ایجاد ہو گئے ہیں کہ ان پر غرر کا شائبہ تک نہیں ہے، خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ ساری دنیا میں اکثریت کے ساتھ وزن ہی کے ساتھ معاملہ ہو رہا ہے، اور جدید ترین وزن کے آلات ایجاد ہو گئے ہیں جن میں ذرہ برابر قلت و زیادت کا شائبہ نہیں، اس لئے جب بیع ایک بار تول لی گئی تو پھر ثانیاً وزن کی ضرورت نہیں، علامہ کا سانی تحریر فرماتے ہیں:

”ولو كاله البائع أو وزنه بحضرة المشتري كان ذلك كافيا ولا يحتاج إلى إعادة الكيل؛ لأن المقصود يحصل بكيله مرة واحدة بحضرة المشتري“ (بدائع الصنائع ۵/۲۴۵)۔

نیز اگر بیع پر ھقیقہ قبضہ کی شرط لگائی جائے تو یہ مشتری پر ایک طرح کا جرم ہوگا، کیونکہ اس طرح کے آلات اول تو بر جگہ دستیاب نہیں ہوتے، اور اگر دستیاب ہوں بھی تو بیع کے انتقال پر کتنا صرفہ اور غیر ضروری خرچ ہوگا جسے بجز زرباری کے اور کچھ نہیں کہا جاسکتا ”لا ضرر ولا ضرار“، الحرج مدفوع“ کے تحت اس معاملہ کو جائز قرار دینا چاہئے۔

بہر حال نص کا منشاء اور مقتضی تو صرف یہ تھا کہ غرر سے بچا جائے، چنانچہ صورت مسئلہ کے جواز میں ”غرر“ تو کجا شائبہ ”غرر“ بھی نہیں، اور اگر ”غرر“ سے مراد ”غور فی صلب العقد بالتعلیق بشرط أو بالاضافة إلى وقت“ لیا جائے تو اس معاملہ کی صحت اور بے غبار ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں اس طرح کی کوئی شرط نہیں ہے، ساتھ ہی ”بیع قبل القبض“ کے جواز میں دو تابعی کی بھی روایتیں موجود ہیں، کیا ان روایتوں کی موجودگی میں حکم کی شدت پر اثر نہیں پڑ سکتا؟ (۱) ”عن سعید بن المسیب أنه كان لا يرى بأسا أن يبتاع الرجل بيعا لا يكال ولا يوزن يبيعه قبل أن يقبضه“ (۲) ومن طريق عبد الرزاق عن معمر عن أيوب عن ابن سيرين قال لا بأس بأن يشتري شيئا لا يكال ولا يوزن بنقد ثم يبيعه قبل أن يقبضه وهو قول الحكم وإبراهيم وحماد بن أبي سليمان، وذكره النخعي عن عمن لقى وقال عطاء جازئ بيع كل شيء قبل أن يقبض“ (بخاری ابن حزم

- (۵۲۰/۸)

واضح ہو کہ میں نے تابعی سے دونوں روایتوں کو ذکر کر کے اسے مخالف پر حجت شرعیہ قرار نہیں دیا ہے، بلکہ محض یہ ثابت کرنا ہے کہ ان دونوں جلیل القدر تابعی کا بھی یہی قول ہے، مذکورہ بالا عبارتوں سے اگر اس مسئلہ میں توسع پیدا کر دیا جائے تو میری فہم ناقص میں کوئی حرج نہ ہوگا، نیز اسے اختلاف خود اس کا مؤید ہے کہ اس کے حکم میں تخفیف ہونی چاہئے، ابن قدامہ حنبلی کی اس عبارت: ”فأما المتعين فيدخل في ضمان المشتري“ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی بیع اور اس کا تصرف صحیح ہوگا، کیونکہ جس بیع میں تصرف کی جارہی ہے وہ بیع معلوم و متعین ہے نہ کہ بیع مجہول۔

علامہ کا سانی تحریر فرماتے ہیں: ”فكانت التخلية فيها قبضا تاما فيكتفي بها في جواز التصرف قبل الذرع بخلاف المكيلات والموزونات على ما بينا، إلا أنه يخرج من ضمان البائع بالتخلية نفسها لوجود القبض بأصله والخروج عن ضمان البائع يتعلق بأصل القبض لا بوصف الكمال“ (بدائع الصنائع ۲۳۵/۵)۔

تخلیہ قبضہ تام کے مرادف ہے اور اس میں تصرف ہو سکتا ہے ذرع سے پہلے پہلے، بخلاف مکیلات و موزونات کے، جیسا کہ ہم نے بیان کیا، مگر یہ کہ وہ بیع بائع کے ضمان سے نکل جاتی ہے نفس تخلیہ ہی سے قبضہ کے پائے جانے کی وجہ سے، اور بائع کے ضمان سے بیع کا خارج ہو جانا اصل قبضہ پر منحصر ہے نہ کہ قبضہ کاملہ پر۔

اور اگر بیع عین بالبدین ہو تو قبضہ کی شرط بھی نہیں ہے، جیسا کہ صاحب ”بدائع“ لکھتے ہیں: ”ومنها ما لا يشترط فيه القبض أصلا كبيع العين بالعين مما سوى الذهب والفضة وبيع العين بالدين مما لا يتضمن ربا النساء كبيع الحنطة بالدرهم“ (بدائع الصنائع ۲۳۷/۵)۔

چنانچہ صورت مسئلہ میں بیع عین بالبدین ہی تو ہے، اس لئے قبضہ کی شرط نہیں لگے گی،

اگر علامہ ابن رشد قرطبی کی وہ تفصیلی بحث جو غرر و بیوع غرر سے متعلق ہے گوش گزار کر لیا جائے تو اس سے صورت مسئلہ کا شافی جواب دیا سکتا ہے۔

علامہ مذکور تحریر فرماتے ہیں: ”الغرر يوجد المبيعات من جهة الجهل على أوجه: (۱) ومن جهة الجهل بتعيين المعقود عليه (۲) جهالة تعيين العقد (۳) أو من جهة الجهل بوصف الثمن والمثمن المبيع (۴) أو جهالة قدره أو أجله إن كان هنالك أجل (۵) من جهة الجهل بوجوده أو تعذر القدرة عليه (۶) من جهة الجهل بسلامته“ (بدایۃ المجتہد ۲/۱۳۸)۔

(۱) معقود علیہ کی تعیین میں جہالت (۲) تعیین عقد کی جہالت (۳) ثمن و مثمن کے وصف کی جہالت (۴) قدر اور مدت کی جہالت (۵) بیع کے وجود اور قدرت علی التسلیم کی جہالت (۶) بیع کی سلامتی اور اس کے بقا کی جہالت)۔

اب سوال یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں نہ تو اسباب غرر سے ہی کوئی سبب پایا جاتا ہے، اور نہ وہ بیع بیوع غرر سے ہی شمار کی جاتی ہے، جن میں علت مذکور یا غیر مذکور ہو، اسلئے ضمان کو قبضہ حسی مان کر جائز قرار دیدینا چاہئے، نیز اس کے جواز میں اصول فقہ کے قاعدہ مشہورہ کو بھی مستدل بنایا جاسکتا ہے۔ ”الأصل عندنا أن جواز البيع يتبع الضمان، فكل ما كان مضموناً بالإتلاف جاز بيعه وما لا يضمن بإتلاف لا يجوز بيعه“ (قواعد الفقہ ۲/۴۸) چونکہ بیع کی ہلاکت کی صورت میں بائع ضامن ہے اس لئے اس کا فروخت کرنا صحیح ہوگا۔

۷۔ اگر قبضہ حقیقی یا حکمی پائے جانے کے بعد شپنگ کیا گیا ہے تو اس صورت میں ہلاکت سے بائع اول ضامن نہیں ہوگا، علامہ کا سانی تحریر فرماتے ہیں: ”إلا أنه يخرج من ضمان البائع بالتخلية نفسها لوجود القبض بأصله والخروج عن ضمان البائع يتعلق بأصل القبض لا بوصف الكمال“ (بدایۃ المجتہد ۲/۲۴۵)۔

اس کے جواز کی دوسری دلیل فقہ کا قاعدہ مشہورہ ہے: ”الأصل أن الضمانات في

الذمة لا تجب إلا بأحد الأمرين إما بأخذ أو بشرط يعني بشرط قبول العقد“
(قواعد الفقہ / ۱۵)۔

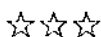
ظاہر ہے اس صورت میں دونوں (اخذ یا قبول عقد) میں سے کوئی ایک ضرور ہوگا، اس لئے بیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی اور یہ معاملہ درست ہوگا، لیکن اگر قبضہ کلیہ مفقود ہے تو یہ بیع درج ذیل اصل کی بنیاد پر ملکیت نہ پائے جانے کی وجہ سے باطل ہوگی: ”أما إذا باع الطير في الهواء قبل أن يصطاده، فالبيع باطل أصلاً لعدم الملك“ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/ ۲۳۳)۔

چنانچہ جب مشتری اول (جو من وجہ بائع اور مشتری دونوں ہے) کی بیع باطل ہوگی تو مشتری ثانی کی کیسے صحیح ہو سکتی ہے، ”بناء فاسد علی الفاسد“ فاسد ہے نہ کہ بناء فاسد علی الفاسد صحیح، نیز یہ صورت تو احناف کے اس قاعدہ مسلمہ سے بھی متضاد ہے جس میں تصرف کی شرط بوقت ہلاکت ضمان قرار دیا گیا ہے۔

”إذا فات الشرط فات المشروط“ کے تحت جب یہاں ضمان نہیں تو پھر تصرف بھی نہیں، ”الأصل عندنا أن جواز البيع يتبع الضمان، فكل ما كان مضموناً بالإتلاف جاز بيعه وما لا يضمن بالإتلاف لا يجوز بيعه“ (قواعد الفقہ / ۴۸)۔

نیز اس میں غرر کثیر بھی ہے ”والغرر الكثير لا يغتفر“، اور غرر کے اعتبار کرنے اور نہ کرنے کی بابت مفصلاً جواب (۴) کے ذیل میں دیکھا جاسکتا ہے۔

اس سلسلہ میں علامہ سرخسی یوں تحریر فرماتے ہیں: ”وفي المنقول قبل القبض في الملك غرر؛ لأن بهلاكه ينتقض البيع ويعطل ملك المشتري، فإذا قبضه انتفى هذا الغرر“ (مبسوط للرخسی ۹/ ۱۳)۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت - اصولی مباحث

مولانا اختر امام عادل رحمہ اللہ

قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ائمہ اربعہ کے درمیان یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔
مذہب ائمہ:

بنیادی طور پر اس سلسلہ میں تین راکیں پائی جاتی ہیں:

۱- قبضہ سے قبل علی الاطلاق کسی بھی چیز کی بیع درست نہیں، خواہ بیع منقول ہو یا غیر منقول، طعام ہو یا غیر طعام، یہ رائے امام شافعیؒ، امام محمد بن حسن شیبانیؒ اور امام زفرؒ کی ہے، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی جانب بھی اس کی نسبت کی گئی ہے (بدائع الصنائع ۱۸۱/۵، الفقہ علی المذہب للأربعہ ۲۳۲/۲، ۲۳۵)۔

۲- طعام کے سوا جس چیز کو کیل یا وزن کے ساتھ فروخت کیا گیا ہو، دوسری چیزوں کی بیع قبضہ سے قبل درست نہیں، طعام کو بھی اگر اندازے سے فروخت کر دیا گیا اور اس کو کیل یا وزن کے ساتھ فروخت نہیں کیا گیا تو اس کی بیع بھی قبل القبض درست ہے، یہ رائے امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی ہے (الفقہ علی المذہب للأربعہ ۲۳۲/۲، بلوغ الامانی ۴۶۱، مبسوط نحسی ۸۱۳، نووی شرح مسلم ۱۶۹)۔

۳- اشیاء منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت علی الاطلاق درست نہیں، اور اشیاء غیر

منقولہ کی بیع قبضہ سے قبل اس شرط کے ساتھ درست ہے کہ ان کے ہلاک یا ضائع ہونے کا اندیشہ نہ ہو، مثلاً زمین، جائیداد اور مکان وغیرہ، لیکن اگر زمین کسی ایسی ندی کے کنارے ہو جو موج کی طوفانی سے کٹ سکتی ہو، یا مکان ایسی پوزیشن میں ہو کہ اس کے گر جانے کا اندیشہ ہو، ایسی شکلوں میں بغیر قبضہ فروخت کرنا درست نہیں، یہ رائے امام اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کی ہے (فتح الفقہ ۵/۶۶۶، بیسوط خسی ۱۳/۸، الفقہ علی المذہب الرابع ۲/۲۳۲)۔

دلائل و وجوہ:

مذہب اول: پہلی رائے جو امام شافعیؒ، امام محمدؒ اور امام زفر کی طرف منسوب ہے جس میں علی الاطلاق قبضہ سے پہلے کسی چیز کی بیع و شراء درست نہیں ہے، اس کے دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) پہلی دلیل وہ روایات ہیں جن میں ہلاک کسی قید کے قبضہ سے قبل کوئی چیز فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، مثلاً: ”عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ نهى أن تباع السلع حيث يتباعد حتى يحوزها التجار إلى رحالهم“ (آخر جہ بوداود ۳۵۶، بحوالہ عملہ فتح الہم ۲۵۰)۔

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جہاں سامان خریدا جائے وہیں سامان بیچنے سے منع فرمایا، جب تک کہ تجارت اپنی حفاظت و قبضہ میں سامان کو نہ لے لیں۔

اور ابان کی روایت میں ہے کہ جب کسی چیز کو خریدو تو اس وقت تک فروخت نہ کرو جب تک کہ قبضہ نہ کرلو۔ ”فی رواية أبان إذا اشتریت بیعا فلا تبعه حتی تقبضه“ (السنن الکبریٰ ۵/۳۱۳)۔

اس مضمون کی ایک روایت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے بھی منقول ہے:

”ان رسول الله ﷺ قال: لا يحل سلف وبيع ولا شرطان فی بیع ولا ربح ما لم یضمن ولا بیع ما لیس عندک“ (آخر جہ الترمذی فی باب کرہیۃ بیع مال لیس عندک، وقال: ہذا حدیث حسن صحیح، بحوالہ عملہ فتح الہم ۳۵۰)۔

ان روایات میں سے کسی بھی روایت میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کے لئے کوئی قید ذکر نہیں کی گئی ہے، اس لئے یہ ممانعت تمام چیزوں کے لئے یکساں رہے گی۔

(۲) دوسری دلیل اس رائے کے حاملین نے یہ دی ہے کہ تمام منقول چیزوں کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے (المحرر اراق ۱۱۶/۲)۔

(۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ کسی بھی عقد کی صحت کیلئے مقدور التسلیم ہونا شرط ہے اور یہ بغیر قبضہ کے ممکن نہیں، بغیر قبضہ کے مال انسان کی مکمل ملکیت میں نہیں آتا اور جس پر مکمل ملکیت نہ ہو اس کو فروخت کرنا جائز نہیں۔

(۴) اس کے علاوہ اس میں سامان کے ہلاک ہو جانے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، جس سے مشتری ثانی کو غرر ہو سکتا ہے (بدائع الصنائع ۱۸۱/۵، الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

مذہب ثانی: دوسرا مذہب امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا ہے، ان حضرات کے نزدیک اصولی طور پر قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے، مگر اس عموم سے صرف ایک صورت کا استثناء ہے وہ یہ کہ طعام کی بیع اگر کیل یا وزن، یا گنتی کے ساتھ کی جائے تو اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں، طعام کے علاوہ تمام چیزوں کی بیع قبضہ سے قبل درست ہے، اور اگر طعام کو بھی کیل یا وزن یا گنتی کے بجائے اندازہ سے بیچا جائے تو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ محض عقد ہی سے مشتری کے ضمان میں آجاتا ہے، اس لئے کہ یہ مقبوض کے درجہ میں ہے، قبل القبض ہے ہی نہیں۔

ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت والی متعدد روایات میں طعام کی قید مذکور ہے، بعض میں ”یکتالہ“ کی قید کا بھی ذکر ہے، اگر یہ حکم عام ہوتا تو ان قیدوں کا فائدہ کیا تھا (مسوط ۸/۱۳)۔

وہ روایات یہ ہیں:

”عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى

كتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

یستوفیہ، وعن عبد اللہ ابن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال: من اشتری طعاما فلا یبعہ حتی یستوفیہ ویقبضہ“ (مسلم شریف ۵۷۲)۔

(حضرت عبد اللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کھانے کی چیز خریدے تو اس کو فروخت نہ کرے، جب تک کہ قبضہ نہ کرے)۔

اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے کہ ”حتی یکتالہ“ یہاں تک کہ اسے کیل سے ناپ نہ لے:

”عن أبی ہریرۃ أن رسول اللہ ﷺ قال من اشتری طعاما فلا یبعہ حتی یکتالہ“ (مسلم شریف ۵۷۲)۔

اس طرح امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے طعام اور کیل کی قید کو احترازی قرار دیا، جبکہ دوسرے علماء نے ان کو قید اتفاقی قرار دیا ہے (بلوغ الامانی ۱/۳۶۱)۔

مذہب ثالث: حضرت امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف جو منقولات میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی اجازت نہیں دیتے، اور غیر منقولات میں دیتے ہیں بشرطیکہ ضیاع کا اندیشہ نہ ہو۔

(۱) ان کے سامنے بھی وہی احادیث ہیں جن میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت آئی ہے، مگر یہ غیر منقول کا استثناء کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ ممانعت ایک علت کی بنا پر آئی ہے، اور وہ علت ہے غرر کا امکان، مشتری اگر بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے کسی کے ہاتھ فروخت کر دے اور کسی وجہ سے ہلاک ہو جائے تو یہ بیع نافذ نہیں ہو سکے گی، اس طرح مشتری ثانی کو دھوکہ ہو جائے گا، اور یہ علت مستفاد ہوتی ہے اس حدیث سے جس میں حضورؐ نے بیع غرر اور بیع غیر مقدور^{لتسلیم} سے منع فرمایا (ترمذی شریف ۱۱۳، الفتح الربانی ۱۵/۳۵۱)۔

اور جب یہ ممانعت کسی خاص سبب سے ہے تو جس صورت میں یہ سبب نہیں پایا جائے گا ممانعت باقی نہیں رہے گی، غیر منقول چیزیں، مثلاً زمین، مکان وغیرہ کے ضیاع کا

اندیشہ عموماً نہیں ہوتا، اسلئے ان چیزوں کی بیع قبضہ سے قبل بھی درست ہوگی (عقد فتح الملبم ۱/۳۵۰، مہسوارہ شخصی ۱۳/۸)۔

(۲) ایک بات اور ان کی طرف سے کہی جاتی ہے، وہ یہ کہ جب کوئی معاملہ دو عاقل، بالغ مسلمان کے درمیان طے پائے، اور جس چیز پر معاملہ کیا گیا ہے وہ اس کے لائق بھی ہو تو یہ معاملہ اصولاً جائز ہونا چاہئے، ایک بیع جو معدوم نہیں موجود ہے، اس پر بالغ کی ملکیت بھی ہے، صرف قبضہ نہیں ہے، یہ بیع بن سکتا ہے، اور جب یہ عقد دو اہل کے درمیان طے پائے تو اس کو درست ہونا چاہئے، یہ شریعت کے اصول کلی کے تحت سمجھ میں آتا ہے، اور قرآن نے جو ”أحل اللہ البیع“ (سورہ بقرہ ۲۷۵) کہہ کر بیع کی اجازت دی ہے، اس کے عموم میں ہر طرح کی بیع آجاتی ہے، اب اگر قبضہ سے پہلے خرید و فروخت والی شکل کو احادیث کی بنا پر ہم خاص کر لیں تو خبر واحد سے کتاب اللہ کے عموم میں تخصیص کرنا لازم آتا ہے، جو اصول کے مطابق درست نہیں، اس بنا پر ہم اخبار احادیث کی بنا پر قرآن پاک کے عموم اور شریعت کے اصول کلی کو ترک نہیں کر سکتے، زیادہ سے زیادہ حدیث پر عمل کرنے کیلئے ہم یہ کر سکتے ہیں کہ ان تمام احادیث کو جن میں بیع قبل القبض کی ممانعت آئی ہے ان کو اشیاء منقولہ پر محمول کر لیں، تاکہ کتاب اللہ اور احادیث کے درمیان تطبیق ہو جائے اور کسی کا ترک لازم نہ آئے۔

اور منقول کو کتاب اللہ کے عموم سے ہم خارج اس لئے کرتے ہیں کہ یہ بھی شریعت کے ایک اصول کلی سے ثابت ہے، وہ یہ کہ ”بیع غرر“ اور ”بیع ما لم یضمن“ درست نہیں، اور یہ دونوں خرابیاں منقول کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں لازم آتی ہیں، رہا غیر منقول تو اس میں عموماً ہلاکت کا اندیشہ ہی نہیں کہ دھوکہ ہو، یا ضمان میں لینے کی ضرورت پیش آئے (فتح القدیر ۵/۲۶۶، البحر الرائق ۱/۱۶۶، بدائع الصنائع ۵/۱۸۱)۔

بیع قبل القبض کی ممانعت والی روایت معلول بالعلۃ:

اس پوری تفصیلی گفتگو سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ائمہ کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

اربعہ میں سے کسی بھی امام کے نزدیک مطلق جائز نہیں ہے، بعض فقہاء نے تو مطلقاً ناجائز قرار دیا اور بعض نے بعض صورتوں کا استثناء کر کے اس کو ناجائز قرار دیا، اس طرح ایک طرف فقہاء کا عمومی رجحان کم از کم منقولہ چیزوں میں عدم جواز کا معلوم ہوتا ہے تو دوسری طرف یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ بعض صورتوں کا جن لوگوں نے استثناء کیا ہے ان کے ذہن میں ممانعت کی کوئی علت ہے، جس کے نہ ہونے کی صورت میں ان لوگوں نے جواز کا حکم لگایا۔

مثلاً جمہور احناف نے اعیان غیر منقولہ کو قبضہ سے قبل بیچنے کی اجازت دی ہے، اور اس کو ممانعت والے حکم کے عموم سے خارج کر دیا ہے، ان کے ذہن میں اس ممانعتی حکم کی بنیادی علت اندیشہ غرر ہے جو منقول میں پایا جاتا ہے، غیر منقول میں نہیں (فتح القدیر ۵/۲۶۶)۔

اسی طرح شافعیہ اور امام محمد نے جو عمومی ممانعت کی دلیلیں دی ہیں، ان میں بھی بنیادی اہمیت روایات کے بعد اسی اندیشہ غرر اور غیر مقدور التسلم ہونے والی بات کو حاصل ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کے دلائل:

ان مخصوص صورتوں کے علاوہ عام حالات میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو جمہور فقہاء جائز نہیں قرار دیتے، اگر مختلف ائمہ کے یہاں پھیلی ہوئی شکوں کو اس جمہوری نقطہ نظر کیلئے سمیٹا جائے تو تمام مباحث اور دلائل کا نچوڑ یہ نکلے گا:

کہ خریدے ہوئے سامان کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا، یا اس قسم کا کوئی اور تصرف کرنا جائز نہیں، الا یہ کہ مشتری کوئی ایسا تصرف کرے جو قبضہ کے مترادف سمجھا جائے، مثلاً کسی کو بیہ کر دے، یا صدقہ کر دے، یا کسی تیسرے شخص کے پاس رہن رکھ دے، یا بطور قرض دیدے وغیرہ، تو اس قسم کے تصرفات مشتری کی جانب سے درست ہوں گے، اس معنی میں کہ مشتری اس بیع پر قبضہ حاصل کر رہا ہے یا کر چکا ہے (شامی ۱۸۱/۳، ہیوط نسخی ۸/۱۳)۔

(۱) اور اس کے لئے دلیل ایک طرف وہ روایات ہیں جن میں حضور اکرم ﷺ نے

قبضہ کرنے سے پہلے خریدے ہوئے سامان کو بیچنے سے منع فرمایا ہے، روایات ماقبل میں گزر چکی ہیں (مشکوٰۃ ۲۳۸، مسلم شریف باب بطلان بیع المبیع ۵/۲)۔

دوسرے عقلی دلائل ہیں جو دراصل وجوہ و علل کا درجہ رکھتے ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

(۲) قبضہ کے بغیر کسی چیز پر ملکیت قائم نہیں ہوتی اور جب تک مکمل ملکیت حاصل نہ ہو اس وقت تک اس کو فروخت کرنا صحیح نہیں، قبضہ میں بھی قبضہ ضمان ضروری ہے، قبضہ امانت کافی نہیں (۱۱ شاہ، الظاہر ۲/۲۷۵)۔

(۳) قبضہ سے قبل تصرف اس لئے بھی جائز نہیں کہ وہ مقدور تسلیم نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اب تک بائع کے قبضہ میں ہے اور اس حالت میں اس کو کسی کے ہاتھ بیچنا دراصل بائع کے حق میں تصرف کرنا ہے جو درست نہیں (مبسوط نسخی ۸/۱۳)۔

(۴) جس چیز پر مشتری کا قبضہ نہ ہوا ہو اس کو فروخت کرنے میں اندیشہ غرر ہے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ سامان مشتری ثانی کو حوالہ کرنے سے پیشتر ہی کسی وجہ سے ضائع ہو جائے، جبکہ حضور ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے (بدائع الصنائع ۵/۱۸۵، البحر الرائق ۶/۱۱۶)۔

(۵) جس سامان پر انسان کا قبضہ نہ ہو وہ محل تملیک نہیں بن سکتا، اور وہ انسان کے ضمان میں نہیں آتا، اور حضور ﷺ نے ایسی چیز کے بیچنے سے منع فرمایا ہے جو انسان کے ضمان میں نہ ہو، یا جو محل تملیک نہ بن سکتا ہو۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت بیع فاسد ہے:

یہاں ایک اہم ترین بحث یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک عام حالات میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے، لیکن اگر کوئی شخص قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کر لے تو اس کو بیع ممنوع کی تین قسموں (بیع باطل، بیع فاسد، بیع مکروہ) (درمختار ۴/۱۱۱) میں سے کس قسم میں داخل کیا جائے؟

اس کا جواب فقہاء کی تصریحات اور اصولی بحثوں کے مطابق یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے

خرید و فروخت فاسد کے ذیل میں آتی ہے، اس لئے کہ بیع باطل کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ جو اپنے اصل اور وصف دونوں لحاظ سے جائز نہ ہو اور بیع فاسد کی تعریف کی گئی ہے کہ جو اپنے اصل کے اعتبار سے جائز ہو، مگر وصف کے اعتبار سے جائز نہ ہو اور بیع مکروہ کہتے ہیں: جو اپنے اصل اور وصف دونوں لحاظ سے درست ہو، مگر کسی خارجی نقص کی بنا پر اس میں کراہت آگئی ہو، جیسے جمعہ کی اذان کے وقت بیع و شراء کرنا (شامی ۴/۱۱۱)۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اپنے اصل کے لحاظ سے جائز ہے، کیونکہ یہ معاملہ ایک قابل بیع چیز پر دو عاقل بالغ مسلمانوں کے درمیان طے ہوا ہے، اور ”مبادلة المال بالمال“ کی حقیقت بھی پائی جاتی ہے، اور رکن بیع ایجاب و قبول بھی درست ہے، اس لئے اس کو اصل کے لحاظ سے غلط نہیں کہہ سکتے، البتہ غیر مقبوض، یا غیر مقدور التسليم، یا اندیشہ غرر ہونا یہ وصف کا نقصان ہے جس کی بنا پر اس کو بیع فاسد قرار دے سکتے ہیں، جیسا کہ بعض فقہاء کے یہاں اس کی تصریح بھی ملتی ہے (الفقہ علی المذاہب ۱۱۱۲/۲)۔

بعض کتابوں (مثلاً الجوبرة) میں اس کو بیع باطل کہہ دیا گیا تو شامی نے اس کی وضاحت کی کہ یہ اطلاق عام معنی میں ہے، اصطلاحی معنی میں نہیں ہے (شامی ۴/۱۸۲، وکذا فی الطحاوی علی الدر المختار)۔

قبضہ کی حقیقت:

اس موضوع کی ایک خصوصی بحث قبضہ کی حقیقت و نوعیت سے متعلق ہے۔

فقہاء نے قبضہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ قبضہ حقیقی، ۲۔ قبضہ حکمی۔

قبضہ حقیقی اس قبضہ کو کہیں گے جس میں شیئ انسان کے واقعی تصرف میں آجائے، مثلاً

کتاب خریدی تو اپنے ہاتھ میں لے لے، کوئی موٹر خریدی تو اس پر سوار ہو جائے، جانور خریدی تو

اس کی باگ ڈور پکڑ لے وغیرہ۔
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

اور قبضہ حکمی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لئے سامان اس پوزیشن میں ہو جائے کہ وہ چاہے تو اسے آسانی اپنے تصرف میں لاسکتا ہو اور استعمال کر سکتا ہو، مثلاً کسی نے کپڑا خریدا اور بائع نے اس کے سامنے کپڑا اتنی دور پر رکھ دیا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اس کو بے تکلف لے سکتا ہے تو یہ قبضہ حکمی ہے (قواعد الفقہ ۲۲۲، فتاویٰ افردیہ ۲۵۳، بدائع ۵/۲۴۷)۔

قبضہ حکمی کی مختلف شکلیں کتب فقہ میں ملتی ہیں، فقہاء نے متعدد امثال و علامات ذکر کئے ہیں، جن کے پیش نظر ہر کسی چیز پر قبضہ حکمی کا حکم لگا سکتے ہیں، ویسے انہی صورتوں میں انحصار نہیں ہے، کسی فقیہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ قبضہ حکمی کی یہی چند شکلیں ہیں جو اس نے ذکر کی ہیں، ان کے علاوہ کوئی اور شکل نہیں ہو سکتی، بلکہ فقہاء نے جو کچھ لکھا اپنے استقراء اور تتبع کے لحاظ سے لکھا، اور آخر میں یہ قاعدہ کلیہ لکھ دیا کہ:

”لکن ذلک یختلف بحسب حال المبیع“ (شامی ۴/۴۷)۔

قبضہ کی کوئی ایک صورت و نوعیت متعین نہیں ہے، بلکہ وہ بیع کی حالت و کیفیت کے لحاظ سے تبدیل ہوتی رہتی ہے، شامیؒ نے اس کو مثالوں سے واضح کیا ہے، مثلاً کمرے میں اناج رکھا ہوا ہو، تو اس پر قبضہ اس وقت مانا جائے گا جب کہ اس کمرے کی چابی مشتری کو مل جائے اور وہ اسے بے تکلف کھول سکے، کسی مکان کی فروخت میں مکان پر قبضہ اس وقت مانا جائے گا جب کہ اس کے بند کرنے پر مشتری قادر ہو جائے۔

چراگاہ کے جانور پر قبضہ اس وقت متصور ہوگا جب کہ وہ نگاہ کے سامنے ہو اور اس کی طرف اشارہ کیا جاسکے، کسی مکان میں بند گھوڑے اور پرندے پر قبضہ اس وقت ہوگا، جبکہ مشتری بغیر کسی کی مدد کے ان کو پکڑ سکے وغیرہ (شامی ۴/۴۸)۔

یہ مثالیں سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ قبضہ کی کوئی ایک صورت متعین نہیں ہے، بلکہ بیع کے حال کے لحاظ سے وہ تبدیل ہوتی رہتی ہے، اس کے باوجود فقہاء نے چند علامتی افعال و احوال کا ذکر کیا ہے جن سے قبضہ حکمی کا بڑی حد تک احاطہ ہو جاتا ہے، علامہ کاسانیؒ نے تو مستقل باب ہی

قائم کیا ہے: ”بیان ما یصیر به المشتري قابضا للمبیع من التصرفات وما لا یصیر به قابضا۔“

ان افعال و احوال کا ہمارے سامنے رہنا ضروری ہے، تاکہ ان کی روشنی میں آج کے حالات و ظرف میں سے کسی چیز کے قبضہ کے بارے میں ہم فیصلہ کر سکیں، وہ افعال و احوال درج ذیل ہیں:

- (۱) تخلیہ کو فقہاء نے قبضہ حکمی قرار دیا ہے، تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ ہونے کے بعد بیع کو بائع مشتری کیلئے چھوڑ دے تو یہ قبضہ متصور ہوگا، بشرطیکہ تین باتیں پائی جائیں:
- (۱) پہلی بات یہ ہے کہ بائع کہہ دے کہ یہ سامان میں نے تمہارے لئے چھوڑ دیا، اور مشتری کہے کہ میں نے قبضہ کر لیا۔
- (۲) دوسری بات یہ ہے کہ بیع مشتری کے سامنے موجود ہو، بایں طور کہ وہ اس کو باسانی حاصل کر سکتا ہو۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ بیع کے ساتھ حق غیر اس طور پر وابستہ نہ ہو کہ یہ تابع ہو اور حق غیر اصل، لیکن اگر حق غیر کی وابستگی اس طور پر ہو کہ بیع اصل ہو اور حق غیر تابع، مثلاً گیہوں بائع کے تھیلوں میں رکھے ہوئے ہوں تو ایسی صورت میں مضائقہ نہیں (فتاویٰ افرویہ ۱/۲۵۳، ۱۱۱ اشباہ و نظائر ۲/۲۸۲-۲۸۹، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱)۔

(۴) مشتری یا بائع کی طرف سے ایسا فعل صادر ہو جائے جس سے پتہ چلے کہ بائع کی طرف سے بیع پر تصرف کرنے کی اجازت ہے تو اسے بھی حکماً قبضہ قرار دیا جائے گا، مثلاً بیع ابھی بائع کے قبضہ میں ہو اور مشتری اس کو ضائع کر دے، یا اس میں کوئی ایسا تصرف کر دے جو بیع میں حقیقتہً یا حکماً کوئی نقص یا عیب پیدا کر دے اور بائع اس پر کوئی اعتراض نہ کرے، تو یہ مشتری کا قبضہ ہی سمجھا جائے گا، حقیقی نقص کی مثال جیسے جانور خرید اٹھا، اس کا پاؤں کاٹ دیا، یا سر یا آنکھ زخمی کر دیا۔ اور حکمی نقص کی مثال: جیسے باندی تھی اس کو ام ولد بنا دیا، یا غلام تھا اس کو مدبر بنا دیا، یعنی

ام دلد ہون یا مدبر ہونے کا اقرار کر لیا تو اس سے غلام یا باندی میں نقص پیدا ہو گیا کہ اب اس کو فروخت نہیں کر سکتے، کسی کو بہہ یا بدیہ میں نہیں دے سکتے وغیرہ (بدائع الصنائع ۲۴۶/۵، شامی ۴/۲۷۴)۔

(۳) یا یہ کہ بیع کو نقصان پہنچانے والے افعال مشتری کی اجازت و حکم سے خود بائع انجام دے، تو یہ بھی مشتری ہی کی طرف حکماً منسوب ہوں گے، اور اس صورت میں بھی مشتری کا قبضہ تسلیم کیا جائے گا، لیکن اگر بائع نے مشتری کے کہنے پر ایسے افعال انجام دیئے جو بیع کو نقصان نہیں پہنچائے، مثلاً مشتری کے کہنے پر اس نے بیع کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا وغیرہ، تو اس صورت میں مشتری کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، بلکہ یہ تصرفات خود بائع ہی کی طرف منسوب ہوں گے، اور وہی تصرف کرنے والا قرار دیا جائے گا (بدائع الصنائع ۲۴۶/۵، شامی ۴/۲۷۴)۔

(۴) مشتری کی طرف سے بیع کے تعلق سے ایسی حرکت سرزد ہو جس سے اندازہ ہو کہ وہ اس معاملہ پر پوری طرح راضی ہے اور اسی بنا پر وہ اس کو اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہے، مثلاً معاملہ ہونے کے بعد مشتری بیع کسی کو بطور عاریت، یا بطور بہہ، یا ودیعت کے دیدے، یا کوئی اور ایسا تصرف کر دے جس کے وجود و انعقاد کیلئے قبضہ ضروری ہے، تو علامتی طور پر یہ مشتری کا قبضہ متصور ہوگا، بشرطیکہ اس نے یہ معاملات خود بائع سے نہ کئے ہوں، اس لئے دوسرے کے ساتھ معاملہ کرنے کی صورت میں وہ دوسرا شخص قبضہ کے باب میں مشتری کا نائب تصور کیا جائے گا کہ پہلے وہ مشتری کی طرف سے قبضہ کرے گا، پھر اپنی طرف سے، اس کے برخلاف اگر مشتری یہ معاملہ خود بائع سے کرے تو بیع پر قبضہ کے باب میں بائع کو مشتری کا نائب قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ اس کا قبضہ بیع پر بطور اصل کے قائم ہے، اس لئے اس کو نائب کی حیثیت سے قابض نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اسی طرح اگر مشتری بیع میں ایسا تصرف کرے جس کا انعقاد قبضہ پر موقوف نہیں ہے، مثلاً کسی کے ہاتھ بیع کر دے تو اس سے بھی مشتری کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، اس لئے کہ جب قبضہ

اس کیلئے لازم نہیں تو مشتری ثانی کو مشتری اول کی طرف سے بطور نیابت قابض ماننے کی ضرورت نہیں ہے (بدائع الصنائع ۵/۲۳۶)۔

(۵) اگر مبیع مشتری کے ضمان میں آجائے اور قانونی طور پر وہ اس کی ضمانت قبول کرے، تو اگرچہ کہ حشاً اس کا قبضہ اس پر نہ ہو مگر حکماً اس کا قبضہ سمجھا جائے گا، اور اگر حشاً قبضہ ہو، مگر قبضہ ضمان نہ ہو، بلکہ مثال کے طور پر قبضہ امانت ہو تو حشاً قبضہ کے باوجود وہ قابض نہیں سمجھا جائے گا (فتح القدیر ۵/۲۶۶، ۱۱/۱۱۱ شاہ و النظائر ۲/۲۵۵)۔

اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت جدا جدا:

اس تفصیل سے ایک طرف قبضہ کی حقیقت پر روشنی پڑتی ہے تو دوسری طرف یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت ایک نہیں ہوگی، بلکہ خود تمام اشیاء غیر منقولہ میں بھی قبضہ کی نوعیت ایک نہیں ہوگی، مکان اور زمین دونوں اشیاء غیر منقولہ میں سے ہیں، مگر کتب فقہ میں دونوں کے قبضہ کی نوعیت الگ بتائی گئی ہے، زمین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر کسی نے جنگل میں کوئی زمین فروخت کی اور وہ زمین اس کے حوالہ کر دی تو یہ قبضہ اس وقت مکمل ہوگا جبکہ مقام عقد سے وہ زمین قریب ہو جس کو وہ دیکھ اور سمجھ سکتا ہو، ورنہ قبضہ تسلیم نہیں کیا جائے گا (۱۱/۱۱۱ شاہ و النظائر ۲/۲۸۸)۔

اور مکان کے بارے میں فقہی جزیئہ ملتا ہے کہ مکان پر قبضہ اس وقت سمجھا جائے گا جب کہ اس کی چابی اس کے حوالے کر دے اور مشتری اس مکان کو بند کرنے پر قادر ہو جائے ورنہ قبضہ نہیں ہوگا (مانگیری ۳/۱۶)۔

تو جب خود اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق ہے تو اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ کے درمیان قبضہ کی نوعیت میں فرق واقع ہونا طبعی ہے، اور اس کیلئے صرف ایک مثال عرض کرتا ہوں، تھیلہ کی شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ مبیع مشتری کے سامنے موجود ہو، یہ اشیاء منقولہ کیلئے ہے، اشیاء غیر منقولہ میں سامنے کے بجائے قریب ہونا کافی ہے (شامی ۳/۴۷)۔

قبضہ ضمان کی ایک شکل:

اس اصولی گفتگو کی روشنی میں اس صورت مسئلہ کا جواب بآسانی دیا جاسکتا ہے کہ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدنا ہو مال بظاہر اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار (۲) کو روانہ کر دیتا ہے اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے، تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے نہ خریدار (۲) پر، بلکہ یہ اسی شخص (خریدار نمبر (۱)) کا نقصان قرار پاتا ہے، اس صورت معاملہ میں اگرچہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر حسی قبضہ نہیں ہوا، لیکن وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہنچنے سے پہلے اس کے ضمان میں رہا، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے ”ربح مالم یضمن“ (ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) حاصل کیا، بلکہ اس نے مال مضمون پر نفع حاصل کیا ہے جو قبضہ حکمی کے درجہ میں ہے، اس لئے یہ صورت معاملہ شرعاً جائز معلوم ہوتی ہے۔

ایک ناجائز شکل:

البتہ وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت شیپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے۔ اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے، جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے، یہ صورت معاملہ شرعاً ناجائز ہے۔

(۱) ایک تو ”ربح مالم یضمن“ کی وجہ سے (۲) دوسرے اقتصادی بحران پیدا ہونے کے خطر کی وجہ سے، اس لئے کہ ایک چیز کی جو قیمت جہاز پر چڑھاتے وقت تھی، اس کی دس گنی قیمت جہاز سے اترتے وقت تک ہو جاتی ہے (عملہ فتح المہم ۱/ ۳۵۳)۔

خلاصہ جوابات:

اب سوالات کی ترتیب پر خلاصہ جوابات ملاحظہ ہو۔

۱- شرع اسلامی کی رو سے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں اور یہ بیع فاسد میں داخل ہے۔

۲- اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو کسی چیز پر واقعی تصرف حاصل ہو جائے، یا قدرت علی التصرف حاصل ہو جائے، اس کیلئے کتاب و سنت نے کوئی خاص صورت متعین نہیں کی ہے، بلکہ اسے لوگوں کے عرف و عادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا۔

۳- اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق واقع ہوگا، جو اشیاء کے حسب حال عرف کے مطابق طے کیا جائے گا۔

۴- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث جہور علماء کے نزدیک معلول بالعلۃ ہیں، اور علت بنیادی طور پر ”اندیشہ غرر“ ہے۔

۵- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت جہور احناف اور مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک عام نہیں ہے، بلکہ اس میں کئی تخصیصات اور استثناءات کی گئی ہیں، مثلاً حنفیہ نے اشیاء غیر منقولہ کی تخصیص کی، اور مالکیہ و حنابلہ نے اس حکم ممانعت کو صرف ایسے طعام کے ساتھ خاص کر دیا جس کو کیل و وزن، یا گنتی سے فروخت کیا گیا ہو، باقی چیزوں میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو وہ جائز کہتے ہیں، شافعیہ اور امام محمد و زفر کے نزدیک، البتہ یہ حکم عام ہے۔

۶- فیکٹری سے مال خرید کر بھجوانے کی صورت میں جب مشتری اول ضمان لیتا ہو تو یہ قبضہ سمجھا جائے گا اور بیع درست ہوگی۔

۷- اور اگر پہلا خریدار سامان کی ضمانت نہیں لیتا تو یہ قبضہ نہیں ہوگا اور بیع درست نہ ہوگی۔

خرید و فروخت میں ملکیت اور قبضہ کی کیفیت

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

۱۔ شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض ناجائز ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: ”عن حکیم بن حزام قال: نہانی رسول اللہ ﷺ أن أبيع ما ليس عندی، رواہ الترمذی، وفي رواية له ولأبي داود والنسائي قال: قلت: يا رسول الله يأتيني الرجل فيريد مني البيع وليس عندی فأبتاع له من السوق، قال: لا تبع ما ليس عندك“ (مشکوٰۃ طی الرقاۃ ۳/۳۲۳)۔

مطلب یہ ہے کہ جو چیز خرید و فروخت کے وقت اپنی ملکیت میں نہ ہو اور قبضہ میں نہ ہو اس کا بیع ناجائز نہیں، اب اس کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ وہ چیز نہ تو اپنی ملکیت میں ہو اور نہ تو قبضہ میں ہو، اس صورت میں اس کی بیع صحیح ہی نہ ہوگی، بلکہ باطل ہوگی، دوم یہ کہ وہ اپنی ملکیت میں نہیں ہے، ایک دوسرا شخص اس کا مالک ہے، لیکن ہے وہ اپنے ہی پاس، اس صورت میں بھی مالک کی اجازت کے بغیر اس کی بیع درست نہیں ہے۔

پہلی صورت کے حکم میں اس چیز کی بیع داخل ہے جس پر قبضہ حاصل نہ ہوا ہو، یعنی قبضہ سے پہلے بیع ہو رہی ہو، یا وہ چیز گم ہوگئی ہو، یا بھاگ گئی ہو، جیسے غلام وغیرہ، یا اس کو خریدار کے حوالہ کرنے پر قادر نہ ہو، جیسے ہوا میں اڑتی ہوئی چیز یا اور وہ چھلی جو ابھی دریا یا تالاب سے نکالی نہ گئی ہو (مرقاۃ ۳/۳۲۳)۔

☆ جامعہ بیہ مفتاح العلوم، شاہی کٹرہ، منو۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ شرائط معقود علیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”وَأَمَّا شُرَاطُ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ، فَإِنْ يَكُونُ مَوْجُوداً مَالاً مَتَقَوِّماً مَمْلُوكاً فِي نَفْسِهِ وَأَنْ يَكُونَ مَلِكٌ الْبَائِعِ فِيمَا يَبِيعُهُ لِنَفْسِهِ، وَأَنْ يَكُونَ مَقْدُورٌ التَّسْلِيمِ، فَلَمْ يَنْعَقِدْ بَيْعُ الْمَعْدُومِ وَمَالُهُ خَطَرُ الْعَدَمِ“ (جز ۲۹/۵)، یعنی معقود علیہ کیلئے شرط ہے کہ موجود مال متقوم مملوک ہو، اور بائع کی ملکیت میں ہو، اور مقدور التسلیم ہو۔

صاحب ”در مختار و رد المحتار“ نے لکھا ہے کہ جو چیز ملکیت اور قبضہ میں نہ ہو اس کی بیع باطل ہے، اور دلیل میں ”البحر الرائق“ کی عبارت پیش کیا ہے جو اوپر مذکور ہوئی (شامی ۱۱۸/۳)۔

۲۔ اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بیع کو خریدنے کے بعد اس کی جگہ سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھ دیا جائے چاہے دوسری جگہ کتنی ہی قریب ہو، مرقاة کی عبارت یوں ہے:

”فإن القبض فيه بالنقل عن مكانه و قال ابن الملك : وفيه أن قبض المنقول بالنقل و التحويل من موضع إلى موضع“ (مرقاة ۳۱۸/۳)۔

مظاہر حق میں ہے: یہ بات ملحوظ رہے کہ اگر اس چیز کو بیان یا وزن کے ذریعہ لیا ہے تو پیمانہ میں نپوا کر، یا وزن کرانے کے بعد ہی اسے اٹھالے، اور اگر بغیر پیمانہ یا وزن لیا ہے تو پھر اس کے بغیر ہی اٹھا کر رکھ دے، حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اشیاء منقولہ میں سے کوئی چیز خریدے اور پھر اسے کسی دوسرے کو فروخت کرنا چاہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ پہلے اس چیز کو قبضہ میں لے اس کے بعد اسے فروخت کرے، کیونکہ بیع اشیاء منقولہ میں قبل قبضہ کے دوسری بیع جائز نہیں ہے (۱۳/۳)۔

اس سلسلہ میں صاحب ”در مختار“ رقمطراز ہیں: ”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع و لا حائل، و شرط في الأجناس شرطاً ثالثاً وهو أن يقول: خلّيت بينك و بين المبيع، فلو لم يقله أو كان بعيداً لم يصّر قابضاً“ (۲۸-۲۷/۳)، اس کا حاصل یہ ہے کہ بیع پر قبضہ کیلئے کوئی مانع و حائل نہ ہو، بایں طور کہ

بائع کہدے کہ میں نے تمہارے اور بیع کے درمیان چھوڑ دیا اسے لے لو، اگر یہ نہ کہے تو مشتری قابض نہ ہوگا۔

علامہ شامی کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ شریعت میں قبضہ کی حقیقت بیع کے حال کے اعتبار سے مختلف ہے، اگر اشیاء منقول ہوں تو گھر کے اندر گیہوں جیسی چیز کی بیع میں بائع کا کبھی دیدینا جبکہ گھر کا کھولنا بغیر تکلف ممکن ہو، قبضہ ہے، اور چراگاہ کے اندر گائے جیسی چیز کی بیع میں گائے کا اس طرح ہونا کہ وہ دیکھی جائے اور اس کی طرف اشارہ کیا جاسکے، قبضہ ہے، اور کپڑا جیسی چیز کی بیع میں کپڑے کا اس طرح ہونا کہ خریدار اپنا ہاتھ بڑھائے تو کپڑے تک پہنچ جائے، قبضہ ہے، اور گھر کے اندر گھوڑا یا چڑیا جیسی چیز کی بیع میں بغیر مددگار کے اسے پکڑ لینا ممکن ہو، قبضہ ہے۔

اور اگر اشیاء غیر منقول ہوں تو گھر جیسی چیز کی بیع میں گھر کو تالا بند کرنے پر قادر ہونا قبضہ ہے، اور بازار و دوکان میں غلہ وغیرہ پر قبضہ یہ ہے کہ خریدار کیلئے بائع کی طرف سے بیع کو لے لینے میں کوئی مانع نہ ہو (شامی ۴/۷۷)۔

سنت میں صرف بیع طعام میں حقیقت قبضہ متعین کی گئی ہے

سنت رسول ﷺ میں قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت وارد ہے اور بیع طعام کے باب میں حقیقت قبضہ یہ متعین کی گئی ہے کہ طعام کو مکان بیع سے منتقل کر لیا جائے، ”عن ابن عمر قال: كانوا يتعاونون الطعام في أعلى السوق، فيبيعونه في مكانه، فنهاهم رسول الله ﷺ عن بيعه في مكانه حتى ينقلوه“ (رواہ ابوداؤد)۔

منتقل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے قبضہ میں لے لیں، اور اشیاء منقولہ کا قبضہ میں لینا یہ ہے کہ اس کو خریدنے کے بعد اس کی جگہ سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھ دیا جائے، چاہے وہ دوسری جگہ کتنی ہی قریب کیوں نہ ہو (مظاہر حق ۳/۱۴)۔

ایک دوسری حدیث: ”عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ: من ابتاع كتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

طعاماً فلا یبعہ حتی یتوفیہ ، وفی روایۃ ابن عباس حتی یکتالہ“ (متفق علیہ) ، ایک اور حدیث: ”عن ابن عباس: قال أما الذی نہی عن النبی ﷺ فهو الطعام أن یباع حتی یقبض ، قال ابن عباس: ولا أحسب کل شیء إلا مثله“ (متفق علیہ)۔

حضرت ابن عباسؓ کے قول کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح غلہ کو قبل قبضہ بیچنا جائز نہیں ہے اسی طرح کسی بھی چیز کو اس وقت تک بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ قبضہ میں نہ آجائے، یہ گویا حضرت ابن عباسؓ کا اپنا گمان و خیال ہے کہ انہوں نے اس مسئلہ میں غلہ پر غیر غلہ کو قیاس کیا ہے (مظاہر حق ۱۵/۳)۔

اور علامہ خطابیؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ طعام کی بیع قبل القبض باقفاق ناجائز ہے، اور اس کے علاوہ اشیاء میں اختلاف ہے، چنانچہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک گھر اور زمین و جائداد کی بیع قبل القبض جائز ہے اور اشیاء منقولہ میں ناجائز ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک اشیاء منقولہ و غیر منقولہ میں سے ہر ایک کی بیع قبل القبض ناجائز ہے، اور امام مالکؒ کے نزدیک ماکول و مشروب کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز ہے، اور امام احمدؒ کے نزدیک مکمل و موزون کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز ہے (بذل ۲۸۳/۴)۔

نیز علامہ خطابیؒ قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”المقبوض یختلف فی الأشياء حسب اختلافها فی أنفسها فمنها ما یکون بأن یوضع المبیع فی ید صاحبه ، و منها: ما یکون بالتخلية بینہ و بین المشتري ، و منها: ما یکون بالنقل عن موضعه ، و منها: ما یکون بأن یکتال و ذلک فیما بیع من المکیل کیلا ، فأما ما یباع جزافا صبره مصبوبة علی الأرض فالقبض أن ینقل و یحول من مکانہ، فان ابتاع طعاما کیلا ثم أراد أن یبیعه بالمکیل الأول لم یجز حتی یکيله علی المشتري ثانيا“ (بذل ۲۸۳/۴)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اشیاء میں قبضہ ان کی ذات کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے،

چنانچہ کبھی قبضہ مشتری کے ہاتھ میں رکھ دینے سے ہوتا ہے، اور کبھی بیع کو مشتری اور بیع کے درمیان چھوڑ دینے سے ہوتا ہے، اور کبھی بیع کی جگہ سے انتقال سے ہوتا ہے اور کبھی کیل سے ہوتا ہے۔ اور علامہ ابن قدامہؒ نے کہا ہے: ہر چیز کا قبضہ اسی کے اعتبار سے ہوتا ہے، اگر شی کیل، یا موزون ہے اور کیل و وزن سے بیع کی جارہی ہے تو قبضہ کیل و وزن سے ہوگا، "و قبض کل شی بحسبہ فان کان مکیلا او موزونا بیع کیلا او وزنا فقبضہ بکیلہ ووزنہ" (معنی ۱۲۵/۴)۔

۳- اشیاء منقولہ و غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق مندرجہ ذیل ہے:

علامہ خطابیؒ لکھتے ہیں: "المقبوض یختلف فی الأشياء حسب اختلافها فی أنفسها فمنها ما یکون بأن یوضع المبیع فی ید صاحبه، ومنها: ما یکون بالتخلیة بینہ و بین المشتري، ومنها: ما یکون بالنقل من موضعه، و منها: بأن یتکال و ذلک فیما بیع من المکیل کیلا" (بذل ۲۸۴/۴)۔

یعنی اشیاء منقولہ میں قبضہ یہ ہے کہ بیع کو مشتری کے ہاتھ رکھ دیا جائے، اور بعض میں بیع کو مکان بیع سے منتقل کر دینا قبضہ ہے اور بعض میں کیل کرنا قبضہ ہے۔

اور اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری اور بیع کے درمیان چھوڑ دے اور قبضہ سے مانع نہ بنے۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ کی چند انواع ہیں: (۱) گھر کے اندر گیہوں جیسی چیز کی بیع میں گھر کی کنجی دینا جبکہ گھر کو بغیر تکلف کھولنا ممکن ہو۔ (۲) گائے جیسی چیز کی بیع میں گائے کا دیکھا جانا اور اس کی طرف اشارہ کیا جانا ممکن ہو۔ (۳) کپڑا جیسی چیز کی بیع میں کپڑے کا اس طرح ہونا کہ مشتری ہاتھ بڑھائے تو وہاں تک پہنچ جائے۔ (۴) گھر کے اندر گھوڑا یا چڑیا جیسی چیز کی بیع میں بغیر مددگار کے پکڑ لینا ممکن ہو، اور اشیاء غیر منقولہ میں گھر اور زمین جیسی چیز کی بیع میں گھر کو تالا بند کرنے پر قادر ہونا اور پھر اس کو بغیر تکلف کھولنا ممکن ہو اس طرح کہ کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

بائع مشتری کو کنجی دیدے قبضہ ہے، اور زمین و جائداد میں تصرف پر قادر ہونا قبضہ ہے (شامی ۴/۳۸۰)۔

۴۔ ”بیع قبل القبض“ سے متعلق احادیث ”معلول بالعلۃ“ ہیں، اور علت نہیں غرہ ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ”لأن علة الفساد الغرر“ (شامی ۴/۱۸۲)۔

اور بیع غرہ ناجائز ہے، چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے: ”عن أبي هريرة قال: نهى رسول الله ﷺ عن بيع الحصاة وعن بيع الغرر“۔

اور بیع غرہ اس بیع کو کہتے ہیں جس میں بیع مجہول، یا بائع کے قبضہ و قدرت سے باہر ہو، جیسے پانی میں مچھلی کی بیع، یا ہوا میں اڑتی چڑیا کی بیع، اور عبد ابق کی بیع، ”أى ما لا يعلم عاقبة من الخطر الذى لا يدري أیکون أم لا کبيع الأبق و الطير فى الهواء و السمک فى الماء و الغالب المجهول ، و مجمله أن یکون المعقود علیه مجهولاً و معجوزاً عنه“ (مرقاۃ ۳/۳۲۰)۔

اور امام نوویؒ نے بیع غرہ مقدوراً تسلیم کو بھی شمار کیا ہے (نووی ۲/۲) اور ظاہر ہے کہ قبضہ سے پہلے غیر مقدوراً تسلیم ہوتی ہے اور صحت بیع کیلئے بیع کا ملوک و مقدوراً تسلیم دونوں ہونا شرط ہے۔

امام نوویؒ کی عبارت یوں ہے: ”و یدخل فیہ مسائل كثيرة غیر مختصرة کبيع الأبق و المعدوم و المجهول و ما لا یقدر علی تسلیمه و ما لا یتیم ملک البائع علیه ، و بیع السمک فى الماء الكثير الخ، فکل هذا بیعه باطل؛ لأنه غرر من غیر حاجة“ (۲/۲)۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت طعام کے باب میں تمام ائمہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک عام ہے، اور اس کے علاوہ اشیاء کی بیع قبل القبض میں ائمہ کے نزدیک کچھ استثناءات و تخصیصات

ہیں، اس باب میں ائمہ کی آراء مع دلائل مندرجہ ذیل ہیں: کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی آزاد اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

علامہ خطابی لکھتے ہیں: طعام کی بیع قبل القبض ناجائز ہے، اسی پر علماء کا اجماع ہے، اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسفؒ اس حکم سے گھر اور زمین و جائیداد کا استثناء و تخصیص کرتے ہوئے ان کو قبضہ سے پہلے بیچنا جائز کہتے ہیں۔ اور امام شافعیؒ اور امام محمدؒ اس ممانعت کو عام رکھتے ہوئے بیع قبل القبض کو مطلقاً ناجائز کہتے ہیں، اس میں کچھ استثناء و تخصیص نہیں کرتے ہیں اور امام مالکؒ طعام میں بیع قبل القبض کو ناجائز کہتے ہیں، اور اس حکم سے غیر طعام کا استثناء و تخصیص کرتے ہیں۔ اور امام احمدؒ وغیرہ مکمل اور موزون میں ”بیع قبل القبض“ کو ناجائز کہتے ہیں، اور اس حکم سے مکمل و موزون کے علاوہ کا استثناء و تخصیص کرتے ہیں، یہ علماء رحمہم اللہ کی آراء ہیں (دیکھئے: نووی ۵/۲)۔

اور حدیث میں طعام سے مراد تمام دانے ہیں، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: ”والمراد به فی کلام المصنف الحبوب کالحب لا البر وحده ولا کل ما یؤکل بقویۃ قولہ کیلا و جزا“ (شامی ۳/۳۰، البحر الرائق ۵/۲۰۵)۔

دلائل ائمہ:

طعام کے سلسلہ میں بیع قبل القبض کی ممانعت عام ہے، اس پر اجماع ہے، دلیل: ”عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یتوفیه، و کذا روی عن ابن عباس، و المروی عنہما روایات فی صحیح المسلم“ (۵/۲) (فی کئی، التذوق البذل ۲/۲۸۳)۔

استثناءات و تخصیصات کے سلسلہ میں دلائل ائمہ:

علامہ شامیؒ، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”صح بیع عقار لا یخشی ہلاکتہ قبل قبضہ من بانیہ لعدم الغرر ای غرر انفساح العقد علی تقدیر الہلاک و عللہ لندرة ہلاک العقار حتی لو کان علواً أو علی شط نہر، تفریع علی مفہوم قولہ ”لا یخشی ہلاکتہ و نحوہ“ بأن

كان في موضع لا يؤمن أن تغلب عليه الرمال كان كمنقول أي بمنزلة من حيث لحوق الغرر بهلاكه فيصح البيع لكنه يتوقف“ (شامی ۱/۴۱۸)۔

یعنی زمین و جائیداد غیر منقول کی بیع قبل القبض جائز ہے، عقد کے فسخ ہونے کے غرر و ہوکا نہ ہونے کی وجہ سے، کیونکہ ان کی ہلاکت نادر و شاذ ہے، اور اس کا اعتبار نہیں ہوگا، اگر ہلاکت کا اندیشہ، بایں طور ہو کہ زمین و جائیداد کا محل وقوع ایسا ہے کہ اس پر ریت کے غلبہ کا خطرہ ہے تو اس کی بیع تو صحیح ہو جائے گی، لیکن موقوف رہے گی، اسی طرح گھر و زمین و جائیداد جس کے قبضہ و دخل میں خطرہ ہے تو اس کی بیع بھی قبل القبض صحیح ہوگی لیکن نافذ نہ ہو کر موقوف رہے گی۔
امام شافعی کی دلیل:

”عن ابن عباس قال: أما الذي نهى عن النبي صلى الله عليه وسلم فهو الطعام أن يباع قبل أن يقبض، قال ابن عباس: ولا أحسب كل شيء إلا مثله“ (متفق علیہ) (مسلم ۲/۵۵۲، ابوداؤد مع الزیل ۲/۲۸۵)۔

یعنی امام شافعی کے نزدیک ”بیع قبل القبض“ مطلقاً ناجائز ہے، اس میں کچھ بھی استثناء و تخصیص نہیں ہے، اور حدیث ابن عباس کی دلیل ہے۔

امام مالک ماکول و مشروب کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز کہتے ہیں، اور ماکول و مشروب کا استثناء کرتے ہیں، علامہ ابن قدامہؒ ان کی دلیل بیان کرتے ہیں: ”وجه ذلك ما روى الأوزاعي عن الزهري عن حمزة بن عبد الله بن عمر يقول مضت السنة إن أدر كته الصفقة حيا مجموعاً فهو من مال المبتاع (رواه البخاري) تعليقا عن ابن عمر و قول الصحابي ”مضت السنة“ يقتضي سنة النبي ﷺ ولأن المبيع السعين لا يتعلق به حق توفيقه فكان من مال المشتري كغير المكيل و الموزون“ (مفتی ۱۲۱/۴-۱۲۲)۔

”وعلمه الإمام مالک لنفسه في المدونة قال: لأن النبي ﷺ نهى عن

بيع الطعام حتى يستوفى وهو عندنا على الكيل والوزن و كل شئ ما خلا الطعام و الشراب فهو جائز أن تبعه قبل أن تستوفيه إن كنت اشتريته وزنا أو كيلا أو جزافا فهو سواء وإن كان الحديث إنما جاء في الطعام وحده“ (الموطع ۱/۲۳۳)

امام احمد مکمل اور موزون کی بیع قبل القبض کو ناجائز کہتے ہیں، اور ان کے علاوہ کا استثناء و تخصیص کرتے ہیں، اور دلیل بیان کرتے ہیں، چنانچہ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ”ولنا قول النبی ﷺ الخراج بالضمنان ، وهذا المبيع إنما للمشتري فضمانه ، وقول ابن عمر: ” مضت السنة ان ما أدركته الصفقة حيا مجموعا فهو من مال المبتاع“ ولأنه لا يتعلق به حق توفيته و تخصيص النبي ﷺ الطعام بالنهي عن بيعه قبل قبضه دليل على مخالفة غيره له“ (مفتی ۱۲۵/۴)

طریق استدلال یوں ہے کہ نبی ﷺ کا ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت میں طعام کی تخصیص کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ طعام کے علاوہ کی بیع قبل القبض جائز ہے۔

۶۔ چونکہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ نہیں پایا گیا جو جواز بیع کیلئے شرط تھا شرعاً، لہذا دوسرے شخص کے ہاتھ اس خریداری کی فروخت کی کو ناجائز قرار دیا جائے گا، اور ضمان قبضہ کے قائم مقام متصور نہ ہوگا، اور مشتری نمبر (۱) کا یہ ضمان درست نہیں، چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:

”و في الفتح و الدر المنقح: لو هلك المبيع بفعل البائع أو بفعل المبيع أو بأمر سماوى بطل البيع و يرجع بالثمن لو مقبوضاً ، وإن هلك بفعل المشتري فعليه ثمنه إن كان البيع مطلقاً أو بشرط الخيار له ، وإن كان الخيار للبائع أو كان البيع فاسداً لزمه ضمان مثله إن كان مثلياً و قيمته إن كان قيمياً“ (شامی ۴/۴۷۷)

یعنی اگر مبیع بائع کے فعل سے (مثلاً کوتاہی، یا غیر معتمد علیہ آدمی کے ذریعہ سے پارسل وغیرہ ہو) ہلاک ہو جائے، یا کسی امر ساوی کی وجہ سے ہو تو بیع باطل ہو جائے گی، اور بائع قیمت واپس کرے گا اگر اس نے قیمت لے لی ہے، اور اگر مبیع خریدار کے فعل (مثلاً پارسل چھڑانے میں کوتاہی وغیرہ کے ذریعہ) سے ہلاکت ہوئی ہو تو خریدار کے ذمہ قیمت ادا کرنا واجب رہے گا۔

اور قبضہ سے پہلے عدم جواز بیع کے باب میں علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: ”محمد عن یعقوب عن ابی حنیفہ قال إذا اشتریت شیئاً کما یکال أو یوزن أو یعدّ عدا فلا تبعه حتی تکيله و تزنه و تعدّه ، فإن بعته قبل أن تفعل و قد قبضته ، فالبيع فاسد فی الکیل و الوزن ، قلت : و ظاهره أن الفاسد هو البیع الثانی وهو بیع المشتري قبل کيله وأن الأول وقع صحیحاً لما مر من أن العلة کون الکیل من تمام القبض فإذا باعه قبل کيله ، فكانه باعه قبل القبض ، و بیع المنقول قبل قبضه لا یصح“ (شامی ۱/۱۸۳)۔

یعنی امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب تم کیلی، یا وزنی، یا عددی چیز خریدو تو کیل، یا وزن، یا عدد سے خریدو، پھر اس کو بغیر کیل یا وزن یا عدد کے، یعنی بغیر قبضہ کے مت بیچو، پس اگر تم نے اس کو بغیر کیل، یا وزن، یا عدد کے یعنی بغیر قبضہ کے بیچ دیا تو دوسری بیع فاسد ہے اور بیع اول صحیح واقع ہوئی، کیونکہ کیل یا وزن سے پہلے بیچنا قبضہ سے پہلے بیچنا ہے، اور منقول کی بیع قبضہ سے پہلے صحیح نہیں ہے۔

۷۔ یہ عرف کہ جس میں بین الاقوامی تجارت میں جہاز پر مال چڑھانے کے بعد بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال کو فروخت کر دیتا ہے، اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا، بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے۔

یہ صورت شرعاً جائز نہ ہوگی، جیسا کہ سوال (۶) کے جواب میں تحریر کیا جا چکا، اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ نص اقویٰ من العرف ہوتی ہے، لہذا نص کے مقابلے میں یہ عرف شرعاً معتبر نہیں، علامہ شامیؒ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”لأن العرف جاز أن يكون على الباطل ، ولأن حجة العرف على الذين تعارفوه والتزموه فقط والنص حجة على الكل فهو أقوى ، ولأن العرف إنما صار حجة بالنص وهو قوله ﷺ ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن“ (شامی ۳/۲۰۲)۔



شریعت میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت

مولانا قاضی عبدالجلیل قاسمی

۱۔ بیع قبل القبض عام طور پر جائز نہیں ہے، کچھ مستثنیات اور فقہاء کے اختلافات ہیں جن کا ذکر آگے آ رہا ہے، فقہاء احناف نے بیع باطل و فاسد و مکروہ کی جو تعریف کی ہے، اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ”بیع قبل القبض“ بیع فاسد ہے، ”الموسوعة الفقهية“ میں ابن عابدین، زیلعی کی ”تمیین الحقائق، بدائع، اور فتح القدیر“ وغیرہ کے حوالہ سے بیع باطل و فاسد و مکروہ کی تعریف، اور ان کے احکام تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔

”والبیع الباطل عند الحنفیة هو : ما لم یشرع لا بأصله ولا بوصفه“
(الموسوعة الفقهية ۵۲/۹)۔

”والبیع الفاسد فی الاصطلاح : ما یکون مشروعاً أصلاً لا وصفاً والمراد بالأصل: الصیغة، والعاقدان، والمعقود علیہ، وبالوصف : ما عدا ذلك“ (الموسوعة الفقهية ۹۸/۹)۔

”والباطل هو ما لا یکون صحیحاً أصلاً ووصفاً، والفاسد هو ما لا یصح وصفاً، وکل ما أورث خللاً فی رکن البیع فهو مبطل وما أورثه فی غیره کالتسلیم والتسلم الواجبین به، والانتفاع المقصود منه، وعدم الإطلاق عن شرط لا یقتضیه وغیر ذلك فهو مفسد“ (عن علی فتح القدیر ۴۰۲/۶)۔

قاضی امارت شرعیہ، پھلواڑی شریف، پٹنہ۔

یہی وجہ ہے کہ ”موسوعہ“ میں شامی کے حوالے سے ”بیع قبل القبض“ کو بیع فاسد میں شمار کیا ہے۔

”وعدم الصحة هنا ، یعنی الفاسد لا البطلان، وإن كان نفى الصحة يحتملهما لكن الظاهر عند الحنفية هو الفساد، لأن عنة الفساد هي الغرر مع وجود ركني البيع وكثيرا ما يطلق الباطل على الفساد“ (الموسوعہ القبطیہ ۱۲۵/۹)۔

علامہ ابن ہمام نے باطل و فاسد کی بیع اور اس کے احکام کی جو تفصیلات ذکر کی ہیں ان سے محسوس ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض ان کے نزدیک بیع فاسد ہے، لکھتے ہیں:

”(لأن فيه غرر انفساخ العقد) الأول (على اعتبار الهلاك المبيع) قبل القبض فيتبين حينئذ انه باع ملك العين بغير اذنه وذلك مفسد للعقد“ (فتح القدير ۵۱۲/۶)، ”والفساد بمعنى البطلان إلا في السلم أو مع الملك لكن قبل قبضه“ (فتح القدير ۳۰۲/۶)۔

فقہاء احناف کی کتابوں میں جہاں بھی بیع قبل القبض کی بحث کی گئی ہے تقریباً تمام ہی حضرات نے اس کو بیع فاسد ہی میں شمار کیا ہے۔

۲۔ قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں ہے، بلکہ عرف و عادت پر موقوف ہے، جس چیز کے بارے میں جس درجہ کا استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے گا، وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا۔

علامہ حاکمی نے ثمن و مبیع کی سپردگی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سپردگی یہ ہے کہ تخلیہ اس طرح ہو کہ بغیر کسی رکاوٹ و دشواری کے قبضہ ممکن ہو۔

”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل“ (درمختار علی رد المحتار ۵۶۰/۳)۔

علامہ شامی نے اس عبارت پر ”بحر“ کے حوالہ سے تفصیلات ذکر کرنے کے بعد لکھا

ہے:

”وحاصلہ : أن التخلية قبض حکما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع“ (رد المحتار ۴/۵۶۱)۔

صاحب ”بذل المحمود“ حضرت مولانا ظلیل احمد صاحب سہارنپوری تحریر فرماتے ہیں:

”قال الخطابی: القبوض تختلف في الأشياء حسب اختلافها في أنفسها، فمنها: ما يكون بأن يوضع في يد صاحبه، ومنها: ما يكون بالتخلية بينه وبين المشتري. ومنها: ما يكون بالنقل من موضعه، ومنها: ما يكون بأن يكتال“ (بذل المحمود ۴/۲۸۳)۔

”مذهب المالكية والشافعية والحنابلة أن قبض كل شيء بحسبه : فإن كان مكيلا أو موزوناً أو معدوداً أو مذروعا فقبضه بالكيل أو الوزن أو العدد أو الذرع“۔

”والمالكية شرطوا في قبض المثل تسليمه للمشتري وتفرغفه في أوعيته. وإن كان جزافاً فقبضه نقله وإن كان منقولاً من عروض وأنعام فقبضه بالعرف الجاري بين الناس كما يقول المالكية : كاحتياز الثوب وتسليم مقود الدابة وإن كان عقاراً، فقبضه بالتخلية بينه وبين المشتري بلا حائل دونه تمكنه من التصرف فيه بتسليمه المفتاح، وإن وجد ولم يفصل الحنفية بل اعتبروا التخلية وهي رفع الموانع والتمكين من القبض قبضاً حکماً على ظاهر الرواية نص الحنفية على مذهبهم هذا في الرهن في التخلية بينه وبين المرتهن، وقالوا: إن التخلية فيه قبض، كما هي في البيع، فإنها فيه أيضاً قبض، وقالوا: لأنها تسليم فمن ضرورته الحكم بالقبض، فيترتب عليه ما يترتب على القبض الحقيقي، وهذا هو الأصح“ (الموسوعة الفقهية ۱۳۲۹-۱۳۳۰)۔

”خلاصۃ الفتاویٰ، فتح القدیر، البحر الرائق“ میں بھی تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں۔

۳۔ اوپر کی تفصیلات سے واضح ہے کہ اشیاء منقولہ وغیرہ منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق ہوگا۔

۴۔ نبی قبل القبض کے سلسلہ میں جو احادیث مروی ہیں وہ معلول بالعلۃ ہیں۔

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:

”والحدیث معلول بہ عملاً بدلانل الجواز“ (ہدایہ ۵۸۴)۔

نبی کریم ﷺ نے قبضہ سے پہلے بیع کرنے سے منع فرمایا ہے، اور خود آپ نے ثمن میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنے کی اجازت دی ہے۔

”عن ابن عمر قال كنت أبيع الإبل بالبيع، فأبيع بالدنانير و أخذ الدراهم وأبيع بالدراهم وأخذ الدنانير، فأتيت النبي ﷺ وهو يريد أن يدخل حجرته، فأخذت بثوبه فسالته، فقال: إذا أخذت واحدا منها بالآخر فلا يفارقك وبينك وبينه بيع“ (فتح القدیر ۱۹/۶)۔

اس سے واضح ہے کہ جب آپ نے ”بیع قبل قبض المبیع“ سے منع فرمایا اور ”بیع قبل قبض المثل“ کی اجازت دی، تو منع کرنے کی کوئی خاص وجہ ضرور ہے جو بیع ”قبل قبض المبیع“ میں پائی جاتی ہے، اسلئے آپ منع فرما رہے ہیں، اور بیع ”قبل قبض المثل“ میں نہیں پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس میں آپ اجازت دے رہے ہیں، اور وہ وجہ ضرور ہے، یعنی ”غرر انفساخ العقد الاول“ ہے، ”فی الصحاح أنه ﷺ نہی عن بیع الغرر“ (فتح القدیر ۵۱۲/۶)، یعنی اگر مبیع قبضہ سے قبل ہلاک ہو جائے تو بیع منسوخ ہو جائیگی، مشتری کو معلوم نہیں ہے کہ جس مال کو اس نے خریدا ہے وہ قبضہ میں آئے گا یا نہیں، بلکہ ہلاک ہونے کی صورت میں بیع ہی منسوخ ہو جائے گی، اسلئے اس کو اجازت نہیں دی جاتی ہے کہ وہ قبضہ میں آنے سے پہلے اس کو فروخت کرے، لیکن ثمن کے ہلاک ہونے کا اثر بیع پر نہیں پڑتا ہے، اس لئے کہ اگر ثمن متعین بھی ہے تو اس کے ہلاک

ہونے کی صورت میں بیع منسوخ نہیں ہوگی، بلکہ مشتری پر لازم ہوگا کہ اس متعینہ ثمن کی قیمت بائع کو ادا کرے۔

یہیں سے فقہاء نے یہ استنباط کیا ہے کہ ہر وہ عقد جس میں قبضہ سے پہلے بدل کے ہلاک ہونے سے عقد پر کوئی اثر نہیں پڑتا وہاں اس بدل میں قبضہ سے پہلے بھی تصرف کی اجازت ہے۔

مثلاً عورت کے لئے مہر، زوج کیلئے بدل خلع، عتق علی مال، دم عمد میں صلح کا بدل، یہ سب وہ عقود ہیں کہ بدل کے ہلاک ہونے سے عقد منسوخ نہیں ہوتا، بلکہ اگر بدل متعین ہو تو ہلاک ہونے کی صورت میں اس کی قیمت ادا کرائی جاتی ہے، اس لئے ان سب میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے۔

”فصار الأصل أن كل عقد يفسخ بهلاك العوض قبل القبض لم يجز التصرف في ذلك العوض قبل قبضه كالمبيع في البيع والأجرة إذا كانت عينا في الإجارة وبدل الصلح عن الدين إذا كان عينا لا يجوز بيع شيء من ذلك.... وما لا يفسخ بهلاك العوض، فالتصرف فيه قبل القبض جائز، كالمهر إذا كان دينا وبدل الخلع والعتق على مال وبدل الصلح عن دم العمد كل ذلك إذا كان عينا يجوز بيعه وهبته وإجارته قبل قبضه وسائر التصرفات في قول أبي يوسف: ولو أوصى به قبل القبض ثم مات قبل القبض صحت الوصية بالإجماع، لأن الوصية أخت الميراث ولو مات قبل القبض ورث عنه فكذا إذا أوصى به“ (فتح القدير ۶/۵۱۲)۔

”إن كل عوض ملك بعقد يفسخ بهلاكه قبل القبض لم يجز التصرف فيه قبل قبضه وما لا يفسخ بهلاكه جاز التصرف فيه قبل قبضه، فمثال الأول المبيع والأجرة وبدل الصلح عن الدين إذا كان الثمن والأجر

والبذل عینا..... ومثال الآخر المهر إذا كان عینا وكذا بدل الخلع والعنق علی مال وبذل الصلح عن دم العمد“ (الموسوعة الفقهية ۱۲۸/۹-۱۲۹)۔

یہاں پر حضرت امام اعظم اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کا عقار کے سلسلہ میں بیع قبل القبض کی اجازت دینا بھی سمجھ میں آتا ہے، کہ جس طرح ثمن میں قبضہ کے پہلے تصرف کرنا جائز ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہاں ”غرر“ نہیں ہے، اور مہر وغیرہ میں بھی غرر کے نہ ہونے کی وجہ سے ہی تصرف قبل القبض کی اجازت ہے، اسی طرح عقار میں بھی چونکہ ”غرر“ کا اندیشہ نہیں ہے، اسلئے کہ اس کا ضائع ہونا نادر ہے، اور ”النادر لا عبرة به“ قبل القبض کی اجازت دی گئی ہے۔

البتہ خود ان حضرات نے بھی کہا ہے کہ اراضی لب دریا ہو، یا ایسی جگہ ہو کہ ریت کے بھر جانے کا اندیشہ ہو تو وہاں چونکہ زمین کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے، وہاں ”غرر انفساخ“ موجود ہے تو وہاں بھی بیع قبل القبض کی اجازت نہیں دی جائے گی، ”حتی قال بعض المشائخ: إن جواب أبي حنيفة في موضع لا يخشى عليه أن يصير بحراً أو يغلب عليه الرمال، فأما في موضع لا يؤمن عليه ذلك، فلا يجوز كما في المنقول ذكره المحبوبی، وفي الاختيار: حتى لو كان على شط البحر أو كان المبيع علواً لا يجوز بيعه قبل القبض“ (فتح القدیر ۲/۵۱۳)۔

۵۔ بیع قبل القبض کی تفصیلات میں حضرات ائمہ کرام میں اختلافات ہیں۔

حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے خطابي کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اہل علم کا اجماع اس پر ہے کہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اس کے علاوہ دوسری اشیاء میں اختلافات ہیں۔ امام اعظم اور امام ابو یوسفؒ مکانات اور اراضی کی بیع قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں، باقی تمام طعام غیر طعام میں ناجائز قرار دیتے ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام محمدؒ طعام وغیرہ طعام، مکانات اور اراضی تمام ہی چیزوں میں ”بیع قبل القبض“ کو ناجائز کہتے ہیں۔ امام مالکؒ ماکول و مشروب کے علاوہ

تمام اشیاء میں ”بیع قبل القبض“ کو جائز مانتے ہیں۔ اوزاعی، احمد بن حنبل، اسحق بن راہویہ مکمل و موزون کے علاوہ تمام چیزوں میں بیع قبل القبض کو جائز کہتے ہیں۔ یہی ابن المسیب، حسن بصری، حکم اور حماد سے مروی ہے (بذل المجود ۲۸۴/۴)۔ ”الموسوع الفقہیہ“ میں پوری تفصیل مذکور ہے۔

حضرت امام مالکؒ نے اس کو طعام کے ساتھ مخصوص کیا ہے، جبکہ وہ معاوضہ لے کر حاصل کیا گیا ہو، اور کیل یا وزن کے ساتھ حاصل کیا گیا ہو، اگر بلا معاوضہ حاصل ہوا ہے، یا تخمینہ سے خریدا گیا ہے تو اس میں بھی ”بیع قبل القبض“ کی اجازت دیتے ہیں، دوسری تمام چیزوں میں وہ ”بیع قبل القبض“ کی اجازت دیتے ہیں۔

”ومذهب المالکۃ ان المحرم المفسد للبیع هو بیع الطعام دون غیره من جمیع الأشياء قبل قبضه، سواء كان الطعام ربویا كالقمح أم غیر ربوی كالنخاع عندهم، أما غیر الطعام فیجوز بیعه قبل قبضه وذلك لحديث ابن عباس المتقدم من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یقبضه، ولغلبة تغیر الطعام دون ماسواه، لكنهم شرطوا لفساد هذا النوع من البیع شرطین:

(الف) أن یكون الطعام مأخوذا بطریق المعاوضة ای فی مقابلة شیء بإجارة أو شراء أو صلح أو إرش جنایة.... فهذا الذی لا یجوز بیعه قبل قبضه إما لو صار إلیه الطعام بهبة أو میراث مما لیس أخذه بعوض، فیجوز بیعه قبل قبضه۔

(ب) وأن تكون المعاوضة بالکیل أو الوزن أو العدد فیشریه بکیل و بیعه قبل قبضه..... أما لو اشتراه جزافا ثم باعه قبل قبضه فیکون جائزا“ (الموسوع الفقہیہ ۱۲۶/۹)۔

موسوع میں امام احمدؒ سے مختلف روایتیں منقول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ طعام کی بیع قبل

القبض جائز نہیں ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے جس چیز میں ”بیع قبل القبض“ سے منع کیا ہے وہ طعام ہے، اس کا مطلب ہوا کہ طعام کے علاوہ دوسری چیزوں میں ”بیع قبل القبض“ جائز ہوگی۔

”الأصح أن الذي يمنع من بيعه قبل قبضه هو الطعام، وذلك؛ لأن النبي ﷺ ”نہی عن بيع الطعام قبل قبضه“ فمفهومه إباحة ما سواه قبل قبضه“ (الموسوعة الفقهية ۱۲/۹)۔

اس کے ساتھ ہی ان روایات کا بھی تذکرہ ہے جن میں طعام میں ”بیع قبل القبض“ سے مختلف الفاظ میں منع کیا گیا ہے، ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ کیل و موزون، معدود اور مذروع میں مشتری کا تصرف قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے، جیسا کہ حضرت سہارنپوری نے نقل کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ حدیث میں طعام قبل القبض سے منع کیا گیا ہے، اور اس زمانہ میں غالباً طعام کا لفظ کیل و موزون میں ہی استعمال کیا جاتا تھا، معدود و مذروع کو اس پر قیاس کیا گیا ہے۔

”إن الحديث المذكور نهى عن بيع الطعام قبل قبضه وكان الطعام يومئذ مستعملاً غالباً فما يكال ويوزن وقيس عليها المعدود والمذروع لاحتياجهما إلى حق التوفية“ (حوالہ سابق ۱۲/۹)۔

ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ کسی چیز کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے، جبکہ امام محمد اور امام شافعی رحمہما اللہ کا مذہب ہے:

”وفى رواية ثالثة عن الإمام أحمد : أنه لا يجوز بيع شيء قبل قبضه وهى التى وافق فيها الإمام الشافعى وغيره“ (حوالہ سابق)۔

امام محمد اور امام شافعی کا مذہب ہے کہ کسی چیز کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے، طعام ہو غیر طعام ہو، منقول ہو یا غیر منقول اراضی وغیرہ ہو، ان کا مستدل وہ روایات ہیں جن میں مطلقاً قبضہ سے پہلے بیع سے منع کیا گیا ہے۔

”وذلك لحديث حكيم بن حزام قال : قلت : يا رسول الله إني اشتري ببوعاً فما يحل لي منها وما يحرم علي ؟ قال : إذا اشتريت بيعاً فلا تبعه حتى تقبضه“ (نوالہ سابق ۹/۱۲۴)۔

نیز طعام میں ”بیع قبل القبض“ کی نہی کے راوی حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے: ”ولا أحسب كل شيء إلا مثله“ (مشکوٰۃ ۷/۲۴)، ابو داؤد کے الفاظ ہیں: ”وقال ابن عباس وأحسب أن كل شيء مثل الطعام“ (ابو داؤد ۲/۱۰۴)۔

حضرت امام اعظم و ابو یوسفؒ نے طعام کے ساتھ تمام منقول اشیاء میں ”بیع قبل القبض“ کو ناجائز کہا ہے، اراضی و مکانات وغیرہ غیر منقولہ اشیاء میں وہ ”بیع قبل القبض“ کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جواب (۴) میں اس کی کچھ تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔

۶۔ فیکٹری کا مال بیچنے کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص فیکٹری کا ایجنٹ ہوتا ہے، وہ سفر کرتا ہے، خریداروں سے بات کرتا ہے، ان سے آرڈر لیتا ہے، اور پھر فیکٹری سے آرڈر کے مطابق خریداروں کو مال روانہ کر دیا جاتا ہے، اور اس شخص کو فیکٹری کی طرف سے کمیشن ملتا ہے، اس صورت میں وہ فیکٹری کا وکیل ہوتا ہے، یہ ”بیع قبل القبض“ نہیں ہے، اس لئے جائز ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص فیکٹری کے ساتھ معاملہ طے کر لیتا ہے، ہر ماہ میں مجھے اتنا مال ملنا چاہئے، اور وہ سفر کر کے خریدار تیار کرتا ہے، اور مال کی قیمت اس کو معلوم ہے، اسی میں اپنا منافع رکھ کر خریدار سے بات کر لیتا ہے، اور فیکٹری سے مال اس کو روانہ کر دیتا ہے، اس صورت میں تو ”بیع قبل القبض“ ہی نہیں، بلکہ ”بیع مالیس عندہ“ ہے، یعنی ابھی تو اس نے فیکٹری سے خریداری نہیں کی اور مال کا مالک نہیں بنا اور فروخت کر دیا، یہ بیع قبل الملك ہے، اور سراسر ناجائز ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس نے مال فیکٹری سے خرید لیا، پھر اس میں دو صورتیں ہیں: اول یہ ہے کہ فیکٹری کے اموال میں سے خرید کردہ مال جدا کر کے ایک جگہ محفوظ

کرادیا، پھر اس نے کسی خریدار سے بات کی، اور فیکٹری سے اس کو براہ راست مال روانہ کر دیا، میرے خیال سے فیکٹری سے خرید کر وہ مال کو جدا کر کے رکھوادینا قبضہ مانا جائے گا، اس لئے اس بیع کو صحیح قرار دیا جائے گا، یہ ”بیع بعد القبض“ ہے نہ کہ ”قبل القبض“۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اس نے فیکٹری سے مال خرید لیا، اور ابھی اس نے قبضہ نہیں کیا، اور کسی دوسرے خریدار کے ہاتھ فروخت کر کے فیکٹری سے مال براہ راست دوسرے خریدار کو بھیج دیا، جیسا کہ سوال میں مذکور ہے تو یہ صورت ”بیع قبل القبض“ کی ہے اور ناجائز ہے۔

یہ کہنا کہ جب مال فیکٹری سے روانہ ہوتا ہے تو خریدار اول کے ضمان میں آجاتا ہے اور یہ ”ربح مالم یضمن“ نہیں ہے، صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ ”ربح مالم یضمن“ کا معنی ”بیع قبل القبض“ ہے، ومعنی ”ربح مالم یضمن“ ربح ما بیع قبل القبض، مثل: أن يشتري متاعاً وبيعه إلى آخر قبل قبضه من البائع فهذا البيع باطل وربيحه لا يجوز؛ لأن البيع في ضمان البائع الأول وليس في ضمان المشتري منه لعدم القبض“ (الموسمہ الفقہیہ ۱۲۴/۹)۔

جس وقت اس نے فروخت کیا مال اس کے قبضہ میں نہیں تھا، بعد میں اس کے قبضہ میں آیا، اس لئے یہ جائز نہیں ہوگا، البتہ چونکہ اس طرح سے بیع و شراء کرنے کا عام رواج ہو چکا ہے، اس لئے امام مالک کے قول کے مطابق اگر طعام نہ ہو تو اس طرح بیع و شراء کی اجازت دی جاسکتی ہے، عموم بلوئی کی وجہ سے دوسرے ائمہ کے مسلک کو اختیار کرنے کی اجازت فقہاء دیتے ہیں، اور یہ مسئلہ فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں معروف ہے۔

ماضی قریب کے مشہور فقیہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: یہ معاملہ حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے..... چونکہ اس میں ابتلاء عام ہے، لہذا امام شافعی کے قول پر عمل کی گنجائش ہے (امداد الفتاویٰ ۲۱/۳)۔

اس طرح چونکہ اس میں ابتلاء عام ہے، اس لئے میرے خیال میں امام مالک کے قول کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

پر عمل کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔

۷۔ جب مشتری نے مال کی خریداری کے بعد بائع کو کہد یا کہ میرا مال فلاں جہاز پر لا دیا جائے اور بائع نے اس کے حکم کے مطابق مال جہاز پر بھیج دیا، تو اب وہ مال مشتری کے ضمان میں آگیا اور جہاز پر لا دینا مشتری کا قبضہ مانا جائے گا، اور جب اس کے قبضہ اور ضمان میں آگیا تو اس کے لئے اس میں ہر طرح کا تصرف کرنا بھی جائز قرار پائے گا، اسلئے اگر اس نے اس مال کو فروخت کر دیا تو یہ فروختگی جائز قرار پائے گی۔

اسی طرح اجیر کا قبضہ مستاجر کا قبضہ قرار دیا جائے گا، اور صاحب جہاز اجیر ہے، اس کا قبضہ مالک کا قبضہ قرار پائے گا، تو جس طرح مالک جہاز کا قبضہ مشتری اول کا قبضہ مانا جائے گا، اسی طرح مالک جہاز کا قبضہ مشتری ثانی کا قبضہ بھی مانا جائے گا، اور مشتری ثانی کیلئے بھی جائز ہوگا کہ وہ کسی تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دے..... میری رائے ہے کہ اس صورت کو جائز ہونا چاہئے۔



قبضہ سے پہلے بیع و شراء کے احکام

مفتی نسیم احمد قاسمی

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت فاسد ہے یا باطل؟

قبضہ سے پہلے کسی چیز کے فروخت کرنے کی ممانعت کے بارے میں جناب نبی کریم ﷺ سے مختلف احادیث و روایات مروی ہیں، بعض احادیث میں مطلقاً قبضہ سے پہلے سامان کے فروخت کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، بعض احادیث میں کھانے کی چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، حضرت امام بخاری نے اپنی ”الجامع الصحیح“ میں ”باب بیع الطعام قبل أن یقبض و بیع ما لیس عندک“ کے تحت صرف ان احادیث کا تذکرہ کیا ہے جن میں نبی کریم ﷺ سے قبضہ سے پہلے طعام کے بیع کی ممانعت ثابت ہے، حضرت ابن عباس کی روایت میں ہے:

”أما الذی نهی عنه النبی ﷺ فهو الطعام أن یباع حتی یقبض“

راوی حدیث ابن عباس کہتے ہیں کہ ”ولا أحسب کل شیء إلا مثله“ (فتح الباری ۴۳۹) یعنی میرا خیال ہے کہ ممانعت صرف بیع طعام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ دوسری اشیاء میں بھی قبل القبض بیع درست نہیں ہوگی، دوسری روایت ابن عمرؓ سے منقول ہے: ”من ابتاع طعاماً فلا یبعه حتی یستوفیه“۔

اسماعیل کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

”من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه“ (حوالہ سابق)۔

یعنی کوئی شخص کھانے کی کوئی چیز خریدے تو اس پر قبضہ سے پہلے اس کی بیع درست نہیں ہوگی، مختلف سندوں سے امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر کی روایات ذکر کی ہیں، مسلم شریف میں ابو ہریرہ کی روایت میں ہے:

”إن رسول الله ﷺ قال من اشترى طعاماً فلا يبعه حتى يكتاله“ (مسند فتح البیہم ۱/۳۵۷)۔

اور ابو داؤد شریف میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ”إذا ابتعت ببعاً فلا تبعه حتى يقبضه“ (ابوداؤد ۳/۲۸۳)۔ جب تم کوئی چیز خریدو تو اس کو قبضہ سے پہلے مت فروخت کرو۔

حضرت عمر فاروق کا بھی فتویٰ ہے کہ قبضہ سے پہلے طعام کی بیع جائز نہیں ہے، انہوں نے حکیم بن حزام سے فرمایا: ”لا تبع طعاماً ابتعته حتى تستوفيه“ (الاسع ۱۹/۲۶۳)۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی فتویٰ یہی ہے کہ قبضہ سے پہلے طعام کی بیع درست نہیں ہے (حوالہ بالا ۱۹/۲۵۲)۔

ان احادیث و آثار کی وجہ سے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہوا ہے، حضرت امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک تمام منقولات میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ممنوع ہے، البتہ ایسی زمین و عقار جس کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو قبضہ سے پہلے بھی اس کی بیع جائز ہے، حضرت امام شافعی اور محمد بن الحسن شیبانی حنفی کے نزدیک ہر چیز کی بیع قبضہ سے پہلے ناجائز ہے، چاہے منقولات کی بیع ہو یا عقار کی اور چاہے طعام کی ہو یا غیر طعام کی، حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کا حکم بیع الطعام کے ساتھ خاص ہے، حضرت امام مالک کے نزدیک طعام کی بیع کیل یا وزن کے ساتھ ہو تو اس صورت میں قبل القبض اس کی بیع ممنوع ہوگی (مسند فتح البیہم ۱/۳۵۰-۳۵۱)۔

اب رہا یہ سوال کہ حنفیہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے طعام یا منقولات کی بیع ناجائز ہے تو اس کا شمار ان کے نزدیک بیع کی کس قسم میں ہوگا، فاسد میں یا باطل میں؟

کتب حنفیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض فقہاء نے اسے بیع فاسد میں شمار کیا ہے، جبکہ بعض فقہاء نے اس پر بیع باطل کا بھی اطلاق کیا ہے، چنانچہ صاحب جوہرۃ النیرہ کے حوالہ سے علامہ علاء الدین الحسکفی نے درمختار میں لکھا ہے: ”بخلاف بیعہ قبلہ فانہ باطل“ یعنی قبضہ سے پہلے بیع باطل ہے۔

مگر صاحب ”درمختار“ نے صاحب جوہرہ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا ہے، ان کا اپنا ذاتی رجحان یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت فاسد ہے، باطل نہیں ہے، چنانچہ مواہب کے حوالہ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: ”وفسد بیع المنقول قبل قبضہ“ انتہی یعنی قبضہ سے پہلے منقولی اشیاء کی بیع فاسد ہے۔

عدم جواز میں چونکہ فساد اور بطلان دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اسلئے کبھی فاسد پر باطل کا بھی اطلاق کر دیا جاتا ہے، علامہ ابن عابدین شامی نے فساد کے قول کو رائج قرار دیا ہے، چنانچہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے: ”والظاهر الثانی لأن علة الفساد الغرر کما مر مع وجود رکنی البیع و کثیراً ما یطلق الباطل علی الفساد“ (رد المحتار ۷/۳۷۱) یہی فساد کا قول زیادہ مناسب و مقتضی ہے، اس لئے کہ علت فساد غرر ہے، یہاں پر بیع کے دونوں رکن پائے جاتے ہیں، اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فاسد پر باطل کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، علامہ سید احمد الطحاوی حنفی نے حاشیہ درمختار میں فساد کے قول کو رائج قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

”وهو الظاهر؛ لأن رکنی البیع وهما العوضان ثابتان وإنما جاء الفساد من جهة أخرى وهو الغرر أی غرر انفساخ العقد بهلاکة والغرر حرام و کثیراً ما یطلق الباطل علی الفساد“ (حاشیہ طحاوی علی الدر المختار ۳/۱۰۰)۔

علامہ ابن ہمام نے فتح القدیر میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو بیع فاسد قرار دیا ہے کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

چنانچہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

”قبل القبض فتبين حينئذ انه باع ملك الغير بغير اذنه و ذلك مفسد للعقد وفي الصحاح انه ﷺ نهى عن بيع الغرر“ (فتح القدیر ۶/۱۳۶)۔

یعنی قبضہ سے پہلے ملک غیر کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کیا جاتا ہے جو مفسد عقد ہے، اور صحاح میں نبی کریم ﷺ سے بیع غرر کی ممانعت ثابت ہے۔

قبضہ کی حقیقت:

علامہ ابن ہمام حنفی نے قبضہ کی حقیقت کے بارے میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

”قبضہ اور بیع کی حوالگی و سپردگی کا مفہوم یہ ہے کہ مشتری (خریدار) اور خریدے ہوئے سامان کے درمیان اسی طرح تخلیہ کر دیا جائے کہ خریدار کیلئے بغیر کسی رکاوٹ اس پر قبضہ کرنا ممکن ہو، اور یہی مفہوم ثمن کی حوالگی کا ہے۔“

اور وبری سے منقول ہے کہ اگر کسی مکان میں خریدے گئے سامان تجارت کے ساتھ بائع کے سامان کے علاوہ کسی دوسرے کا سامان ہو تو وہ قبضہ کے حق میں مانع ہوگا، پس اگر اسے قبضہ کی اجازت دے دی جائے تو قبضہ صحیح ہو جائے گا اور سامان بائع کے پاس بحکم و بیعت ہوگا، کپڑے میں قبضہ کی صورت یہ ہے کہ خریدار اسے اپنے ہاتھ میں لے لے، یا اگر کپڑا زمین پر رکھا ہو اور بائع مشتری سے یہ کہے کہ میں نے تمہارے اور کپڑے کے درمیان تخلیہ کر دیا ہے، پس اس پر قبضہ کر لو، اور خریدار نے اس کے جواب میں کہا میں نے قبضہ کر لیا تو اسے شرعاً قبضہ قرار دیا جائے گا، اور اگر کسی مکان میں رکھے ہوئے گندم کو خرید لیا اور بائع نے مشتری کو اس مکان کی کفنی دیتے ہوئے کہا کہ میں نے تمہارے اور بیع کے درمیان تخلیہ کر دیا تو اسے شرعاً قبضہ قرار دیا جائے گا (فتح القدیر ۵/۴۹۶)۔

علامہ علاء الدین ہسکلی صاحب درمختار نے قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

”پھر قبضہ اور سامان کی سپردگی ایسے تخلیہ سے عمل میں آئے گی جس میں مشتری کیلئے بیع پر قبضہ کرنا کسی رکاوٹ کے بغیر ممکن ہو“ (درالمختار ۵۶۱/۳-۵۶۲)۔

علامہ شامی کی صراحت کے مطابق تخلیہ بھی حکماً قبضہ ہے، بشرطیکہ تخلیہ کے بعد بیع پر کسی مانع کے بغیر قبضہ و تصرف ممکن ہو (حوالہ ۱۱)۔

فقہ طاہر بن عبد الرشید نے ”خلاصۃ الفتاویٰ“ کی ”کتاب البیوع“ میں ایک باب ہی اس عنوان سے قائم کیا ہے: ”فیما یکون قبضاً و فیما لا یکون“ اس باب کے تحت انہوں نے قبضہ کی حقیقت و اصلیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ:

”تجربہ میں بیع پر قبضہ کے باب میں لکھا ہے کہ سامان پر قبضہ اور اس کی سپردگی کی صورت یہ ہے کہ بائع سامان اور مشتری کے درمیان اس طرح تخلیہ کر دے کہ کسی رکاوٹ کے بغیر خریدار کیلئے اس پر قبضہ ممکن ہو، اور اسی طرح ثمن کی سپردگی ہوگی، اجناس میں ہے کہ سامان کی حوالگی کیلئے تین چیزیں معتبر ہیں: ۱۔ بائع خریدار سے کہے کہ میں نے سامان اور تمہارے مابین تخلیہ کر دیا، ۲۔ بیع خریدار کے پاس اس طرح ہو کہ اگر وہ اس میں کوئی تصرف کرنا چاہے تو کسی مانع کے بغیر کر سکے، ۳۔ بیع حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں نے تمہارے اور بیع کے درمیان تخلیہ کر دیا ہے اس پر قبضہ کر لو..... (خلاصۃ الفتاویٰ ۸۹/۳)۔

فتاویٰ ہندیہ میں بیع جائز میں تخلیہ کو قبضہ تسلیم کرنے پر علماء کا اتفاق نقل کیا ہے: ”و اجمعوا علی أن التخلية فی البیع الجائز تكون قبضاً“ (فتاویٰ ہندیہ ۱۶/۳)۔

البتہ بیع فاسد کی صورت میں تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا یا نہیں، اس میں دور روایت ہے مگر اس میں بھی مفتی بقول یہی ہے کہ تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا۔ ”والصحيح أنها قبض“ (حوالہ

www.KitaboSunnat.com

سابق)۔

قبضہ کی حقیقت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے:

”سامان کی حوالگی اور قبضہ کی صورت یہ ہے کہ بیع اور مشتری کے درمیان اس طرح تخلیہ کر دیا جائے کہ کسی رکاوٹ کے بغیر مشتری کیلئے اس سامان پر قبضہ ممکن ہو“ (حوالہ بالا)۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک چاہے منقولات کی بیع ہو یا عقار کی، ہر صورت میں تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا: ”وقال أبو حنيفة رحمه الله: القبض في الجميع التخلية“ (جلد ۱۱، ۸۲/۴)۔

ان عبارت کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ اور سامان کی حوالگی کا مطلب یہ ہے کہ خریدار اور بیع کے درمیان ایسا تخلیہ کر دیا جائے کہ اگر وہ اپنے خریدے ہوئے سامان میں کوئی تصرف کرنا چاہے تو کر سکے، اب رہا یہ سوال کہ ہر چیز کا قبضہ ایک ہی نوعیت کا ہوگا یا اشیاء کی نوعیت کے لحاظ سے قبضہ کی حقیقت و نوعیت بدلتی رہے گی، تو اس سلسلہ میں یہ تفصیل ہے۔

اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کا فرق:

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے صراحت کی ہے کہ ہر چیز کا قبضہ اس کی نوعیت کے لحاظ سے ہوگا: ”وقبض كل شئ بحسبه“ (المغنی ۱۲۵/۴)۔

ملکی یا موزونی اشیاء اگر کیل یا وزن کے ساتھ فروخت کی جائیں تو ان میں کیل یا وزن ہی کے ذریعہ قبضہ معتبر ہوگا، حضرت امام شافعی کی یہی رائے ہے، حضرت امام ابوحنیفہ ہر چیز کی بیع میں تخلیہ کو قبضہ کے حکم میں تسلیم کرتے ہیں (المغنی ۱۱، ۱۲۵/۴)۔

محدث ظفر عثمانی صاحب ”إعلاء السنن“ نے ”شرح الوجیز“ کے حوالہ سے قبضہ کی حقیقت و کیفیت اور ہر چیز کی نوعیت کے لحاظ سے قبضہ کی نوعیت کا فرق ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

۱- اگر بیع ان چیزوں کے قبیل سے ہو جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے جیسے اراضی (عقار) مکانات، تو ایسی چیزوں کا قبضہ ایسے تخلیہ کے ذریعہ عمل میں آئے گا جس کے نتیجہ میں خریدار کو بیع پر قبضہ اور تصرف کا حق حاصل ہو جائے، مثلاً بائع کہے کہ میں نے

تمہارے اور مکان کے درمیان تخلیہ کر دیا ہے تم جس قسم کا چاہو اس میں تصرف کرو، تو یہ تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا۔

۲۔ اور اگر بیع منقولات کے قبیل سے ہو تو مذہب مشہور یہ ہے کہ اس میں تخلیہ کافی نہیں ہوگا بلکہ سامان کو منتقل کرنا ضروری ہوگا، امام احمد کا یہی قول ہے، حضرت امام مالک اور امام ابوحنیفہ عقار ہی کی طرح بیع منقولات میں بھی تخلیہ کو قبضہ تسلیم کرتے ہیں (اعلاء السنن ۱۳/۲۳۱)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے مختلف اشیاء کے قبضہ کی نوعیت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ”ہر چیز کا قبضہ اسی کی نوعیت کے لحاظ سے ہوگا، کیلی یا وزنی چیزیں کیلی یا وزن کے ذریعہ فروخت کی جاتی ہیں تو ان کا قبضہ کیلی یا وزن کے ذریعہ متحقق ہوگا، امام شافعی کی یہی رائے ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی بیع میں بھی تخلیہ قبضہ کے حکم میں ہوگا، ابو الخطاب نے امام احمد سے دوسری روایت یہ نقل کی ہے کہ ہر چیز کی بیع میں تخلیہ مع التمییز قبضہ کے حکم میں ہوگا“ (الغنی ۱۲/۱۲۵)۔

امام نووی صاحب ”المجموع شرح المہذب“ نے تحریر کیا ہے کہ:

قبضہ میں اصل عرف ہے (۲۷۶/۹) (لہذا جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے گا وہی شرعاً بھی اس کے حق میں قبضہ مانا جائے گا)۔

ہر چیز کی نوعیت کے لحاظ سے قبضہ کی نوعیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

۱۔ عقار مثلاً زمین، مکانات اور درختوں پر پھل کی بیج کی صورت میں تخلیہ کے ذریعہ قبضہ کا تحقق ہوگا۔

۲۔ جو چیزیں عرف و عادت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاتی ہیں، مثلاً درخت کی لکڑیاں، حبوب (اناج) مچھلیاں اور اس قسم کی دیگر چیزیں، تو ایسی چیزوں کی بیع کی صورت میں قبضہ اس وقت تسلیم کیا جائے گا جب اسے ایسی جگہ منتقل کر دیا جائے جہاں بائع کا عمل

دخل نہ ہو، چاہے بائع کی ملکیت میں منتقل کر دیا جائے، یا عام راستہ یا مسجد یا کسی اور جگہ۔

۳۔ جو چیزیں ہاتھ میں لے کر قبضہ کی جاتی ہیں مثلاً درہم و دینار، کرنسی نوٹ، رومال، کپڑے، برتن، کتاب وغیرہ تو ان چیزوں میں اسی وقت قبضہ تسلیم کیا جائے گا جب بائع سے سامان مشتری اپنے ہاتھ میں لے لے (المجوع شرح المہذب ۲۷۹)۔

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے لحاظ سے فرق ہوگا، اشیاء منقولہ میں نقل و تحویل کے ذریعہ قبضہ کا تحقق ہوگا، عقار اور غیر منقولہ اشیاء میں تخلیہ ہی قبضہ قرار پائے گا، اور جو چیزیں ہاتھ میں لے کر مقبوض سمجھی جاتی ہیں، ان میں تناول بالید کے بعد ہی قبضہ کا تحقق ہوگا، اور کیلی و وزنی اشیاء میں کیل اور وزن کے ذریعہ قبضہ کا تحقق ہوگا، علامہ انور شاہ کشمیری نے قبضہ کی حقیقت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے: ”واعلم ان القبض یختلف فی الأشياء حسب اختلافها فی أنفسها“ (انوار محمود ۲/۳۳)۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہیں سے متعلق احادیث معلول بالعلتہ ہیں: قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہیں سے متعلق احادیث محدثین و فقہاء کے نزدیک معلول بالعلتہ ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ مشہور حنفی عالم شیخ الاسلام برہان الدین المرغینانی اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”ہدایہ“ میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی احادیث کو معلول بالعلتہ قرار دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ”والحدیث معلول بہ عملاً بدلائل الجواز“ (القدیر ۴/۳۷)۔

یعنی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی حدیث معلول بالعلتہ ہے کیونکہ بیع عقار دلائل کی وجہ سے جائز ہے۔

علامہ ابن الہمام نے ”معلول بہ“ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے: ”والحدیث الذی استدلل (معلول بہ) ہی بغیر الانفساخ“۔

اور علت غرر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

”قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں نہیں کی علت غرر انفساخ کی دلیل یہ ہے کہ وہ تصرف جس میں احتمال غرر نہ ہو وہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں نافذ ہوتا ہے، مثلاً غلام کو آزاد کرنا، والدلیل علیہ أن التصرف الذی لا یمتنع بالغرر نافذ فی المبیع قبل القبض وهو العتق“ (حوالہ بالا)۔

اور صاحب ”البنایہ“ نے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی حدیث کو ”معلول بالعلۃ“ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

”والحدیث معلول به ای بغرر انفساخ العقد فیما قبل القبض بهلاک العقود علیہ فیکون مخصوصاً بالمنقول ألا ترى أنه يجوز الإعتاق قبل القبض والوصیة“ (البنایہ شرح البدایہ ۵۰۹/۶)۔

یعنی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی حدیث علت غرر انفساخ عقد کی وجہ سے معلول بہ ہے کیونکہ قبل القبض معقود علیہ کے ہلاک ہونے کا احتمال رہتا ہے، لہذا یہ حدیث منقول کے ساتھ خاص ہوگی، یہی وجہ ہے کہ قبل القبض اعتاق اور وصیت جائز ہے۔

علامہ ابن نجیم مصری نے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی حدیث کو ”معلول بالعلۃ“ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

”والغرر المنهی غرر انفساخ العقد والحدیث معلول به عملاً بدلائل الجواز“ (المحرر المقتضب ۱۲۶/۶)۔

یعنی وہ غرر جس کی ممانعت کی گئی ہے وہ انفساخ عقد کا غرر ہے، دلائل جواز کو پیش نظر رکھتے ہوئے بیع کو جائز قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ اس کی بیع میں علت غرر نہیں ہے۔

او جزا لما لک شرح مؤطا امام مالک میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

”لأن النهی معلول بغرر انفساخ العقد بخوف الهلاک“ (۲۰۰/۱۱)۔

صاحب ”اعلاء السنن“ نے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہیں سے متعلق احادیث کو

معلول بالعلۃ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے علت کی نہی کی وجہ سے نصوص کو منقول کے ساتھ خاص کیا ہے اور علت نہی اندیشہ ہلاکت سے انفساخ عقد کا غرر ہے (اعلاء السنن ۱۳/۲۲۲)۔
علامہ تقی عثمانی نے بھی ”مکملہ فتح الہلم“ میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث کو ”معلول بالعلۃ“ قرار دیا ہے، چنانچہ لکھا ہے:

”والغرر المنہی عنہ غرر انفساخ العقد والحديث معلول به بدلائل الجواز“ (مکملہ فتح الہلم ۱/۳۵۳)۔

مذکورہ بالا اقوال و عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں اور علت نہی غرر انفساخ عقد ہے، یعنی چونکہ قبضہ سے پہلے سامان خریدار کے پاس نہیں آتا ہے تو اس کا احتمال اور اندیشہ رہتا ہے کہ کسی وجہ سے سامان (بیع) بائع کے پاس ہلاک ہو جائے، اور بیع کی ہلاکت کی وجہ سے عقد کو فسخ کرنا پڑ جائے، اگر خریدار قبل القبض بیع کرتا ہے تو وہ ایسے سامان کا نفع حاصل کرتا ہے جو ابھی تک اس کے ضمان میں نہیں آیا ہے، اور حدیث میں ”ربح مالم یضمن“ سے ممانعت کی گئی ہے۔

منقولی اشیاء میں اندیشہ ہلاکت کی وجہ سے فسخ بیع کا احتمال، بلکہ ظن غالب رہتا ہے، اسلئے حضرات امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ ممانعت کی احادیث بیع منقول کے ساتھ خاص ہیں، عقار (ارضی) میں اندیشہ ہلاکت شاذ و نادر ہی رہتا ہے، اس لئے قبضہ سے پہلے بھی ان دونوں حضرات نے عقار کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، البتہ اگر بیع عقار میں بھی اندیشہ ہلاکت کی وجہ سے غرر انفساخ عقد ہو تو عقار میں بھی علت نہی کی وجہ سے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ممنوع ہوگی، مثلاً کوئی زمین دریا کے کنارے واقع ہو اور پانی کے بہاؤ کے نتیجہ میں اس کے دریا میں ضم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی زمین میں بھی قبل القبض بیع جائز نہیں ہوگی، چنانچہ ”مکملہ فتح الہلم“ میں ہے:

”إن العلة في النهي عن بيع المبيع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح مالم يضمن وإنما يضمن الإنسان ما يخاف فيه الهلاك ، وأما العقار فلا يخشى فيه ذلك إلا نادراً حتى لو كان العقار على شط البحر أو كان المبيع علواً لا يجوز بيعه قبل القبض“ (حوالہ سابق)۔

یعنی بیع قبل القبض کی علت یہ ہے کہ ایسی صورت میں انسان ایسی چیز کا نفع حاصل کرتا ہے جو اس کے ضمان میں نہیں ہے، اور انسان اسی چیز کا ضمان قبول کرتا ہے جس میں اندیشہ ہلاکت ہو، زمین میں شاذ و نادر ہی اندیشہ ہلاکت رہتا ہے، پس اگر کوئی زمین لب دریا ہو یا بیچ مکان کا اوپری حصہ ہو تو قبضہ سے پہلے اس کی بیع درست نہیں ہوگی، حضرت امام ابو حنیفہ اور ان کے ممتاز شاگرد امام ابو یوسف نے علت نبی کا اعتبار کرتے ہوئے بیع منقول میں علی الاطلاق قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو ممنوع قرار دیا، عقار کی بیع میں چونکہ علت نبی نہیں پائی جاتی ہے اسلئے اسے جائز قرار دیا، البتہ اگر عقار کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں بھی علت غرر موجود ہو تو وہ بھی ناجائز قرار پائے گی۔

غرر کی تعریف اور حقیقت:

جناب نبی کریم ﷺ سے بیع غرر کی ممانعت ثابت ہے ”غرر کا لغوی مفہوم، خطر، دھوکہ کسی چیز کو معرض ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اصطلاح فقہاء میں غرر کی تعریف ”ما یکون مستور العاقبة (مبہوط ۱۲/ ۱۹۳) سے کی گئی ہے، فقہاء احناف نے غرر کی یہ تعریف کی ہے:

”الغرر ما یکون مجهول العاقبة لا یدری أیکون أم لا (تقریفات ۱۳۱) بابرقی نے غرر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے ”الغرر ما طوی عنک علمه“ (الغنیہ ۵/ ۱۹۲) غرر وہ ہے جس کا علم تم سے پوشیدہ ہو، صاحب ”فتح القدیر“ نے بھی غرر کی یہی تعریف کی ہے (۶/ ۱۳۶)۔

امام قرانی مالکی نے لکھا ہے:

”اصل غرر یہ ہے کہ کسی چیز کے بارے میں یہ علم نہ ہو کہ وہ حاصل ہوگی یا نہیں؟ جیسے

ہوا میں اڑنے والا پرندہ یا پانی میں مچھلی، اگر کوئی شخص فضا میں پرواز کرنے والے پرندہ یا پانی میں مچھلی کی بیج کرتا ہے تو یہ بیج غرر ہے، کیونکہ پرندہ یا مچھلی کا قبضہ میں آنا موہوم ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے مجہول العاقبہ سے غرر کی تعریف کی ہے، علامہ ابن القیم کے نزدیک غرر سے مراد وہ چیز ہے جس کی سپردگی اور حوالگی پر قدرت حاصل نہ ہو، چاہے وہ چیز موجود ہو یا معدوم، جیسے بھگوڑے یا سرکش اونٹ کی بیج۔

ان تعریفات کا خلاصہ یہ ہے کہ بیج غرر سے مراد وہ بیج ہے جس میں دھوکہ ہو اور دھوکہ فریقین میں سے کسی کو لاحق ہو جس سے اس کے مال کے ضیاع کا اندیشہ ہو۔

بیج غرر کے ممنوع ہونے پر فقہاء کا اتفاق ہے، بیج غرر کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً جانور کے تھن میں دودھ کی بیج، جانور کی پشت پر بال اور اون کی بیج، جانور کے حمل کی بیج، پانی میں مچھلی اور فضا میں اڑنے والے پرندہ کی بیج میں غرر کثیر پایا جاتا ہے، اسلئے یہ بیج جائز نہیں ہے۔

البتہ غرر لیسر کے جواز پر علماء کا اتفاق ہے، حنفیہ کے نزدیک ان چیزوں کی بیج درست ہے جن میں غرر لیسر ہوتا ہے، جیسے کیلا، اخروٹ، اور باقلاء کی بیج چھلکے کے ساتھ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی غرر لیسر کی صورت میں بیج جائز ہے، غرر متوسط کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، بعض حضرات نے اسے غرر لیسر کے ساتھ اور بعض فقہاء نے اسے غرر کثیر کے ساتھ شامل کیا ہے (لفقہ اسلامی دادلہ ۳/۲۰۰)۔

۵- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے بارے میں علماء کی آراء اور ان کے دلائل:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت سے متعلق دو قسم کی احادیث ہیں، بعض احادیث میں مطلقاً قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے ممانعت کی گئی ہے، ان احادیث کا تقاضہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عام ہے چاہے بیج منقول ہو یا بیج عقار، ہر دو صورت میں بیج پر قبضہ سے پہلے صرف طعام (کھانے کی اشیاء) کی بیج سے ممانعت کی گئی ہے، اب رہا یہ سوال کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی احادیث کو ممانعت پر محمول کرتے ہوئے ہر قسم کی

بیع میں بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم لگایا جائے، یا مطلق احادیث کو مقید احادیث پر محمول کرتے ہوئے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کا حکم صرف بیع طعام کے ساتھ خاص رکھا جائے گا، فقہاء کی ایک جماعت نے مطلق احادیث کو مقید پر محمول کرتے ہوئے صرف بیع طعام کو قبضہ سے پہلے ممنوع قرار دیا، جبکہ بعض فقہاء نے دونوں قسم کی احادیث پر غور و فکر کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ یہ احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت کی علت غرر انفساخ عقد ہے یعنی اندیشہ ہلاکت کی وجہ سے عقد کے فسخ ہو جانے کا احتمال رہتا ہے، لہذا جہاں بھی علت غرر پائی جائے گی وہاں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ممنوع ہوگی، اور جہاں یہ علت نہیں پائی جائے گی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت درست ہوگی۔

قبضہ سے پہلے بیع طعام کی ممانعت کے بارے میں اہل علم کا اجماع ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ حنبلی نے ابن الممیز کے حوالہ سے لکھا ہے کہ:

”أجمع أهل العلم على أن من اشترى فليس له أن يبيعه حتى يستوفيه“

(المنہج ۴/۱۲۲)۔

بیع طعام کے علاوہ دوسری چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے بارے میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے، علامہ نووی نے المجموع شرح المہذب میں ائمہ کے چار مذاہب نقل کئے ہیں:

- ۱- بیع طعام ہی کی طرح قبضہ سے پہلے کسی بھی چیز کی بیع جائز نہیں ہے، حضرت امام شافعی اور حنفیہ میں سے امام محمد بن حسن شیبانی کی یہی رائے ہے۔
- ۲- مالکیہ اور موزونی اشیاء کے علاوہ قبضہ سے پہلے ہر چیز کی بیع جائز ہے، حضرت عثمان بن عفان، سعید بن المسیب، حسن، حکم، حماد، اوزاعی، احمد بن حنبل اور اسحاق کا یہی مسلک ہے۔

۳- مکانات اور اراضی کے علاوہ قبضہ سے پہلے کسی بھی چیز کی بیع جائز نہیں ہے، البتہ قبضہ

سے پہلے مکانات اور اراضی کی بیع درست ہے، حضرت امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی یہی رائے ہے۔

۴۔ ماکول (کھانے کی چیزیں) اور مشروب (پینے کی چیزیں) کے علاوہ قبضہ سے پہلے ہر چیز کی بیع درست ہے، امام مالک اور ثور کا یہی مسلک ہے، ابن المذنب نے اس رائے کو ”اصح المذاہب“ قرار دیا ہے (المجموع ۲۷۰: ۲۷۱)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے فقہ اہلبیتی کی رائے یہ نقل کی ہے کہ ان کے نزدیک قبضہ سے پہلے ہر چیز کی بیع درست ہے، مگر علامہ ابن عبد البر نے احادیث اور اجماع امت کی وجہ سے اس قول کو مردود قرار دیا ہے (المغنی ۱۲: ۱۳)۔
وجوہ دلائل:

امام شافعی، محمد بن الحسن، ابن عقیل اور ان کے ہم خیال فقہاء نے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی کے عموم پر مندرجہ ذیل دلائل سے استدلال کیا ہے:

۱۔ امام ابو داؤد نے حضرت زید بن ثابت سے یہ حدیث نقل کی ہے:

”ان رسول اللہ ﷺ نہی أن تباع السلع حيث تباع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم“ (مسند فخر الاسلام ۲: ۲۵۲)، یعنی جناب نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ جس جگہ سے سامان خریدا جائے اسی جگہ اسے فروخت کر دیا جائے، الا یہ کہ تجار اس سامان کو اپنے گھروں میں منتقل کر لے، تو پھر ایسی صورت میں بیع جائز ہوگی۔

اس حدیث میں مطلقاً قبضہ سے پہلے سامان فروخت کرنے سے ممانعت کی گئی ہے، قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی کو صرف بیع طعام کے ساتھ محدود نہیں رکھا گیا، امام شافعی اور ان کے ہم مسلک فقہاء نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے قبضہ سے پہلے ہر چیز کی بیع کو ممنوع قرار دیا ہے۔

۲۔ حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

میں مختلف چیزیں خریدتا ہوں تو اس میں سے میرے لئے حلال و حرام کی وضاحت فرمائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اے بھائی کے بیٹے! قبضہ سے پہلے کسی چیز کو مت فروخت کرو، اور جب تم کوئی چیز خریدو تو اسے قبضہ سے پہلے مت بیچو (حوالہ ۱۱)۔

اس حدیث میں بھی قبضہ سے پہلے مطلقاً بیع کی ممانعت کی گئی ہے۔

۳۔ عبد اللہ بن عمرو سے منقول ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”لا یحل سلف و بیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالہ یضمن ولا بیع

مالیس عندک“۔

اس حدیث میں ”ربح مالہ یضمن“ یعنی ایسی چیزوں پر نفع لینے سے منع کیا گیا ہے جو خریدار کے ضمان میں نہ آئی ہو، ”بیع مالہ یضمن“ کے فاسد اور ممنوع ہونے کی علت یہی ہے کہ اس میں ”ربح مالہ یضمن“ لازم آتا ہے، جس کی ممانعت کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تک بیع پر خریدار قبضہ نہ کر لے اس وقت تک بیع اس کے ضمان میں نہیں آئے گی، اگر وہ اسے قبل القبض فروخت کر دیتا ہے تو ”ربح مالہ یضمن“ لازم آتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے، حضرت امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے بھی انہیں دلائل سے استدلال کیا ہے، البتہ ان حضرات نے بیع عقار کو علت نہی کے نہ ہونے کی وجہ سے نہی کے عموم سے خارج کیا ہے، کیونکہ بیع عقار کی صورت میں علت نہی غرر انفساخ عقد نہیں پائی جاتی ہے، قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی صورت میں اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ کسی وجہ سے بیع باطل کے پاس ہلاک ہو جائے اور عقد کو فسخ کرنے کی نوبت آجائے، اس صورت میں اگر خریدار اس چیز کو فروخت کر کے نفع حاصل کرتا ہے، تو وہ ایسی چیز سے نفع حاصل کرنے والا قرار پائے گا جو اس کے ضمان میں نہیں آئی ہے، ایسی صورت کو حدیث میں ”ربح مالہ یضمن“ سے تعبیر کیا گیا ہے، غور کیا جائے تو یہ علت غرر صرف بیع منقول کی صورت میں پائی جائے گی، کیونکہ منقولات میں اندیشہ ہلاکت کی وجہ سے غرر انفساخ عقد کا

صرف احتمال ہی نہیں، بلکہ ظن غالب رہتا ہے، عقار میں اندیشہ ہلاکت شاذ و نادر ہی رہتا ہے، اگرچہ کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

لئے غرر انفساخ عقد کا احتمال نہیں ہے، البتہ عقار میں بھی علت غرر کے پائے جانے کی صورت میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت درست نہیں ہوگی، چنانچہ علامہ ابن الہمام نے بیع عقار کے جواز کی دلیل پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے:

”والمانع المشير للنهي وهو غرر الانفساخ بالهلاك منتف (فان هلاك العقار نادر) والنادر لا عبرة به ولا يبنى الفقه باعتباره فلا يمنع الجواز“ (فتح القدیر ۶/۱۳۸)۔

اگر کوئی زمین لب دریا ہو اور پانی کے بہاؤ کے ساتھ اس زمین کے دریا میں شامل ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں علت نہی کے پائے جانے کی وجہ سے قبضہ سے پہلے اس کی بیع درست نہیں ہوگی، قبضہ سے پہلے بیع عقار کا جواز حضرت عثمان اور طلحہؓ سے عملاً ثابت ہے (اعلاء السنن ۱۳/۲۲۹)۔

حنابلہ نے اپنے مسلک پر حضرت ابن عباسؓ کی حدیث ”من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه“ سے استدلال کیا ہے، اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کی اس حدیث سے بھی حنابلہ نے استدلال کیا ہے کہ: ابن عمر کہتے ہیں کہ میں بیع میں دنانیر کے ذریعہ اونٹ فروخت کرتا تھا اور دنانیر کے عوض دراہم وصول کرتا، اسی طرح دراہم کے عوض اونٹ فروخت کرتا اور دراہم کی جگہ دنانیر وصول کرتا، میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: قیمت میں ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے (عمل فی الہم ۱/۳۵۱)۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن عمر نے قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف کیا اور آپ ﷺ نے اسے جائز قرار دیا، ثمن عوضین میں سے ایک عوض ہے، جب ثمن میں قبل القبض تصرف جائز ہے، تو بیع میں بھی قبل القبض تصرف جائز ہونا چاہئے، مگر چونکہ بیع طعام کی صورت میں قبضہ سے پہلے نہی وارد ہوئی ہے، اس لئے ہم بیع طعام کو قبل القبض جائز نہیں مانتے ہیں۔

مگر حنابلہ کا حضرت ابن عمرؓ کی حدیث سے استدلال اس وجہ سے درست نہیں ہے کہ

اس حدیث میں صرف استبدالِ ثمن کا تذکرہ ہے قبضہ سے پہلے ثمن کی بیع کا تذکرہ نہیں ہے، اور استبدالِ ثمن کے جواز میں حنفیہ کا بھی اتفاق ہے، کیونکہ اس میں اندیشہ ہلاکت کی وجہ سے غرر انفساخ عقد نہیں پایا جاتا ہے۔

مالکیہ نے ابن عمر کی مندرجہ ذیل روایت سے استدلال کیا ہے:

”من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه“، رواہ البخاری، ان ہی سے دوسری روایت منقول ہے:

”لقد رأيت الناس في عهد رسول الله ﷺ يتابعون جزافاً يعني الطعام، فضرَبوا أن يبيعوه في مكانهم حتى يؤووه إلى رحالهم“۔ اسی طرح حضرت ابن عباس کی حدیث میں ہے: ”أما الذي نهى عنه النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض، قال ابن عباس: وأحسب كل شيء مثله“ (حوالہ سابق)۔

مالکیہ کا کہنا ہے کہ ان احادیث میں قبضہ سے پہلے بیع طعام کی صراحت اس بات کی دلیل ہے کہ غیر طعام کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہوگی، مالکیہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے بیع طعام کی نہی کی علت یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت بسا اوقات ربا النسیئہ کا ذریعہ بن جائے گا اس لئے سد الذریعہ اسے ممنوع قرار دیا گیا، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک علت نہی غرر ہے۔

۶- قبضہ سے پہلے مال فروخت کرنا:

سوال سے واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص کسی فیکٹری کے مالک سے مال خریدتا ہے اور اس پر قبضہ سے پہلے اور سامان کو اپنی تحویل میں لینے سے پہلے ہی اسی سامان کو کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، جس وقت اس نے اپنے خریدے ہوئے مال کا معاملہ دوسرے شخص سے طے کیا، اس وقت سامان اس کے قبضہ میں نہیں آیا تھا، اور قبضہ میں نہیں آنے کی وجہ سے اس کے ضمان میں بھی نہیں آیا، بلکہ بائعِ اول ہی کے قبضہ و ضمان میں رہا، پھر جب اس نے مشتریِ ثانی سے معاملہ طے کر لیا تو بائعِ اول فیکٹری کے مالک سے یہ کہا کہ میں نے جو سامان خریدا ہے وہ

سامان براہ راست میرے پاس بھیجنے کے بجائے مشتری ثانی کے پاس روانہ کر دو، تو جب سامان بائع اول کی ملکیت اور قبضہ سے نکل کر مزدور کے حوالہ یا سامان اٹھانیوالی گاڑی پر رکھا گیا، تو یہ سامان بائع اول کے ضمان سے نکل کر مشتری اول کے ضمان میں داخل ہو گیا اور جب تک مشتری ثانی اس پر قبضہ نہ کرے اسی کی ضمان میں رہے گا، ایسی صورت میں چونکہ معاملہ طے کرتے وقت ”مال“ مشتری اول کے قبضہ میں نہیں تھا (اگرچہ بعد میں آ گیا) اس لئے یہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی صورت ہے جس میں ربح مالم بضمین لازم آتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے، لہذا میرے نزدیک یہ عقد معاملہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے، اگر مشتری اول کی اجازت اور رضامندی سے مشتری ثانی اس پر قبضہ کر لے تو اس کا مالک قرار پائے گا، اور اس پر تصرف کرنا اس کے لئے جائز ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

”واذا قبض المشتري المبيع في البيع الفاسد بأمر البائع وفي العقد عوضان كل واحد منهما مال ملك المبيع“ (ہدایہ علی ہاشم فتح القدیر ۶/۹۲)۔

البتہ اگر یہ شکل ہو کہ خریدار اول بائع اول مالک کی فیکٹری سے مال خرید لے، اور مالک فیکٹری اس کے درمیان اور مال کے درمیان تخلیہ کر دے کہ وہ اپنے مال میں تصرف کر سکے، تو محض تخلیہ کی وجہ سے بھی اس کا قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا، یا قبضہ حکمی کسی اور طرح ہو جائے اس کے بعد خریدار اول دوسرے کے ہاتھ مال فروخت کرے تو یہ صورت بلاشبہ جائز ہوگی۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت کی ایک مخصوص صورت:

سوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بین الاقوامی تجارت میں شیپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے اور فروخت کیا ہوا مال اس کے قبضہ اور ضمان سے نکل جاتا ہے، اس صورت میں اگر درمیان میں مشتری تک پہنچنے سے پہلے مال ضائع ہو جائے تو بائع اس کا ضامن نہیں ہوتا ہے، گویا صورت مسئلہ یہ ہوئی کہ ایک شخص نے کسی کے ہاتھ اپنا سامان

فروخت کیا، سامان کی فروختگی کے بعد اس نے مشتری کی ہدایت کے مطابق مال بردار جہاز کے حوالہ سامان کر دیا، لہذا اب وہ سامان اس کے قبضہ و ضمان سے نکل کر مشتری کے قبضہ و ضمان میں داخل ہو جائے گا، میرے نزدیک جہاز کے عملہ کا قبضہ جن کی حیثیت مشتری کے اجیر کی ہے مشتری جو مستاجر ہے، کا قبضہ قرار پائے گا، اور اس طرح سے وہ سامان مشتری اول کے قبضہ و ضمان میں آجائے گا، مملوک اور مقبوض ہونے کی وجہ سے اس سامان پر مشتری اول کو تصرف کا حق حاصل ہوگا، چاہے وہ اسے فروخت کر دے یا کسی کو ہبہ کر دے۔

پس جب مشتری اول نے جہاز پر سوار مال کو مقبوض و مملوک ہونے کی وجہ سے کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا تو یہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت نہیں ہوگی بلکہ بیع مملوک و مقبوض ہونے کی وجہ سے جائز و درست ہوگی، اور معاہدہ بیع کے مکمل ہو جانے کے بعد جب مشتری اول مشتری ثانی سے مال کی قیمت وصول کر کے اپنی ملک و قبضہ ختم کر دے گا تو اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ جہاز کا عملہ مشتری ثانی کے اجیر ہو گئے اور اب ان کی اجرت کی ادائیگی مشتری ثانی کے ذمہ واجب ہوگی، اور جہاز کے عملہ کا اس مال پر قبضہ مشتری ثانی کا قبضہ تصور کیا جائے گا اور جب مشتری ثانی کا قبضہ اس پر تسلیم کر لیا گیا تو مال بھی اس کے ضمان میں آگیا، لہذا اگر مشتری ثانی کے مال وصول کرنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو مشتری ثانی کا مال ضائع ہوگا، نہ کہ مشتری اول کا، فتاویٰ ہندیہ میں اجیر کے قبضہ کو مستاجر کا قبضہ تسلیم کیا گیا ہے۔

”إلا أن يقول استأجر على من يحمله، فقبض الأجير يكون قبض

المشتري“ (فتاویٰ ہندیہ ۱۹/۳)۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے احکام

مفتی جنید عالم ندوی قاسمی ☆

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا شرعی حکم:

تقریباً تمام فقہاء کرام قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو کسی نہ کسی درجہ میں ناجائز کہتے ہیں، البتہ یہ بیع فاسد ہے یا باطل اس سلسلہ میں حکم شرعی بیان کرنے سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ حنفیہ کے علاوہ جمہور فقہاء بیع باطل اور بیع فاسد کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک بیع جب تک صحیح نہ ہو اس وقت تک بیع کے اثرات مرتب نہیں ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور سے کتابوں میں اس خاص مسئلہ میں جمہور کا مسلک بیان کرتے ہوئے ”ولا یجوز“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ”الموسوۃ الفقہیہ“ میں ہے:

”وعند الجمهور وهم لا یفرقون بین الفاسد والباطل فی الجملة۔ هو مال یترتب أثره علیه، فلم ینمر ولم تحصل به فائدته من حصول الملك۔ (یری جمهور الفقهاء المالکیة والشافعیة والحنابلہ) أنه لا فرق بین البیع الفاسد والبیع الباطل، فهما مترادفان، لأن کلا من البیع الفاسد والباطل وقع علی خلاف ما طلبه الشارع، ولذلك لم یعتبره، ولم یترتب علیه الاثر الذی رتبہ علی البیع الصحیح من حصول الملك وحل الانتفاع (الموسوۃ الفقہیہ

— (۵۲، ۵۳) —

☆

صدر مفتی امارت شرعیہ پھولواڑی شریف پٹنہ۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

البتہ فقہاء احناف بیع فاسد اور بیع باطل کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بیع باطل وہ بیع ہے جو نہ اصلاً مشروع ہو اور نہ ہی وصفاً۔ اور بیع فاسد وہ بیع ہے جو اصلاً مشروع ہو، لیکن وصفاً مشروع نہ ہو۔ اصل سے مراد یہ ہے کہ بیع کے ارکان (ایجاب و قبول) میں کوئی خلل ہو مثلاً: ناقدین میں ایجاب و قبول کی اہلیت نہ ہو۔ جیسے کوئی مجنون یا کوئی غیر عقل بچہ ایجاب و قبول کر لے تو یہاں پر بیع کے ارکان ایجاب و قبول ہی میں خلل ہے۔ یا محل، یعنی بیع میں کوئی خلل ہو، مثلاً: بیع مردار یا خنزیر یا خون یا شراب ہو تو دونوں صورتوں میں بیع باطل ہے۔ اور وصف سے مراد یہ ہے کہ بیع کے رکن اور محل کے علاوہ کسی دوسری چیز میں خلل ہو، مثلاً: شراب کے عوض میں کوئی چیز خریدی جائے، تو یہاں پر ثمن میں خلل ہے۔ یا بیع غیر مقدور التسلیم ہو۔ یا کوئی ایسی شرط لگادی جائے جو مقتضاء عقد کے خلاف ہو تو ان صورتوں میں بیع فاسد ہوگی، نہ کہ باطل۔

فقہاء احناف نے بیع باطل اور بیع فاسد کے درمیان فرق کرنے کے لئے ایک ضابطہ بیان کر دیا ہے کہ... جب عوضین میں سے کوئی ایک کسی بھی دین سماوی میں مال نہ ہو تو اس کی بیع باطل ہے خواہ وہ بیع ہو یا ثمن، لہذا مردار، خون اور آزاد شخص کی بیع باطل ہے۔ اس لئے کہ یہ اشیاء کسی بھی دین سماوی میں مال نہیں ہیں۔ اور اگر عوضین میں سے کوئی ایک کسی دین سماوی میں مال ہے اور کسی میں نہیں تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر اس کو بیع بناتے ہیں تو اس کی بیع باطل ہے، اور اگر ثمن بناتے ہیں تو اس کی بیع فاسد ہے۔ مثلاً: اگر شراب کو درہم و دنانیر یا روپے پیسے کے عوض میں فروخت کرتے ہیں تو ایسی صورت میں شراب کا بیع ہونا متعین ہو جائے گا اور اس کی بیع باطل ہوگی، اور اگر شراب کے عوض میں کوئی چیز خریدتے ہیں تو اس کی بیع فاسد ہوگی۔

”وکل ما أوردت خلافاً في ركن البيع فهو مبطل وما أوردته في غيره فمفسد... (در مختار) (وقوله في ركن البيع) هو الإيجاب والقبول بأن كان من مجنون أو صبي لا يعقل... أو في محله أعني المبيع، فإن الخلل فيه مبطل، بأن كان المبيع ميتة أو دماً أو حراً أو خمراً كما في ط عن البدائع (قوله وما

اورثہ فی غیرہ) ای فی غیر الرکن، و کذا فی غیر المحل و ذلک بأن کان فی الثمن بأن یكون خمرًا مثلاً أو بأن کان من جهة کونه غیر مقدور التسليم أو فيه شرط مخالف لمقتضى العقد، فیکون البیع بهذا الصفة فاسداً لا باطلاً لسلامة رکنه و محله عن الخلل... وبه ظهر أن الوصف ما کان خارجاً عن الرکن و المحل (تنبیه) فی شرح مسکین ثم الضابط فی تمییز الفاسد من الباطل إن أحد العوضین إذا لم یکن مالا فی دین سماوی فالبیع باطل سواء کان مبیعاً أو ثمناً فبیع المیتة و الدم و الحر باطل، و کذا البیع به وإن کان فی بعض الأديان مالا دون البعض إن أمکن اعتباره ثمناً فالبیع فاسد فبیع العبد بالخمر أو الخمر بالعبد فاسد وإن تعین کونه مبیعاً فالبیع باطل فبیع الخمر بالدراهم أو الدراهم بالخمر باطل“ (رأی الخمر ۱۰۰)۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جمہور فقہاء کے نزدیک قبضہ سے قبل بیع ناجائز ہے۔ بیع صحیح کے احکام و اثرات (ملکیت، انتفاع) اس پر مرتب نہیں ہوں گے، البتہ فقہاء احناف کے نزدیک چونکہ نہ تو بیع کے ارکان میں کوئی خلل ہے اور نہ ہی بیع میں، بلکہ یہ خلل خارج میں ہے، اس لئے یہ بیع فاسد ہوئی نہ کہ باطل۔ بیع باطل میں سرے سے بیع ہوتی ہی نہیں۔ بیع کے احکام اس پر نافذ نہیں ہوتے ہیں۔ قبضہ کی وجہ سے نہ تو فروخت کرنے والا ثمن کا مالک ہوتا ہے اور نہ خریدار بیع کا۔ البتہ بیع فاسد میں قبضہ کی وجہ سے بائع ثمن کا اور مشتری بیع کا مالک ہو جاتا ہے۔ لہذا قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں خریدار قبضہ کے بعد بیع کا مالک ہو جائے گا اور اس کے لئے دوسروں سے فروخت کرنا جائز ہوگا۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے متعلق فقہاء کے اقوال:

قبضہ سے قبل کن اشیاء کی بیع جائز ہے اور کن اشیاء کی ناجائز؟ اور عدم جواز کا حکم عام ہے یا خاص؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ متفق علیہ قول:

اس پر تقریباً تمام فقہاء متفق ہیں کہ طعام کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے۔ اس میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ ”الموسوعہ“ میں ”شرح کبیر“ کے حوالہ سے ابن المذکر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ طعام کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے۔ اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

”ویقول ابن المنذر: أجمع أهل العلم على أن من اشترى طعاماً فليس له أن يبيعه حتى يستوفيه“ (الموسوعہ الفقہیہ ۹/۱۳۷)۔

البتہ علامہ ابن قدامہ الحنبلی نے ”المغنی“ میں عثمان البتی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہر چیز کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ گویا کہ البتی کے نزدیک طعام کی بیع بھی قبضہ سے قبل جائز ہے۔ البتی کے اس قول کے متعلق علامہ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ یہ قول احادیث نبویہ اور متفق علیہ دلائل کی روشنی میں مردود ہے اور ایسا لگتا ہے کہ حرمت والی حدیث ”البتی“ تک نہیں پہنچی تھی۔ اس جیسے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

”ولم اعلم بين أهل العلم خلافاً، إلا ما حكى عن البتي أنه قال: لا بأس ببيع كل شيء قبل قبضه، وقال ابن عبد البر: وهذا قول مردود بالسنة والحجة المجمعة على الطعام، وأظنه لم يبلغه هذا الحديث، ومثل هذا لا يلتفت إليه“ (المغنی ۴/۱۲۷)۔

خلاصہ یہ ہے کہ طعام کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے۔ اس میں سوائے ایک مردود اور ناقابل اعتناء قول کے کسی بھی اہل علم کا اختلاف نہیں ہے۔ البتہ طعام کے علاوہ دیگر اشیاء کی خرید و فروخت قبضہ سے قبل جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

۲۔ شافعیہ کا مسلک:

اس مسئلہ میں شوافع کا مسلک یہ ہے کہ قبضہ سے قبل کسی چیز کی بیع جائز نہیں ہے، خواہ وہ منقول ہو یا غیر منقول اور اگرچہ بائع کی اجازت دینے اور ثمن پر قبضہ کر لینے کے بعد ہو۔ امام

شافعی ”کتاب الام“ میں تحریر فرماتے ہیں: ”(قال الشافعی) وبهذا نأخذ فمن ابتاع شيئا كان ما كان فليس له أن يبيعه حتى يقبضه“ (کتاب الام ۶۰۳)، ”تحفة المحتاج“ میں ہے: ”ولا يصح بيع المبيع قبل قبضه“ اس کی شرح ”شرح منہاج“ میں ہے: ”(قوله ولا يصح بيع المبيع) قال في شرح الروض أي والمغني وإن أذن البائع وقبض الثمن“ (تحفة المحتاج مع شرح المنہاج ۴۰۱/۴)۔

شافعیہ کے دلائل:

شافعیہ کے دلائل وہ روایات ہیں جن میں مطلقاً قبضہ سے قبل بیع کی بیع کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں حکیم ابن حزام کی روایت ہے: وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ میں چیزوں کی خرید و فروخت کرتا ہوں۔ ان میں سے کوئی چیز میرے لئے حلال ہے اور کون سی چیز حرام، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”یا ابن اخی! إذا اشتريت منها بيعاً فلا تبعه حتى تقبضه“ یعنی جب تم کوئی چیز خریدو تو اس پر قبضہ کرنے سے قبل فروخت نہ کرو (مصنف عبدالرزاق ۳۹/۸)۔

حکیم بن حزام ہی کی روایت نسائی شریف میں ہے کہ: حضور اکرم ﷺ نے غیر موجود شے کی بیع سے منع فرمادیا ہے (نسائی ۲۲۵/۲)۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: جو چیز اپنے ضمان میں نہ ہو اس سے نفع حاصل کرنا حلال نہیں ہے۔ یہ روایت نسائی اور ترمذی میں ہے۔

شوافع فرماتے ہیں کہ بیع پر قبضہ سے قبل بیع کرنا ”بیع مالیس عندک“ اور ”ربح مالم بضمن“ ہے جس کی ممانعت احادیث میں آئی ہے۔

شوافع کی ایک دلیل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا وہ قول بھی ہے جس کو امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں نقل کیا ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ”أما الذي نهى عنه النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض قال ابن عباس ولا أحسب كل شيء إلا

مثلاً (بخاری ۲۸۶/۱)، یعنی حضور ﷺ نے طعام کی بیع قبضہ سے قبل کو منع فرمایا، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہر چیز کو طعام ہی کے مثل سمجھتا ہوں۔ اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس طعام کی طرح ہر چیز کی بیع کو قبضہ سے قبل ناجائز سمجھتے تھے۔

شوافع کی عقلی دلیل یہ ہے کہ قبضہ سے قبل بیع پر مشتری کی ملکیت کمزور ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر بیع قبضہ سے قبل ہلاک ہو جائے تو بیع ختم ہو جائے گی۔ اور جب ملکیت کمزور ہے تو اس کی بیع جائز نہیں۔ اس لئے کہ یہ درحقیقت غیر مملوک کی بیع ہوگی جس کی ممانعت احادیث میں موجود ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر قبضہ سے قبل بیع کو جائز قرار دیتے ہیں تو شے واحد پر دو شخصوں کا ضمان لازم آتا ہے۔ ایک تو بائع اول ضامن ہے، اور دوسرا مشتری اول، مشتری ثانی کے لئے ضامن ہوگا، اور یہ صحیح نہیں ہے۔

”وعلته ضعف الملك لانفساخه بتلفه كما مر، وقيل: اجتماع الضمانين على شئ واحد إذ لو صح لضمنه المشتري أيضا للثاني قبل قبضه، فيكون مضمونا له وعليه“ (تخذه المحتاج ۴/۲۰۱)۔

۳۔ مالکیہ کا مسلک:

مالکیہ کے نزدیک صرف طعام کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ خواہ طعام ربوی ہو، جیسے گےہوں، یا غیر ربوی ہو، جیسے پھل۔ طعام کے علاوہ دیگر تمام اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔ مالکیہ کے نزدیک طعام کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے۔ اس کے لئے بھی دو شرطیں ہیں:

طعام کسی چیز کے عوض میں لیا گیا ہو۔ مثلاً اجارہ یا شراء یا صلح کے ذریعہ حاصل ہو۔ ایسی صورت میں طعام کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے۔ اگر بغیر کسی عوض کے حاصل ہو، مثلاً: ہبہ یا وراثت میں ملا، تو ایسی صورت میں قبضہ سے قبل بھی طعام کی بیع جائز ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ناپ کر یا تول کر یا گن کر کے طعام کو حاصل کیا ہو۔ اس صورت میں قبضہ سے قبل بیع جائز نہیں ہے، خواہ وہ دوسروں کو کیل کر کے فروخت کرے یا اندازہ سے۔ اگر

کیل یا وزن یا گن کر کے طعام حاصل نہیں کیا، بلکہ اندازہ سے حاصل کیا تو ایسی صورت میں قبضہ سے قبل بھی اس کی بیع جائز ہے، خواہ وہ دوسروں کو کیل کر کے فروخت کرے یا اندازہ سے۔
 ”الموسوعة الفقهية“ میں مذہب مالکیہ کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

”ومذهب المالكية أن المحرم المفسد للبيع، هو بيع الطعام دون غيره من جميع الأشياء قبل قبضه سواء أكان الطعام ربويا كالقمح أم غير ربوي كالتفاح عندهم۔

أما غير الطعام فيجوز بيعه قبل قبضه... لكنهم شرطوا فساد هذا النوع من البيع شرطين:

الف: أن يكون الطعام مأخوذاً بطريق المعاوضة أى فى مقابلة شئٍ بإجارة أو شراء أو صلح أو إرش جنابة أو آل لامرأة فى صداقها أو غير ذلك من المعاوضات، فهذا الذى لا يجوز بيعه قبل قبضه۔

أما لو صار إليه الطعام بهبة أو ميراث مما ليس أخذه بعوض فيجوز بيعه قبل قبضه۔

ب: وأن تكون المعاوضة بالكيل أو الوزن أو العدد فيشتريه بكيل و يبيعه قبل قبضه سواء باعه جزافاً أم على الكيل أما لو اشتراه جزافاً ثم باعه قبل قبضه فيكون بيعه جائزاً سواء باعه جزافاً أم على الكيل“ (الموسوعة الفقهية ۱۲/۹)۔

مالکیہ کے دلائل:

ان کے دلائل وہ تمام روایات ہیں جن میں صراحت کے ساتھ طعام کی بیع قبضہ سے قبل ممنوع قرار دی گئی ہے۔ یہ روایات بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ بعض روایات میں ”قبل قبضہ“ اور بعض روایات میں ”قبل أن يستوفيه“

کا جملہ آیا ہے۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ ”طعام“ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ طعام کے ماسوا کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے، ورنہ تخصیص کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت والی روایات بعض تو مطلق ہیں اور بعض مقید۔ شوافع نے مقید کو مطلق پر محمول کیا ہے اور مالکیہ نے مطلق کو مقید پر۔ شوافع اور مالکیہ کے مابین اختلاف کی اصل وجہ یہی معلوم ہوتی ہے۔

۴۔ حنابلہ کا مسلک:

اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ سے متعدد روایتیں منقول ہیں۔ ان میں سے دو مشہور روایتیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱۔ کسی چیز کی بھی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ اس روایت کو ابن عقیل نے اختیار کیا ہے۔

۲۔ صرف طعام کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دیگر اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔ علامہ ابن قدامہ نے اس روایت کو اظہر الرواۃ میں قرار دیا ہے۔ علامہ ابن قدامہ ”المغنی“ میں امام احمد بن حنبل کے مسلک کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وَأَمَّا غَيْرُ ذَلِكَ فَيَجُوزُ بَيْعُهُ قَبْلَ قَبْضِهِ فِي أَظْهَرِ الرِّوَايَاتِ... وَعَنْ أَحْمَدَ رَوَايَةً أُخْرَى: لَا يَجُوزُ بَيْعُ شَيْءٍ قَبْلَ قَبْضِهِ إِخْتَارَهَا ابْنُ عَقِيلٍ“ (المغنی ۴/۱۲۷)۔

حنابلہ کے دلائل: www.KitaboSunnat.com

امام احمد بن حنبلؒ کا ایک قول شوافع کے مطابق ہے، اور ایک قول مالکیہ کے مطابق ہے، لہذا ان کے دلائل بھی وہی ہوں گے جو شوافع اور مالکیہ کے ہیں۔
حنفیہ کا مسلک:

اس مسئلہ میں حنفیہ کے مابین اختلاف ہے۔ امام محمد اور ایک قول کے مطابق امام

ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تمام اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے، خواہ وہ منقولی ہوں یا غیر منقولی۔ منقولی اشیاء کی طرح زمین و جائیداد کی بیع بھی قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ البتہ امام ابو حنیفہؒ اور راجح قول کے مطابق امام ابو یوسفؒ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ غیر منقولی اشیاء مثلاً زمین کی بیع قبضہ سے قبل بھی جائز ہے۔
امام محمدؒ کے دلائل:

اس سلسلہ میں امام محمدؒ کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

الف: قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت سے متعلق روایات مطلق اور عام ہیں۔ ان میں منقولی اور غیر منقولی تمام اشیاء شامل ہیں، نیز غیر مضمون اشیاء سے نفع حاصل کرنے کی ممانعت احادیث میں آئی ہے۔ اور منقول اشیاء کی طرح زمین و جائیداد بھی قبضہ سے قبل غیر مضمون ہیں۔ مشتری کے ضمان میں زمین نہیں آئی ہے، لہذا مشتری کے لئے اس سے انقاع جائز نہیں ہوگا۔

ب: عین شے کی ملکیت عقد کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے اور اس میں تصرف کی ملکیت قبضہ کے ذریعہ۔ اور عقد کے ذریعہ عین کی ملکیت حاصل ہونے میں عقار اور منقول دونوں برابر ہیں۔ لہذا قبضہ کے ذریعہ تصرف کی ملکیت حاصل ہونے میں بھی عقار اور منقول دونوں برابر ہوں گے۔

ج: بیع کے جواز کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ بیع مقدوراً لتسلیم ہو۔ بائع بیع کو مشتری کے حوالہ کرنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اور جب غیر منقولی اشیاء قبضہ میں نہ ہوں تو بائع ان کو مشتری کے حوالہ کرنے پر قادر نہیں ہوگا، اس لئے وہ شے نہ تو اس کے قبضہ میں ہے اور نہ ہی اس کے نائب کے قبضہ میں، اگر نائب کے قبضہ میں ہوتی تو بھی مشتری کے حوالہ کر سکتا تھا، جہاں تک بائع اول کے قبضہ کا سوال ہے تو وہ مشتری اول کا نائب نہیں ہے۔

شیخین کے دلائل:

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے دلائل یہ ہیں کہ بیع کے ارکان ایجاب و قبول بھی صحیح ہیں، اس لئے کہ اپنے اہل عاقل، بالغ کی طرف سے صادر ہوئے ہیں اور ایجاب و قبول کا نفل بھی صحیح ہے، اس لئے کہ وہ مال مملوک ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ قبضہ سے قبل بھی بیع صحیح ہو، البتہ منقول اور عقار دونوں میں فرق یہ ہے کہ منقول اشیاء میں قبضہ سے قبل یہ اندیشہ ہے کہ بیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے بیع ختم ہو جائے اور مشتری کو بیع نہ مل سکے اس طرح مشتری کو دھوکہ ہوگا، اور روایات میں دھوکہ کی بیع سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہ ایسا غرر و دھوکہ ہے جس سے احتراز ممکن ہے۔ جہاں تک غیر منقول اشیاء کی بات ہے تو ان میں اس طرح کے دھوکہ کا امکان کم ہے۔ ان میں بیع کے ہلاک ہونے کا اندیشہ شاذ و نادر ہے جس کا اعتبار نہیں، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے یہ صراحت کر دی ہے کہ اگر زمین ایسی جگہ میں ہو جہاں پر ضائع اور برباد ہونے کا اندیشہ غالب ہو، مثلاً دریا اور سمندر کا کنارہ ہو، پانی یا ریت کے غالب آ جانے کی وجہ سے زمین کے برباد ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی جگہ میں زمین یا دیگر عقار کی بیع بھی قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے۔ اب رہا یہ اندیشہ کہ بیع کے بعد کوئی مستحق شخص نکل آئے تو اس کی وجہ سے بھی بیع ختم ہو جائے گی اور مشتری کو دھوکہ ہوگا تو یہ اندیشہ قبضہ کے بعد بھی ہے۔ اس طرح کے غرر اور دھوکہ سے بچنا ممکن نہیں ہے، لہذا اس کا اعتبار نہیں۔ عقار کی بیع قبضہ سے قبل بھی جائز ہے۔ اس کی مزید دلیل یہ ہے کہ شفع کو قبضہ سے قبل بھی حق شفعہ حاصل ہے اور وہ بدل دے کر خریدی ہوئی جائیداد کا مالک ہو جائے گا۔ جب وہ بدل دے کر بیع کو لے لے گا تو مشتری کا حق ختم ہو جائے گا۔ اگر عقار پر قبضہ سے قبل بدل کے ذریعہ اس کے مالک بنانے کا احتمال نہ ہوتا تو شفع کو قبضہ سے قبل حق شفعہ حاصل نہیں ہوتا۔

شیخین کے مسلک پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ممانعت والی روایات تو مطلق اور عام ہیں۔ ان میں منقول اور غیر منقول کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔ اور آپ قیاس کے ذریعہ یہ فرق کر رہے ہیں جو صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ روایات عام خص منہ البعض ہیں، اس

لئے کہ چند چیزیں ایسی ہیں جن میں قبضہ سے قبل بھی تصرف صحیح ہے۔ مثلاً شمن یا مہر یا بدل صلح یا بدل خلع۔ ان میں بالاتفاق قبضہ سے قبل تصرف جائز ہے۔ اور احناف کے نزدیک وہ روایات جو عام خص منہ البعض ہوں ان کی تخصیص قیاس کے ذریعہ بھی جائز ہے۔ دیگر فقہاء کے دلائل کے جوابات:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلہ میں فقہاء کرام کے جو دلائل ہیں ان کے جوابات شیخین کی جانب سے دیے گئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

امام مالک کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ روایات میں طعام کی تخصیص ہے، لہذا طعام کے علاوہ دیگر اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہوگی، ورنہ اس تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شے کی تخصیص ماسوا کی نفی نہیں کرتی ہے، احناف کے نزدیک نصوص میں مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے۔ طعام والی روایات کے مقابلہ میں دوسری روایات بھی ہیں جو عام ہیں، جن کا ذکر شوافع کے دلائل کے ذیل میں ہو چکا ہے۔ جہاں تک ان عام روایات کا تعلق ہے جن سے شوافع، حنابلہ اور امام محمد نے استدلال کیا ہے۔ ان کا جواب یہ ہے کہ وہ روایات ”معلول بالعلہ“ ہیں غرر کے ساتھ، جن جگہوں پر قبضہ سے قبل بیع کرنے میں ایسا غرر اور دھوکہ لازم آئے جس سے احتراز ممکن ہو تو وہاں پر قبضہ سے قبل بیع جائز نہیں ہوگی اور جہاں پر اس طرح کا غرر شاذ و نادر ہو یا احتراز ناممکن ہو وہاں پر بیع جائز ہوگی۔ جیسا کہ شمن، مہر، اسی طرح بدل صلح، بدل خلع، اور میراث میں قبضہ سے قبل تصرف جائز ہے، اس لئے کہ ان میں غرر اور دھوکہ کا امکان نہیں ہے۔ اگر شمن یا مہر یا بدل صلح اور بدل خلع متعین ہوں تو بھی ان کے ہلاک ہونے کے بعد بیع ختم نہیں ہوگی بلکہ ان کی قیمت واجب الادا ہوگی۔

جہاں تک امام محمد کی اس دلیل کا تعلق ہے کہ قبضہ کے بعد بیع مشتری کے ضمان میں آتی ہے۔ اسی طرح قبضہ کے بعد ہی وہ بیع کو مشتری کے حوالہ کر سکتا ہے، اس سے قبل نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیع میں تصرف کی اجازت حاصل ہونے کے لئے ملکیت شرط ہے نہ کہ ضمان۔ اگر

ایک ضابطہ:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

ہر وہ تصرف جو قبضہ کے بغیر تام و مکمل نہ ہو تو اس میں قبضہ سے قبل بھی تصرف جائز و درست ہے۔ مثلاً بیہ، صدقہ، رہن اور قرض ہے۔ اگر مشتری بیع پر قبضہ سے قبل ہی اس کو بیہ کر دے یا رہن رکھ دے یا کسی کو قرض دیدے یا صدقہ کر دے تو یہ جائز ہوگا، اس لئے کہ یہ عقود بغیر قبضہ کے مکمل نہیں ہوتے، جب موہوب لہ قبضہ کرے گا تو وہ واہب کا (خریدار کا) نائب ہوگا، اس حیثیت سے وہ اولاً واہب کے لئے قبضہ کرے گا پھر اپنے لئے۔ ایسی صورت میں مشتری کا تصرف درحقیقت قبضہ کے بعد سمجھا جائے گا۔

اور ہر وہ تصرف جو قبضہ کے بغیر بھی مکمل ہو جائے اس میں قبضہ سے قبل تصرف جائز نہیں ہے، مثلاً بیع یا اجارہ ہے۔ ان میں قبضہ سے قبل تصرف اس لئے جائز نہیں ہے کہ مشتری ثانی کا قبضہ مشتری اول کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، کیونکہ یہ تصرف قبضہ پر موقوف نہیں ہے۔ اب جب مشتری اول فروخت کر رہا ہے تو گویا کہ قبضہ سے پہلے بیع میں تصرف کر رہا ہے جو جائز نہیں ہے۔

”ثم قال محمد: كل تصرف لا يتم إلا بالقبض كالهبة والصدقة والرهن والقرض فهو جائز؛ لأنه يكون نائباً عنه ثم يصير قابضاً لنفسه... لأن الهبة لما كانت لا تتم إلا بالقبض صار الموهب له نائباً عن الواهب وهو المشتري الذي وهبه المبيع قبل قبضه، ثم يصير قابضاً لنفسه، فتم الهبة بعد القبض بخلاف التصرف الذي يتم قبل القبض كالبيع مثلاً، فإنه لا يجوز؛ لأنه إذا قبضه المشتري الثاني لا يكون قابضاً عن الأول لعدم توقف البيع على القبض فيلزم منه تمليك المبيع قبل قبضه وهو لا يصح“ (ثانی ۱۶۲/۳، ۱۶۳)۔

کیا قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہیں سے متعلق احادیث معلول بالعلتہ ہیں؟ اوپر کے بیان سے یہ واضح ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہیں سے متعلق احادیث ”معلول بالعلتہ“ ہیں۔ اس لئے کہ بعض چیزوں میں قبضہ سے قبل تصرف کی اجازت خود روایات سے ثابت ہے۔ مثلاً ثمن میں قبضہ سے قبل تصرف کی اجازت ہے۔ اسی طرح مہر، بدل

خلع اور بدل صلح میں قبضہ سے قبل تصرف کی اجازت ہے۔ اس سے واضح ہے کہ نبی والی روایات عام نہیں ہیں، بلکہ نبی کی ایک علت ہے۔ اور وہ علت غرر اور دھوکہ ہے۔ جہاں قبضہ سے قبل بیع کرنے میں یہ اندیشہ ہو کہ بیع کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں بیع ختم ہو جائے گی اور بیع مشتری ثانی کو نہیں مل سکے گی وہاں قبضہ سے قبل بیع جائز نہیں ہوگی۔ اور جہاں غرر اور دھوکہ کا اندیشہ نہ ہو وہاں بلاشبہ قبضہ سے قبل بھی بیع جائز ہوگی، اس لئے کہ صحت بیع کی جو شرطیں ہیں وہ پائی جاتی ہیں، جیسا کہ مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہے۔ صاحب ”ہدایہ“ لکھتے ہیں:

”والغرر المنہی عنہ غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز“ صاحب ”بنایہ“ اس کے تحت لکھتے ہیں:

”(والحديث) ای الحديث المذكور (معلول به) ای بغير انفساخ العقد فيما قبل القبض بهلاك المعقود عليه، فيكون مخصوصا بالمنقول، ألا ترى أنه يجوز الاعتاق قبل القبض والوصية قبله (عملا بدلائل الجواز) ای جواز البيع من الكتاب والسنة والإجماع“ (بنایہ شرح ہدایہ ۵۰۹/۶)۔

”تبيين الحقائق“ میں ہے: ”وما رواه معلول بغير انفساخ العقد بالهلاك قبل القبض... والدليل على أنه معلول به ان التصرف في الثمن قبل القبض جائز؛ لأنه لا غرر فيه و كذلك التصرف في المهر ونحوه جائز قبل القبض لما أمن منه والفقهاء فيه أن المطلق للتصرف وهو الملك قد وجد لكن الاحتراز عن الغرر واجب ما أمكن و ذلك فيما يتصور فيه الغرر“ (تبيين الحقائق ۸۰/۴)۔

شرع اسلامی میں قبضہ کی حقیقت:

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک قبضہ کی شرعاً کوئی تحدید نہیں ہے، بلکہ ہر چیز کا قبضہ اس کے حساب سے متصور ہے اور یہ عرف و عادت پر محمول ہے۔ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کا استیلاء اور عمل دخل لوگوں کے عرف میں قبضہ متصور ہو وہی اس کے حق میں قبضہ مانا

جائے گا۔ اگر کیلی اور وزنی اشیاء ہوں تو ان کا قبضہ کیل اور وزن کے ذریعہ ہوگا۔ اگر دراهم و دنانیر اور روپے پیسے ہوں تو ان کا قبضہ ہاتھ میں لینے سے ہوگا۔ اور اگر کپڑا ہو تو اس کا قبضہ اس کی جگہ سے منتقل کر دینے سے ہوگا۔ اگر منقولی اشیاء ہوں تو ان کا قبضہ ان کی جگہ سے منتقل کر دینے سے ہوگا، اور اگر غیر منقولی اشیاء ہوں تو ان کا قبضہ تخلیہ کے ذریعہ ہوگا۔ یعنی مشتری اور بیع کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

”وقبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا بيع كيلا أو وزنا فقبضه بكيله ووزنه وبهذا قال الشافعي... وإن كان المبيع دراهم أو دنانير فقبضها باليد، وإن كان ثيابا باليد فقبضها نقلها وإن كان حيوانا فقبضه تمشيته من مكانه، وإن كان مما لا ينقل وبحول فقبضه التخلية بينه وبين مشتريه لا حائل دونه... ولأن القبض مطلق في الشرع، فيجب الرجوع فيه إلى العرف كالأحراز والتفرق، والعادة في قبض هذه الأشياء ما ذكرنا“ (الحنفی ۱۲۵/۴، ۱۲۶)۔

احناف کے نزدیک اس طرح کی کوئی تفصیل نہیں ہے، بلکہ بیع اور مشتری کے درمیان ایسا تخلیہ جس سے قبضہ پر قدرت ہو جائے اور کوئی چیز مانع اور حائل نہ ہو، یہ تخلیہ قبضہ سمجھا جائے گا، درمختار میں ہے: ”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع و حائل“ (درمختار)۔

علامہ شامی نے ”درمختار“ کی عبارت: ”على وجه يتمكن من القبض“ کے تحت تفصیلی بحث کی ہے کہ تخلیہ بھی جملہ قبضہ ہے اور ہر چیز کا تخلیہ اس کے حساب سے ہے، مثلاً اگر کسی گھر میں گیہوں وغیرہ ہے تو اس کا تخلیہ یہ ہے کہ کنجی مشتری کے حوالہ کر دی جائے اور وہ بغیر کسی کلفت و پریشانی کے مکان کھولنے پر قادر ہو۔ اگر مکان ہے تو اس کا تخلیہ اور قبضہ یہ ہے کہ اس کے بند کرنے پر مشتری قادر ہو جائے، اگر جانور ہے تو اس کا تخلیہ اور قبضہ یہ ہے کہ چراگاہ میں جانور دکھایا جائے اور اس کی جانب اشارہ کر دیا جائے۔ اگر کپڑا ہے تو اتنا قریب ہو کہ مشتری جب

ہاتھ اس کی جانب بڑھائے تو ہاتھ کپڑے تک پہنچ جائے۔

علامہ شامی اس کی پوری تفصیل بیان کرتے ہوئے ”البحر الرائق“ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: ”و حاصله أن التخلية قبض حكما أو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلا فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أي بأن تكون في البلد فيما يظهر وفي نحو بقر في مرعى، فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض وفي نحو ثوب، فكونه بحيث لو مده يده تصل إليه قبض“ (رد المحتار ۴/۳۳)۔

صاحب ”بدائع“ علامہ کاسانی قبض کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ”إن معنى القبض هو التمكين والتخلية وارتفاع الموانع عرفا وعادة حقيقة“ (بدائع الصنائع ۵/۱۳۸)۔

علامہ کاسانی اور علامہ شامی نے قبضہ اور اس کے ذیل میں تحلیہ کی بحث کرتے ہوئے اس کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قبضہ کی شرعا کوئی تعین و تحدید نہیں ہے، بلکہ ہر شے کا قبضہ اس کے حساب سے ہے، اور یہ عرف و عادت پر محمول ہے۔ جہاں جس عمل دخل کو قبضہ سمجھا جاتا ہو وہاں وہ عمل دخل اس کے حق میں قبضہ سمجھا جائے گا، احتلاف اور ائمہ ثلاثہ کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی خاص فرق نہیں معلوم ہوتا ہے... راقم الحروف کے خیال میں بھی ہر چیز کے قبضہ کو عرف و عادت پر محمول کرنا چاہئے۔ جس جگہ جس عمل دخل کو قبضہ تصور کیا جاتا ہو اس عمل دخل کو اس کے حق میں قبضہ تسلیم کرنا چاہئے۔

اشیائے منقولہ و غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اشیاء منقولہ و غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے فرق ہے۔ دونوں کے قبضہ کی ایک ہی صورت نہیں ہوگی۔

فیکٹری سے خرید کردہ مال کو قبضہ سے قبل فروخت کرنا:

فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے قبل بیع کی بیع اس لئے جائز نہیں ہے کہ وہ خریداروں کے ضمان میں نہیں آئی، اگر بیع خریدار کے ضمان میں آجائے تو پھر اس کی بیع جائز ہے۔ گویا کہ فقہاء نے ضمان کو حسی قبضہ کے قائم مقام قرار دیا ہے، ”الموسوع“ میں طعام کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے، اس پر اہل علم کا اجماع نقل کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ: ”قالوا: ولو دخل فی ضمان المشتري جاز بیعه والتصرف فیہ کما جاز ذلک بعد قبضہ“ (الموسوع الفقہیہ ۱۲۷/۹)۔

یعنی فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ اگر طعام مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے تو اس کی بیع اور اس میں تصرف جائز ہے، جیسا کہ قبضہ کے بعد جائز ہے۔

امام مالکؒ طعام کی بیع کو قبضہ سے قبل اس وقت جائز قرار دیتے ہیں جب کہ وہ کیل یا وزن کر کے یا گن کر نہ لیا گیا ہو، بلکہ اندازہ سے حاصل کیا گیا ہو۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ محض عقد ہی سے مشتری کے ضمان میں آ گیا، لہذا حکماً مقبوض ہونے کی وجہ سے اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔

”والتقیید عند المالکیۃ بغير الجزاف، لا خراج ما بیع جزافا بغير کیل ولا عد ولا وزن من الطعام، فانه یجوز بیعه قبل قبضہ لدخول فی ضمان المشتري لمجرد العقد فهو مقبوض حکماً“ (الموسوع الفقہیہ ۱۳۰/۹)۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء کے نزدیک بیع کا ضمان میں داخل ہونا قبضہ کے حکم میں ہے، نیز فقہاء احناف امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عقار کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے۔ یہ حضرات قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق روایات کو ”معلول بالعلۃ“ قرار دیتے ہیں۔ جب امام محمدؒ کی جانب سے ان پر اعتراض ہوا کہ عقار بھی قبضہ سے قبل مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوتا، تو اس کا جواب یہ دیا کہ بیع میں تصرف کی اجازت ملکیت میں آ جانے کے بعد ہو جاتی ہے۔ ضمان میں داخل ہونا شرط نہیں ہے، اور محض عقد ہی سے ملکیت میں آ جاتی

ہے۔ منقول اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز علت غرر کی بنیاد پر ہے جو عقار میں موجود نہیں ہے، کتب فقہ حنفی کی تفصیلات کے مطابق جس جگہ غرر اور دھوکہ سے امان ہو وہاں پر قبضہ سے قبل بیع جائز ہے۔

”وما یقولون من أنه یدخل فی ضمان المشتري بالقبض قلنا شرط ثبوت الملك بالتصرف فی المحل أصل الملك دون الضمان بدلیل جواز التصرف فی الموهوب بعد القبض“ (المبطل للنسخی ۱۰/۷)۔

اس مختصری وضاحت کے بعد سوال نامہ میں مذکور سوال کا جواب یہ ہے کہ فیکٹری سے مال خریدنے والا شخص اگر اپنا مال الگ کر لیتا ہے۔ پھر وہیں سے دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو یہ بلاشبہ بیع بعد القبض ہے جو جائز ہے، احراز کو قبضہ تسلیم کیا جائے گا۔ اور اگر اپنا مال الگ کرائے بغیر دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو سوال میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ بائع اور مشتری کے معاہدہ کے مطابق وہ مال مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتا ہے، اور ہلاک ہونے کی صورت میں نہ تو بائع اول اس کا ضامن ہوتا ہے اور نہ مشتری ثانی، بلکہ مشتری اول اس کا ضامن ہوتا ہے۔ نیز یہاں پر غرر و دھوکہ بھی نہیں ہے، لہذا ضمان کو حکماً قبضہ تسلیم کرتے ہوئے اور دھوکہ نہ ہونے کی بنیاد پر اس طرح کی خرید و فروخت جائز ہونی چاہئے۔ میری رائے میں یہ صورت جائز ہے۔

جہاز پر مال چڑھا دینے کے بعد مشتری کا دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنا:

جب معاملہ بیع مکمل ہو جانے کے بعد مال جہاز پر چڑھا دیا گیا اور مال مشتری کے ضمان میں داخل ہو گیا۔ ضائع ہونے پر بائع پر کوئی تاوان نہیں، بلکہ مشتری کا نقصان ہو گا۔ تو ایسی صورت میں مشتری کا سمندر کے اندر ہی جہاز پر دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا شرعاً جائز و درست ہو گا۔ مال کو اس کی جگہ سے منتقل کر کے جہاز پر چڑھا دینا اور اس کا مشتری کے ضمان میں داخل ہو جانا اس کے قبضہ کی دلیل ہے، یہ بیع بعد القبض سمجھی جائے گی۔ اسی طرح مشتری ثانی بھی دوسروں کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے، کیونکہ خریداری کے بعد وہ مال اس کے ضمان میں داخل ہو گیا۔

قبضہ سے پہلے فروختگی

مفتی جمیل احمد ندوی ☆

۱- قبضہ سے پہلے بیع کا حکم:

قبضہ سے پہلے بیع کی دو صورتیں ہیں:

الف: ملکیت میں نہ ہونا، لہذا کوئی شخص ایسی چیز کو فروخت کرے جو اس کی ملکیت میں نہ ہو، تو یہ بیع باطل ہے۔

”بیع مالیس فی ملکہ باطل“ (رد المحتار ۳/۱۱۹)، اس چیز کی بیع جو بائع کی ملکیت میں نہ ہو باطل ہے۔

مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

”أن یبیع منه متاعاً لا یملکہ ثم یشتریه من مالکہ و یدفعہ إلیہ وهذا باطل لأنه باع ما لیس فی ملکہ وقت البیع وهذا معنی قوله قال: (لا تبع ما لیس عندک) ای شیناً لیس فی ملکک حال العقد“ (مرقاۃ المفاتیح ۳/۸۱)۔

خریدار کو ایسا سامان فروخت کیا جس کا مالک نہیں، پھر اسے مالک سے خریدے اور خریدار کو دے، یہ بیع باطل ہے، اس لئے کہ اس نے ایسی چیز فروخت کی ہے جو بیع کے وقت اس کی ملکیت نہیں، یہی مطلب ہے حضور ﷺ کے اس فرمان کا کہ جو تمہارے پاس نہ ہو اسے مت فروخت کرو یعنی جو چیز عقد کے وقت تمہاری ملکیت میں نہ ہو اسے مت بیجو۔

بانی دہمتم جامعہ عربیہ بین الاسلام، نوادہ سہار کپور اعظم لڑھ۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

ب: ملکیت میں ہو لیکن قبضہ میں نہ ہو، ایسی چیز کو فروخت کرنا بیع فاسد ہے۔

”و فی معنی ما لیس عنده فی الفساد بیع العبد الآبق و بیع المبیع قبل القبض و فی معناه بیع مال غیرہ بغیر اذنه، لانه لا یدری هل یجیز مالکھ أم لا“
(حوالہ سابق)۔

جو چیز بائع کے پاس نہیں اس کی بیع کے فاسد ہونے میں وہ صورت بھی داخل ہے جب بھاگا ہوا غلام فروخت کرے یا قبضہ سے پہلے بیع فروخت کرے، اور اسی کے معنی میں وہ صورت بھی ہے جب غیر کے مال کو غیر کی اجازت کے بغیر فروخت کرے، کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ اس کا مالک اجازت دے گا یا نہیں۔

یہ آخری صورت امام شافعیؒ کے نزدیک بیع فاسد ہے، امام مالک، امام احمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مالک کی اجازت پر موقوف ہے (حوالہ سابق)۔

”ومن البیع الفاسد أن یتصرف المشتري ما اشتراه قبل قبضه“ (الفتاویٰ
المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۳)۔

بیع فاسد میں سے یہ بھی ہے کہ مشتری بیع میں قبضہ سے پہلے تصرف کرے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت ”تخلیہ“ ہے، درمختار میں ہے:

”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل و شرط فی الأجناس شرطاً ثالثاً وهو أن يقول: خلّیت بینک و بین المبیع فلو لم یقله أو کان بعيداً لم یصر قابضاً“ (درمختار ۳/۴۷، ۴۸)۔

حواگی ”تخلیہ“ یعنی مشتری اور بیع کے اکٹھا ہونے کی حالت میں اس طرح آزاد چھوڑ دینے سے ہوتی ہے کہ مشتری بیع پر بغیر مانع و بغیر حائل کے قبضہ پر قادر ہو جائے، اجناس میں ایک اور شرط بھی لگائی گئی ہے وہ یہ کہ کہے کہ میں نے تمہارے اور بیع کے درمیان تخلیہ کیا، پس اگر یہ نہ کہے، یا بیع دور ہو تو قابض نہ ہوگا۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں:

ترجمہ: (اس طرح آزاد چھوڑ دینا کہ قبضہ پر قادر ہو جانے کا) نتیجہ یہ ہے کہ اگر گندم خریدے کسی گھر میں اور بائع مشتری کو اس گھر کی کنجی دے کر کہے میں نے تمہارے اور گندم کے درمیان تخلیہ کیا تو یہ قبضہ مانا جائے گا، اور اگر کچھ نہیں کہا تو قبضہ نہیں مانا جائے گا، اور اگر ایسے گھر کو جو وہاں موجود نہیں ہے پس بائع نے کہا میں نے وہ گھر تمہارے سپرد کیا، مشتری نے کہا میں نے اس پر قبضہ کر لیا تو قبضہ نہیں مانا جائے گا، اور اگر قریب ہو تو قبضہ مانا جائے گا، قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مشتری اس پر تالا لگانے پر قادر ہو اور اگر تالا لگانے پر قادر نہ ہو تو دور مانا جائے گا، ”جمع النوازل“ میں ہے کہ گھر کی بیع میں کنجی دیدینا قبضہ و حوالگی ہے جب وہ اسے بلا کلفت و مشقت کھول دینے کیلئے مستعد ہو، اور اگر گائے کو گھر کے صحن میں خریدا، بائع نے کہا جاؤ قبضہ کر لو، پس اگر وہ اس طرح دکھائی دے کہ اس کی طرف اشارہ کرنا ممکن ہو تو قبضہ مانا جائے گا، اور اگر کپڑا خریدا، بائع نے کہا کہ اس پر قبضہ کر لو، مشتری نے قبضہ نہیں کیا، یہاں تک کہ اس کپڑے کو کسی دوسرے نے لے لیا، تو جب بائع نے قبضہ کرنے کا حکم دیا تھا، اگر مشتری کیلئے بغیر کھڑے قبضہ کرنا ممکن تھا تو حوالگی صحیح ہوگی (گویا دوسرے کے لے لینے سے نقصان مشتری کا ہوا، بائع کی ذمہ داری نہیں ہے) اور اگر بغیر کھڑے ہوئے قبضہ ممکن نہیں تھا تو حوالگی صحیح نہیں ہوگی (دوسرے کے لینے سے نقصان بائع کا ہوا) اور اگر کوئی چڑیا یا کوئی گھوڑا کسی گھر میں خریدا، بائع نے قبضہ کرنے کا حکم دیا، مشتری نے دروازہ کھولا، گھر میں گیا، تو اگر کسی مددگار کے بغیر پکڑنا ممکن ہو تو قبضہ مانا جائے گا، یہ ساری بحث ”البحر الرائق“ میں ہے، خلاصہ یہ کہ ”تخلیہ“ اس وقت حکماً قبضہ ہے جب بغیر کلفت و پریشانی کے اس پر قدرت ہو، لیکن یہ چیز بیع کے حال کے اعتبار سے بدلتی رہتی ہے، مثلاً گھر میں گندم فروخت کیا ہو تو کنجی کا دیدینا اس وقت قبضہ ہوگا جب گھر کو بلا کلفت کھولنا ممکن ہو، اور گھر کی بیع میں قبضہ اس وقت مانا جائے گا جب تالا بند کرنا ممکن ہو، اس سے بظاہر یہ لگتا ہے کہ گھر اسی شہر میں ہو، چراگاہ میں گائے کی فروختگی میں قبضہ اس وقت مانا جائے گا جب وہ دکھائی

دے اور اس کی جانب اشارہ کیا جاسکتا ہو، کپڑے میں ”تخلیہ“ کو قبضہ اس وقت قرار دیا جائے گا کہ ہاتھ بڑھانے سے ہاتھ کپڑے تک پہنچ جائے، گھوڑے اور چڑیا میں ”تخلیہ“ قبضہ اس وقت ہے، جب اس گھر میں جا کر بلا معین و مددگار کے اس کو پکڑنا ممکن ہو (رد المحتار ۴/۷۷)۔

صاحب ”در مختار“ کے قول بلا مانع و لاحائل کی شرح کرتے ہوئے علامہ شامیؒ لکھتے

ہیں:

”قوله بلا مانع) بأن يكون مفزاً غير مشغول بحق غيره فلو كان المبيع شاغلاً كالحنطة في جوالق البائع لم يمنعه بحر، و في الملتقط: ولو باع داراً أو سلمها إلى المشتري وله فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليمها حتى يسلمها فارغة، وكذا لو باع أرضاً وفيها زروع..... (قوله ولاحائل) بأن يكون في حضرته الخ“۔

بلا مانع کا مطلب یہ ہے کہ وہ خالص و علیحدہ ہو، حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو، پس اگر بیع شاغل ہو، مثلاً گندم بائع کے بوروں میں ہو تو قبضہ سے مانع نہ ہوگا (البحر الرائق)، اور ملتقط میں ہے کہ اگر کوئی گھر بیچا یا گھر مشتری کے حوالہ کیا اور اس میں بائع کا سامان ہے، کم ہو یا زیادہ، تو یہ حوالگی نہیں مانی جائے گی یہاں تک کہ خالی کر کے دے، ایسے ہی اگر زمین بیچے اور اس میں پیداوار ہو تو جب تک خالی کر کے نہیں دے گا قبضہ اور حوالگی نہ ہوگی..... اور بغیر حائل کا مطلب یہ ہے کہ حوالگی اور تخلیہ مشتری کی موجودگی میں ہو۔

محض قبضہ و تسلیم کے اقرار سے شرعاً قبضہ نہیں مانا جائے گا، در مختار میں ہے:

”فإنهم يشترطون قرية و يقرون بالتسليم والقبض وهو لا يصح به

القبض على الصحيح“۔

لوگ گاؤں خریدتے ہیں، حوالگی اور قبضہ کا اقرار کرتے ہیں، لیکن صحیح مذہب کے مطابق

اس سے قبضہ صحیح نہیں ہوتا۔

”رد المحتار“ میں عبارت بالاک کی شرح میں ہے:

ترجمہ: اگر گھر دور ہو تو اگرچہ بائع کہے کہ میں نے تخلیہ کیا، قبضہ نہ ہوگا، دور سے مراد یہ ہے کہ بالکلفت اس پر قبضہ کرنے پر قادر نہ ہو، اور یہ بیع کے بدلنے سے بدلتا ہے، جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں، یا اس سے مراد حقیقت دور ہونا ہے اور جو اس کے مشابہ ہو اس کو اسی پر قیاس کیا جائے گا، محض اقرار سے قبضہ صحیح نہ ہوگا اور قبضہ کے ساتھ مقید اس لئے کیا ہے، کیونکہ بیع فی ذاتہ صحیح ہے، لیکن مشتری پر قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے قیمت کی ادائیگی واجب نہ ہوگی، صاحب ”در مختار“ کے قول: ”علی الصبح“ کا مطلب یہ ہے کہ ”ظاہر الروایہ“ یہی ہے، اس کے مقابلے میں وہ ہے جو ”محیط“ میں ہے، اور جامع شمس اللامہ میں ہے کہ محض ”تخلیہ“ سے قبضہ صحیح ہو جاتا ہے اگرچہ عقار (جائداد غیر منقولہ) دور ہو اور بائع اور مشتری سے غائب ہو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے، محیط وغیرہ کی یہ بات ضعیف ہے، جیسا کہ ”البحر الرائق“ اور ”فتاویٰ قاضی خاں“ میں ہے، اور صحیح وہی ہے جو ”ظاہر الروایہ“ میں بیان کیا گیا ہے، کیونکہ جب جائداد غیر منقولہ قریب ہوگی تو فی الحال بھی اس پر قبضہ حقیقی متصور ہوگا، لہذا ”تخلیہ“ قبضہ کے قائم مقام ہو جائے گا، اور جب دور ہوگی تو فی الحال قبضہ متصور نہ ہوگا، لہذا ”تخلیہ“ قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا (رد المحتار ۴/۲۸۸)۔

عبارات بالاک کا خلاصہ یہ ہے کہ ”تخلیہ“ جسے قبضہ قرار دیا گیا ہے اس میں دو باتیں پائی جانی ضروری ہیں:

۱۔ بیع حق بائع یا حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو، یعنی بیع سے کسی کا حق متعلق نہ ہو۔

۲۔ تسلیم و حوالگی مشتری کی موجودگی میں ہو، یا اس کا وکیل موجود ہو۔

امام کا سائی نے قبضہ، تسلیم و حوالہ اور تخلیہ کی حقیقت ان الفاظ میں واضح کیا ہے:

ترجمہ: حوالگی اور قبضہ ہمارے نزدیک تخلیہ اور تخلی ہے، وہ یوں کہ بائع، بیع اور مشتری

کے درمیان رکاوٹیں دور کر کے قبضہ کی آزادی دیدے اس طریقہ سے کہ مشتری بیع میں تصرف

کرنے پر قادر ہو جائے، لہذا بائع میع کو سپرد کرنے والا اور مشتری قبضہ کرنے والا قرار دیا جائے گا، اسی طرح مشتری کی طرف سے بائع کی جانب شمن کی ادائیگی بھی ہونی چاہئے..... تسلیم (حوالگی) لغت میں نام ہے شی کو سالم و خالص بنانے کا، کہا جاتا ہے کہ ”سلم فلان بفلان“ یعنی فلاں نے فلاں کے لئے خالص کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ”ورجلا سلما لرجل“ (اور ایک آدمی خالص ایک آدمی کیلئے ہے) اس میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔ پس میع کی مشتری کی طرف تسلیم (حوالگی و سپردگی) یہ ہے کہ میع مشتری کیلئے اس طرح سالم و خالص بنا دی جائے کہ اس کے بارے میں اس سے کوئی دوسرا نزاع نہ کرے، یہ معنی ”تخلیہ“ کے ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے، لہذا ”تخلیہ“ بائع کی طرف سے سپردگی ہوئی اور ”تخلی“ مشتری کی طرف سے قبضہ ہوا۔

چند سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں:

”ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال واختلفوا في أنها هل هي قبض تام فيها أم لا وجملة الكلام فيه أن المبيع لا يخلو إما أن يكون مما له مثل وإما أن يكون مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتفاوتة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف“ (بدائع الصالح ۲۴۲/۵)

(ہمارے اصحاب (احناف) کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اصل قبضہ تمام اموال میں ”تخلیہ“ کے ذریعہ حاصل ہو جاتا ہے، البتہ اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ یہ قبضہ تام ہے یا نہیں، خلاصہ کلام یہ ہے کہ میع یا تو ان چیزوں میں سے ہوگی جن کیلئے مثل ہوتا ہے یا ان چیزوں میں سے ہوگی جن کے لئے مثل نہیں ہوتا مثلاً مذروعات اور معدودات متفاوتہ وغیرہ، پس ”تخلیہ“ ان سب میں بغیر کسی اختلاف کے قبضہ تام ہے۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

”لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً و

عادة حقيقة“ (بدائع الصنائع ۵/۱۳۸)۔

اس لئے کہ قبضہ کا مطلب ہے کہ کسی چیز پر قادر کر دینا، تنہائی میں ہونا، اور عر فاً عاده جو موانع ہوں ان کو حقیقتاً اٹھا دینا۔

ان عبارات کی روشنی میں احقر کے خیال میں ”قبضہ“ کو متعین کرنے میں عرف کو دخل ہے، لیکن عرف صحیح ہونا چاہئے، جس کا شریعت نے اعتبار کیا ہے، ہر قسم کا عرف معتبر نہ ہوگا۔ قبضہ کی ایک ہی نوعیت ”تخلیہ“:

اشیاء منقولہ و غیر منقولہ دونوں میں قبضہ کی ایک ہی صورت ہے، یعنی ”تخلیہ“۔ البتہ بقول صاحب ”در مختار“ اجناس میں مزید یہ بھی شرط مذکور ہے کہ:

”وهو أن يقول خليت بينك و بين المبيع“ (در مختار ۴/۳۸)۔

بائع کہے کہ میں نے تمہارے درمیان اور مبیع کے درمیان آزادی دیدی۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

”قوله أن يقول خليت الخ الظاهر أن المراد به الإذن بالقبض لا خصوص لفظ التخلية لما في البحر: ولو قال: البائع للمشتري بعد البيع خذ لا يكون قبضا ولو قال: خذه يكون تخلية إذا كان يصل إلى أخذه الخ و في الفروع المارة ما يدل عليه أيضا“ (رد المحتار ۴/۳۸)۔

بظاہر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے مراد قبضہ کی اجازت دینا ہے ”تخلیہ“ کا مخصوص لفظ مراد نہیں ہے، جیسا کہ ”البحر الرائق“ میں ہے کہ اگر بیع کے بعد بائع مشتری سے کہے ”لے لو“ تو قبضہ نہیں ہوا، اور اگر کہے ”اس کو لے لو“ تو یہ ”تخلیہ“ کہلائے گا جب کہ وہ اسے لینے کیلئے پہنچے، اور گزشتہ فروع بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں۔

بیع صحیح اور بیع فاسد دونوں میں تخلیہ کو قبضہ مانا گیا ہے۔

”و أجمعوا على أن التخلية في البيع الجائز يكون قبضا، و في البيع

الفاسد روایتان والصحيح أنها قبض كذا في فتاوى قاضيهان“ (فتاویٰ ہندیہ ۱۶/۳)۔

(فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ بیع صحیح میں ”تحلیہ“ قبضہ قرار دیا جائے گا، اور بیع فاسد کے

بارے میں دو روایتیں ہیں، صحیح یہ ہے کہ بیع فاسد میں بھی ”تحلیہ“ قبضہ ہے، ایسے ہی فتاویٰ قاضیوں میں ہے)۔

احادیث مذکورہ معلول بالعلتہ ہیں:

ایک بات پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز کیوں ہے؟ جبکہ بیچنے والا ایسی چیز بیچ رہا ہے جو اس کی ملکیت میں ہے، ایجاب و قبول بھی موجود ہے، بیع و شراء کرنے والوں میں بیع و شراء کی اہلیت بھی ہے، بیع، محل بھی ہے، پھر قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کیوں جائز نہیں؟

وجہ صاف ظاہر ہے، وہ یہ کہ اس میں غرر اور دھوکہ ہے، کیونکہ جب بیع قبضہ میں نہیں ہے اور فروخت کردے تو مشتری کا حوالہ کرنا مشتبہ ہو گیا، ممکن ہے وہ حوالہ کر ہی نہ پائے، بیع ہلاک و ضائع ہو جائے وغیرہ وغیرہ، ایسی صورت میں بیع ہی فسخ ہو جائے گی۔

”ہدایہ“ میں ہے:

ترجمہ: جس نے کوئی ایسی چیز خریدی جسے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے تو اس کی بیع اسی وقت جائز ہوگی جب اس پر قبضہ کر لے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے جس پر قبضہ نہ کیا گیا ہو، اور اس لئے بھی یہ بیع جائز نہیں، کیونکہ اس میں بیع کے ہلاک ہو جانے پر بیع کے فسخ کا خطرہ ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عقار (جائداد غیر منقولہ) کی بیع قبضہ سے پہلے بھی جائز ہے، امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں، حدیث کے مطلق ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے اور ”منقول“ کا اعتبار کرتے ہوئے جس طرح جائداد غیر منقولہ کا اجارہ قبل القبض جائز نہیں، اسی طرح بیع بھی جائز نہیں، شیخینؒ کہتے ہیں کہ بیع کارکن اہل سے صادر ہوا ہے اور محل میں صادر ہوا ہے، اس میں کسی قسم کا دھوکہ اور غرر نہیں، اس لئے کہ عقار

نہیں ہلاک ہو جانا نادر ہے، اور جس غرر سے منع کیا گیا ہے وہ عقد کے فسخ ہو جانے کا غرر ہے (وہ یہاں موجود نہیں) اور دلائل جواز پر عمل کرتے ہوئے ماننا پڑے گا کہ یہ حدیث اسی ”غرر فسخ“ کے ساتھ معلول ہے، اور اجارہ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ بھی اسی اختلاف پر ہے، اور اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اس میں اختلاف نہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ معقود علیہ اجارہ میں منافع ہے اور اس کا ہلاک ہو جانا نادر نہیں ہے (ہدایہ ۵۸۳)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی احادیث معلول ہیں اور علت بیع کے فسخ ہو جانے کا اندیشہ ہے، ظاہر ہے کہ یہ غرر و دھوکہ منقولات میں ہی ہو سکتا ہے، کیونکہ ان کے ہلاک و ضائع ہونے کا بکثرت وقوع ہے، اس کے برخلاف زمین، جائداد، اشیاء غیر منقولہ، ان کا ہلاک و ضائع ہو جانا نادر ہے، لہذا چونکہ اس میں علت موجود نہیں اسلئے وہ ممانعت سے مستثنیٰ ہوں گی، کیونکہ حکم علت کے ساتھ دائر ہوتا ہے۔

امام کا ساقی فرماتے ہیں:

ترجمہ: شیخین (امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف) کی دلیل، قرآن مجید کی آیات بیع کا بلا تخصیص عموم ہے، اور ہمارے نزدیک کتاب اللہ کے عموم کی خبر واحد سے تخصیص جائز نہیں، یا پھر ہم اسے جائداد منقولہ پر محمول کریں گے، تاکہ دلائل کے درمیان موافقت رہے، تا قبض نہ پیدا ہو، اور جائداد غیر منقولہ کی قبل القبض بیع اس لئے بھی جائز ہے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ رکن بیع (ایجاب و قبول) اہلیت رکھنے والے سے صادر ہو اور ایسی جگہ میں صادر ہو جو بیع کا محل بن سکے، تو اس بیع کو صحیح ہونا چاہئے، عدم جواز غرر (دھوکہ) کے عارض کی وجہ سے ہے، اور یہ ”غرر“ معقود علیہ کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں بیع کے فسخ ہو جانے کا ہے، کیونکہ جائداد غیر منقولہ کی ہلاکت کا اندیشہ نہیں، لہذا ”غرر“ بھی ثابت نہ ہوگا، لہذا بیع اصل کے حکم پر باقی رہے گی (بدائع الصنائع ۵/۱۸۱)۔

امام سرحسی فرماتے ہیں:

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ عقیقہ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اسی طرح جائز ہے جس طرح ”منقول“ کی بیع بعد القبض جائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ تصرف کی اجازت ملکیت کی وجہ سے ہوتی ہے نہ کہ قبضہ کی وجہ سے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر کوئی شخص اپنی ایسی ملکیت کو فروخت کرے جو مودع یا غاصب کے قبضہ میں ہو اور وہ مودع و غاصب اس شخص کی ملکیت کا اقرار بھی کرتے ہوں تو بیع جائز ہوگی (حالانکہ وہ اس شخص کے قبضہ میں نہیں ہے) کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر تصرف کی اجازت دینے والی ملکیت میں ایسا غرر ہو جس سے بچنا ممکن ہو تو یہ تصرف کے جواز کے لئے مانع ہوگا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ”بیع غرر“ سے منع فرمایا ہے، لہذا جائیداد منقولہ میں قبل القبض بیع کرنے میں یہ غرر ہے کیونکہ اس کے ہلاک ہو جانے سے بیع ٹوٹ جائے گی اور مشتری کی ملکیت باطل ہو جائے گی، اور جب قبضہ کر لے گا تو یہ غرر منشی ہو جائے گا اور صرف ایک غرر باقی رہے گا، وہ یہ کہ وہ چیز کہیں کسی اور کی نہ نکلے، لیکن اس غرر سے بچنا ممکن نہیں (کیونکہ یہ تو بیع کی ہر صورت میں پایا جاسکتا ہے)، عقیقہ کی قبل القبض بیع میں مشتری کی ملکیت میں یہی ”غرر استحقاق“ ہے، کیونکہ عقیقہ کی ہلاکت متصور نہیں اور اس کی وجہ سے بیع کا فسخ ہو جانا بھی متصور نہیں، اور غرر کا منشی ہو جانا اس کے سبب کے بالکل عدم تصور کی وجہ سے ابلغ ہے، اس غرر کے منشی ہونے سے جس کے سبب کا تصور کیا گیا، لیکن اس نے عمل نہیں کیا، بیع میں ”غرر استحقاق“ کا تصور ہوتا ہے، لیکن اس سے احتراز ممکن نہیں یعنی غرر فسخ عقد کا سبب ہی منشی ہے، اس کے برعکس غرر استحقاق کا سبب متصور ہے، مگر عمل نہیں کرتا، لہذا سبب کا ہی منشی ہو جانا سبب کے پائے جانے کے بعد احتراز ممکن نہ ہونے کی وجہ سے عمل نہ کرنے کے مقابلے میں ابلغ ہے (مبسوط ۱۳/۹)۔

امام ابن ہمامؒ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:

ترجمہ: جو چیز منع اور نہی کا باعث ہے وہ غرر ”انفساخ“ ہے بیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں، وہ یہاں منشی ہے کیونکہ عقیقہ کا ہلاک ہو جانا نادر ہے، اور جو نادر ہو اس کا اعتبار نہیں

ہوتا، اور احکام فقہیہ اس پر مبنی نہیں ہوتے، لہذا مانع جواز نہ ہوگا، کیونکہ اس کا ہلاک ہو جانا متصور نہیں، الا یہ کہ وہ دریا وغیرہ بن جائے، یہاں تک کہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسئلہ اس جگہ کے متعلق ہے جس کے دریا ہو جانے یا اس پر ریت وغیرہ کے غالب آ جانے کا اندیشہ نہ ہو، لیکن جو جگہ اس سے مامون نہ ہو وہاں قبل القبض بیع اسی طرح جائز نہ ہوگی جس طرح منقول میں، اسے مجبوی نے ذکر کیا ہے، اور اختیار میں ہے کہ اگر زمین دریا کے کنارے پر ہو یا بیع انتہائی بلندی پر تو اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے (فتح القدیر ۱/۶۷۱)۔

عبارات مذکورہ کا حاصل یہ ہے کہ اشیاء غیر منقولہ (عقار) میں بھی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اسی وقت جائز ہے جب اندیشہ کسب و ہلاکت نہ ہو، لیکن اگر اندیشہ ہلاکت ہو تو اس کا حکم اشیاء منقولہ کا ہی ہے، یعنی اس میں قبل القبض بیع جائز نہ ہوگی۔

اب تک کے مباحث سے سوال (۱، ۲، ۳، ۴، ۵) کے جوابات واضح ہو چکے ہیں،

باقی ماندہ دو سوالات کے جوابات نیچے درج کئے جاتے ہیں:

۶۔ یہ خرید و فروخت جائز ہے، اول وہلہ میں فیکٹری کی حیثیت بائع کی ہے، ثانیاً مشتری اول کے وکیل کی جسے سوال میں خریدار نمبر (۱) سے تعبیر کیا گیا ہے، دونوں میں کوئی منافات نہیں۔
”اصول الشاشی“ کی یہ عبارت اس کی صریح نظیر ہے:

”وإذا قال أعتق عبدك عني بألف درهم، فقال: أعتقت يقع العتق عن الأمر فيجب عليه الألف، ولو كان الأمر نوى به الكفارة يقع عما نوى، و ذلك؛ لأن قوله أعتقه عني بألف درهم يقتضي معنى قوله بعه بألف ثم كن وكيلى بالإعتاق فأعتقه عني فيثبت البيع بطريق الاقتضاء و يثبت القبول كذلك“ (اصول الشاشی ص ۳۲)۔

(جب کہے ”آزاد کرو اپنے غلام کو میری طرف سے ایک ہزار درہم میں“ پس دوسرا کہے ”میں نے آزاد کر دیا“ تو یہ آزادی آمر کی طرف سے واقع ہوگی اور اس پر ایک ہزار درہم

واجب ہو جائیں گے، اور اگر آمر نے اس کے ذریعہ کسی کفارہ کا ارادہ کیا تو یہ آزادی اسی کی طرف سے ہوئی جس کی نیت کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے شخص کا قول ”غلام کو میری طرف سے ایک ہزار درہم میں آزاد کر دو“ اس بات کو چاہتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ تم مجھے اپنے غلام کو ایک ہزار میں فروخت کر دو، پھر میرے وکیل بالا عتاق بن کر میری طرف سے اسے آزاد کر دو، لہذا بیع بطریق الاقتضاء ثابت ہوگی اور ایسے ہی قبول بھی بطریق الاقتضاء ثابت ہوگا۔

۷۔۔۔ یہ صورت جائز نہیں ہے، بیع فاسد ہے، حدیث نبوی ”ولا ربح مالہم بضمن“ کی شرح کرتے ہوئے مشہور حنفی عالم ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں۔

ترجمہ: اس سے مراد وہ نفع ہے جو کسی چیز کو خریدنے کے بعد اس پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع کرنے سے حاصل ہو، اور وہ بائع کے ضمان سے مشتری کے ضمان کی طرف منتقل نہ ہوا ہو، اس لئے کہ اس کی بیع فاسد ہے..... اور کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز کا نفع اسی وقت حلال ہوتا ہے جب خسارہ کی ذمہ داری بیچنے والے پر ہو، پس اگر خسارہ کی ذمہ داری اس پر نہ ہو، مثلاً قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جب تلف ہو جائے، تو اس کا ضمان بائع پر ہے اور مشتری کو حق نہیں ہے کہ اس کا وہ نفع واپس لے جس سے بائع قبل القبض منتفع ہو چکا ہے، اس لئے کہ بیع قبضہ کے ذریعہ مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوئی، پس اس کے لئے قبل القبض بیع کا نفع بھی حلال نہ ہوگا۔

اس پہلے خریدار کی فروختگی اسی وقت جائز ہو سکتی ہے جب وہ مال اس کے ضمان میں ہو، اصلۃً یا نیابۃً و وکالۃً، یہاں اصلۃً ممکن نہیں، وکالۃً و نیابۃً ممکن ہے، جبکہ اس خریدار نے اسی طریقہ (شیپنگ) سے مال منگوایا ہو، اس صورت میں مال بردار جہاز کا عملہ پہلے خریدار کا وکیل مانا جائیگا، اور نقصان کی صورت میں وہی پہلا خریدار ضامن بھی ہوگا۔

لیکن اگر پہلا خریدار ضامن نہ ہو اور اس نے مال کی وصولی سے پہلے کسی شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تو بیع جائز نہ ہوگی۔

قبضہ سے پہلے بیع و شراء کا حکم

مولانا محمد زید مظاہری ندوی

۱۔ احادیث صحیحہ (مصنف عبدالرزاق ۳۹۸، مسلم شریف، ابوداؤد وغیرہ) کی وجہ سے تمام ائمہ اور اہل علم اس پر متفق ہیں کہ مشتری کیلئے قبضہ سے پہلے اس کی بیع ناجائز ہے، اور یہ ایک ایسا اجتماعی مسئلہ ہے کہ صحابہ اور اہل علم میں سے کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں، البتہ عثمان بنی سے اس کا جواز منقول ہے، لیکن تمام علماء نے ان کے قول کو مردود قرار دیا ہے۔

”لا يجوز للمشتري بيع أى شئ كان ما كان حتى يقبضه وهو قول جابر، ولا يعرف مخالف فى الصحابة، ولا خلاف فيه بين أهل العلم إلا ما حكى عثمان البتى من جواز البيع كل شئ قبل قبضه وهو قول مردود“ (مسوۃ الفقہ الاسلامی ۱/ ۱۸۳)۔

ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ قول سنت اور اجتماعی مسئلہ کی دلیل سے بالکل مردود ہے، ایسے قول کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھا جائے گا۔

”قال ابن عبد البر هذا قول مردود بالسنة والحجة المجمعۃ علی الطعام وأظنه لم یبلغه هذا الحدیث ومثل هذا لم یلتفت“ (المغنی ۴/ ۱۱۳، تاملۃ فتح الملہم شرح مسلم)۔

اب رہی یہ بات کہ قبل القبض بیع، بیع فاسد ہے یا باطل؟ تو امام شافعیؒ کے نزدیک تو بیع فاسد و باطل میں کوئی فرق ہی نہیں ان کے نزدیک دونوں ایک ہیں، البتہ احناف کے نزدیک قبل

القبض بیع، بیع فاسد ہے، نہ کہ باطل، کیونکہ فاسد و باطل کے مابین امتیازی فرق یہی ہے کہ بیع باطل اس کو کہتے ہیں جس میں عوضین بیع کے قابل، یعنی مال نہ ہوں، اور اگر عوضین مال تو ہوں، لیکن بیع کی عدم صحت کے دوسرے اسباب مثلاً شرط فاسد، کسی نص کی مخالفت، ربا وغیرہ لازم آئے تب بیع فاسد ہوتی ہے، ملا علی قاری اور دوسرے فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

”والباطل والفساد عند الشافعية واحد وتحرير مذهب الحنفية أن العوضين إن لم يكونا قابلين للبيع فهو باطل وإن كانا قابلين لكن اشتتملا على مقتضى عدم الصحة كالربا ففساد ويفيد بالقبض الملك النخيث“ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۲/۷۶)۔

اور قبل القبض بیع میں بیع میں بائع ثانی کی ملک تو محض عقد سے ثابت ہو جاتی ہے گو قبضہ نہیں ہوتا ”إن ملك التصرف يستفاد بالقبض كما أن ملك العين يستفاد بالعقد“ (مبسوط ۱۳/۹) اس لئے یہ بیع بیع فاسد ہوگی اور اس میں بیع فاسد کے احکام جاری ہوں گے، چنانچہ عنایہ شرح ہدایہ میں قبل القبض بیع کے بیع فاسد ہونے کی صراحت موجود ہے۔

”والنهي يقتضي الفساد فيكون البيع فاسدا قبل القبض“ (عنایہ علی ہاشم فتح القدیر ۲/۱۳۷)۔

۳، ۳۔ قبضہ کی حقیقت اور اشیاء منقولہ وغیرہ منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کا فرق:

قبضہ کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کوئی شی کسی کے حرز و ضمان میں آجائے، یعنی اس کے زیر اثر و زیر تصرف ہو جائے کہ وہ اس میں جو چاہے تصرف کرے، کوئی نقصان و تاوان ہوگا تو وہ بھی اسی کا ہوگا، قبضہ کی اصل حقیقت یہی ہے، باقی تفصیلات وہ سب اسی حقیقت کی علامات ہیں۔

”أما القبض فهو أن يأتي بالشيء في حرزه وضمانه كذا يظهر من كلام

الحافظ في الفتح“ (تکملۃ فتح البہیم للشیخ تقی عثمانی ۱/۳۵۰، فتح الباری ۳/۲۳۹)۔

کتاب و سنت نے قبضہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی، البتہ فقہاء کرام نے اپنے

اجتہاد سے اشیاء کے منقولہ و غیر منقولہ ہونے کے اعتبار سے قبضہ کی خاص صورتوں کی تعیین کی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہر شی کا قبضہ اس کی شان کے مطابق ہوتا ہے، چونکہ شریعت نے قبضہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی، اس لئے اس کا مدار عرف پر ہے۔

”قال ابن قدامة قبض كل شی بحسابه... لأن القبض مطلق في الشرع، فيجب الرجوع فيه إلى العرف كالإحراز والتفرق“ (المغنی ۱۲۵/۳-۱۲۶)

اشیاء غیر منقولہ میں تو صرف تحلیہ کافی ہے (یعنی زمین و مکان سے اپنا قبضہ و تصرف ہٹا کر اس کو خالی کر دینا)، کیونکہ عرف میں تحلیہ ہی سے زمین پر قبضہ سمجھا جاتا ہے اور اشیاء منقولہ میں حمل و نقل کے ذریعہ اور لینے دینے کی چیزوں میں ہاتھ میں لینے سے قبضہ سمجھا جائے گا۔

قبضہ کی یہ تعریف و تفصیل امام احمد و امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق ابن قدامہ نے ”المغنی“ میں اور امام نوویؒ نے ”شرح مہذب“ میں اور حافظ ابن حجر نے ”فتح الباری“ میں نقل فرمائی ہے:

”قال النووي: قد ذكرنا أن مذهبنا أن القبض في العقار ونحوه بالتخلية، وفي المنقول بالنقل، وفي المتناول باليد المتناول، وبه قال أحمد“ (شرح مہذب للنووی ۹/۲۸۳)

”وقال الحافظ في الفتح: وفي صفة القبض عن الشافعي تفصيل فما يتناول باليد كالدرهم والدنانير والثوب فقبضه بالتناول“ (فتح الباری ۳/۳۵۰)

۲۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک اشیاء منقولہ و غیر منقولہ دونوں ہی میں تحلیہ کافی ہے، یعنی یہ کہ بائع اپنا قبضہ ہٹا کر مشتری کیلئے راستہ چھوڑ دے کہ اگر وہ قبضہ کرنا چاہے تو کر سکے۔

”وقال مالک و أبو حنيفة: القبض في جميع الأشياء بالتخلية قياسا

علی العقار“ (شرح مہذب للہودی ۲۸۳/۹)۔

امام مالک سے یہ بھی منقول ہے کہ اشیاء غیر منقولہ میں تو قبضہ کا مدار تخلیہ پر ہے اور اشیاء منقولہ میں قبضہ کا مدار عرف پر ہے، یعنی عرف میں جس صورت میں قبضہ سمجھا جاتا ہو بس وہی کافی ہے (الفقہ الاسلامی وادلہ ۴/۳۱۹)۔

فقہاء حنفیہ کے نزدیک قبضہ کا مفہوم و توسع:

قبضہ کے مفہوم میں سب سے زائد توسع فقہاء احناف کے یہاں پایا جاتا ہے، چنانچہ: (مبسوط سرخسی، بدائع الصنائع، فتح القدیر، البحر الرائق) وغیرہ میں تصریح ہے کہ اشیاء منقولہ ہوں یا غیر منقولہ سب میں قبضہ کی حقیقت تسلیم و تخلیہ ہے، یعنی بائع مشتری کو بیع کے حق میں اس طرح کر دے کہ مشتری اگر اس پر قبضہ کرنا چاہے تو درمیان میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ ہو جو حقیقت یا عرف و عادت کے اعتبار سے قبضہ کیلئے مانع ہو، یعنی بائع کی جانب سے تسلیم و اختیار اور مشتری کی جانب سے قدرت، بس یہ حاصل ہے قبضہ کا، قبضہ کی اس حقیقت کے پائے جانے کے بعد بھی اگر بیع بائع کے پاس موجود رہے تو وہ بطور امانت ہوگی۔

”لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة حقيقة، وقال: فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه، فيجعل البائع مسلماً والمشتري قابضاً“ (بدائع ۱۳۸/۵-۲۴۱، فتح القدیر ۵/۳۹۶، البحر ۵/۳۰۸)۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ قبضہ کی اس حقیقت کے تحقق کیلئے بھی مشتری یا اس کے نائب کا قریب میں حاضر ہونا ضروری ہے، حتیٰ کہ اگر زمین جائیداد بھی خریدی جائے اس میں فقہاء نے مشتری کی حاضری کو ضروری قرار دیا ہے۔

”إذا باع ضيعة وخلي بينها وبين المشتري إن كان يقرب منها يصير

قابضاً، وإن كان بعيد لا يصير قابضاً... المعبر فيها القرب الذى يتصور معه حقيقة القبض“ (رد المحتار ۴/۴۳)۔

ابن ہمام اور ابن نجیم نے اجناس کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ قبضہ اور تسلیم کے معتبر اور صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں: ایک تو یہ کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں نے تمہارے اور بیع کے درمیان راستہ چھوڑ دیا، یعنی بیع سے اپنا قبضہ ہٹا کر تمہارے حوالہ کیا، دوسری شرط یہ کہ مشتری اس وقت موجود ہو کہ قبضہ کرنے سے اس کو کوئی مانع نہ ہو، تیسری شرط یہ کہ وہ شی علیحدہ ہو، یعنی غیر کا حق اس سے متعلق نہ ہو۔

”وفى الاجناس: يعتبر فى صحة التسليم ثلاثة معان أن يقول خليت بينك وبين المبيع وأن يكون بحضرة المشتري على صفة يتأتى فيه الفعل من غير مانع وأن يكون مفرداً غير مشغول بحق غيره“ (المحرر ۵/۳۰۸، فتح القدير، مجمع الأنهر)۔
الغرض قبضہ کیلئے بائع کی جانب سے تخلیہ و تسلیم، اور مشتری کی موجودگی اور بیع پر بغیر کسی رکاوٹ کے قبضہ کی قدرت، بس یہی حاصل ہے قبضہ کا۔

البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ قبضہ پر قدرت کی کیفیت بیع کے حال کے اعتبار سے مختلف ہوگی، چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس کی تصریح فرمائی ہے، مثلاً کسی گودام میں بھرے ہوئے غلہ کی بیع کی تو بائع کا گودام کی چابی مشتری کے حوالہ کر دینا جس سے کہ وہ بلا تکلف دروازہ کھول سکے، بس قبضہ کے لئے اتنی بات کافی ہے، کسی جانور مثلاً گائے وغیرہ پر قبضہ کیلئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ مشتری کو دکھلا دیا یا اشارہ کر دیا کہ وہ گائے موجود ہے چراگاہ میں، کپڑوں وغیرہ میں قبضہ اس طرح ہوگا کہ اگر ہاتھ پھیلا کر لینا چاہے تو لے سکے۔

”إن التحلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع، ففى نحو حنطة فى بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض... إلى قوله: وفى نحو بقر فى مرعى، فكونه بحيث

یوری ویشار إلیہ قبض، وفی نحو ثوب، فکونه بحیث لو مد یدہ تصل إلیہ قبض“ (شامی ۴/۲۳)۔

قبض کی دو قسمیں:

۱۔ حقیقی، ۲۔ حکمی۔

فقہاء احناف نے قبض کی دو قسمیں فرمائی ہیں: قبضہ حقیقی، قبضہ حکمی۔

حقیقی قبضہ تو یہی ہے کہ کسی شے کو ہاتھ سے اپنے قبضہ میں لے لیا جائے: ”لأن حقيقة القبض التسلم باليد“ (حاشیہ البحر ۵/۳۰۸) اس کو قبضہ حسی بھی کہتے ہیں، فقہاء کی تصریح کے مطابق قبضہ حسی کی طرح قبضہ معنوی و حکمی بھی ہوتا ہے بلکہ ”تخلیه“ کی حقیقت بھی قبضہ حکمی ہی ہے۔
”و حاصله أن التخلية قبض حکما“ (رد المحتار ۴/۲۳)۔

قبضہ معنوی کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، فقہاء کے کلام میں تتبع کرنے، اصول و جزئیات پر نظر کرنے سے بنیادی طور پر دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں جن سے قبضہ حکمی کا تحقق ہوتا ہے:

۱۔ ایک تو یہ کہ مشتری بیع میں ایسا کوئی اقدام یا ایسا کوئی تصرف کرے جس سے بیع تلف یا عیب دار ہو جائے، یا اس کی ملک سے خارج ہو کر دوسرے کی ملک میں منتقل ہو جائے، یہ تصرف اور یہ اقدام قبضہ حکمی ہے جس سے کہ بیع بائع کے ضمان سے خارج ہو کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے۔

”وأما الثاني: فالمشتری إذا أتلّف المبيع أو أحدث عيباً قبل القبض يصير قابضاً“ (البحر ۵/۳۰۷)۔

کیونکہ جب تخلیه و تمکین کو قبضہ کہا گیا ہے (جس کا حاصل قدرت علی التصرف ہے) تو نفس تصرف جو قدرت علی التصرف سے بڑھ کر ہے بدرجہ اولی قبضہ کہنا چاہئے۔

”لأنه صار قابضاً بالتخلية فبالإتلاف أولى؛ لأن التخلية تمكين من

التصرف فى المبيع والإتلاف تصرف فيه حقيقة“ (بدائع ۵/۲۲۲)۔

البتہ ان تصرفات میں کچھ تفصیل ہے ہر تصرف کو قبضہ کیلئے کافی نہیں سمجھا گیا، اصولی طور پر تصرفات کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ تصرفات کہ قبضہ کے بغیر جن کی تکمیل نہیں ہوتی، مثلاً ہبہ، عاریت، ودیعت وغیرہ، کہ جب تک قبضہ کامل نہ ہو یہ تصرفات ناقص رہتے ہیں، دوسرے وہ تصرفات کہ قبضہ کے بغیر بھی درست ہو جاتے ہیں، مثلاً بیع وغیرہ، تو پہلی قسم کے تصرفات سے تو مشتری بیع پر قابض سمجھا جائے گا اور دوسری قسم کے تصرفات میں مشتری بیع پر قابض نہ سمجھا جائے گا، یعنی پہلی قسم کے تصرفات قبضہ حکمی میں داخل ہیں اور دوسری صورت کے نہیں۔

مذکورہ بالا تفصیل بحر، عنایہ، فتح القدیر، خانیہ وغیرہ میں امام محمدؒ کے حوالہ سے منقول ہے (دیکھئے: فتح القدیر ۶/۱۳۷، عنایہ شرح ہدایہ ۶/۱۳۶، بحر ۵/۳۰۷، شامی ۴/۴۲)۔

اس تفصیل کے پیش نظر مشتری نے اگر بیع پر قبضہ سے پہلے بیع کر دی تو درست نہیں، البتہ اگر قبضہ سے پہلے ہبہ کر دیا تو درست ہے، چنانچہ ”قاولی بزازیہ“ میں اس کی صراحت موجود ہے:

”لا یصح بیع المنقول قبل قبضه من البائع أو الأجنبی“ (بزازیہ ۴/۳۹۶)۔

۲۔ قبضہ حکمی و معنوی کا دوسرا معیار یہ ہے کہ انعقاد بیع کے بعد خود مشتری یا اس کا نائب وکیل ایسی کوئی بھی صورت اختیار کرے جس سے کہ عرف میں وہ بیع مشتری کیلئے نامزد، مخصوص و متعین اور زیر اثر و تصرف سمجھی جائے، بس اسی سے مشتری کو قابض سمجھا جائے گا، گو بیع بائع کے پاس موجود ہو، مثال کے طور پر فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص نے سر کہ یا اس جیسی کوئی شی خریدی جو ابھی بائع کی دکان یا اس کے گھر میں موجود ہے اور اسی حال میں بائع نے مشتری کو بیع پر قبضہ کرنے کا اختیار دیا، اور مشتری نے بیع پر مہر یا ایسی کوئی علامت لگا دی جس سے وہ بیع متعین اور نامزد ہو گئی گویا مشتری نے اس کو اپنے زیر اثر و تصرف کر لیا، اس صورت کے متعلق ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مشتری کو بیع پر قابض سمجھا جائے گا اور بیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو گئی گویا بھی

بائع کے پاس ہی موجود ہے۔

”ولو باع خلا ونحوه فی دن و خلی بینہ و بین المشتري فی دار نفسه و ختم المشتري علی الدن فهو قبض“ (فتح القدیر ۴/۵۹۷)۔

اسی طرح فقہاء نے اور بھی جزئیات تحریر فرمائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشتری کا بائع سے ایسی کوئی بات کہنا یا ایسی کوئی صورت اختیار کرنا جس سے کہ عرف میں بیع مشتری کے حرز و ضمان میں سمجھی جاتی ہو اور اسی کے زیر اثر و تصرف ہو جاتی ہو قبضہ کے قائم مقام ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر کسی شخص نے غلہ خرید کر بائع سے یوں کہا کہ اس کو چکی میں پیس دو، یا غلہ خرید کر یوں کہا کہ اس کو اس بورے میں بھر دو، اتنا کہنے سے مشتری کو بیع پر قابض سمجھا جائے گا، اس کے بعد اب بائع جو تصرف کرے گا، یعنی بورے میں غلہ بھرنا، آنا پینا یہ سب مشتری کی نیابت اور وکالت میں ہوگا اور اب بائع کا قبضہ مشتری کا قبضہ سمجھا جائے گا، اب ایسی صورت میں اگر بائع مشتری کے حکم سے بیع کسی دوسری جگہ بھیجے گا تو وہ مشتری کی نیابت ہی میں بھیجے گا، یہ وہ تفصیل ہے جو علامہ کاسانی نے ”بدائع الصنائع“ میں تحریر فرمائی ہے:

”ولو اشتری من إنسان کرا بعینه و دفع غرائره وأمره بأن یکیل ففعل صار قابضا سواء کان المشتري حاضرا أو غائبا؛ لأن المعقود علیه معین، وقد ملکہ المشتري بنفس العقد فصح أمر المشتري؛ لأنه تناول عینا هو ملکہ فصح أمره و صار البائع و کیلا له و صارت یدہ ید المشتري، و کذلک الطحن إذا طحن البائع بأمر المشتري صار قابضا“ (بدائع ۲۳/۵)۔

اس تفصیل کے پیش نظر اگر کوئی شخص، مثلاً کسی فیکٹری یا کمپنی سے مال خریدتا ہے اور کمپنی سے فروخت شدہ مال کو دوسری جگہ اپنے مشتری کے پاس بھیجنے کو کہتا ہے، ایسی صورت میں مشتری کا اپنے مخصوص و متعین مال کو دوسری جگہ بھیجنے کیلئے کہنا ہی قبضہ کے قائم مقام سمجھنا چاہئے، جیسا کہ غلہ خرید کر آنا پینے کا حکم دینے کو قبضہ کے قائم مقام کیا گیا۔

لیکن چونکہ یہ کہنا اور دوسری جگہ بھیجنے کا حکم دینا ہی قبضہ کے قائم مقام ہے، لہذا اس حکم سے پہلے اگر دوسری جگہ اس مال کی بیع کر چکا ہے پھر بھیجنے کا حکم دیا تو یہ صورت بیع قبل القبض کی ہوگی اور ناجائز ہوگی، البتہ بھیجنے کا حکم پہلے دے کر پھر اپنے مشتری سے معاملہ کیا جائے تو یہ صورت بعد القبض بیع کی ہوگی اور درست ہوگی۔

”ولو اودعه أو أعاره أجنبيا صار قابضا؛ لأن الإعارة والإيداع صحيح“ (بخاری ۲۴۶۵)۔

قبل القبض بیع کی ممانعت کی علت:

بیع قبل القبض کی ممانعت متعدد احادیث میں وارد ہوئی ہے، ائمہ مجتہدین نے ان احادیث کو معلول بالعلت قرار دیا ہے، اگر علت پائی جائے گی تو ممانعت کا حکم باقی رہے گا، ورنہ نہیں۔

ائمہ مجتہدین کے کلام میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل القبض بیع کی ممانعت کی تین علتیں ہیں اور وہ علتیں ایسی ہیں جو خود بھی مستقلاً حدیث سے ثابت ہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) احتمال غرر، (۲) ربح مالم یضمّن، (۳) احتمال ربا النسیہ۔

پہلی علت:

پہلی علت یعنی ”احتمال غرر“ اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ قبل القبض بیع کرنے میں اس بات کا خطرہ اور احتمال ہے کہ شاید قبضہ سے پہلے بیع ہلاک ہو جائے اور فتح عقد کی نوبت آجائے کیونکہ مشتری خود نہیں جانتا کہ قبضہ سے پہلے بیع باقی رہے گی یا ہلاک ہو جائے گی اور اسی حال میں بیع کر رہا ہے، یہ صورت بلاشبہ غرر و خطر کی ہے، اور غرر حرام ہے، بکثرت احادیث و آثار صحابہ میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، الغرض چونکہ قبل القبض بیع میں غرر کا احتمال ہے جس کی ممانعت منصوص ہے اس علت کے پیش نظر قبل القبض بیع ممنوع ہے:

”لا يجوز بيع المنقول قبل القبض؛ لأن فيه غرر انفساخ العقد على

اعتبار الہلاک قبل القبض؛ لآنه إذا هلك المبيع قبل القبض يفسخ العقد فيتبين أنه باع ما لا يملك والغرر حرام لما روينا أي أنه يحتمل الہلاک فلا يدرى المشتري هل يبقى المبيع أو يهلك قبل القبض“ (تبيين الحقائق ۸۰۴، فتح القدیر ۱۳۶/۲، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۷۳)۔

اس علت کا فقہاء احناف نے خاص طور پر ذکر فرمایا ہے، اسی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اشیاء غیر منقولہ جائیداد وغیرہ کی قبل القبض بھی بیع جائز ہے، کیونکہ ممانعت کی علت، یعنی بیع کی ہلاکت کا احتمال اور غرر کا خطرہ اس میں نہیں ہے، اور اگر اس میں بھی ہو تو پھر اس کا بھی یہی حکم ہے، امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ شوافع وحنابلہ نے بھی اس علت کو اختیار فرمایا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۷۳-۴۷۵)۔

دوسری علت:

قبل القبض بیع ممنوع ہونے کی دوسری علت ”ربح مالم یضمن“ ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ بیع سے مقصود ربح، یعنی نفع حاصل کرنا ہے اور ”ربح مالم یضمن“ یعنی مشتری کا ایسی شئی سے نفع حاصل کرنا جو ابھی اس کے ضمان میں نہ آئی ہو شرعاً منہی عنہ ہے، حضور ﷺ نے صراحتاً اس سے منع فرمایا ہے۔

”عن عمرو بن شعيب عن أبيه: نهى رسول الله ﷺ عن سلف، وعن بيع ما ليس عندك، وعن ربح مال لم تضمن“ (مصنف عبد الرزاق ۳۹/۸)۔

اور قبل القبض بیع ربح مالم یضمن کو مستلزم ہے، لہذا جب تک بیع مشتری کے ضمان میں نہ آجائے اس وقت تک اس کی بیع درست نہ ہوگی، اور ضمان میں آنے کی شکل صرف قبضہ ہے نہ کہ شرط ضمان، اسی وجہ سے امام ترمذیؒ نے امام احمدؒ سے حدیث کے الفاظ ”مالم یضمن“ کی تفسیر ”مالم یقبض“ سے فرمائی ہے۔

”قوله لم تضمن فسرہ أحمد بقوله ما لم تقبض، ذكرہ الترمذی“ (حوالہ)

سابقہ۔

ممانعت کی اس علت کو امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمدؒ نے اختیار فرمایا ہے، اور اس علت ہی کی وجہ سے اپنے استاد و امام کے مسلک کے خلاف اشیاء غیر منقولہ کی بیع کو بھی قبضہ سے پہلے ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ اگرچہ اس میں ہلاکت کا خطرہ نہ ہونے کی وجہ غرر کا احتمال نہیں لیکن ”ربح مالہ یضمن“ کی علت تو موجود ہے کہ ایک شی کے ضمان میں داخل ہوئے بغیر اس سے نفع اٹھا رہا ہے اور یہ منہی عنہ ہے۔

”وقال صاحبہ: إن لم یکن فیہ غرر الانفساخ ففی بیعہ قبل القبض ربح ما لم یضمن، وهو منہی عنہ“ (إعلاء السنن ۱۳/۲۲۵، مبسوط ۹/۳، عتایہ علی البہاش ۱۳۷/۶)۔

تیسری علت:

قبل القبض بیع ممنوع ہونے کی تیسری علت ”احتمال ربا النسیئہ“ ہے، اس کو صرف مالکیہ نے اختیار کیا ہے اور بطور حکمت کے ابن قیمؒ نے بھی تہذیب السنن (۱۳۷/۵) میں ذکر فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ قبل القبض بیع ”ربا النسیئہ“ کا ذریعہ ہے، اس لئے سد ذرائع کے طور پر اس کی ممانعت کی گئی، اور وہ اس طرح کہ مثلاً ایک شخص نے سو روپے کا غلہ خریدا اور غلہ پر قبضہ کئے بغیر اس مشتری نے دوسرے کے ہاتھ ایک سو بیس روپے میں فروخت کر دیا تو یہ ایسا ہوا کہ گویا اس نے سو روپے کے عوض سو روپے دیئے اور یہ بیس روپے سود کے ہو گئے، کیونکہ مشتری نے بیع میں کچھ بھی تصرف نہیں کیا، یہ تفصیل اسی مثال کے ساتھ علامہ شوکانیؒ نے تحریر فرمائی ہے جس کو مولانا ظفر احمد تھانویؒ نے نقل فرمایا ہے (تفصیل کے لئے دیکھئے: نیل الاوطار ۲۱/۵، إعلاء السنن ۱۳/۲۲۵)۔

چونکہ یہ صورت ربا نسیئہ کے مشابہ ہے، اس لئے سد ذرائع کے طور پر اس کی ممانعت کی گئی، اور چونکہ اس کی علت ربا نسیئہ ہے اسی وجہ سے امام مالکؒ کے نزدیک اس کی ممانعت

صرف مطعومات، یعنی کھانے پینے کی چیزوں میں ہوگی وہ بھی اس وقت، جبکہ کیل و وزن کے ساتھ اس کی بیع ہو، اور اگر اس کے بغیر ہو تو ارتقاع علت کی وجہ سے یہ ممانعت بھی نہ ہوگی، بلکہ قبل القبض بھی اس کی بیع (جزافاً) جائز ہوگی (دیکھئے: الفقہ الاسلامی ۴/۳۷۷)۔

ممانعت کی یہ علت حضرت ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے، علامہ شوکانی نے اس کی تحسین فرمائی ہے:

”و سئل ابن عباس عن سبب هذا النهي فقال الدراهم بالدراهم والطعام ربا الخ“ (نیل الاوطار ۵/۲۱، إعلاء السنن ۱۳/۲۲۵)۔

اور بعض علماء کے فرمان کے مطابق قبل القبض بیع کی ممانعت معلول بالعلت نہیں، بلکہ یہ امر تعبدی ہے (الفقہ علی المذاهب ۲/۲۳۵)۔

الغرض قبل القبض بیع کی ممانعت پر ائمہ اربعہ متفق ہیں گو علتوں میں فرق ہے، اور قبل القبض ممانعت کی بیع اتنی شدید ہے کہ مسلم شریف کی ایک روایت میں قبل القبض بیع کرنے پر ضرب و تادیب کا ذکر آیا ہے (مسلم شریف حدیث نمبر ۳۷۳۰، تلمذ فتح الملہم ۷/۳۵۷)۔

بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم عام ہے یا مخصوص:

جن احادیث میں قبل القبض بیع کی ممانعت آئی ہے وہ مطلق ہیں اور عام ہیں جس کا مقتضی یہ تھا کہ یہ حکم اشیاء منقولہ وغیر منقولہ سب کو عام ہوتا، لیکن ائمہ مجتہدین نے حدیث کی علت کے پیش نظر اس حکم میں تخصیص فرمائی ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) حضرت امام شافعی اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم منقولات، غیر منقولات، مکملات و موزونات، مذروعات و عددیات سب کو عام ہے، کسی بھی بیع کی بیع قبل القبض درست نہیں، ان حضرات کے نزدیک دلیل اس کی یہی ہے کہ حدیث ”نہی عن بیع مالہ یقبض“ عام ہے، لہذا اس کا حکم بھی عام رہے گا، اور عقلی دلیل یہ ہے کہ بیع کی صحت کے واسطے چونکہ بیع پر قدرت علی التسلیم شرط ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے، جبکہ بیع مقبوض ہو، غیر مقبوض پر قدرت علی

المستقیم کا تحقیق نہیں ہوتا (المہذب ۱/ ۲۶۳، الفقه الاسلامی وأدلتہ ۴/ ۵۷۴، إعلاء السنن ۱۳/ ۲۲۳)۔

(۲) امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ قبل القبض بیع کی ممانعت کا حکم اشیاء منقولہ کے ساتھ

خاص ہے۔

”إن أبا حنيفة خص النصوص بالمنقول بعله النهي وهو غرر انفساخ

العقد بالهلاك قبل القبض“ (إعلاء السنن ۱۳/ ۲۲۳)۔

اشیاء غیر منقولہ اس سے مستثنیٰ ہیں، کیونکہ اس کی علت بیع کی ہلاکت کا خطرہ اور اس کے نتیجہ میں فسخ عقد کا احتمال ہے جو غرر کی صورت ہے اور یہ علت اشیاء غیر منقولہ میں نہیں پائی جاتی، علت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے معلول، یعنی ممانعت کا حکم بھی نہ پایا جائے گا، اور بالفرض اگر اشیاء غیر منقولہ میں بھی یہ احتمال موجود ہو، مثلاً یہ کہ زمین وغیرہ ایسے موقع پر ہوں جس میں کہ خیاع و ہلاکت کا خطرہ ہو، ایسی صورت میں ممانعت کا حکم اشیاء غیر منقولہ کو بھی شامل ہوگا، زلیعی نے اس کی تصریح فرمائی ہے:

”حتى لو تصور هلاكه قبل القبض لا يجوز بيعه وذلك، بأن كان

على شط النهر ونحوه“ (فتح القدير ۶/ ۱۳۷، تبیین الحقائق ۴/ ۸۰)۔

(۳) امام احمد اور امام مالک کے نزدیک قبل القبض بیع کی ممانعت کا حکم طعام، یعنی

کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ خاص ہے وہ بھی اس وقت جب کہ ان کی بیع کیل یا وزن کے ساتھ ہو، غیر مطعومات اور وہ مطعومات جن کی بیع بغیر کیل و وزن کے ہو اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، یعنی ان کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے۔

امام احمد اور امام مالک کا یہ مسلک ان کے مذہب کی اصل کتابوں میں اسی طرح

منقول ہے اور دلیل اس کی یہ لکھی ہے کہ حدیث میں حضور ﷺ نے صرف طعام کی بیع کو قبل

القبض منع فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ نکلا کہ اس کے مساوی بیع قبل القبض جائز ہے۔

”قال ابن قدامة: وقال الأثرم: سألت أبا عبد الله عن قوله: نهى عن

ربح ما لم یضمن قال: هذا فی الطعام وما أشبهه من مأكول أو مشروب فلا یبعه حتی یقبضه، قال ابن عبد البر: الأصح عن أحمد بن حنبل أن الذی یمنع من بعه قبل قبضه وهو الطعام و ذلك؛ لأن النبی ﷺ نهى عن بیع الطعام قبل قبضه فمفهومه إباحة بیع ما سواه قبل القبض“ (المغنی ۱/۱۲۲)۔

وفی المدونة: قلت: لم وسع مالک فی أن أبیع ما اشتريت قبل أن أقبضه من جمیع الأشياء کلها الطعام والشراب إذا کان جزافا وأبی أن یجیز لی أن أبیع ما اشتريت مما یؤکل یشرب کیلا أو وزنا قلیلا أو کثیرا حتی أقبضه؟ قال: لأن النبی ﷺ نهى عن بیع الطعام قبل أن یتوفی وهو عندنا علی الکیل والوزن وکل شیء ما خلا الطعام و الشراب فهو جائز أن تبعه قبل أن یتوفیه إن كنت اشتريته کیلا أو وزنا أو جزافا فهو سواء لأن الحديث إنما جاء فی الطعام وحده“ (المدونة فی الفقہ المالکی ۱/۸۸)۔

فیکثری اور کمپنی سے خرید اہوا مال قبضہ سے پہلے دوسرے کو فروخت کرنا:

فیکثری سے خرید اہوا مال جس پر کہ ابھی مشتری نے قبضہ بھی نہیں کیا اور معاملہ اس شرط کے ساتھ ہوا کہ نقصان ہونے کی صورت میں بائع کا نہیں، بلکہ مشتری کا نقصان ہوگا، ایسی صورت میں بغیر قبضہ کے بیع فروخت کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

(۱) ظاہر بات ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک صورت مسئلہ میں جب قبضہ حسی یا معنوی نہیں پایا گیا تو بالاشبہ یہ صورت ناجائز ہونی چاہئے اور مشتری پر ضمان کی شرط عائد کرنے کے باوجود بیع بائع کے ضمان سے خارج نہ ہوگی کیونکہ بیع کے بائع کے ضمان سے خارج ہونے کے لئے قبضہ شرط ہے اور قبضہ یہاں پایا نہیں گیا، لہذا بیع ابھی مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوئی، اور نفس ضمان کی شرط قبضہ کے تحقق کیلئے کافی نہیں، کیونکہ ضمان کا انتقال خود قبضہ پر موقوف ہے اور قبضہ ضمان کا موقوف علیہ ہے، ایک ہی شیء موقوف اور وہی موقوف علیہ ہو یہ کیسے ممکن ہے،

اور اقتضاء قبضہ بھی نہیں کہا جاسکتا ورنہ پھر قبل القبض بیع ممنوع ہونے کی کوئی بھی صورت نہ ہوگی، اور اس مضمون کی احادیث بے معنی ہو کر رہ جائیں گی، یہ گفتگو احناف کے مسلک کے مطابق ہے۔

(۲) حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بھی بیع کے مشتری کے ضمان میں داخل ہونے کیلئے قبضہ شرط ہے اس کے بغیر ضمان منتقل نہ ہوگا، ابن رشد مالکی نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔
 ”وعند الشافعی أن القبض شرط في دخول المبيع في ضمان المشتري“ (بدایۃ المجتہد ۱۰۹)۔

”قال الشافعی: كل مبيع من ضمان البائع حتى يقبضه المشتري“ (المنہج ۱۲۳/۴)۔

(۳) امام مالکؒ کے نزدیک مطعومات کیلیہ وزنہ میں انتقال ضمان کیلئے قبضہ شرط ہے اس کے علاوہ دیگر مبیعات میں نفس عقد ہی سے بیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے۔
 ”وعمدة المالكية أن الجراف ليس فيه حق توفية فهو عندهم من ضمان المشتري بنفس العقد“ (بدایۃ المجتہد ۱۱۰/۲)۔

(۴) امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک مکسلی و موزونی اور معدودی اشیاء کے علاوہ جملہ مبیعات میں قبضہ کے بغیر نفس عقد ہی سے بیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے۔
 ”ما عدا المكمل والموزون والمعدود فإنه يدخل في ضمان المشتري قبل قبضه“ (المنہج ۱۲۳/۴)۔

حافظ ابن حجرؒ نے ”فتح الباری“ میں امام احمد بن حنبلؒ کے مسلک پر ایک مسئلہ کے ضمن میں تفریع کرتے ہوئے نقل کیا ہے کہ اگر بیع متعین ہو تو نفس عقد ہی سے بیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے۔

”و فرع بعضهم على ذلك أن المبيع إذا كان معينا دخل في ضمان

المشتري بمجرد العقد ولو لم يقبض بخلاف ما يكون في الذمة فإنه لا يكون من ضمان المشتري إلا بعد القبض“ (فتح الباری باب ۵۷: ۴/۳۵۲)۔

مذکورہ بالا مذاہب کی تفصیل کے پیش نظر کسی مسلک کی رو سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ محض یہ شرط لگا دینے سے کہ ”نقصان ہونے کی صورت میں بائع پر اس کا ضمان نہ ہوگا“ اتنا کہہ دینے سے بیع بائع کے ضمان سے خارج نہ ہوگی۔

بالفرض اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ صورت مسئلہ میں بیع مشتری کے ضمان میں داخل ہوگی تب بھی ربح الم یضمن کے علاوہ ممانعت وعدم جواز کی دوسری علت ”قبل القبض“ کی موجود ہے، اور ضمان کی شرط لگا دینے سے قبضہ کا تحقق کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، البتہ جن ائمہ کے یہاں جن صورتوں میں بیع قبل القبض کی اجازت ہے ان صورتوں میں جواز ہوگا جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

جواز اور گنجائش کی صورتیں:

(۱) فیکٹریوں اور کمپنیوں کے توسط سے تجارت کرنے میں جس میں کہ مشتری اول بیع پر قبضہ سے پہلے ہی اس کو فروخت کر دیتا ہے اور اسی کے حکم سے کمپنی مشتری اول کے مشتری کو مال روانہ کر دیتی ہے، ظاہر ہے کہ یہ صورت قبل القبض بیع کی ہے جو احناف و شوافع کے نزدیک تو ناجائز ہے، لیکن مالکیہ و حنابلہ کے نزدیک بلاشبہ جائز ہے، کیونکہ ان حضرات کے نزدیک صرف طعام یعنی کھانے پینے کی چیزیں جو کیل یا وزن سے فروخت کی جائیں ان کی بیع تو قبل القبض ناجائز ہے اس کے علاوہ جملہ اشیاء کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، کیونکہ نفس عقد ہی سے بیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے، اس لئے موجودہ حالات میں کوئی حرج نہیں کہ ضرورت عامہ کے پیش نظر مسلک حنفی سے عدول کر کے مالکیہ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے جواز کا حکم لگایا جائے۔

اس سلسلہ میں محقق تھانویؒ کا فرمان بار بار غور سے پڑھنے کے قابل ہے، وہ فرماتے

ہیں:

”میں نے چاہا تھا کہ تمام اہل معاملہ اپنے اپنے معاملات کو سوالات کی صورت میں جمع کر کے مجھ کو دیں خواہ وہ تجارت پیشہ ہوں یا زراعت پیشہ ہوں یا ملازمت پیشہ، میں کوشش کر کے ان کے متعلق روایتیں جمع کر دوں گا اور احکام بتا دوں گا، اگر کسی مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر جواز نہ نکلتا تو میں نے یہ طے کیا تھا کہ امام شافعی کے مذہب پر فتویٰ دوں گا، امام مالک کے مذہب پر فتویٰ دوں گا، امام احمد بن حنبل کے مذہب پر فتویٰ دوں گا، اور ان سے بھی کوئی صورت نہ نکلے گی تو ان کی سہل تدابیر بتا دوں گا کہ یوں کر لیا کرو جس صورت سے جواز نکل آتا، اور اگر کوئی بات سمجھ سے باہر ہوتی تو اس کا علاج نہیں معذوری ہے، لیکن اب اتنے بڑے کام کی ضعف کی وجہ سے ہمت نہیں (ملفوظات حکیم الامت ۳/۳۱۳)۔

الغرض زیر بحث مسئلہ میں طعام، یعنی کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ میں مسئلہ آسان ہے کہ مالکیہ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے جواز کا فتویٰ دیا جائے اور چونکہ نفس عقد ہی سے بیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی لہذا ضمان کی شرط لگائے بغیر بھی مشتری ہی پر ضمان ہوگا، بلکہ اس کے خلاف شرط لگانے کی صورت میں بھی مشتری ہی پر ضمان ہونا چاہئے۔

(۲) البتہ طعام، یعنی کھانے پینے کی چیزوں کی تجارت میں پھر بھی مسئلہ محل غور ہے، کیونکہ مطعومات کی بیع قبل القبض کسی کے نزدیک جائز نہیں، اور ضمان کی شرط عائد کر دینے سے قبضہ کسی کے نزدیک نہیں ہوتا، نیز دونوں علیتیں مستقل ہیں، ضمان کی شرط کے باوجود قبل القبض بیع کی خرابی لازم آئے گی، اس لئے اس کے جواز کی آسان صورت یہی ہے کہ حنفی مسلک کے مطابق مشتری اگر جسی قبضہ پر قادر نہ ہو تو خود جا کر یا اپنے وکیل کو بھیج کر کم از کم قبضہ حکمی و معنوی کر لے جس سے کہ بیع اس کے ضمان میں داخل ہو جائے، قبضہ معنوی کی صورتیں ماقبل میں گذر چکیں۔

(۳) جواز کی ایک شکل یہ ہے کہ کہنی یا فیکٹری جس ذریعہ اور واسطہ سے مشتری کا مال دوسری جگہ بھیجتی ہے یہ مشتری اس ذریعہ اور واسطہ کو اپنا وکیل ہمیشہ کیلئے بنادے خواہ وہ ایک ہوں یا

متعدد، مثلاً یہ کہہ دے کہ فلاں کمپنی سے میرا مال آیا کرے گا اس کو اپنے قبضہ میں لے کر حسب ہدایت پہنچا دیا کرنا، اس صورت میں وہ واسطہ مشتری کا وکیل سمجھا جائے گا اور بیع بالغ کے ضمان سے خارج ہو کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی۔

(۴) جواز کی ایک شکل یہ ہے کہ ابھی بیع کا معاملہ نہ کرے، بلکہ وعدہ بیع کرے، جب مال مشتری ثانی کے پاس پہنچ جائے تب بیع کا معاملہ کرے اور اگر پہلے کر بھی چکا ہے تو مال پہنچنے کے بعد پھر سے بیع کرے تاکہ یہ معاملہ درست ہو جائے، اخیر کی دونوں صورتوں کا تذکرہ مفتی عبدالرشید صاحب نے احسن الفتاویٰ میں کیا ہے (احسن الفتاویٰ ششم)۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں فساد و بطلان کی تعیین

مفتی محمد عی الدین بڑودوی

۱۔ بیع قبل القبض از قبیل فاسد ہے یا باطل؟

باطل وہ ہے جو نہ اصلاً درست ہو اور نہ وصفاً، اور فاسد وہ ہے جو وصفاً درست نہ ہو۔ ہر وہ چیز جس سے رکن بیع میں خلل آتا ہو وہ باطل ہے اور جس شی سے رکن بیع کے سوا دوسری طرح خلل آتا ہو وہ فاسد ہے، جیسے تسلیم و تسلیم میں خلل آتا ہو جو بیع کی وجہ سے واجب ہو گئے ہیں، یا بیع سے انتفاع مقصود میں خلل آتا ہو تو ایسی شی مفسد بیع ہے، یا بیع خلاف مقتضی عقد شرط سے خالی نہیں ہے اس لئے خلل واقع ہو تو ایسی بیع بھی فاسد ہے۔

”والباطل هو ما لا يكون صحيحاً أصلاً ووصفاً والفساد هو ما لا يصح وصفاً، وكل ما أوردت خلافاً في ركن البيع فهو باطل وما أوردت غيره كالتسليم والتسليم الواجبين به والانتفاع المقصود منه و عدم الاطلاق عن شرط لا يقتضيه و غير ذلك فهو مفسد“ (عنایہ علی الہدایہ بہامش، فتح القدیر ۲/۴۳)۔

یہ الگ بات ہے کہ فقہاء کرام کے یہاں فاسد کا لفظ اصطلاحی باطل اور فاسد دونوں پر بولا جاتا ہے، جہاں جہالت بیع یا ثمن مفضی الی النزاع ہو اس پر بھی فساد کا اطلاق ہوتا ہے، اور بیع پر بائع کی ملک نہ ہونے کی صورت میں بھی فساد کا اطلاق ہوتا ہے، حالانکہ عدم ملک کی صورت میں فاسد باطل کے معنی میں ہوتا ہے، اسی طرح تسلیم و تسلیم سے بخر کی صورت میں بھی فساد کا اطلاق

ہوتا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

”ثم الفساد بالمعنى الذى يعم الباطل يثبت بأسباب منها الجهالة المفوضية فى المبيع والضمن وبعدم ملك المبيع للبائع والفساد بمعنى البطلان إلا فى المسلم أو مع الملك لكن قبل قبضه و منها العجز عن التسليم و التسلم“ (فتح القدیر ۴۲/۶)۔

در اصل بات یہ ہے کہ باطل کے بعض افراد اس قدر کمزور ہیں کہ فاسد سے ملتے جلتے ہیں، اس لئے ان کو فاسد کہہ دیا جاتا ہے اور فاسد کے بعض افراد میں فساد اس قدر قوی ہوتا ہے کہ ان کو باطل سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ قدوری نے مدبر اور ام ولد اور مکاتب کی بیع کو فاسد کہا۔ اور صاحب ”ہدایہ“ نے باطل کہا ہے۔ ”ہدایہ“ کے باطل کہنے پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ باطل تو وہ ہے جس میں ملک ثابت نہیں ہوتی ہے، اور فاسد وہ ہے جس میں قبضہ کے بعد ملک ثابت ہو جاتی ہے۔

اور فقہاء لکھتے ہیں، مدبر یا ام ولد یا مکاتب کے ساتھ ملا کر کسی خالص غلام کو بیچا جائے تو مدبر وغیرہ میں بیع باطل ہوگی، لیکن خالص غلام میں اسکے مقابل ثمن کے عوض بیع درست ہوگی، تو اگر بیع باطل ہے تو غلام میں بھی باطل ہونا چاہئے، اور فاسد ہے تو مدبر اور ام ولد پر بھی ملک ثابت ہونی چاہئے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ باطل اسلئے کہا گیا کہ مدبر اور ام ولد حر کی طرح قبضہ کے بعد بھی مملوک نہیں ہوں گے، اگر اس پر فاسد کا اطلاق ہوتا تو یہ مغالطہ ہوتا کہ مدبر، ام ولد اور مکاتب بھی قبضہ کے بعد مملوک ہو سکتے ہیں۔

صرف خطرہ یہ ہے کہ بائع قبضہ دینے سے انکار کر دے تو مشتری کی ملک تام نہ ہو سکے گی، اس لئے اس کو فاسد قرار دیا ہے۔

تو بیع قبل القبض فاسد کا وہ فرد قوی ہے جو باطل سے ملتا جلتا ہے، لیکن درحقیقت فاسد ہے، جیسے بیع مدبر مع القن باطل کا فرد ہے جو فاسد سے ملتا جلتا ہے، لیکن درحقیقت باطل ہے۔ اس لئے بیع قبل القبض میں نفس عقد سے جو ملک وجود پذیر ہوتی ہے اس کی بنیاد پر اس کو باطل سے ممتاز قرار دیا جاسکتا ہے۔ قبضہ کے بعد وہ ملک مؤکد ہو جاتی ہے۔ صاحب ”ہدایہ“ فرماتے ہیں:

”وإذا قبض المشتري المبيع في البيع الفاسد بأمر البائع وفي العقد عوضان كل منهما مال ملك المبيع ولذمت قيمته، وقال الشافعي: لا يملكه وإن قبضه؛ لأنه محظور فلا ينال نعمة الملك الخ ولنا أن ركن البيع صدر من أهله مضافاً إلى محله فوجب القول بانعقاده ولا خفاء في الأهلية وركنه مبادلة المال بالمال“ (ہدایہ)۔

(جب مشتری بیع فاسد میں بیع پر بائع کی اجازت سے قابض ہو جائے اور عقد میں دونوں عوض مال ہوں تو مشتری بیع کا مالک ہو جاتا ہے اور اس پر بیع کی قیمت لازم ہو جاتی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ بیع فاسد میں قبضہ کے بعد بھی مشتری مالک نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ بیع شرعاً ممنوع ہے، اس وجہ سے ایسی ممنوع بیع سے نعمت ملک حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ رکن البیع (مبادلتہ المال بالمال) صادر ہو رہا ہے اس کے اہل سے، اور محل بیع میں صادر ہو رہا ہے، اس لئے بیع کے منعقد ہو جانے کا قائل ہونا واجب ہے۔ اہلیت میں خفاء نہیں ہے، اور رکن مبادلتہ المال بالمال موجود ہے، اور کلام اسی میں ہے (ہدایہ)۔

۲۔ بائع کی طرف سے مشتری کو بیع میں تصرف پر قدرت دینے کا نام قبضہ ہے۔ جب بائع نے مشتری کو بیع میں تصرف کرنے پر آزاد چھوڑ دیا اور موانع اٹھا لئے تو مشتری بیع پر قابض سمجھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ تصرف پر قدرت اور تحلیہ ہر شئی، ہر ماحول ہر زمانہ کے لحاظ سے بدل سکتا ہے، اس لئے اس کی کوئی حد قطعی مقرر نہیں کی جاسکتی۔

حضرت امام فخر الدین قاضی خانؒ اپنے فتاویٰ میں رقمطراز ہیں:

”حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں بیع و مشتری کے درمیان تحلیہ تین شرطوں پر قبضہ شمار ہوگا: اول بائع مشتری کو زبانی طور پر کہہ دے کہ میں نے تمہیں بیع لینے کی اجازت دیدی ہے تم اسے لو، مشتری نے کہا کہ میں نے قبضہ کر لیا (لے لیا) (ظاہر بات ہے کہ عقار وغیرہ منقول میں اس قسم کا تحلیہ کافی ہو سکتا ہے)، دوسری شرط یہ ہے کہ بیع مشتری کے سامنے موجود ہو اس طرح

کہ مشتری بیع کو لینا چاہے تو بلا کسی مانع (رکاوٹ) کے لے سکتا ہو (یہ منقولات کے بارے میں ممکن ہے)، تیسری شرط یہ ہے کہ بیع غیر کے حق سے معذور ہو نہ ہو اور دوسرے کی ملک سے ممتاز و علیحدہ ہو، جیسے گھر میں بائع کا اسباب، اگر دوسرے کے حق کو بیع معذور ہو کر رہا ہو، جیسے گیہوں بائع کے ظرف میں ہو یا اس جیسے کسی کو تو یہ تخلیہ میں مانع نہ ہوگا (قاضی خاں ۲/۲۵۸)۔

بیع فاسد میں قبضہ کی حیثیت:

حضرت علامہ فخر الدین قاضی خان فرماتے ہیں:

”البائع إذا خلى بين المبيع وبين المشتري بحيث يتمكن المشتري من قبضه يصير المشتري قابضا للمبيع حتى لو هلك قبل أن يقبضه حقيقة يهلك عليه، وكذا لو خلى المشتري بين البائع والتمن.... أجمعوا على أن التخلية في البيع الجائز تكون قبضا وفي البيع الفاسد روايتان، والصحيح أنه قبض“ (فتاویٰ قاضی خان بہاش ہندیہ ۲/۲۵۷)۔

(جب بائع نے بیع اور مشتری کو چھوڑ دیا کہ مشتری بیع کے قبضہ پر قادر ہو جائے تو بلاکت مشتری کی ملک و قبضہ میں شمار ہوگی (بائع ضامن نہ ہوگا)، اسی طرح اگر مشتری نے بائع اور تمن میں تخلیہ کر دیا تو بائع تمن پر قابض شمار ہوگا... اس پر فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ بیع جائز میں تخلیہ کو قبضہ کہیں گے، اور بیع فاسد میں تخلیہ کے قبضہ ہونے کے بارے میں دو روایتیں ہیں، صحیح روایت یہ ہے کہ بیع فاسد میں بھی تخلیہ قبضہ شمار ہوگا)۔

ہر شی میں تخلیہ اور قبضہ کی صورت جدا ہوگی:

”ولو باع تمرا على التخليل و خلى بينه وبين المشتري صار قابضا“ (قاضی خان)۔

(اگر بھجور درخت پر بیج ڈالی اور مشتری کو اجازت دیدی تو مشتری قابض ہو گیا۔ تو بھجور کا درخت اگرچہ بائع کا ملوک ہے، مگر پھر بھی تخلیہ سے قبضہ ہو گیا)۔

لیکن گھر خرید اور بائع کا اسباب گھر میں ہے تو تخلیہ کے باوجود گھر پر قبضہ شمار نہ ہوگا، کیونکہ تخلیہ کو قبضہ قرار دینے کی شرط یہ ہے کہ بیع غیر کی ملک سے معمر و مشغول نہ ہو۔

اسی طرح زبانی تخلیہ کا قبضہ شمار ہونا عقار و غیر منقول اشیاء میں متصور ہے، جبکہ گھریا جائیداد قریب ہو اور حق غیر سے خالی ہو، لیکن گھریا جائیداد دور ہو اور مشتری اس میں داخلہ یا اس کو مقفل کرنے پر قادر نہ ہو تو صرف زبانی کہہ دینے سے مشتری قابض نہ ہوگا، بلکہ حقیقی قبضہ مطلوب ہوگا، مثلاً دوسرے ملک میں جائیداد ہے کہ مشتری بلا ویزا وغیرہ کے پہنچ نہیں سکتا تو زبانی تخلیہ سے قابض نہ ہوگا، جب تک کہ مشتری یا اس کا وکیل قابض نہ ہو جائے۔

آج کل جائیداد وغیرہ کے دستاویز جو بواسطہ عدالت ہوتے ہیں۔ ایک ملک میں ہوں اور جائیداد حق غیر میں مشغول نہ ہو، قبضہ شمار ہو سکتے ہیں۔ لیکن دوسرے ملک میں ہوں تو دستاویز کے باوجود بھی مشتری کو قابض نہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ قاضیاں فرماتے ہیں:

اگر کسی شخص کے ہاتھ مکان فروخت کیا اور مکان بائع و مشتری کے سامنے موجود نہیں ہے، بائع نے کہا میں نے سپرد کر دیا، مشتری نے کہا میں نے قبول کیا، تو ظاہر الروایہ میں ہے کہ مکان اور جائیداد غیر منقولہ میں یہ زبانی تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوگا، جبکہ مکان قریب ہو۔ اور نوادہ روایت میں ہے کہ جب بائع مشتری سے کہتا ہے میں نے مکان سپرد کر دیا اور مشتری کہہ دے کہ قبول کیا، مکان سامنے موجود نہیں ہے (مگر وہ پہلے دیکھ لیا ہو)، تو امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق مشتری قابض ہو جائے گا (خواہ مکان قریب ہو یا دور ہو)، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مکان قریب ہو اور داخلہ ممکن ہو یا مشتری اس پر اپنا قفل لگا سکتا ہو تب تو زبانی تخلیہ قبضہ شمار ہوگا اور مشتری قابض کہلائے گا، ورنہ نہیں، لیکن ظاہر الروایت میں قریب کا اعتبار ہے، اور صاحبین اور امام صاحب کے درمیان اختلاف کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور صحیح وہی ہے جو ظاہر الروایت میں ہے، کیونکہ جب مکان قریب ہو اور حقیقی قبضہ متصور ہو تو تخلیہ حقیقی قبضہ کے قائم مقام بن سکتا ہے، اور اگر مکان دور ہو اور قبضہ حقیقی متصور نہ ہو تو تخلیہ اس کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ بہرہ اور صدقہ میں بھی

یہی حکم ہے (قاضی خاں ۲/۲۵۷)۔

اس مذکورہ تفصیل سے قبضہ حقیقی اور حکمی کی وضاحت ہو جاتی ہے۔

۳- مذکورہ بالا وضاحت سے اشیاء منقولہ وغیرہ منقولہ میں قبضہ کی نوعیت واضح ہو گئی کہ منقولہ میں اشیاء کے لحاظ سے نوعیت جدا ہو سکتی ہے اور غیر منقولہ میں نوعیت کا فرق ممکن ہے، اور یہ شریعت میں قبضہ کا ایک خاص مفہوم ہے۔

یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کی نوعیت مقام و مواقع کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے، لوگوں کے عرف و عادت کا اعتبار تو ہوگا، مگر قبضہ کے شرعی مفہوم اور تحلیل کی شرائط کی رعایت ضروری رہے گی۔ عرف و عادت میں قبضہ اور قبضہ شرعی میں تساوی نہیں ہے بلکہ عام خاص من و وجہ کی نسبت ہے۔

۴، ۵- احادیث متعلقہ بیع قبل القبض اور ممانعت کی نوعیت:

حضرت امام مالکؒ کے یہاں طعام مکمل و موزون کے ساتھ مخصوص ہے، اور حضرت امام احمدؒ کے یہاں بھی طعام کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسری اشیاء میں ”بیع قبل القبض“ جائز ہے۔

حضرت امام محمدؒ اور حضرت امام شافعیؒ کے یہاں ”بیع قبل القبض“ جائز نہیں ہے، نہ منقولات نہ غیر منقولات میں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا قول اول بھی یہی ہے، لیکن حضرات شیخینؒ کا قول معمول یہ ہے کہ منقولات میں ”بیع قبل القبض“ جائز نہیں ہے اور عقار وغیرہ منقولات میں ”بیع قبل القبض“ جائز ہے۔

حضرت امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسئلہ وہ احادیث ہیں جن میں خاص طعام کی بیع سے ممانعت ہے۔ جیسے حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے وہ فرماتے ہیں: ”قال رسول الله ﷺ من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يكتاله فقلت لابن عباس لم؟ فقال الاتراهم يتبايعون بالذهب والطعام مرجأ ولم يقل أبو كريب مرجأ“ (مسلم شریف)۔

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو آدمی غلہ خریدے تو اس کو کیل کرنے سے قبل فروخت نہ کرے، یقیناً نے ابن عباسؓ سے دریافت کیا کیوں؟ فرمایا تم (دیکھ رہے ہو) کہ لوگ سونے اور طعام (غلہ) کے عوض ادھار بیچتے ہیں۔ اور ابو کریب نے ادھار کا لفظ نہیں کہا۔

اسی طرح مختلف طرق سے یہ روایت مروی ہے جسکو مسلم نے بیان کیا ہے، اور روایت کے عام طرق میں طعام کے ساتھ ہی ممانعت کو مخصوص کیا گیا ہے، اس لئے حضرت امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے ممانعت کو طعام کے ساتھ ہی مخصوص مانا ہے۔ خاص طعام کا ذکر اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے ماسوا میں حکم اس کے خلاف ہے، ورنہ تخصیص کا فائدہ ظاہر نہ ہوگا۔ ہم نے اس کا جواب دیا ہے کہ خاص طور پر کسی حکم کو کسی شی کے ساتھ ذکر کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس شی کے ماسوا میں حکم اس کے خلاف ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”فلا تظلموا فیہن انفسکم“ (سورہ توبہ: ۳۶) (اشہر حرام میں اپنے اوپر ظلم نہ کیا کرو)۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیر اشہر حرام میں ظلم کرنا چاہئے۔

دیگر ائمہ فرماتے ہیں کہ ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں مطلقاً ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت ہے اور ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں ممانعت کی صراحت ہے۔

ترمذی شریف میں عبد اللہ بن عمرو کی روایت ہے: ”إن رسول اللہ ﷺ قال لا یحل سلف ولا بیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح مالہ بضمن ولا بیع ما لیس عندک أخرجه الترمذی فی باب کراہیۃ بیع ما لیس عندہ“ (وقال ہذا حدیث حسن صحیح)۔

(رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا قرض اور بیع جائز نہیں اور ایک بیع میں دو شرطیں جائز نہیں اور جو شی اپنے ضمان و ذمہ داری میں نہیں آئی اس کا نفع و فائدہ حلال نہیں ہے اور جو شی اپنے پاس نہیں (جس کا مالک نہیں) اس کی بیع جائز نہیں)۔

دوسری روایت حکیم بن حزامؒ کی ہے:

”عن حکیم بن حزام قال: قلت: یا رسول اللہ ﷺ انی ابتاع هذه البیوع فما یحل لی منها وما یحرم علی؟ قال یا بن أخی لا تبیعن شیئا حتی تقبضه وفی رواية أبان إذا اشتريت بیعا فلا تبعه حتی تقبضه. هذا اللفظ للبیهقی فی سننه وقال: هذا إسناد حسن متصل و أخرجه أيضا ابن حبان فی صحیحہ و أحمد فی مسنده (۳/۲۰۲)، و فیہ تعمیم الحکم لكل شیء۔“

(حکیم بن حزام فرماتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں یہ تجارت کر رہا ہوں تو ان میں سے کون سی بیوع میرے لئے حلال اور کون سی بیوع حرام ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے جواباً ایک ضابطہ کلیہ بیان کیا کہ کسی شی کو قبضہ سے پہلے نہ بیچو، اور ابان کی ایک روایت میں ہے کہ جب کسی بیع کو خریدو تو جب تک قبضہ نہ کر لو فروخت نہ کرو۔ اس روایت میں ممانعت کا حکم ہر شی پر عام ہے)۔

بیع قبل القبض کی نہی معلول بالعلۃ ہے:

گذشتہ روایات میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت گزری ہے جس میں حضرت ابن عباسؓ نے خود ایک علت بیان کی ہے: ”لوگ سونے اور غلہ کے عوض ادھار بیع کرتے ہیں۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیع منہج ہوتی ہے ”بیع الذہب بالذہب متفاضلاً“ پر۔ کیونکہ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص نے سودینار میں ایک شی فروخت کی، ثمن ادا کر دیا، بیع بائع کے قبضہ میں ہے، اور مشتری نے قبضہ سے پہلے ہی اس شی کو ایک سو بیس دینار کے عوض فروخت کر دیا اور ایک سو بیس دینار لے لئے۔ گویا مشتری نے طعام پر قبضہ نہ کر کے بالابی بالا اس کی بیع کر دی تو نتیجہ یہ ہوا کہ مشتری نے بائع کو جو سودینار دئے تھے اس کے بالمقابل اپنے مشتری سے ایک سو بیس دینار لے رہا ہے تو اس مشتری اول کو بیس دینار کا اضافہ سود کے بدلہ مل رہا ہے۔ طعام تو گویا درمیان میں رہا ہی نہیں۔

یہ علت منقولات اور غیر منقولات سب پر عام ہے کہ عقار کی بیع بھی قبل القبض جائز نہ

ہونا چاہئے، منقولات کی خصوصیت نہیں ہے، لیکن یہ تعلیل حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے خلاف جاری ہے، کیونکہ وہ عقار کی بیع کو قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں۔

اس لئے دیگر حضرات نے علت ”دفع مالم یضمن“ قرار دی اور کہا کہ ”بیع قبل القبض“ میں مشتری ایک ایسی شے سے نفع اٹھا رہا ہے جس کے نقصان کا وہ ذمہ دار نہیں ہے، اس لئے یہ بیع جائز نہیں، اور عقار کی قبل القبض بیع میں ”رجع مالم یضمن“ کا تصور نہیں ہے، کیونکہ عقار کی ہلاکت متصور نہیں ہے، جب نقصان کا پہلو بیع عقار میں نہیں ہے تو ”رجع مالم یضمن“ بھی متحقق نہ ہوگا اور یہ علت حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی مذکورہ بالا روایت میں مذکور ہے (عملہ فتح ۲۹۲)۔

”عملہ فتح الملبم“ میں عبداللہ بن عمروؓ کی روایت کے حوالہ سے ”رجع مالم یضمن“ کے علت ہونے کے بارے میں صرف اشارہ ہے، لیکن مسئلہ وضاحت طلب ہے۔

حضرت علامہ ٹمس الدین سرخسیؒ نے اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: شیخینؒ کے نزدیک بیع عقار قبل القبض جائز ہے، اور امام محمد و شافعیؒ کے یہاں جائز نہیں ہے، حضرت امام محمدؒ و شافعیؒ اسی عبداللہ بن عمروؓ والی روایت اور بیع قبل القبض کی نبی کے بارے میں جو عمومی روایات آئی ہیں ان سے استدلال کرتے ہیں۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ بیع عقار قبل القبض میں بھی۔ جبکہ اپنی خرید قیمت سے زیادہ میں فروخت کیا جائے تو۔ رجع مالم یضمن کا تحقق ہوتا ہے، کیونکہ اس نے بیع قبل القبض کی بیع کی ہے، تو جس طرح منقول میں ”رجع مالم یضمن“ لازم آتا ہے عقار میں بھی لازم آئے گا، اس لئے دونوں میں بیع قبل القبض جائز نہ ہوگی، وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ملک عین (ذات) نفس عقد سے حاصل ہوتی ہے تو قبضہ سے ملک تصرف حاصل ہوتی ہے، اور عقار و منقول ملک عین و ملک تصرف میں برابر ہیں تو حکم میں بھی یکسانیت ہونی چاہئے۔

ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سبب ملک بیع ہے اور بیع بلا قبضہ کئے تام نہیں ہوتی ہے، اس لئے قبضہ سے پہلے عقد کے بعد بیع میں جو اضافہ حاصل ہوتا ہے، اس کو بوقت عقد موجود مان

کرمیج میں شامل رکھا جاتا ہے، اور ملک مؤکد ہوتی ہے سبب ملک کے مؤکد ہونے سے (اور سبب ملک قبضہ سے مؤکد ہوتا ہے) اس میں منقول و غیر منقول برابر ہیں۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”قبضہ سے قبل مبیع مضمون بغیرہ ہوتی ہے، یعنی ثمن سے مضمون ہوتی ہے، (مشتري ثمن کا ذمہ دار ہوتا ہے) اگر قبضہ سے قبل مبیع ہلاک ہو جائے تو مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جاتا ہے، اسی طرح عقار کی ہلاکت متصور ہو اور قبل القبض ہلاک ہو جائے تو ثمن ساقط ہو جائے گا، جب ثمن کے ضمان میں دونوں یکساں ہیں تو پھر ”رجع مالم یضمن“ کے بارے میں بھی دونوں یکساں رہیں گے۔

ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ عقار ہو یا منقول ہو جواز بیع کے لئے قدرت علی التسليم دونوں میں شرط ہے، قدرت علی التسليم بذاتہ حاصل ہو یا نائب و وکیل کے واسطے سے ہو، تو عقار جب تک بائع کے قبضہ میں ہے بائع اول کا قبضہ مشتری اول کے قبضہ کا نائب نہیں ہے، اس لئے مشتری اول کو بواسطہ نیابت قادر علی التسليم نہیں مانا جاسکتا، اسلئے بیع عقار قبل القبض قدرت علی التسليم نہ ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔

حضرات شیخین فرماتے ہیں کہ بیع عقار قبل القبض کا وہی درجہ ہے جو بیع منقول قبل القبض کا درجہ ہے، لیکن تصرف کے جواز کا مدار صرف ملک پر ہے قبضہ پر نہیں ہے۔

دیکھئے اپنے مودع یا غاصب کے قبضہ میں کوئی شئی ہے اور مودع اور غاصب کو اقرار ہے کہ اس شئی کا مالک فلاں ہے، تو فلاں کیلئے اس شئی کو فروخت کرنا مودع اور غاصب کے قبضہ میں رہتے ہوئے بھی جائز ہے۔ خلاصہ یہ کہ تصرف کا مدار ملک پر ہے۔

البتہ غرر جواز تصرف میں مانع بن جاتا ہے اگر ملک میں غرر درپیش ہو اور اس غرر سے احتراز ممکن بھی ہو تو غرر سے بچ کر چلا جائے اور غرر کی موجودگی میں بیع نہ کی جائے، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع الغرر سے منع فرمایا ہے۔

منقول میں قبضہ سے پہلے ملک (مشتری) میں غرر ہے، اس لئے کہ مبیع کی ہلاکت

سے بیع منتقض ہو جائے گی اور مشتری کی ملک باطل ہو جائے گی، اور قبضہ کے بعد یہ غرر منقہ ہو جاتا ہے، اگر احتمال غرر رہتا ہے تو بیع کے استحقاق کا رہتا ہے، اور اس قسم کے غرر سے احتراز ممکن نہیں ہے (اس لئے ایسے غرر کا اعتبار بھی نہیں اور اس کو مانع عن البیع نہیں قرار دیا جاسکتا)۔ اور عقار میں قبضہ سے پہلے استحقاق کے سوا مشتری کی ملک میں کوئی غرر متصور نہیں ہے، جس سے ہلاکت بیع اور فسخ بیع کی نوبت آجائے (اسلئے عقار کی بیع قبل القبض جائز ہے)۔

علامہ شمس الدین السرخسی فرماتے ہیں:

”وانتفاء الغرر لعدم تصور سببه أصلاً يكون أبلغ من انتفاء الغرر إذا تصور سببه ولم يعمل وإنما يتصور الغرر فيه من حيث الاستحقاق و ذلك لا يمكن الاحتراز عنه والدليل عليه أن التصرف في الثمن قبل القبض جائز؛ لأنه لا غرر في الملك وكذلك التصرف في المهر قبل القبض يجوز عندنا لانعدام الغرر في الملك، فإن بالهلاك لا يبطل ملكها ولكن على الزوج قيمتها“ (المبسوط ۱۰/۱۳)۔

سبب غرر کے بالکل متصور نہ ہونے کی وجہ سے غرر نہ ہونا زیادہ موثر ہے بہ نسبت اس کے کہ سبب غرر متصور ہو اور موثر نہ ہو (کیونکہ سبب غرر کا متصور ہونا بھی شبہ کا ناشی ہے) غیر منقول میں جبکہ استحقاق کے سوا دوسرا سبب غرر متصور ہی نہیں تو مانع بیع کا شبہ ہی نہیں ہے۔ استحقاق متصور ہے، لیکن احتراز ممکن نہ ہونے کی وجہ سے وہ مانع نہیں ہے۔

اور اس بات کی دلیل کہ جواز تصرف کا مدار عدم غرر پر ہے کہ ثمن میں قبل القبض تصرف جائز ہے، اس لئے کہ ثمن (نقد) کی ملک میں غرر نہیں ہوتا، کیونکہ عقود میں دراہم و دنانیر متعین نہیں ہوتے، اسی طرح مہر میں قبضہ سے پہلے زوجہ تصرف کر سکتی ہے کیونکہ مہر کی ملک میں غرر ہے ہی نہیں، اس لئے کہ مہر میں قبضہ سے قبل ہلاکت کی صورت میں مہر کی ملکیت باطل نہیں ہوتی، بلکہ شوہر پر ہلاک شدہ مہر (اگر عرض ہو) کی قیمت کی ادائیگی لازم ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرات شوافع میں مہر کے قبل القبض ہلاکت کی صورت میں اختلاف ہے، جو لوگ کہتے ہیں کہ ہلاکت کی صورت میں تسمیہ باطل ہو جائے گا وہ قبضہ سے قبل مہر میں تصرف کے قائل نہیں ہیں ”لبقاء الغرر فی الملک“ ملک میں غرر کی موجودگی کی وجہ سے، اور جویوں کہتے ہیں کہ ہلاک مہر سے تسمیہ باطل نہیں ہوتا وہ قبل القبض تصرف کو جائز قرار دیتے ہیں، تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل وہی ہے جو ہم کہتے ہیں کہ تصرف کا مدار غرر پر ہے۔

فرماتے ہیں: جس تصرف سے غرر مانع نہیں ہے ایسا تصرف قبضہ سے پہلے بھی بیع میں جائز ہوتا ہے (جیسے آبق کا حق)، چنانچہ بیع قبل القبض میں حق نافذ ہو جاتا ہے، اسی طرح تزویج بیع قبل القبض میں نافذ ہو جاتی ہے (بہوط)۔

اسی سے حضرات شوافع کے اس استدلال کا فساد واضح ہو جاتا ہے کہ ملک مؤکد ہوتی ہے سبب ملک کے مؤکد ہونے سے (یعنی بیع کے مؤکد ہونے سے) اور بیع قبضہ سے مؤکد ہوتی ہے (اس لئے بلا قبض عقار کی بیع بھی جائز نہ ہونا چاہئے، کیونکہ منقول و عقار اس سبب میں متفق ہیں تو حکم میں بھی متفق رہنا چاہئے)، کیونکہ حق تاکد ملک کے تقاضہ میں محل کے اندر بیع سے بڑھ کر اور مضبوط ہے۔

رہی یہ بات کہ شوافع کہتے ہیں کہ ملک تصرف مشتری کو قبضہ سے حاصل ہوتی ہے اور قبضہ سے ہی بیع مشتری کے ضمان میں آتی ہے، ٹھیک نہیں ہے، کیونکہ ہم کہتے ہیں کہ محل میں تصرف کی ملک (حق) اصل ملک سے ہی ثابت ہو جاتی ہے (ضمان سے ثابت نہیں ہوتی)، اس کی دلیل یہ ہے کہ موہوب شی میں قبضہ کے بعد تصرف جائز ہے (قبضہ سے قبل موہوب میں تصرف جائز نہیں ہے) کیونکہ یہہ میں قبضہ کے بعد ہی ملک تام ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ تصرف کا مدار ملک پر ہے، اسی طرح قدرت علی التسليم بھی ضمان سے متعلق نہیں ہے، بلکہ ملک سے متعلق ہے، چنانچہ قدرت علی التسليم غیر کے ہاتھ سے بھی ثابت ہو جاتی ہے جبکہ مالک منع نہ کرے۔

اور حضرات شوافع کا یہ کہنا کہ حدیث نبی عام ہے اس لئے منقول اور غیر منقول سب پر عام رہے گی، ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ حدیث اپنے عموم پر باقی نہیں ہے، اس میں تخصیص ہو چکی ہے، اس لئے کہ سب اس پر متفق ہیں کہ ثمن میں قبل القبض تصرف جائز ہے اور مہر میں بھی قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے۔

لہذا عام حص منہ البعض میں قیاس سے تخصیص جائز ہے، اس لئے ہم اپنی دلیل مذکور سے حدیث عام کو منقول پر محمول کرتے ہیں اور خاص سمجھتے ہیں۔

اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ حق شفعہ شفع کو قبل القبض ہی مل جاتا ہے، اور شفع بدل و قیمت سے ہی جائداد کا مالک ہو سکتا ہے، تو عقار قبل القبض مملوک بننے کا احتمال نہ رکھتی ہو تو شفع کو بھی قبضہ سے پہلے اس عقار کو قبضہ سے پہلے لینے کا حق نہ ملنا چاہئے۔

لیکن حق شفع کو قائم مقام حق مشتری کا قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ حق شفع مشتری کے حق سے مقدم ہے، اسی لئے شفع کے لئے لینے کی وجہ سے ملک مشتری باطل ہو جاتی ہے، اور ذمہ داری بائع پر عائد ہو جاتی ہے (المسوط ص ۱۳/۱۰)۔

☆☆☆

خرید و فروخت میں قبضہ کی حقیقت اور اس کا مفہوم

مفتی شہیر احمد قاسمی

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے ادا کام اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتے جب تک کہ قبضہ کی حقیقت واضح نہ ہو جائے، اس لئے سب سے پہلے قبضہ کی حقیقت واضح کرنا ضروری ہے۔
قبضہ کی حقیقت:

کسی شے پر قبضہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہاتھ سے قبضہ کر کے لایا جائے یا بائع کے یہاں سے حقیقی طور پر منتقل کر لیا جائے، بلکہ مفہوم قبضہ کے دائرے میں داخل ہونے کیلئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ بائع شے بیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کر کے رکھ دے کہ خریدار جب چاہے اپنی چیز اپنی مرضی سے اٹھا کر لے جاسکے اور اختیار سے اٹھا کر لے جانے میں اس پر کوئی پابندی یا رکاوٹ پیش نہ آئے، لہذا اگر بائع نے شے بیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کر دیا ہے کہ خریدار جب چاہے لے جاسکتا ہے اور اس درمیان شے بیع بائع کی طرف سے تعدی کے بغیر ہلاک ہو جائے یا ضائع ہو جائے تو بائع پر کوئی تاوان ہوگا، بلکہ خریدار کی ملکیت میں سے اس کے گھر میں ہلاک ہو جانے کے حکم میں ہوگا، اس مسئلہ کی وضاحت کیلئے ہم چند فقہی جزئیات نقل کرتے ہیں:

”ولا يشترط القبض بالبراجم؛ لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة حقيقة الخ“ (بدائع ۵/۱۴۸)۔

(قبضہ حاصل ہونے کیلئے ہاتھ سے قبضہ کر کے لانا شرط نہیں ہے اس لئے کہ قبضہ کے معنی صرف قبضہ کرنے پر قادر ہونے اور بائع کا خریدار کے سامنے سامان کو چھوڑ دینے کے ہیں اور لوگوں کے عرف میں صحیح معنی میں قبضہ کرنے میں رکاوٹ دور ہو جانے کے ہیں)۔
صاحب ”بدائع“ نے آگے چل کر مزید وضاحت فرمائی ہے۔

”ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال الخ“ (بدائع ۴/۲۴۴)۔

(حضرات فقہاء احناف کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اصل قبضہ تمام اموال میں بائع کی طرف سے محض اختیار دینے اور سامنے رکھ دینے سے حاصل ہو جاتا ہے)۔
اور صاحب ”بدائع“ نے ایک جزیہ اس سے بھی واضح نقل فرمایا ہے:

”تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين المشتري من التصرف فيه، فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً له“ (بدائع الصناع ۵/۲۴۴)۔

(خریدار کو مال بیع سوچنے اور اس کے قبضہ کرنے کی تفصیلی وضاحت ہمارے علماء احناف کے نزدیک یہی ہے کہ خریدار کیلئے تخلیہ کر دیا جائے اور تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع بیع کو خریدار کیلئے اس طرح پیش کر دے کہ درمیان سے رکاوٹ اس طرح دور ہو جائے کہ مشتری کو اس میں تصرف کرنے میں پوری طرح قدرت حاصل ہو جائے، تو کہا جائے گا کہ بائع نے بیع کو سونپ دیا اور مشتری نے قبضہ کر لیا ہے)۔

اشیاء منقولہ کی بیع قبضہ سے پہلے:

اشیاء منقولہ ایسی اشیاء کو کہا جاتا ہے جن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن ہو اور ایسی اشیاء پر قبضہ کے ثبوت کیلئے اتنا کافی ہے کہ بائع کی طرف سے مشتری کو قبضہ پر آزادانہ قدرت حاصل ہو جائے، لہذا قبضہ پر آزادانہ اختیار حاصل ہونے کے بعد مشتری کیلئے ان اشیاء

میں تصرف کرنا اور دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنا سب بلا کراہت جائز اور درست ہے (بدائع الصنائع ۵/۱۳۸، ۲۴۴)۔

اشیاء منقولہ کے اقسام:

جو اشیاء منتقل کی جاسکتی ہیں وہ چار قسم کی ہیں:

(۱) کیلی اشیاء، جیسا کہ دودھ اور تیل وغیرہ جو کہ اکثر ممالک میں کیل کر کے فروخت کیا جاتا ہے اور قدیم زمانہ میں گہوں، چاول، بھی کیل ہی کر کے فروخت کیا جاتا تھا، لہذا ایسی اشیاء کو کیل کر کے الگ کر دینے سے مشتری کا قبضہ ثابت ہو جائے گا۔

(۲) وزنی اشیاء، جیسے دھات، سونا، چاندی پیتل، تانبا، دانگ، المونیم، لوہا وغیرہ اور اسی طرح اس زمانہ میں چاول، گہوں وغیرہ بھی وزن کر کے فروخت کیا جاتا ہے، لہذا ایسی اشیاء کو وزن کر کے الگ کر دینے سے قبضہ ثابت ہو جائے گا۔

(۳) زرعی اور پیمائشی اشیاء، جیسے کپڑے وغیرہ جو پیمائش سے فروخت کیا جاتا ہے، لہذا ایسی اشیاء کو پیمائش کر کے الگ کر دینے سے قبضہ ثابت ہو جائے گا۔

(۴) عددی اشیاء، جس کو شمار اور گنتی سے فروخت کیا جاتا ہے، جیسے انڈے، جانور، گاڑی وغیرہ تو ایسی اشیاء کو شمار کر کے الگ کر دینے سے قبضہ ثابت ہو جائے گا۔

اور ان چاروں قسم کی اشیاء کو الگ کر دینے کے بعد ثبوت قبضہ کیلئے آزادانہ قدرت حاصل ہونا بھی شرط ہے، علامہ کاسائی نے ”بدائع الصنائع“ میں ان مسائل کو ان عبارتوں میں نقل فرمایا ہے:

”وإن باع مكايلة أو موزونة في المكييل والموزون وخلى، فلا خلاف في أن المبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل في ضمان المشتري..... فإن كان مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتقاربة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف“ (بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

اور اگر کیلی چیز کو کیل کر کے اور وزنی چیز کو وزن کر کے الگ کر دیا ہے تو اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ شی بائع کے ذمہ سے نکل کر خریدار کے ذمہ میں داخل ہو جاتی ہے، اگر اشیاء مثلی نہ ہوں، بلکہ پیانشی اور گنتی کی اشیاء ہوں تو ان میں الگ کر کے اختیار دینے سے بالاتفاق مکمل قبضہ حاصل ہو جاتا ہے۔

اب مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مددی اور پیانشی اشیاء، جیسے، گاڑی، جہاز، لوہے، پیتل، کاغذ، غلہ، لکڑی، کپڑے کتاب جانور وغیرہ کا سودا مکمل ہو جانے کے بعد جب بائع مشتری کو قبضہ کا اختیار دیدیتا ہے تو بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کی ملکیت میں داخل ہو جاتی ہے یا مشتری کے حکم سے بیع کو اپنی اشیاء سے الگ کر دے گا تو بائع کے ضمان سے منتقل ہو کر مشتری کے قبضہ اور اس کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے، جیسا کہ کتب فقہ کی مذکورہ عبارات سے واضح ہو جاتا ہے، لہذا مشتری کو اپنے یہاں منتقل کرنے سے قبل ان اشیاء میں تصرف کرنے اور دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کا پوری طرح حق حاصل ہو جائے گا۔

غیر منقول اشیاء کی بیع قبضہ سے پہلے:

غیر منقولی اشیاء ایسی اشیاء کو کہا جاتا ہے جن کو اپنی جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن نہ ہو، جیسا کہ زمین، مکان، دوکان، تجارتی پلاٹ وغیرہ، تو ایسی اشیاء اور جائیداد کی خرید و فروخت میں صرف سودا اور معاملہ طے ہو جانے سے قبضہ کا ثبوت ہو جاتا ہے، لہذا ایسی اشیاء میں معاملہ طے ہو جانے کے بعد خریدار کیلئے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا جائز ہوگا باقاعدہ وہاں جا کر اپنا سامان ڈال دینا یا چار دیواری وغیرہ بنا دینا لازم نہیں ہے اور اشیاء غیر منقولہ کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کے جواز کو صاحب ہدایہ نے ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے۔

”ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف“ (ہدایہ

پہلے جائز ہے۔

”أما بيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض والضياع والنخيل والدور ونحو ذلك من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها، فإنه يصح البيع“ (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ۲/۲۳۲)۔

(بہر حال اشیاء غیر منقولہ کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا، مثلاً زمین، جائیداد، باغات، مکانات اور ان جیسی اشیاء جو قائم و ثابت ہیں جن کی ہلاکت کا کوئی خطرہ نہیں، صحیح ہے)۔
قبضہ کا مدار عرف پر ہے نصوص پر نہیں:

اسلامی شریعت نے کسی چیز میں تصرف سے پہلے اس پر مالکانہ قبضہ کا حکم فرمایا ہے اور مالکانہ قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہے، اور ممانعت سے متعلق کتب حدیث میں مختلف قسم کی روایات موجود ہیں، اور ان میں سے حضرت حکیم بن حزام کی روایت زیادہ صریح اور واضح معلوم ہوتی ہے، مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت حکیم بن حزام کی روایت کو ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

www.KitaboSunnat.com

”إن حكيم بن حزام أخبره قال: قلت: يا رسول الله إني اشتريت بيوعا؛ فما يحل لي منها وما يحرم علي قال، فإذا اشتريت شيئا فلا تبعه حتى تقبضه، الحديث“ (مسند امام احمد بن حنبل ۴/۲۰۲)۔

(حضرت حکیم ابن حزام فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ میں بہت سی اشیاء کو خریدتا ہوں ان میں سے کون سی میرے لئے حلال ہے اور کون سی میرے اوپر حرام ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی چیز کو خریدو تو اس وقت تک نہ بیچو جب تک اس پر قبضہ نہ کرو)۔

شریعت نے قبضہ سے پہلے شی کو فروخت کرنے اور اس کو اپنے تصرف میں لانے سے، اس قسم کی روایات سے منع فرمایا ہے، مگر شریعت نے قبضہ کی حقیقت کو متعین کر کے محدود نہیں کیا

ہے، بلکہ ہر علاقہ اور ہر زمانہ کے عرف و عادت پر سوئپ دیا ہے، لہذا قبضہ کے بارے میں جہاں جیسارواج ہے ویسا ہی قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا (بدائع الصنائع ۵/۱۳۸)۔

بیع قبل القبض فاسد ہی میں داخل ہے:

قبضہ سے پہلے کسی شی کا فروخت کرنا من جانب شریعت ممنوع اور ناجائز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کو فروخت کرنے کیلئے سب سے پہلے شرط یہ ہوتی ہے کہ وہ چیز مشتری کے حوالہ کرنے میں بائع کو کسی قسم کی رکاوٹ لازم نہ آتی ہو اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب بیع بائع کے اختیار و ضمان میں داخل ہوتا کہ بیع کو مقتضاء عقد کے مطابق اپنے اختیار سے مشتری کے حوالہ کر سکے اور قبضہ سے پہلے فروخت کرنے میں مشتری اپنے اختیار سے ملکیت کو منتقل کرنے پر قادر نہیں ہوتا ہے، اسلئے شریعت نے قبضہ سے پہلے کسی شی کا فروخت کرنے سے ممانعت فرمائی ہے اور اس ممانعت کی وجہ سے عقد باطل تو نہیں ہوتا ہے، لیکن فاسد ہو جاتا ہے، لہذا ناجائز عقود کے اقسام ثلاثہ (یعنی عقد باطل، عقد فاسد اور عقد مکروہ) میں سے قبضہ سے پہلے جو عقد ہوتا ہے وہ عقد فاسد کے دائرہ میں ہوتا ہے، باطل یا مکروہ کے دائرہ میں نہیں، اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

”النہی یقتضی الفساد، فیکون البیع فاسدا قبل القبض، لأنه لم یدخل فی ضمانہ“ (عنایہ الفتاویٰ ۵۱۲)۔

(حدیث نبی عقد کے فساد کا تقاضہ کرتی ہے، لہذا قبضہ سے پہلے جو عقد ہوتا ہے وہ عقد فاسد کے دائرہ ہی میں ہوتا ہے، اسلئے کہ اس عقد سے بیع مشتری کے ضمان میں منتقل نہیں ہوتی)۔

احادیث نبی معلول بالعلۃ ہیں:

بیع قبل القبض کی ممانعت سے متعلق مختلف قسم کی روایات کتب حدیث میں موجود ہیں اور ان میں حضرت حکیم ابن حزام کی روایت زیادہ صریح اور واضح معلوم ہوتی ہے (مسند احمد بن حنبل ۴/۴۰۲)۔

شریعت نے قبضہ سے پہلے شی کو فروخت کرنے اور اس کو اپنے تصرف میں لانے سے اس قسم کی روایات سے منع فرمایا ہے، اور اس کی علت یہ ہے کہ اگر معاملہ طے ہو جانے کے بعد اس پر مالکانہ قبضہ نہیں کیا گیا تو قبضہ سے پہلے خدا نخواستہ اگر بیع ہلاک ہو جائے تو عقد کے فسخ ہو جانے کا خطرہ ہے یا بیع میں کمی بیشی ہو جانے کا خطرہ ہے، اس لئے شریعت نے مالکانہ قبضہ اور اپنے اختیار و ضمان میں آنے سے پہلے تصرف سے منع فرمایا ہے۔

اس کو حضرات فقہاء نے اس قسم کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

”لأن فيه غرر انفساخ العقد الأول على اعتبار هلاك المبيع قبل القبض“ (فتح القدیر ۶/۵۱۲)۔

اس لئے کہ قبضہ سے پہلے تصرف کرنے میں بیع کے درمیان میں ہلاک ہو جانے کی وجہ سے عقد اول کے فسخ ہو جانے کا خطرہ ہے۔

خریدنے سے پہلے فروخت کرنا:

آج کل کے زمانہ میں اس طرح کا معاملہ کثرت کے ساتھ تاجروں کے درمیان رائج ہے کہ مشتری دوکاندار کے پاس مال خریدنے کیلئے جاتا ہے اور اس وقت اس کے پاس مال نہیں ہوتا ہے، بلکہ جہاں سے وہ مال منگایا کرتا ہے مشتری کو وہاں سے جا کر لینے کے لئے خود بلایا کر دیتا ہے اور مشتری کمپنی کے پاس یہ بل لے کر جاتا ہے یا اس تاجر کے پاس جاتا ہے جس کے پاس مال بنا کر بھیجا ہے اور اس بل کو دیکھ کر بل بتانے والے پر اعتماد کرتے ہوئے مشتری کو اس بھاد سے زیادہ قیمت پر دیا جاتا ہے، اب درمیان میں جو منافع ہوتا ہے وہ دوکاندار اور تاجر کو مل جاتا ہے، تو ایسی صورت میں دو عقد ہو جاتے ہیں۔

(۱) مشتری اور دوکاندار کے درمیان جس میں بلا اجازت ملک غیر کو فروخت کرنا لازم

آتا ہے۔

(۲) دوکاندار اور کمپنی کے درمیان، جس میں ملک غیر کو فروخت چھکنے کے بعد خریدنا

لازم آتا ہے، اور ان دونوں عقدوں میں غور طلب بات یہ ہے کہ دوکاندار اور مشتری کے درمیان جو عقد ہوا ہے اس میں دوکاندار کے مذکورہ بیع کو خریدنے سے پہلے فروخت کرنا لازم آتا ہے اور کسی چیز کو خریدنے اور معاملہ طے کرنے سے پہلے فروخت کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے اور اسی طرح خریدنے کے بعد قبضہ کے اقسام میں سے اگر قبضہ معنوی بھی نہیں پایا جاتا ہے تب بھی فروخت کرنا جائز نہیں ہے، لہذا مذکورہ معاملہ شرعی طور پر جائز نہیں ہوگا اور دوکاندار کے لئے درمیان کا نفع حاصل کرنا بھی جائز نہ ہوگا اور عدم جواز کی بات حضرات فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتی ہے۔

”يُؤكَل المشتري البائع، بأن يبيع سلعة من نفسه لا تصح هذه الوكالة ولا هذا البيع أو وكل زيد رجلاً مثلاً بشراء شيء بعينه و وكل صاحب العين ذلك الرجل أيضاً بأن يبيعه من زيد لا يجوز كما أن الواحد يصير مملوكاً وممملوكاً“ (یعنی شرح بدایہ ۱۱۲/۲)۔

(مشتری نے بائع کو اس بات کا وکیل بنایا کہ بائع اس سامان کو مشتری کی طرف سے فروخت کر دے تو یہ وکالت صحیح نہیں ہے اور نہ یہ بیع صحیح ہوگی یا زید نے، مثلاً کسی شخص کو کسی متعین شے کو خریدنے کا وکیل بنایا ہے اور سامان والے نے بھی اسی آدمی کو وکیل بنایا اس بات کا کہ وہ سامان زید کی طرف سے فروخت کر دے تو یہ معاملہ جائز نہیں ہے جیسا کہ ایک ہی آدمی مالک بنانے والا اور مالک بننے والا دونوں بن جائے تو جائز نہیں ہوتا)۔

بیع قبل القبض میں استثناء:

قبضہ سے پہلے تصرف کی جو ممانعت نصوص میں آئی ہے اس کا دائرہ صرف منقول اشیاء میں ہے، غیر منقول اشیاء ممانعت کے دائرہ سے خارج ہیں، لہذا جو چیز اپنی جگہ ثابت رہتی ہے اور ان میں انتقال کی صلاحیت نہیں ہے، ایسی اشیاء صرف ایجاب و قبول سے مشتری کی ملکیت میں منتقل ہو جاتی ہیں، لہذا اس میں تصرف کے لئے جواز کیلئے قبضہ کے نام سے کسی دوسرے امر کے اختیار

کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ غیر منقول اشیاء ممانعت کے نصوص سے مستثنیٰ ہیں (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

قبضہ حسی کے بغیر فیکٹری کے توسط سے فروختگی:

آج کل کے زمانہ میں تاجروں کے درمیان قبضہ حسی کے بغیر معاملہ کرنے کا زیادہ رواج ہے، صرف قبضہ معنوی پر سارے معاملات کا مدار ہے، اور اس کی بے شمار شکلیں ہیں ان میں سے دو شکلیں ہم یہاں پیش کرتے ہیں۔

شکل (۱) ایک شخص نے کسی فیکٹری سے اپنا کنکشن کر رکھا ہے اور مال خریدنے کے لئے خود نہیں لے جاتا بلکہ ٹیلی فون یا فیکس یا خط و کتابت کے ذریعہ سے معاملہ طے کرتا ہے اور فیکٹری کو ساتھ ساتھ یہ بھی اطلاع دیتا ہے کہ میرا مال فلاں شخص کے پاس روانہ کر دیا جائے، اس میں مال کی پیکنگ اور اس کے چڑھانے، اتارنے اور دوسری جگہ روانہ کرنے کے جتنے بھی اخراجات ہوتے ہیں ان سب کا ذمہ دار یہی خریدار (۱) ہوتا ہے اور مال پر اگرچہ خریدار (۱) کا قبضہ حسی نہیں ہوتا ہے، لیکن قبضہ معنوی پورے طریقہ سے حاصل ہو جاتا ہے اور مال کے نفع و نقصان سب کچھ پورے طریقہ سے خریدار (۱) کے ضمان میں داخل ہو جاتے ہیں، اب ایسی صورت میں محض قبضہ حسی کے نہ پائے جانے کی وجہ سے خریدار (۱) اور (۲) کے درمیان جو عقد ہوتا ہے اس کو ناجائز اور فاسد نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ قبضہ کا مقصد صرف ضمان میں داخل کرنا ہوتا ہے اور وہ قبضہ حسی کے ذریعہ حاصل ہو چکا ہے، اس لئے خریدار (۱) اور خریدار (۲) کے درمیان جو عقد ہوا ہے وہ بلا تردد جائز اور درست ہے، لہذا اگر راستہ میں مال ہلاک ہو جائے تو فیکٹری اس لئے اس کی ذمہ دار نہیں ہے کہ اس کے ضمان سے نکل کر مشتری اول کے ضمان میں داخل ہو چکا ہے اور مشتری ثانی اس لئے ذمہ دار نہیں ہے کہ مال ابھی اس کے ضمان و اختیار میں داخل نہیں ہوا ہے، اور عرف و رواج میں طریقہ یہی ہے کہ خریدار (۲) اس وقت تک مال کا ضامن نہیں ہوتا ہے جب تک مال اس کے یہاں نہ پہنچ جائے، اور شرعی طور پر اس طرح کا معاملہ درست ہوتا ہے اور عرف میں

خریدار (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے پہلے مال کا خریدار (۱) کی ضمانت میں رہنا اور خریدار (۲) کا ذمہ دار نہ ہونا بھی شرعی طور پر صحیح اور درست ہے، اس لئے کہ قبضہ ارتقاغ موانع کا نام ہے، اور خریدار (۱) کے حق میں ارتقاغ موانع ثابت ہو چکا تھا، اس لئے دوسرے کے ہاتھ اس کا فروخت کرنا جائز ہوا، مگر یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ مال خریدار (۲) کے یہاں پہنچنے سے پہلے وہ تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دے اس لئے کہ مال ابھی اس کے ضمان میں داخل نہیں ہوا (بدائع الصنائع ۵/۱۳۸، نایع الفتح ۶/۵۱۲)۔

شکل (۲) دوکاندار بل بنا کر مشتری کو نہیں دیتا، بلکہ کمپنی کے پاس اپنے آدمی کے ذریعہ بھیج دیتا ہے یا کمپنی سے فون یا فیکس کے ذریعہ سے بات چیت کر کے معاملہ طے کر لیتا ہے اور کمپنی سے کہتا ہے کہ میرا مال فلاں آدمی (یعنی مشتری) دوکاندار اور کمپنی کے درمیان معاملہ طے ہو چکا ہے، اب مشتری یا مشتری کا آدمی جا کر اس پر قبضہ کر لیتا ہے یا کمپنی پیکنگ کر کے مشتری کے یہاں بھیج دیتی ہے تو یہ معاملہ اسلئے جائز ہے کہ کمپنی کے یہاں سے دوکاندار یا دوکاندار کا آدمی جو بھی جا کر اس مال پر قبضہ کرنا چاہے تو کمپنی کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اور قبضہ پر رکاوٹ نہ ہونے کا نام ہی قبضہ معنوی ہے اور قبضہ معنوی معتبر ہوتا ہے، جیسا کہ قبضہ کی حقیقت کے بیان میں گذر چکا ہے، اسلئے یہ معاملہ جائز اور درست ہو جائے گا۔

جہاز سے مال اترنے سے پہلے دوسرے کو فروخت کرنا:

آج کل کے زمانہ میں بین الاقوامی تجارت میں جب ایکسپورٹر مال جہاز پر چڑھا دیتا ہے اور اس کی اطلاع مشتری کو پہنچتی ہے، مال ابھی سمندر میں ہو یا ہوائی جہاز پر ایئرورٹر کی دو حالتیں ہوتی ہیں (۱) وہ مال کو اس وقت تک دوسروں کے ہاتھ فروخت نہیں کرتا ہے، جب تک مال جہاز سے اتر کر اس کے قبضہ میں نہ آجائے تو ایسی صورت میں اس کے معاملات میں کسی قسم کی شرعی قباحت لازم نہیں آتی (۲) ایئرورٹر اس کا انتظار نہیں کرتا کہ مال جہاز سے اتر کر اس کے قبضہ میں آجائے، بلکہ مال ابھی سمندر میں یا ہوائی جہاز پر ہی ہوتا ہے، یہ دوسروں کے ہاتھ فروخت

کر دیتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ دوسرا تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔

سوالنامہ سے واضح ہوتا ہے کہ مال جہاز پر چڑھ جانے کے بعد اصل بائع کے ضمان سے خارج ہو جاتا ہے اور مشتری کے ضمان میں منتقل ہو جاتا ہے، واقعہ کلی طور پر صرف ایسا نہیں ہے جو سوالنامہ میں ہے، بلکہ مال جہاز پر چڑھائے جانے کے بعد اس کی پوری طرح ذمہ داری بیمہ کمپنی پر ہوتی ہے، اب بیمہ کمپنی پر ذمہ داری کی دو شکلیں ہو سکتی ہیں۔

شکل (۱) جہاز یا راستہ میں مال کا مشتری کے ضمان میں ہونا:

بائع اور مشتری کے درمیان معاملہ اس طرح طے ہوتا ہے کہ بائع اپنے ملک کی بندرگاہ سے جہاز پر چڑھا دینے کا ذمہ دار ہے اور جہاز پر چڑھا چکنے کے کاغذات جب اس کو حاصل ہو جائیں گے تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی، اور وہاں سے مشتری کے یہاں مال پہنچنے تک کیلئے مشتری بیمہ کراتا ہے، اور وہاں سے مشتری کے ہاں مال پہنچنے تک پوری ذمہ داری بیمہ کمپنی کے توسط سے مشتری کے اوپر ہوتی ہے، ایسے معاملہ کو تاجروں کی اصطلاح میں (C & F) کہا جاتا ہے، تو ایسی صورت میں اگر راستہ میں مال ہلاک ہو جائے تو اس مال کے نقصان کی تلافی کیلئے مشتری دوڑ دھوپ کرے گا اور بیمہ کمپنی کے توسط سے جو کچھ بھی ہرجانہ وصول ہو سکتا ہے مشتری ہی وصول کرے گا، اور بائع کو اپنے مال کی قیمت مل جائے گی، اور جو کچھ بھی نقصان ہوگا وہ مشتری کے ضمان میں ہوگا، لیکن اس میں یہ بات بھی ہے کہ اگر ”ایل سی“ (L-C) کے ذریعہ سے پہلے سے مال کی قیمت بائع کیلئے جمع نہیں ہوتی ہے اور مشتری وعدہ خلافی کرتا ہے اور رقم نہیں بھیجتا ہے تو اس پر کوئی کارروائی بھی نہیں ہو سکتی، یہ صرف اس کے اخلاق اور دیانتداری پر موقوف ہے، بہر حال ایسی صورت میں چونکہ مال مشتری کے ضمان کے دائرہ میں آ جاتا ہے، اسلئے کہ اس کے یہاں مال پہنچنے سے پہلے اس کے حق میں قبضہ معنوی حاصل ہو جاتا ہے، لہذا وہ دوسرے کے ہاتھ فروخت بھی کر سکتا ہے، ایسی صورت میں یہ گنجائش نکلتی ہے کہ عقد اول اور عقد ثانی صحیح ہو جائیں گے اور اس کے بعد تیسرے اور چوتھے نمبر کے عقود سب کے سب فاسد ہو جائیں گے،

محض بل کی تبدیلی کی وجہ سے نہ مال کا ضمان منتقل ہو سکتا ہے اور نہ ہی عقد صحیح ہو سکتا ہے، اسلئے کہ بائع اول نے از خود مشتری اول کیلئے روانہ کیا ہے، وہ ہر طرح سے مال کے اوپر قابض تھا، لہذا اس نے اپنے ضمان کو مکمل طریقے سے مشتری اول کو منتقل کر دیا، مگر مشتری اول مال کے اوپر ہر طریقے سے قابض نہیں ہو جاتا کہ جس کی وجہ سے وہ اپنے ضمان کو دوسرے تک منتقل کر سکے، اسلئے مشتری اول کا عقد تو منعقد ہو سکتا ہے، لیکن ضمان منتقل نہیں ہو سکتا، اور ضمان کے منتقل نہ ہونے کی وجہ سے قبضہ بھی منتقل نہیں ہو سکتا، اور قبضہ سے پہلے فروخت کرنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے، اسلئے مشتری ثانی اور مشتری ثالث کا عقد ناجائز اور باطل ہوگا۔

شکل (۲) جہاز یا راستہ میں مال کا اصل بائع کے ضمان میں ہونا:

اوپر کے عنوان کے تحت شکل اول میں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے وہ صرف سوالنامہ کے پیش نظر لکھا گیا ہے، لیکن ہم نے براہ راست مراد آباد کے بڑے بڑے ایکسپورٹرز جن کے کاروبار زیادہ تر یورپ و امریکہ اور عرب ممالک سے ہیں اور ان لوگوں کا رات دن کا مشغلہ ہی مال ایکسپورٹ کرنا ہے اور وہ از خود یورپ و امریکہ جا کر معاملہ طے کر کے آرڈر لایا کرتے ہیں، ان سے کاروبار اور معاملات سے متعلق پوری طرح معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی ہے اور ان سے یہ پتہ چلا ہے کہ جہاز پر مال چڑھانے کے بعد E-C-G-C کے معاہدہ کے علاوہ کاروبار کی بقیہ تمام صورتوں میں مال کا ذمہ دار مشتری نہیں ہوتا ہے، اگر ہوتا ہے تو بہت ہی کم ہوتا ہے جو (C&F) کے تحت معاملہ کرتے ہیں بلکہ اکثر معاملات میں مشتری کے یہاں مال پہنچنے تک ذمہ دار بائع ہی ہوا کرتا ہے اور ایسے معاملات کو (C-I-F) کہتے ہیں جس میں بائع مال کا بیمہ کر کر ساری ذمہ داری بیمہ کمپنی پر ڈالتا ہے، لہذا مال کے ہلاکت کے نتیجہ میں جو کچھ بیمہ کمپنی تلافی کرتی ہے اس کا تعلق صرف بائع کے ساتھ ہوتا ہے مشتری کے ساتھ نہیں ہوتا ہے، اس لئے جہاز پر مال روانہ کرنے کے بعد مال مشتری کے ضمان میں منتقل نہیں ہوگا، بلکہ بائع کا وکیل جو کہ بیمہ کمپنی ہے وہی ضامن ہوتی ہے، ایسی صورت میں مشتری کے حق میں مال پر قبضہ معنوی بھی

”لأن فيه غرر انفساخ القعد الأول على اعتبار هلاك المبيع قبل القبض فتبين حينئذ أنه باع ملك الغير بغير إذنه وذلك مفسد للعقد“ (قوله الله)

(اس لئے کہ قبضہ سے پہلے فروخت کرنے میں عقد اول کے فسخ ہو جانے کا خطرہ ہے۔
قبضہ سے پہلے بیع کے ہلاک ہو جانے کے اندیشے سے اس وقت یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ اس
میں غیر کی ملک کو بغیر اجازت فروخت کر دیا ہے اور یہ مفسد عقد ہے۔
ٹرانسپورٹ پر رکھے رکھے عقد در عقد:

ملکی سطح پر ایک۔ شہر سے دوسرے شہر جو مال منتقل کیا جاتا ہے اس کا حال کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مال ابھی بذریعہ ریل یا ٹرک وغیرہ راستہ میں ہے اور ادھر مشتری مال کا منہ نہ اور نوعیت پیش کر کے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور کبھی ٹرانسپورٹ پر رکھ رکھے دوسرا تیسرے اور تیسرا چوتھے کے ہاتھ فروخت کرتا جاتا ہے اور اس میں مال کا ضمان منتقل ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا، بلکہ صرف بل کی تبدیلی ہوتی جاتی ہے تو اس طرح محض تبدیل بل کی وجہ سے ملکیت منتقل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ضمان منتقل نہ ہو جائے، اس لئے کہ راستہ میں جو مال پڑا ہوا ہے یا ریل یا ٹرک وغیرہ کے ذریعہ سے آرہا ہے وہ اگر ہلاک ہو جاتا ہے تو مشتری اس کا ذمہ دار نہیں ہوتا، بلکہ ذمہ دار بائع ہی ہوتا ہے اور اس قسم کے عقود میں ماکولات اور غیر ماکولات سب کا حکم برابر ہے، جیسا کہ ”فتح المہلم“ کی اس عبارت سے واضح ہوتا ہے:

فِيهِ فِيهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ الرَّبِّحِ مَالٍ يَضْمَنُ وَالسَّعْيَ قَبْلَ الْقَضَى
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

ينضمه؛ لأن المبيع لا يأتي في ضمان المشتري حتى يقبضه، فإن باعه قبل ذلك بالربح كان ذلك ربحاً بما لم يضمه وهذه العلة تعم الطعام وغيره“ (محمد بن أبي حنيم، ۲۵۳)۔

اس میں رسول اللہ ﷺ نے کسی ایسی چیز سے نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے جو ضمان کے دائرہ میں داخل نہ ہوتی ہو اور قبضہ سے پہلے اس کو اپنے ضمان میں لے لینا ہے، حالانکہ مبیع مشتری کے ضمان میں قبضہ سے پہلے داخل نہیں ہوتی ہے، لہذا اگر قبضہ سے پہلے بیچ کر نفع حاصل کرے گا تو اس چیز سے نفع حاصل کرنا لازم آتا ہے جو اس کے ضمان کے دائرہ میں داخل نہیں ہوتی ہے اور ممانعت کی یہ علت ماکولات وغیرہ ماکولات سب کو شامل ہے۔

جواز کی متبادل شکل:

اگر بین الاقوامی سطح میں قبضہ سے پہلے دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے کا معمول لوگوں کے درمیان عام ہو جائے اور اس سے بچاؤ کی کوئی شکل نہ بن سکے اور تمام لوگ اس میں مبتلا ہو جائیں تو ایسی صورت میں ”عدول عن المذہب“ کی گنجائش ہو جاتی ہے اور قبضہ سے پہلے حضرت امام مالک اور امام بخاری کے نزدیک شیعی مبیع کو فروخت کر دینا جائز اور درست ہے، البتہ حضرت امام مالک کے نزدیک اشیاء خوردنی کے علاوہ دیگر منقول اشیاء کا ہونا لازم ہے اور امام بخاری کے نزدیک یہ قید بھی نہیں ہے، بلکہ صرف ایجاب و قبول کے بعد مشتری کیلئے شیعی مبیع کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا بلا تردد جائز ہے، حضرت امام مالک کا مسلک ”کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ“ میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

”المالک قالوا: یصح للمشتري أن يتصرف في المبيع قبل قبضه بالبيع سواء كان المبيع أعياناً منقولة أو عيناً ثابتة كالأرض والنخيل ونحوهما إلا الطعام“ (کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

حضرات مالکیہ فرماتے ہیں کہ مبیع میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے چاہے مبیع

اموال منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، اور غیر منقولہ، جیسا کہ زمین، باغات وغیرہ، مگر ماکول اشیاء، مثلاً پھل وغیرہ ان کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

اور امام مالک کا مسلک ”اوجز المسالك“ اور ”تعلیق المحمد“ میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

”قال مالک: يجوز جميع التصرفات في غير الطعام قبل القبض لورود التخصيص في الأحاديث بالطعام“۔

اور حضرت امام بخاریؒ کے نزدیک محض ایجاب و قبول کی وجہ سے قبضہ کا ثبوت ہو جاتا ہے، بیع پر قبضہ لازم نہیں ہے، نہ قبضہ معنوی لازم ہے، نہ قبضہ حسی۔

اور امام بخاریؒ کا مسلک حضرت شاہ صاحبؒ نے ”فیض الباری“ میں اس طرح کے الفاظ سے نقل فرمایا ہے:

”أما عند البخاری فلا يشترط عنه (إلى قوله) وكان القبض يحصل عنده بمجرد الإيجاب والقبول ولا يحتاج بعد ذلك إلى أمر آخر يسمى قبضا“ (فیض الباری ۲۰۶۳)۔

(بہر حال امام بخاریؒ کے نزدیک قبضہ کی شرط نہیں ہے، لہذا ان کے یہاں محض ایجاب و قبول کی وجہ سے قبضہ کا ثبوت ہو جاتا ہے، اس کے بعد کسی ایسے دوسرے امر کی ضرورت نہیں رہتی ہے جس کا نام قبضہ رکھا جائے)۔

امام بخاریؒ نے حضرت جابرؓ کی حدیث بعیر کے تحت ترجمۃ الباب میں اپنی رائے ظاہر فرمائی ہے جو ”بخاری شریف ۲۸۱/۱“ پر موجود ہے، اور اس میں حضرت ابن عمرؓ کا وہ واقعہ بھی نقل فرمایا ہے جس میں حضرت عمرؓ کے خرید کردہ اونٹ کو حضور ﷺ کے ہاتھ فروخت کرنے کا ذکر ہے۔

لہذا مذکورہ تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ حضرت امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کے

نزدیک غیر ماکول اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، ابتلائے عام کی وجہ سے خفی مسلک کے لوگ اس مسئلہ میں اپنے مسلک سے عدول کر کے حضرت امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء کو غور کرنا چاہئے۔

ماکول اشیاء میں حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے:

حدیث پاک میں یہ جو صراحت آئی ہے کہ ماکول اشیاء کو دوبارہ کیل یا وزن کرنے سے پہلے کھانا یا اس میں تصرف کرنا ممنوع ہے، یہ ممانعت اس وقت ہے جب کہ خریدار کو بائع کے ناپ تول پر اعتماد نہ ہو، لہذا اگر مشتری کو بائع کے ناپ تول پر پوری طرح اعتماد ہو تو پھر دوبارہ کیل یا وزن کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور بائع نے جو کیل یا وزن کیا ہے وہ مشتری کے سامنے ہونا لازم نہیں بلکہ مشتری کی عدم موجودگی میں کیل یا وزن کر کے رکھ دیا ہے اور مشتری کو اعتماد ہے تو کافی ہے۔

اس کو حضرت شاہ صاحبؒ نے ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے:

”فالذی یتبین أن المشتري إن اعتمد على كيل البائع جاز له أكله بدون إعادة الكيل سواء كان بحضرته أو بغيبته“ (فیض الباری ۳/۲۲۰)۔

پس جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ مشتری اگر بائع کے کیل پر اعتماد کرتا ہے تو کیل کے اعادہ کے بغیر اس کو کھانا جائز ہے، چاہے بائع کا کیل مشتری کی موجودگی میں ہو یا اس کی غیبت میں ہو۔

ایک آدمی کا اپنے ملک میں رہ کر دوسرے ملک کے آدمی کا وکیل بن کر خرید و فروخت کرنا:

ایک شخص ہندوستان میں رہتا ہے دوسرا شخص، مثلاً امریکہ میں رہتا ہے، اب دونوں کے درمیان فون یا فیکس سے بات چیت ہوتی ہے، انڈیا میں رہنے والا شخص امریکہ میں رہنے والے شخص کو فون یا فیکس کے ذریعہ اس بات کا وکیل بناتا ہے کہ آج کی تاریخ میں سو نا جس بھاء کا کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

ہو خرید لے اور خرید کر اپنے ہی پاس رکھ لے تو امریکہ میں رہنے والے نے، مثلاً فی تولہ سو ڈالر کے حساب سے خرید لیا ہے، پھر کچھ عرصہ کے بعد سونے کا بھاؤ بڑھ جاتا ہے، مثلاً فی تولہ سو سو ڈالر ہو جاتا ہے اور ان دونوں کے درمیان گفتگو اور رابطہ رہتا ہے تو اب ہندوستان والے نے اجازت دیدی کہ میرے نام سے خرید اہوا سونا سو سو ڈالر کے حساب سے فروخت کر دیا جائے اور وکیل طے شدہ معاہدہ کے مطابق فروخت کر دیتا ہے اور فی تولہ پچیس ڈالر کا منافع ہندوستان میں رہنے والے کو بیٹھے بیٹھے مل جاتا ہے تو کیا اس طرح کا معاملہ جائز ہے یا نہیں؟ شرعی طور پر ایسا معاملہ جائز اور درست ہے، عدم جواز کی کوئی علت نہیں ہے، اسلئے کہ ایک آدمی وکیل بالبیع اور وکیل بالشراء دونوں ہو سکتا ہے، جیسا کہ حضرات فقہاء کی اس قسم کی عبارت سے واضح ہوتا ہے:

”وإذا وكل رجلاً غائباً وأخبره رجل بالوكالة يصير وكيلاً سواء كان المخبر عدلاً أو فاسقاً أخبره من تلقاء نفسه أو على سبيل الرسالة صدقه الوكيل في ذلك أو كذبه“ (عائلی ۵۶۱/۳)۔

اور جب کسی دور دراز رہنے والے عائب آدمی کو وکیل بنایا جائے اور اس کو وکالت کی خبر پہنچ جائے تو وہ وکیل ہو جائے گا چاہے خبر دینے والا عادل ہو یا فاسق، اس نے اپنی طرف سے خبر دی ہو یا بطور پیغام بات پہنچادی اور وکیل نے اس کی تصدیق کی ہو یا تکذیب، بہر حال وہ وکیل بن جائے گا۔

”والأصل فيه أن الجهالة اليسيرة تتحمل في الوكالة“ (ہدایہ ۱۶۵/۳)۔

(معمولی جہالت مسئلہ وکالت میں متحمل کر لی جاتی ہے)۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا مسئلہ

مولانا ابوبکر قاسمی ☆

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلہ میں فقہاء کے مذاہب:

اب یہاں پر ”بیع قبل القبض“ یا ”بیع مالم یقبض“ کی یہ صورت جس میں انسان ایک سامان کو خرید کر اس کا مالک تو ہو چکا ہے، لیکن ابھی بیع پر سرے سے قبضہ نہیں کیا ہے اور قبضہ سے پہلے ہی وہ بیع کو فروخت کر دینا چاہتا ہے، تو بیع مالم یقبض کی یہی صورت عام طور پر رائج ہے اور اسی کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک کسی بھی سامان یا بیع کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے، خواہ وہ سامان اشیاء منقولہ کے قبیل سے ہو، یا وہ غیر منقولی چیز ہو، اور خواہ بائع نے ثمن پر قبضہ کر کے بیع کو فروخت کرنے کی اجازت دیدی ہو یا نہ دی ہو، حضرت امام محمد علیہ الرحمہ کا بھی مسلک حضرت امام شافعی کے مسلک کے مطابق ہے۔

”فمذهب الشافعية وهو قول محمد إنه لا يصح بيع المبيع قبل قبضه سواء كان منقولاً أو عقاراً وإن أذن البائع وقبض الثمن“ (الموسوعة الفقهية ۱۳/۹)، ”وقال زفر ومحمد والشافعي: لا يجوز بيع شيء قبل القبض طعاماً كان أو غيره لإطلاق الأحاديث“ (التعليق ۲۳۲/۲) ”اختلف العلماء في ذلك فقال الشافعي لا يصح بيع المبيع قبل قبضه سواء كان طعاماً أو عقاراً منقولاً أو

نقداً او غیرہ“ (حاشیہ النودى على مسلم ۵/۲)۔

حضرت امام احمد کی ایک روایت تو حضرت امام شافعیؒ کے مذہب کے مطابق ہے، اور دوسری روایت میں وارد ہے کہ اگر مجمع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے تو قبضہ سے پہلے اس مجمع میں تصرف کرنا اور اسے فروخت کرنا جائز ہے۔

”ولو دخل في ضمان المشتري جاز بيعه والتصرف فيه كما جاز ذلك بعد قبضه“ (الموسوعة الفقهية ۱۲/۹)۔

اور حضرت امام احمد کی تیسری روایت جو بظاہر حضرات حنابلہ کا مذہب ہے، اس روایت کے مطابق حضرت امام احمد کے نزدیک مکملی و موزونی اور محدودی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، ہاں اس کے علاوہ میں بیع قبل القبض جائز ہے (دیکھئے: الفقہ علی المذہب الاربعہ ۳/۱۹۳۔ الموسوعة الفقهية ۱۲/۹)۔

اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک صرف کھانے کے قبیل کی چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ کیل و وزن سے بائع نے خرید ایدہ، ورنہ اس کے علاوہ اشیاء میں اور انکل کی بیع کی صورت میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے (حوالہ سابق، حاشیہ سوتی ۱۳۵/۳)۔

حضرت امام مالک نے بیع قبل القبض سے متعلق مقید روایات سے استدلال کیا ہے، جس میں حضور ﷺ نے کھانے کے قبیل کی چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مسند مروی ہے:

” (قال طاووس) سمعت ابن عباس يقول: أما الذي نهى عنه النبي ﷺ

فهو الطعام أن يباع حتى يقبض“ (حاشیہ ابوداؤد ۲/۴۹۳)۔

اس روایت کو بغور پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے صرف کھانے کی چیزوں کی ممانعت ہے دیگر چیزوں کی نہیں، لہذا جن روایات میں مطلقاً سامانوں کو قبضہ سے پہلے

فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، وہاں سامانوں سے مراد کھانے کے سامان ہیں، دوسرے سامان نہیں۔

امام مالک علیہ الرحمہ کی دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ کھانے کی چیزوں میں خشک ہونے، سوکھ جانے کے سبب جتنا تغیر و تفاوت ہو جاتا ہے، دیگر چیزوں میں نہیں ہوتا ہے، اس لئے اس عقلی دلیل کا بھی تقاضا ہے کہ صرف کھانے کے قبیل کی چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا جائے اور دیگر سامانوں میں چونکہ تغیر کم ہوتا ہے اس لئے قبضہ سے پہلے اس کی بیع سے منع نہ کیا جائے، قال فی الموسوعة: ”ولغلبة تغیر الطعام دونما سواہ“ (بخاری ۲۸۶/۱)۔

اور حضرت امام شافعی اور امام محمد و امام زفر نے اپنے مسلک کی تائید میں ان عام حدیثوں سے استدلال کیا ہے جن میں مطلقاً قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور ان روایات میں طعام کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے، چنانچہ حضرت حکیم بن حزام کی روایت ہے کہ حضور پاک ﷺ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا کہ ”إذا ابتعت شیئاً فلا تبعہ حتی تقبضہ (طحاوی ۲/۲۰۲) جب تم کوئی چیز خریدو تو قبضہ سے پہلے فروخت نہ کرو۔ اسی طرح حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل وہ حدیثیں بھی ہیں، جن میں سامان کو منتقل کرنے سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت کی گئی ہے: عن زید بن ثابت قال إن رسول اللہ ﷺ نہانا ان نبيع السلع حیث تبنا ع حتی یحوزها التجار إلى رحالہم“ (رواہ الطحاوی ۲/۲۰۱، أبوداؤد ۴۹۳/۲)۔

اسی طرح حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل بعض صحابہ کرام کے فتاویٰ ہیں، جن میں بیع قبل القبض کی ممانعت کے حکم کو بغیر طعام کی تخصیص کے عام رکھا گیا ہے، مثلاً حضرت ابن عباسؓ کا فتویٰ ہے، ”واحبس کل شیء مثل الطعام“ (أبوداؤد ۲/۴۹۳، ابن ماجہ ۱۶۱) (میں سمجھتا ہوں کہ ہر بیع (کو قبضہ سے پہلے بیچنے) کا حکم کھانے کے مثل ہے)، نیز امام طحاویؒ نے کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

حضرت جابرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

”عن جابر فی الرجل یتاع المبیع فیبعہ قبل أن یقبضہ قال اکره“

(معانی الآثار ۲/۲۰۲)۔

مذکورہ دونوں صحابی ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت سے متعلق حدیث متعید بالطعام کے مشہور راویوں میں سے ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ حضرات بیع قبل القبض کی ممانعت کے حکم کو عام قرار دیتے ہیں، لہذا ان صحابہ کرام کے فتاویٰ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم عام ہے، ”لأن الصحابة أعراف بمقاصد الرسول“ (نیل الأوطار ۵/۱۶۰ بحوالہ الموصوفہ ۹/۱۳۲)۔

رہی وہ روایتیں جن میں طعام کی قید مذکور ہے تو اس کا جواب حضرت امام شافعیؒ کی طرف سے یہ دیا گیا ہے کہ وہ قید احترازی نہیں ہے، بلکہ اتفاق اور تمثیلی ہے، ”قال محمد وابن عباس إن قید الطعام اتفاقی“ (العرف الخدی ۱/۲۳۳) چنانچہ علامہ طحاویؒ نے معانی الآثار میں مفصل بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس طرح قرآن پاک میں حرم کے شکار کو قتل کرنے کی صورت میں جزا کا حکم عہد کی قید کے ساتھ مذکور ہے، لیکن وہ حکم عام ہے اور غیر عہد والی صورت کو بھی شامل ہے، چنانچہ بعینہ وہی جزا قتل عہد کی صورت میں بھی واجب ہوتی ہے، اسی طرح یہاں بھی بیع قبل القبض کی ممانعت والی حدیث میں طعام کی قید کے سلسلہ میں بھی یہی سمجھنا چاہئے (شرح معانی الآثار ۲/۲۰۲)۔

مذکورہ نقلی دلائل کے علاوہ بیع قبل القبض کی عام ممانعت کے سلسلہ میں حضرت امام شافعیؒ علیہ الرحمہ کی جانب سے کچھ اور عقلی و نقلی دلیلیں پیش کی گئی ہیں، مثلاً ان کا کہنا ہے کہ قبضہ سے پہلے سامان کو فروخت کرنے سے جو نفع حاصل ہوگا، وہ ”ربح ما لم یضمن“ ہے، یعنی مال غیر مضمون کے ذریعہ نفع حاصل کرنا لازم آتا ہے، جو شرعاً حلال و طیب نہیں ہے، کیونکہ حدیث پاک میں ”ربح ما لم یضمن“ سے منع کیا گیا ہے۔

”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده قال نهى رسول الله ﷺ ...

عن ربح مال لم يضمن“ (رواه الترمذی ۲۲۶۲)۔

اب ظاہر ہے کہ قبضہ سے پہلے سامان کو فروخت کرنے کی صورت میں جس طرح کھانے کی اشیاء کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے ”ربح مال لم يضمن“ لازم آتا ہے اسی طرح غیر طعام کو بھی قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے ”ربح مال لم يضمن“ لازم آتا ہے، لہذا اس دلیل کا بھی تقاضا ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت عام ہو (دیکھئے: معانی الآثار ۲/۲۰۲)۔

اسی طرح حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کی بیع قبل القبض کی ممانعت کے سلسلہ میں ایک عقلی دلیل یہ ہے کہ بیع میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنے میں شرعاً ربا (سود) کاشبہ پایا جاتا ہے، کیونکہ قبضہ سے پہلے جب بیع میں تصرف کیا جائے گا اور اس کو فروخت کیا جائے گا تو ظاہر ہے کہ بیع تو غائب ہے، ہاں ثمن موجود ہے، لہذا اس صورت میں جو بیع کو قبضہ سے پہلے فروخت کیا گیا تو درحقیقت کمی بیشی کے ساتھ ثمن کا ثمن سے تبادلہ کیا گیا، جو شرعاً درست نہیں ہے، اب ظاہر ہے کہ یہ شبہ ربا تمام بیع کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے میں پایا گیا، چنانچہ جب حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے کھانے کی اشیاء کے قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کی ممانعت والی مرفوع حدیث کو ذکر فرمایا تو حضرت طاووسؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے ”بیع الطعام قبل القبض“ کی ممانعت کی وجہ پوچھی تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا: ”ذاک دراهم بدر اہم والطعام مرجأ“ (رواہ البخاری ۲۸۶۱)، ”ألا تراہم یتناعون بالذهب والطعام مرجأ“ (مسلم شریف ۵/۲)۔

اب یہاں پہنچ کر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت والی بیشتر احادیث میں طعام کی قید کیوں مذکور ہوئی ہے اس سلسلہ میں بھی کچھ عرض کیا جائے، تو جیسا کہ ماقبل میں درج کیا گیا وہ قید تمثیلاً ہے، دوسرے طعام کی قید کے ذکر کرنے کی مصلحت پر امام طحاوی علیہ الرحمہ نے معانی الآثار میں تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ طعام کی بیع کے اندر شریعت نے کچھ توسع سے کام لیا ہے، چنانچہ اس کے اندر بیع سلم کو جائز رکھا ہے،

دوسری چیزوں کے اندر نہیں، جبکہ بیع سلم معدوم وغیرہ موجود کی بیع ہے، لہذا جب شریعت نے صراحت کے ساتھ طعام کے اندر ”بیع قبل القبض“ کے ناجائز ہونے کا اعلان کیا تو اس سے ثابت ہوا کہ بدرجہ اولیٰ غیر طعام میں ”بیع قبل القبض“ ناجائز ہے، یہی وہ خاص مصلحت ہے جس کے سبب طعام کا ذکر ہوا، اب ظاہر ہے کہ اگر اس کے برعکس معاملہ ہوتا کہ طعام کو چھوڑ کر غیر طعام کو ذکر کر کے بیع قبل القبض کا اعلان کیا جاتا، تو پھر ایسی صورت میں طعام کے اندر ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت ثابت نہ ہو پاتی، اور سامع کو یہ نہ معلوم ہو پاتا کہ طعام کے اندر بیع قبل القبض کا کیا حکم ہے (دیکھئے: شرح معانی الآثار ۲/۲۰۲)۔

اور حضرت امام ابوحنیفہ اور حضرت امام ابو یوسف نے بیع قبل القبض کی ممانعت کے حکم کو طعام کے علاوہ دیگر منقولی اشیاء کی بیع کے عدم جواز تک جو عام رکھا ہے، تو اس سلسلہ میں ان حضرات کی دلیل بھی تقریباً وہی حدیثیں اور فتاویٰ صحابہ اور عقلی دلائل ہیں جن سے حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ نے ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت کے حکم کے عموم پر استدلال کیا ہے، البتہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف نے قبضہ سے پہلے غیر منقولی اشیاء کی بیع کے جواز کو جو حکم عام سے خاص کیا ہے، اس کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) قرآن پاک میں بغیر قبضہ کی قید کے مطلقاً بیع کو حلال قرار دیا گیا ہے، چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”أَحِلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ“ (سورۃ البقرۃ ۲۷۵) اس آیت کے عموم کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر قبضہ کے بھی خرید و فروخت کا معاملہ شرعاً جائز و درست ہو، لیکن دوسری طرف احادیث میں ”بیع قبل القبض“ کی مطلق ممانعت وارد ہے، جس کا تقاضا ہے کہ بغیر قبضہ کئے ہوئے کسی سامان کو بیچنا اور فروخت کرنا جائز نہ ہو، لہذا دونوں قسم کے دلائل کو پیش نظر رکھ کر یہ فیصلہ کیا گیا کہ آیت کے عموم کی وجہ سے قبضہ سے پہلے غیر منقولی اشیاء کی بیع کو جائز قرار دیا جائے (جہاں قبضہ حسی معتذر ہے) اور احادیث نبویہ کے پیش نظر قبضہ سے قبل منقولی اشیاء کی بیع کو ناجائز کہا جائے، اور اس تخصیص کا قرینہ وہ حدیثیں ہیں جن میں بیع کو مکمل بیع سے منتقل کرنے سے پہلے فروخت کرنے

سے منع کیا گیا ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ متفقہ طور سے تمام فقہاء نے قبضہ سے پہلے ثمن میں تصرف کرنے کی اجازت دی ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں، تو اس کا جواب حضرات فقہاء نے یہ دیا ہے کہ اس کا وجوب ذمہ میں ہوتا ہے، لہذا ثمن کے ہلاک ہونے سے بائع کا کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے، نہ اس کا حق ساقط ہوتا ہے، اور نہ ہی بیع فاسد ہوتی ہے، اس لئے قبضہ سے پہلے بائع جو اس میں تصرف کر رہا ہے، وہ اپنی ملک میں تصرف کر رہا ہے، چنانچہ حدیث نبوی میں بھی قبضہ سے پہلے ثمن میں مطلقاً تصرف کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

”عن ابن عمر فقلت يا رسول الله رويدك أسألك إنني أبيع الإبل بالنقيع فأبيع بالدنانير وأخذ الدراهم وأبيع بالدراهم وأخذ الدنانير وأخذ هذه من هذه وأعطى هذه من هذه فقال رسول الله ﷺ: لا بأس إن تأخذها بسعر يومها ما لم تفترقا وبينكما شيء“ (ابوداؤد ۷۱۲/۴)۔

لیکن ثمن کے برعکس بیع میں قبضہ سے قبل جو تصرف کرنے سے منع کیا گیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع کی دو قسم ہے: ایک وہ ہے جس میں ہلاکت کا امکان بہت زیادہ ہے، جس کے سبب بیع کے فاسد ہو جانے کا خطرہ ہے، جیسے منقولی اشیاء۔ بیع کی دوسری قسم وہ ہے جس میں ہلاکت کا امکان بہت کم ہے، جیسے غیر منقولی اشیاء، زمین و جائیداد وغیرہ۔ اب جس بیع کے ہلاک ہونے کا امکان زیادہ ہے، اگر قبضہ سے پہلے اس کے فروخت کرنے کی اجازت دی جائے تو قوی امکان ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع ہلاک ہو جائے اور بیع فاسد ہو جائے، اور اس طرح اس صورت میں اگرچہ بائع اول کا نقصان ہوگا، لیکن بائع ثانی کا کچھ نقصان نہ ہوگا، مگر یہاں پر دو خرابی پیدا ہوگی: ایک تو یہ کہ بائع ثانی نے قبضہ سے پہلے جو بیع میں تصرف کیا تو گویا اس نے غیر مملوک شے میں تصرف کیا، دوسرے اس نے اپنے خریدار کے ساتھ بیع غرر کا معاملہ کیا، کیونکہ خریدار نے تو بیع کو یہ سمجھ کر خریدا کہ بائع ثانی جو اسے فروخت کر رہا ہے وہ اس کی ملک ہے، جبکہ اس کی ملک نہیں

ہے، لہذا مذکورہ دونوں خرابیوں کی وجہ سے قبضہ سے پہلے بیع کو فروخت کرنے سے منع کیا گیا،
 ”لأن النبی ﷺ قال: ليس على رجل بيع فيما لا يملك، وفي حديث آخر
 لا تبع ما ليس عندك“ (رواہ الترمذی ۲/۲۲۵)۔

اب ظاہر ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع کو فروخت کرنے کی صورت میں جو خرابیاں لازم
 آرہی ہیں وہ منقولی اشیاء کی بیع میں تو لازم آتی ہیں، کیونکہ ان میں ہلاکت کا امکان زیادہ ہے،
 لیکن غیر منقولی اشیاء کی بیع میں عام حالات میں یہ خرابیاں نہیں لازم آتی ہیں، لہذا قبضہ سے پہلے
 مذکورہ خرابیوں کے سبب منقولی اشیاء میں تو تصرف کرنے کو ناجائز قرار دیا گیا، لیکن قبضہ سے پہلے
 غیر منقولی اشیاء کی بیع کو قبل القبض شمن میں تصرف کرنے کے جواز پر قیاس کر کے جائز رکھا گیا،
 البتہ اگر غیر منقولی اشیاء میں بھی ہلاکت کا امکان زیادہ ہو، جیسے کوئی زمین دریا کے کنارے ہو اور
 اس کے کٹ جانے کا امکان ہو تو ایسی صورت میں غیر منقولی اشیاء میں بھی قبل القبض تصرف جائز
 نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں بھی وہی سبب خرابیاں پائی جارہی ہیں جو قبضہ سے پہلے غیر منقولی
 اشیاء کے فروخت کرنے میں پائی جاتی ہیں۔

بیع قبل القبض کے جواز و عدم جواز کے سلسلہ میں فقہاء کرام کے دلائل و نظریات کو ذکر
 کرنے کے بعد راقم سطور کی ناقص رائے یہ ہے کہ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت کے نقلی و سمعی اور
 عقلی دلائل میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق یا تو کھانے کے قبیل کی اشیاء سے ہے
 (چنانچہ حضرت حکیم بن حزام جو ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت والی مطلق حدیث کے راوی ہیں،
 ان کے سلسلہ میں مذکور ہے کہ کھانے کے قبیل کی اشیاء کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتے تھے، اور
 انہوں نے حضور پاک ﷺ سے انہیں چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کے سلسلہ میں
 دریافت فرمایا تھا جس کا جواب دیتے ہوئے حضور ﷺ نے ان کو کھانے کی اشیاء کی صراحت یا
 بغیر صراحت کے قبضہ سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا (معانی لا تار ۲۰۱/۲)، اس تفصیل سے
 معلوم ہوا کہ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت والی مطلق روایت میں بھی غالباً کھانے ہی کے قبیل کی

اشیاء مراد ہیں، یا وہ منقولی اشیاء سے متعلق ہے، اور جو دلیلیں بظاہر عام نظر آتی ہیں اگر ان کو ان کے پس منظر میں دیکھا جائے تو وہ تخصیص کا احتمال رکھتی ہیں، بلکہ ہر امام نے دلائل عموم میں تخصیص کی ہے، جیسا کہ عنقریب معلوم ہوگا، چنانچہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ جو بیع قبل القبض کے مطلقاً عدم جواز کے قائل ہیں وہ بھی انکل والی بیع میں قبضہ سے پہلے بیع کے اندر تصرف کرنے کے قائل ہیں، چنانچہ ”الفقہ علی المذاہب الأربعة“ میں شوافع کا مسلک یہی نقل کیا گیا ہے (الفقہ علی المذاہب الأربعة ۱۹۱/۳)۔

اسی طرح دیگر ائمہ نے بھی اندازے والی بیع کی صورت میں قبضہ سے پہلے بیع میں تصرف کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اس کے علاوہ بھی بیع کی بعض صورتوں میں ائمہ اربعہ میں سے اکثر نے ”بیع قبل القبض“ سے ممانعت والی روایت میں تخصیص کی ہے، دوسری طرف اکثر احادیث میں صرف بیع الطعام قبل القبض کی ممانعت وارد ہے، جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع کرنے کے سلسلہ میں اصل شدت صرف کھانے کی اشیاء میں ہے، چنانچہ امام ترمذی نے بیع قبل القبض کی ممانعت کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: ”إنما التشديد عند أهل العلم في الطعام“ (ترمذی ۲۴۲/۱)۔

لہذا اگر کھانے کے علاوہ کسی اور بیع کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنے کا عرف ہو جائے اور اس کو ناجائز قرار دینے کی صورت میں لوگوں کو پریشانی و وقت ہو تو ایسی صورت میں حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے مسلک پر عمل کرنے اور فتویٰ دینے کی گنجائش ہے۔

علاوہ ازیں بعض علماء نے ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت سے بچنے کیلئے اور ”بیع قبل القبض“ کی تصحیح کیلئے درج ذیل صورتیں لکھی ہیں، جن کو بوقت ضرورت اپنایا جاسکتا ہے:

(۱) جہاں مال خریدے وہیں کسی مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنادے، تو اس وکیل کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مال پہنچنے سے پہلے بیع نہ کرے، بلکہ وعدہ بیع کرے، اور

جب مال پہنچے تب باضابطہ بیع کرے، اس صورت میں اگر جاہلین میں سے کوئی انکار کر دے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، بیع پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

(۳) نیز اگر خریدار نے مال بھیجنے کیلئے کسی خاص کمپنی وغیرہ کی تعیین نہیں کی، البتہ مال پہنچانے کا کرایہ خریدار ہی ادا کرتا ہے تو اس صورت میں خریدار کا قبضہ مانا جائے گا، اور کمپنی کی تحویل میں مال کے آجانے کے بعد خریدار کیلئے اس مال کو فروخت کرنا جائز ہے (حسن الفتاویٰ ۵۲۶/۶)۔

(۴) اور اگر سامان کو خریدنے سے پہلے خرید و فروخت کا معاملہ کیا جائے تو اسے محض وعدہ بیع یا بیع سلم یا بیع استصناع کے دائرہ میں رکھ کر جائز قرار دیا جائے گا۔
مذکورہ گذارشات کے بعد فقہ اکیڈمی دہلی کے مسلسل سوالوں کا جواب ملاحظہ ہو:

بیع قبل القبض فاسد ہے یا باطل؟

جیسا کہ اوپر مفصل عرض کیا گیا کہ ”بیع قبل القبض“ شرع اسلامی کے اعتبار سے ناجائز ہے، اور اس کے ناجائز ہونے پر جمہور فقہاء فی الجملہ متفق ہیں، اب رہی یہ بات کہ ”بیع قبل القبض“ کا شمار عند الفقہاء بیع فاسد میں ہے، یا بیع باطل میں یا بیع مکروہ میں، تو اس سلسلہ میں کچھ عرض کرنے سے پہلے بیع فاسد و مکروہ اور بیع باطل کی حقیقت کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، فقہاء کرام نے بیع فاسد و مکروہ اور بیع باطل کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ:

اگر خرید و فروخت کا معاملہ اصل اور وصف دونوں اعتبار سے صحیح نہ ہو تو بیع باطل ہے، اور اگر بیع کا معاملہ اصل کے اعتبار سے تو درست ہو، لیکن وصف متصل کی وجہ سے اس میں کوئی خرابی ہو تو یہ بیع فاسد ہے، اور اگر بیع کا معاملہ اصل و وصف کے اعتبار سے تو درست ہو، لیکن کسی امر مجاور کی وجہ سے اس میں کوئی قبح و خرابی پائی جائے تو یہ بیع مکروہ ہے، چنانچہ ”مشکوٰۃ“ کی شرح ”تنظیم الاشتات“ میں مرقوم ہے:

”والبیع الباطل ما لا يكون صحيحاً باعتبار الأصل والوصف والبيع الفاسد هو ما لا يصح أى إن كان القبح لوصف متصل والبيع المكروه إن كان القبح لأمر مجاور“ (تخيم الاثبات ۱۱۵/۲)۔

حضرت علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ نے ”ہدایہ“ کے حاشیہ میں ”باب البیع الفاسد“ کے تحت بیع فاسد و مکروہ اور بیع باطل کی حقیقت پر اس سے زیادہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے (دیکھئے: حاشیہ ہدایہ ۳۳/۳)۔

بیع باطل و فاسد کی حقیقت سامنے آجانے کے بعد ”بیع قبل القبض“ کے سلسلہ میں غور کرنا چاہئے کہ اس سے بیع فاسد ہوتی ہے یا بیع باطل ہوتی ہے، تو اگرچہ اس سلسلہ میں فقہاء کرام کا کلام مختلف ہے، چنانچہ ”جوہرہ نیرہ، باب المراءى“ میں لکھا ہے کہ:

”قال الخجندی: إذا اشترى منقولا لا يجوز بيعه قبل القبض لا من باعه ولا من غيره فإن باعه فالبيع الثانى باطل، والبيع الأول على حاله جائز ولو باعه من البائع قبله لا يصح البيع“ (الجوهرة النيرة)۔

اسی طرح صاحب درمختار نے بیع قبل القبض کے سلسلہ میں ایک قول یہ نقل کیا ہے: ”بخلاف بيعه قبله (أى قبل القبض) فإنه باطل مطلقاً“ (الدر المختار مع رد المحتار ۱۸۲/۳) یعنی قبل القبض باطل ہے، لیکن مذکورہ قول کے بعد بیع قبل القبض کے متعلق دوسرا قول بیع فاسد ہونے کا لکھا ہے: ”وفى المواهب وفسد بيع المنقول قبل قبضه، انتهى“ (الدر المختار ۱۸۲/۳)۔

اسی طرح ”فتاویٰ عالمگیری“ میں ”بیع قبل القبض“ کو بیع فاسد ہی لکھا ہے: ”ومنها القبض فى بيع المشتري المنقول وفى الدين قبل قبضه فاسد كالمسلم فيه“ (فتاویٰ عالمگیری کتاب البیوع الباب الاول ۳/۳)۔

بیع باطل و فاسد کے مذکورہ بالا اصول کے پیش نظر ”بیع قبل القبض“ کو بیع فاسد ہی ہونا

چاہئے، رہائے فاسد پر بیع باطل کا اطلاق تو یہ فقہاء کرام کے کلام میں بکثرت ہے، اسی طرح بیع باطل پر بھی فقہاء کرام کے اقوال میں بیع فاسد کا اطلاق ہوا ہے، چنانچہ ”شرح وقایہ“ میں لکھا ہے:

”قد يذكر الفاسد ويراد به الباطل كما أن في أول كتاب القدوري جعل البيع بالميتة فاسداً وهو باطل“ (شرح وقایہ ۵۰۳)۔

اسی طرح ”ہدایہ“ میں ہے:

”وبيع أم الولد والمذبر والمكاتب فاسد ومعناه باطل“ (ہدایہ ۳۴۳)۔

قبضہ کی حقیقت تصریحات فقہاء کی روشنی میں:

اسلامی شریعت نے قبضہ سے پہلے کسی بیع میں تصرف کرنے سے منع کیا ہے، لیکن قبضہ کی حقیقت کیا ہے؟ اور کیا کتاب و سنت نے قبضہ کی کسی خاص حقیقت کی کوئی تحدید و تعیین کی ہے؟ یا لوگوں کے عرف میں جس درجہ کے عمل و دخل کو قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً قبضہ مانا جائے گا، تو اس سلسلہ میں فقہاء کرام اور شارحین حدیث کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اسلامی شریعت نے قبضہ کی کوئی خاص تحدید نہیں کی ہے، البتہ نصوص شرعیہ کی روشنی میں بطور خود حضرات فقہاء کرام نے قبضہ کی تحدید کی کوشش کی ہے، لیکن تصریحات فقہاء کو درج کرنے سے پہلے قبضہ کے لغوی مفہوم کو یہاں تحریر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، تاکہ تصریحات فقہاء کو سمجھنے میں سہولت ہو، تو اس سلسلہ میں ارباب لغت نے جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ قبض باب ضرب کا مصدر ہے، اور قبضہ اسی کا اسم مرۃ ہے، قبض کے لغوی معنی ہیں، لینا، پکڑنا، جمع کرنا، اکٹھا کرنا، گرفتار کرنا، ضبط کرنا، قابو پانا، وصول پانا، رکنا، باز رہنا، ہٹنا، دور کرنا، سیٹنا، وفات دینا، تنگی ڈالنا، کہا جاتا ہے: ”صار المال في قبضة“ مال اس کی ملکیت میں ہو گیا (ملاحظہ ہو: القاموس المجدید ۷/۵۲۱، مصباح اللغات ۲/۶۵۳، المعجم الوسیط ۱۱/۷۳)، اور قواعد الفقہ میں قبض کی تشریح کرتے ہوئے اس کے مصنف نے لکھا ہے: ”القبض خلاف البسط يقال قبض عليه إذا ضم عليه أصابعه وقبض الشيء أخذه، وهذا الشيء في قبضة فلان أي في ملكه

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

وتصرفه، والقبضة من الشيء ملأ الكف منه“ (قواعد الفقہ ۴۲۲)۔

قبضہ کے لغوی معنی کو جان لینے کے بعد تصریحات فقہاء کی روشنی میں قبضہ کی حقیقت

ملاحظہ ہو:

اس سلسلہ میں حضرات ائمہ ثلاثہ (امام مالک، شافعی اور احمد) کا نظریہ ہے کہ ہر چیز میں قبضہ اسی شئی کی حیثیت کے اعتبار سے مانا جائے گا۔

”مذهب المالک والشافعی والحنابلہ أن قبض كل شيء بحسبه“ (الموسوعۃ الفقہیہ ۱۳۲/۹، نص ابن قدامہ فی المغنی ۲۲۰/۳)۔

اگر کوئی چیز وزن، کیل، عدد یا ذراع سے فروخت ہوئی تو اس میں قبضہ وزن، کیل، ذراع عدد (گن لینے) سے تسلیم کیا جائے گا۔

”فإن كان مكيلا أو موزونا أو معدودا أو مذروعا فقبضه بالكيل أو الوزن أو العدد أو الذراع وذلك لحديث عثمان... يا عثمان إذا ابتعت فاكسل وإذا بعت فكل“ (علاقہ البخاری ۲۸۰/۱، وصلة أحمد ۶۲/۱، وصلة البيهقي ۹۸/۳، البيهقي ۳۱۵/۵، الموسوعۃ ۱۳۲/۹)۔

البتہ امام مالک کے نزدیک مثلی چیزوں میں قبضہ کا تحقق خریدار کو بیع اس کے برتن میں رکھ کر حوالہ کر دینے سے مانا جائے گا، اور اگر منقولی سامان یا چوپائے کو خریدتا تو اس میں قبضہ کا اعتبار لوگوں کے درمیان رائج عرف کے مطابق ہوگا۔

”والمالکۃ شرطوا فی قبض تسلیمہ للمشتري وتفریغہ فی أوعیتہ“ (الشرح الکبیر للردیو حافیۃ الدسوقی علیہ ۱۳۳/۳)۔

”وإن كان جزافا فقبضه نقله و ذلك لحديث ابن عمر قال كانوا يتبايعون الطعام جزافا بأعلى الصوت فنهاهم رسول الله ﷺ أن يبيعوه حتى ينقلوه وفي رواية حتى يحولوه، وإن كان منقولا من عروض و أنعام فقبضه كتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز۔

بالعرف الجاری بین الناس كما يقوله المالكية كاحتياز الثوب و تسليم معقود الدابة“ (الموسوعة الفقهية ۱۳۲/۹، الشرح الكبير ۱۳۵/۵)۔

اور حضرات حنابلہ کے نزدیک اگر بیع دراہم و دنانیر کے قبیل سے ہو، تو اس میں قبضہ کا تحقق ہاتھ میں لینے سے ہوگا، اور اگر کپڑا ہو تو اس کو منتقل کر لینے سے ہوگا، اور اگر جانور ہو تو اس کو اس کی جگہ سے چلا دینے سے قبضہ مانا جائے گا، اور اگر زمین ہو تو اس میں قبضہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مشتری کیلئے زمین کا تخلیہ کر دے:

”وفصل الحنابلة في المنقول من العروض والأنعام، فقالوا: إن كان المبيع دراهم أو دنانير فقبضها باليد وإن كان ثيابا فقبضها نقلها وإن كان حيوانا فقبضه تمشيته من مكانه... وإن كان عقارا فقبضه بالتخلية بينه وبين المشتري بلا حائل دونه“ (الموسوعة الفقهية ۱۳۲/۹، فتاویٰ المفتی ۲۲۰/۳، كشف القناع ۲۳/۷)۔

اور حضرات شوافع کے نزدیک بھی بیع کی مختلف قسموں کے اعتبار سے قبضہ کے سلسلہ میں قدرے تفصیل ہے، اگر بیع ایسی ہے کہ وہ ہاتھ سے پکڑی جاسکتی ہے تو اس میں قبضہ ہاتھ میں لے لینے سے ہوگا، جیسے سونا، چاندی، درہم و دنانیر، اور کپڑا۔ اور اگر بیع منقولی اشیاء کے قبیل سے ہے، تو قبضہ کا تحقق سامان کو منتقل کر لینے سے ہوگا، اور اگر بیع غیر منقولی اشیاء میں سے ہے تو قبضہ تخلیہ کر دینے سے ہو جائے گا، البتہ مکان میں قبضہ کا اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ بائع خریدار کو مکان کی کنجی حوالہ کر کے تصرف کرنے کی اجازت دیدے، اور اگر اس میں کسی اور کا سامان ہو تو اس کو نکال کر مکان کو خالی کر دے (الموسوعة الفقهية ۱۳۳/۹، فتح الباری ۴۱/۳)۔

اور ائمہ حنفیہ کے نزدیک قبضہ کے سلسلہ میں اتنی تفصیل نہیں ہے، بلکہ ان حضرات نے قبضہ کیلئے تخلیہ کو معتبر مانا ہے، لیکن تخلیہ کی تعریف بقول علامہ انور شاہ کشمیری معذور ہے، البتہ ظاہر روایت کے مطابق اس کا لغوی مفہوم یہ ہے کہ خریدار کیلئے بیع کو لے کر تصرف کرنے میں جو رکاوٹ پیش آسکتی ہے، بائع اس کو دور کر دے (العرف الشذی ۲۴۳)۔

اور حضرت امام ابو یوسف کے نزدیک منقولی چیزوں میں قبضہ کا تحقق سامان کو منتقل کر لینے سے مانا جائے گا، لیکن بظاہر یہ حضرت امام ابو یوسف کی ایک روایت ہے ورنہ ان کا مذہب یہی ہے کہ تمام چیزوں میں قبضہ کا تحقق صرف تخلیہ سے ہو جاتا ہے۔

”قال فی الموسوعة لأنها (أى التخلية) تسليم فمن ضرورته الحكم بالقبض فيترتب عليه ما يترتب على القبض الحقيقي وهذا هو الأصح ومقابل الأصح المروى عن أبى يوسف وهو أنه لا يثبت فى المنقول إلا بالنقل“ (الموسوعة الفقهية ۹/۲۳۳) ”ولكن قال صاحب البدائع لا خلاف بين أصحابنا فى أصل القبض يحصل بالتخلية فى سائر الأموال“ (البدائع ۵/۲۳۳) مندرجہ بالا تفصیل سے قبضہ کی حقیقت کے سلسلہ میں فقہاء احناف کا جو نظریہ متفق ہو کر سامنے آتا ہے اس سلسلہ میں صاحب بدائع نے متعدد جگہ کلام کیا ہے، مثلاً ایک جگہ لکھا ہے، ”ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكن والتخلية وارتفاع الموانع عرفاً وعادة وحقيقة“ (بدائع الصنائع ۵/۱۳۸)، نیز ایک اور جگہ صاحب بدائع نے قبضہ کی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: ”تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلية وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً له“ (بدائع ۵/۲۳۳)۔

مذکورہ تفصیل سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ فقہائے احناف نے قبضہ کے تحقق کیلئے تخلیہ کو معتبر مانا ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہاء احناف کے نزدیک بیع پر قبضہ بالید کا پایا جانا ضروری نہیں ہے، بلکہ حکماً قبضہ کو بھی ان حضرات نے معتبر تسلیم کیا ہے، چنانچہ علامہ شامی نے لکھا ہے: وقد يكون القبض حكماً، كقبض حكماً هو ما، آگے چل کر علامہ شامی نے قبضہ حکمی کی متعدد مثالیں بیان فرمائی ہیں اور اسی ذیل میں لکھا ہے کہ ”ومنہ (أى من القبض) مالواشترى دهنًا ودفع قارورة بانه فيها فوزنه فيها بحضرة المشتري فهو كتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

قبض، و کذا بغیثہ فی الاصح، و کذا کل مکیل أوموزون إذا دفع له الوعاء فکاله أووزنه فیہ بأمره ومنه مالو غصب شیئا ثم اشتراه صار قابضا بخلاف الودیعة والعاریة إلا إذا وصل إلیه بعد التخلية“ (رد المحتار ۴/۴۷۷)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بیع پر قبضہ اس کے تخلیہ سے حاصل ہو جاتا ہے، چنانچہ ”در مختار“ میں بھی لکھا ہے کہ بیع کو حوالہ کرنا اس کے تخلیہ سے ہوتا ہے، لیکن اس طرح کہ بغیر کسی رکاوٹ کے اس پر قبضہ کرنا ممکن ہو، ”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل“ (الدر المختار ۴/۴۷۷) اور علامہ شامی نے در مختار کی مذکورہ عبارت کی شرح کرتے ہوئے ”رد المحتار“ میں قبضہ کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر گیہوں کسی نے خریدا اور وہ کسی مکان میں ہے، اور بائع نے خریدار کو مکان کی کنجی دیکر کہا کہ میں نے گیہوں کا آپ کیلئے تخلیہ کر دیا، تو اسے قبضہ مانا جائے گا، لیکن اگر کنجی دیکر کچھ نہیں کہا تو شرعاً یہ قبضہ نہیں ہے، اور اگر کسی نے نظروں سے اوجھل مکان کو فروخت کیا، اور کہا کہ میں نے وہ مکان تیرے حوالہ کر دیا تو یہ قبضہ نہیں ہے، ہاں اگر مکان اتنا قریب ہو کہ خریدار اس کو بند کر سکتا ہو تو شرعاً یہ مکان پر قبضہ مانا جائے گا ورنہ نہیں، اور ”جمع النوازل“ میں لکھا ہے کہ گھر کو فروخت کر کے کنجی حوالہ کر دینا شرعاً قبضہ ہے جبکہ خریدار کیلئے بلا تکلف اس مکان کو کھولنا آسان ہو، اسی طرح اگر کسی نے چراگاہ میں گائے کو خریدا اور بائع نے اس سے کہا کہ جاؤ قبضہ کر لو، تو اگر خریدار اس گائے کو دیکھ سکتا ہو اور اس کی طرف اشارہ کر سکتا ہو، تو یہ بھی قبضہ ہے ورنہ نہیں، اگر کسی نے کپڑا خریدا تو بائع نے اس سے کہا کہ قبضہ کر لو اب اگر بغیر کھڑے ہوئے بھی کپڑے کو لینا ممکن ہے تو یہ قبضہ ہے ورنہ نہیں، اور اگر کسی نے گھوڑے یا پرندے کو خریدا اور وہ دونوں کسی کمرہ میں ہوں، اور فروخت کنندہ نے خریدار سے کمرہ کا دروازہ کھول کر کہا کہ قبضہ کر لو، تو اگر خریدار کیلئے وہاں پہنچ کر بغیر کسی کی مدد کے پرندہ اور گھوڑے کو پکڑنا ممکن ہو تو یہ قبضہ ہے اور اس سلسلہ میں تفصیلی بحث بحر میں ہے، آخر میں بطور خلاصہ کے خود علامہ شامی نے لکھا ہے کہ ”و حاصله أن التخلية قبض حکما

لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض، أي بأن تكون في البلد فيما يظهر، و في نحو بقر في مرعى، فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض، وفي نحو ثوب، فكونه بحيث لو مد يده تصل إليه قبض و في نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه بلا معين قبض “ (رد المحتار ۴/۳۷۸، ۳۷۹)۔

آگے چل کر علامہ شامی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر بیع اتنی دور ہو کہ بغیر مشقت کے اس پر قابض ہونے کی قدرت نہ ہو تو ایسی صورت میں صرف قبضہ کر لینے کی اجازت دیدینے سے شرعاً قبضہ نہیں مانا جائے گا، اسی طرح بیع کے دور ہونے کی صورت میں اس کے تخلیہ سے خریدار کا قبضہ تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

”لأنه إذا كان قريباً يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التحلية مقام القبض أما إذا كان بعيداً لا يتصور القبض في الحال، فلا تقام التحلية مقام القبض“ (رد المحتار ۴/۳۷۸)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ فقہاء احناف کے نزدیک تخلیہ کو قبضہ کے قائم مقام اسی وقت مانا گیا ہے جبکہ بیع قریب ہو، اور اس پر حقیقی قبضہ بھی ممکن ہو، ورنہ جہاں بیع کے دور ہونے کی وجہ سے حقیقی قبضہ متصور نہ ہو وہاں تخلیہ کو قبضہ کے قائم مقام نہیں مانا جائے گا، بلکہ وہاں حسی قبضہ معتبر ہوگا، البتہ جہاں حقیقی قبضہ ممکن و مقدور ہو وہاں قبضہ کے لئے بیع کا تخلیہ کر دینا کافی ہے، اور تخلیہ کا واضح مطلب یہ ہے کہ بائع بیع کو اپنے دیگر سامانوں سے اس طرح الگ اور جدا کر دے کہ خریدار جب چاہے، بلا روک ٹوک کے بیع میں تصرف کر سکے، اور بیع کے ساتھ خریدار کے علاوہ کسی اور کا کوئی حق وابستہ نہ ہو، اور ہر چیز میں قبضہ اسی شئی کے مناسب حال معتبر ہوگا۔

منقولی وغیر منقولی اشیاء میں قبضہ کی صورتیں:

غیر منقولی اشیاء میں قبضہ کے تحقق کیلئے تقریباً تمام فقہاء نے تخلیہ کو کافی قرار دیا ہے، جیسا کہ اوپر مفصل گذرا، البتہ دور حاضر میں زمین و جائداد کے قبیل کی غیر منقولی اشیاء میں عرف عام کے اندر رجسٹری کو اتنی زیادہ اہمیت حاصل ہو گئی ہے کہ بغیر اس کے لوگ قبضہ کا کوئی اعتبار نہیں کرتے، اس لئے دور حاضر کے بدلتے ہوئے حالات میں زمین و جائداد میں قبضہ کے تحقق و ثبوت کیلئے قضاء زمین کی رجسٹری کو لازم قرار دینا چاہئے، اگرچہ دیانتہ بغیر رجسٹری کے صرف تخلیہ اور رفع موانع کی وجہ سے قبضہ کو تسلیم کیا جائے اور اسی کے مطابق فتویٰ دیا جائے۔

اور منقولی اشیاء میں قبضہ کے تحقق کیلئے اگرچہ فقہاء احناف نے بیع کے قریب ہونے کی صورت میں تخلیہ کو کافی قرار دیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ مشتری کیلئے بیع کو قبضہ کرنے میں جو رکاوٹ پیش آ سکتی ہے، بائع اس رکاوٹ کو دور کر دے، لیکن دیگر فقہاء نے اس کے ساتھ ملکیتی و موزونی اور محدودی و مذروعی چیزوں میں کیل و وزن، پیمائش اور بیع کو گن کر الگ کر دینے کو لازم قرار دیا ہے، بلکہ حضرت امام مالک نے مثلی چیزوں میں قبضہ کے تحقق کیلئے بیع کو خریدار کے برتن میں رکھ دینے کو مشروط قرار دیا ہے، اور دیگر منقولی سامانوں اور جانوروں میں قبضہ کے لئے لوگوں کے درمیان رائج عرف کا اعتبار کیا ہے، اور حضرات شوافع و حنابلہ نے ہاتھ سے پکڑی جانے والی چیزوں میں قبضہ کے ثبوت کیلئے بیع کو ہاتھ میں لینے اور دیگر منقولی چیزوں میں سامان بائع کے پاس سے منتقل کر لینے کو لازم کہا ہے، اسی طرح طعام کے قبیل کی چیزوں کو اگر خریدار نے اندازے سے خریدا ہو تو اس میں قبضہ کا اعتبار بیع کو منتقل کر لینے سے ہوگا اور جانور وغیرہ میں اس کی جگہ سے چلا دینے سے، ”قال فی البدائع وقال الشافعی القبض فی الدار والعقار والشجر بالتخلية وأما فی الدراهم والدنانیر فتناولهما بالبراجم وفی الثیاب بالنقل وكذا فی الطعام إذا اشتراه محازفة فإذا اشتراه مكایلة فبالکیل وفی العبد والبهيمة بالسیر من مكانه“ (بدائع ۵/۱۲۳)۔

اوپر فقہاء احناف کا جو یہ قول نقل کیا گیا کہ ان کے نزدیک صرف تخلیہ سے خریدار کا قبضہ مکمل ہو جاتا ہے، وہ فقہاء احناف کا ایک قول ہے، ورنہ دوسرے قول کے مطابق مکملی و موزونی اشیاء میں قبضہ کی تمامیت کیلئے بیع کا کیل و وزن ہو جانا ضروری ہے، ”قال فی البدائع: والدلیل علی أن الکیل والوزن فی المکیل والموزون الذی بیع مکایلة وموازنة من تمام القبض أن القدر فی المکیل والموزون معقود علیہ ألا تری أنه لو کیل فازداد لا تطیب له الزیادة بل ترد أو یفرض لها ثمن ولو نقص یطرح بحصته شیء من الثمن ولا یعرف القدر فیہما إلا بالکیل والوزن“ (بدائع ۲۳۵/۵)۔

کیا بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلہ ہیں؟

عربی کا مشہور مقولہ ہے کہ ”فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمة“ حکیم کا کوئی کام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا ہے، لہذا اللہ رب العزت جو حکم الحاکمین ہے، کیا اس کے کسی حکم کا حکمت سے خالی ہونا ممکن ہے؟ ظاہر ہے کہ ہرگز ایسا ممکن نہیں ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مؤمنون میں تخلیق انسانی کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

”أفحسبتم أنما خلقناکم عبثاً وأنکم إلینا لا ترجعون“ (سورہ المؤمنون ۱۱۵)۔

(اے لوگو! کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تم لوگوں کو بیکار پیدا کر دیا ہے؟ اور تم لوگ ہمارے پاس نہیں لوٹائے جاؤ گے؟)۔

باری تعالیٰ کے اس ارشاد سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اس ذات وحدہ لا شریک لہ نے انسانوں کو بیکار نہیں پیدا کیا ہے، بلکہ ہر انسان کو اس نے ایک مقصد کے تحت پیدا کیا ہے، وہیں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ باری تعالیٰ سبحانہ کا ہر کام حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے، البتہ اگر کسی امر خداوندی کی حکمت ہم کو معلوم ہو گئی تو اسے ہم امر معقول کہتے ہیں ورنہ اس حکم کو امر تعبدی کا عنوان دیا جاتا ہے، ”فما شرعہ إن ظہرت حکمتہ لنا قلنا: إنه معقول وإلا قلنا إنه

تعبیدی“ (رد المحتار کتاب الصلوٰۃ ۱/۳۳۰)۔

مذکورہ تفصیل کا تقاضا ہے کہ نصوص شرعیہ میں تعلیل کو اصل کہا جائے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ نصوص شرعیہ اور احکام فرعیہ کی بنیاد بھی علتوں پر ہو، ورنہ لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے احکام کو بغیر کسی علت کے بیکار مشروع کیا ہے، جو سراسر باطل ہے، لہذا یہ بات واضح ہوگئی کہ فقہاء اصولیین نے جو یہ قاعدہ تحریر فرمایا ہے کہ:

”إن الأحكام الشرعية العملية جميعها إنما شرعت لمصالح الناس ولعل بنيت عليها وما شرع حكم منها عبثا بغیر علة“ (أصول الفقہ للکشاف ۶۲)، نیز اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ مرقوم ہے:

”إن الله سبحانه ما شرع حكما إلا لمصلحة وإن مصالح العباد هي الغاية المقصودة من تشريع الأحكام“ (أصول الفقہ للکشاف ۵۸)۔

مذکورہ تصریحات سے جب یہ بات واضح ہوگئی کہ احکام شرعیہ کی بنیاد علتوں پر ہوتی ہے تو اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن احادیث نبویہ اور اکابر صحابہ کے فتاویٰ میں بیع قبل القبض سے منع کیا گیا ہے تو ان میں ممانعت کی علت ضعف ملک ہے، چنانچہ الموسوعة الفقہیہ میں لکھا ہے کہ:

”لا يصح بيع المبيع قبل قبضه (إلى قوله) لضعف الملك قبل القبض لانفساخ العقد بتلفه وهذا المعنى الذى علل به الشافعى النهى عن البيع قبل القبض“ (الموسوعة الفقہیہ ۱۲۳/۹)۔

”ومثله فى الفقه على المذاهب الأربعة: لا يصح للمشتري أن يتصرف فى المبيع قبل قبضه (إلى قوله) لضعف الملك قبل القبض فلا يصح التصرف فى المبيع بالبيع“ (الفقه على المذاهب الأربعة ۱۹۱/۳)۔

اور حضرات حنابلہ کے نزدیک بیع قبل القبض کے عدم جواز کی علت بیع پر مشتری کی ملکیت کا تام نہ ہونا ہے، ”وعلل الحنابلة عدم الجواز على هذه الرواية التى

اختارها ابن عقيل من أئمتهم، بأنه لم يتم الملك عليه فلم يجوز بيعه، كما لو كان عين متعين“ (الموسوعة الفقهية ۹/ ۱۲۳)۔

اور حضرات مالکیہ کے نزدیک بیع قبل القبض سے ممانعت کی علت کے سلسلہ میں ”الفقہ علی المذاہب الاربعہ“ میں دو قول منقول ہیں: ایک قول یہ ہے کہ بیع پر قبضہ کر کے بیچنے کے ساتھ بہت سے لوگوں کا نفع وابستہ ہے، مثلاً جو لوگ سامان تولتے ہیں یا وزن کرتے ہیں، یا اس کو اٹھاتے ہیں، ان کو نفع ہوتا ہے، لیکن اگر بیع پر قبضہ کئے بغیر ہی اس کو فروخت کر دیا جائے تو مذکورہ حضرات کا نقصان اور گھانا ہوتا ہے اور ان کا نفع ضائع ہو جاتا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ ممانعت کا حکم تعبدی ہے، یعنی ممانعت کی علت و مصلحت ہم کو معلوم نہیں ہے، ”وقد قيل في علة النهي إن في قبضه منفعة للعمال إذ ينتفعون بكيهه وحمله ووزنه وغير ذلك بخلاف ما إذا بيع وهو عند صاحبه فإن ذلك يضيع تلك المنفعة وقيل إنه تعبدی“ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۳/ ۱۹۲)۔

اور علمائے احناف کے نزدیک ”بیع قبل القبض“ کی علت غرر ہے، کیونکہ قبضہ سے پہلے اگر بیع بائع ہی کے پاس بلاک ہو جائے تو عقد بیع فسخ ہو جاتا ہے، پس اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مشتری نے جو قبضہ سے پہلے بیع کو فروخت کیا ہے، تو گویا اس نے غیر مملوک شی کو فروخت کر کے مشتری ثانی کو دھوکہ دیا ہے، جو شرعاً ممنوع و حرام ہے، چنانچہ ابن ماجہ، ترمذی، ابوداؤد اور مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ و ابن عباسؓ سے مروی ہے: ”نہی رسول اللہ عن بیع الغرر“ (ابن ماجہ ۱۵۸، ترمذی ۲۲۳، ابوداؤد ۴۷۹، مسلم ۲/ ۲)۔

اور مفتی محمد تقی صاحب عثمانی نے بیع قبل القبض کی ممانعت پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت کا مدار دو وجہوں پر ہے:

(۱) قبضہ سے پہلے بیع مقدور التسلیم نہیں ہوتی، لہذا یہ بات یقینی نہیں ہے کہ وہ مشتری

کو ضرور قبضہ کر دے گا، یہ غرر ہے جس کی بنا پر بیع جائز نہیں ہے۔

(۲) ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع بائع کے

ضمان میں نہیں آتی، اور ”ربح مالہ یضمن“ جائز نہیں (اسلام اور جدید معیشت ۹۱)۔

اور علامہ طحاوی کے نزدیک بھی بیع قبل القبض کی علت ”ربح مالہ یضمن“ ہے

(معانی الآثار ۲/۲۰۲)، لیکن زیادہ تر علمائے احناف نے ”بیع قبل القبض“ کی علت غرر (دھوکہ) کو

قرار دیا ہے۔

(۵) بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم عام مخصوص منہ البعض ہے:

”بیع قبل القبض“ کی ممانعت باتفاق ائمہ عام مخصوص منہ البعض ہے، کیونکہ جب بیع

قبل القبض کی نبی سے متعلق احادیث ”معلول بالعلۃ“ ہیں تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ

جہاں ممانعت کی علت پائی جائے گی وہیں ممانعت کا حکم ہوگا ورنہ نہیں، چنانچہ حضرت امام شافعی

جو قبضہ سے پہلے بیع کی خرید و فروخت کی ممانعت کی عمومیت کے قائل ہیں ان کے نزدیک بھی بیع

کے علاوہ بہت سے دیگر تصرفات قبضہ سے پہلے بیع میں جائز ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک قبضہ سے

پہلے وقف جائز ہے، بلکہ ان کے نزدیک اگر کسی نے بغیر کیل و وزن کے انکل سے غلہ کو مثلاً گیہوں

وغیرہ کے ڈھیر کو بغیر کیل و وزن کے اندازے سے خریدا تو اس میں خریدار قبضہ سے پہلے تصرف

کر سکتا ہے۔

اسی طرح ”الفقہ علی المذاہب الاربعہ“ میں لکھا ہے کہ حضرات شوافع کے نزدیک

قبضہ سے پہلے بیع میں تصرف کے عدم جواز سے تین صورتیں مستثنیٰ ہیں: پہلی صورت یہ ہے کہ

خریدار قبضہ سے پہلے بیع کو پہلی سی قیمت کے عوض بغیر کسی اضافہ کے بائع کے ہاتھ فروخت

کر دے تو یہ جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بیع کا کچھ حصہ بائع کے پاس تلف ہو جائے تو

خریدار تلف شدہ بیع کو بائع ہی کے ہاتھ فروخت کر دے، یعنی بائع خریدار کو تلف شدہ بیع کے مثل

ثمن دیدے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی چیز بائع سے ادھار

خریدی اور ابھی خریدار نے بائع کو ثمن نہ دیا، اور نہ بیع پر قبضہ کیا تو ایسی صورت میں بھی خریدار پہلی

قیمت پر بیع کو بائع سے فروخت کر سکتا ہے، ”والبیع فی الأحوال الثلاثة یکون إقالة بلفظ البیع فلیس بیعا حقیقة“ (افتق علی المذاہب الاربعہ ۱۹۲/۳)۔

نیز امام شافعیؒ کے نزدیک ترکہ میں، اسی طرح شمن میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے۔

”لا یمتنع بیعہ ما ورثہ قبل قبضہ“ (مسلم شریف ۶/۲)۔

اور حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک قبضہ سے پہلے صرف کھائی جانے والی چیزوں کو فروخت کرنا جائز ہے ورنہ جائز ہے، لیکن کھائی جانے والی اشیاء کے علاوہ دیگر چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، اسی طرح اگر کسی نے کھائی جانے والی چیزوں کو اٹکل سے بغیر تولے اور وزن کئے ہوئے خرید تو اس کی بیع بھی قبضہ سے پہلے جائز ہے۔

در اصل امام مالک کے نزدیک قبضہ سے پہلے کسی چیز میں تصرف کا عدم جواز دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے: پہلی شرط یہ ہے کہ کھانے کی اشیاء کو کوئی عوض دے کر لیا گیا ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ کیل و وزن یا عدد سے لیا گیا ہے، لہذا اگر کسی کے پاس کھانے کی اشیاء بہہ یا ترکہ میں آئی ہوں تو اس کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، اسی طرح اگر کسی چیز کو اٹکل سے خرید ا ہو تو قبضہ سے پہلے اس چیز کو اٹکل سے یا تول کر فروخت کرنا شرعاً درست ہے، البتہ اگر کھانے کی اشیاء کو کسی چیز کے عوض کیل سے خرید تو اس کو قبضہ سے پہلے بیچنا اٹکل سے جائز ہے اور نہ کیل و وزن سے جائز ہے (حاشیہ الدوقی ۱۳۵/۱۳۶)۔

اور حضرات حنابلہ کے نزدیک غیر ملکیتی وغیرہ موزونی، غیر معدودی اور غیر مدروعی چیز کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا، رہن رکھنا، بہہ کرنا جائز ہے، اسی طرح جن چیزوں کو اٹکل سے خریدا ہو، ان چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز ہے، البتہ جن چیزوں کو کیل و وزن سے یا ناپ کر یا گن کر خریدا ہو، ان چیزوں کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، ہاں قبضہ سے پہلے وصیت کرنا یا مال غیر مقبوض کو بدل خلع اور مہر ٹھہرانا درست ہے (افتق علی المذاہب الاربعہ ۱۹۲/۲)۔

اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر بیع غیر منقولی اشیاء

کے قبیل سے ہے جیسے زمین، تو اس کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے، اسی طرح قبضہ سے پہلے شمن میں تصرف بھی جائز ہے (دیکھئے المسودہ ۱۰/۱۳، بدائع ۵/۲۳۳)۔

اور حضرت امام محمد کے نزدیک قبضہ سے پہلے بیع میں تصرف کا ضابطہ یہ ہے کہ جن تصرفات کی تمامیت کیلئے قبضہ شرط ہے، ان میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے، جیسے قبضہ، صدقہ، رہن، قرض، اعارہ وغیرہ، اور جو تصرفات قبضہ سے پہلے ہی تام ہو جاتے ہیں جیسے بیع، اجارہ، بدل صلح جو اعیان کے قبیل سے ہوں، ان میں قبل القبض تصرف جائز نہیں، ”وضع محمد بن الحسن من الحنفیة (لمنع التصرف قبل القبض) هذا الضابطہ:۔

(۱) إن كل تصرف لا يتم إلا بالقبض كالهبة والصدقة والرهن والقرض والإعارة ونحوها يجوز قبل القبض۔

(۲) وكل تصرف يتم قبل القبض كالبيع والإجارة وبذل الصلح عن

الدين إذا كان عينا ونحوها لا يجوز قبل القبض“ (الموسوۃ ۹/۱۲۹)۔

اور قاضی شوکانی کے نزدیک جو تصرفات عوض لے کر کئے جاتے ہیں وہ بیع کے مثل ہیں، لہذا قبضہ سے پہلے ایسے تصرفات کو انجام دینا جائز نہیں ہے، اور جو تصرفات بغیر عوض لئے کئے جاتے ہیں وہ ہبہ کے مانند ہیں، یعنی قبضہ سے پہلے ان کا کرنا جائز ہے، اور اس سلسلہ میں علامہ شوکانی کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ قبضہ سے پہلے وقف کرنا اور غلام کو آزاد کرنا شرعاً جائز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جو تصرف بغیر عوض لئے کیا جاتا ہے، وہ قبضہ سے پہلے انجام دینا جائز ہے، کیونکہ وقف اور غلام کی آزادی کا تصرف بغیر عوض لئے ہوئے ہی کیا جاتا ہے، اور بیع قبل القبض کی ممانعت کی علت شبہ ربوا ہے، اور ربوا کا لین دین بھی معاوضات ہی کے اندر ہوتا ہے، لہذا جو معاملہ عوض لے کر کیا جائے اس میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہونا چاہئے (الموسوۃ الفقہیہ ۱۳۱/۹)۔

مندرجہ تصریحات علماء وفقہاء سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت

کا حکم عام تھا، ص منہ البعض ہے، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ جن حضرات ائمہ نے بعض صورتوں میں بیع قبل القبض کے جواز کا فتویٰ دیا ہے ان کے دلائل کیا ہیں۔

(۶-۷) بیع قبل القبض کی بعض مروجہ شکلیں:

اگر کوئی شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ اس مال کو فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خرید کر مال کو دوسرے خریدار کے پاس روانہ کر دیتا ہے یا فیکٹری ہی کو دوسرے خریدار کے پاس مال بھیج دینے کا حکم دے دیتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آئے گی، اور نہ خریدار نمبر (۲) پر، بلکہ یہ پہلے ہی خریدار کا نقصان مانا جائے گا تو اس صورت میں، اگرچہ فیکٹری سے خریدنے والے شخص کا براہ راست کسی قبضہ تو نہیں ہوا، لیکن چونکہ خود خریدار اول نے اپنے نوکر کے ذریعہ مال اٹھوا کر خریدار ثانی کے یہاں بھیج دیا ہے یا فیکٹری ہی کو اس نے مال بھیجنے کا وکیل بنایا ہے، اس لئے وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہنچنے سے پہلے اسی خریدار اول ہی کے ضمان میں رہے گا، اور اس خریدار اول کا مال پر حکمی قبضہ پایا گیا، اس لئے یہاں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ خریدار اول نے مال غیر مضمون سے نفع حاصل کیا ہے، یا اس نے قبضہ سے پہلے مال کو فروخت کیا ہے، بلکہ اس نے مال پر حکماً قبضہ کے بعد مال مضمون سے نفع حاصل کیا ہے، لہذا سوالنامہ کی اس درج شدہ صورت میں فیکٹری کے مالک کو بائع ماننے کے ساتھ خریدار اول کو وکیل بالقبض قرار دیا جائے گا، ”لأن أمور المسلمين محمولة على الصحة والسداد ما أمكن“ (بدائع ۵/۲۱۷)۔

اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی بائع (دکاندار) سے مال خرید کر اس سے کہا کہ تم ہمارا مال جہاز کے ذریعہ روانہ کر دو، چنانچہ بائع نے ایسا ہی کیا اور وہ مال جہاز پر چڑھا کر اپنے ذمہ سے فارغ ہو گیا، اور مال مشتری کے ضمان میں داخل ہو گیا، پھر مشتری نے اپنے پاس مال پہنچنے

سے پہلے ہی، جبکہ مال سمندر میں ہے، ایک تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کر دیا، اور اس مال کو تیسرے شخص کے حکم سے اسی کے پاس بھیج دیا اور درمیان میں مال کے ضائع ہونے کی صورت میں یہ درمیانی شخص مال کا ضامن نہیں ہوتا، اور نہ بائع اول ہی مال کا ضامن ہوتا ہے، بلکہ تیسرا شخص ضامن ہوتا ہے، تو شرعاً یہ صورت بھی جائز ہے، "لأن فعل المسلم يجب حملة على أحسن الوجوه ما أمكن" (اعلاء السنن ۱۳/۳۲۸)، اور مال بردار کمپنی کو تیسرے شخص کے حق میں وکیل بالقبض مانا جائے گا، "قال في الهندية: رجل اشترى كرا من صبرة قال للبائع في جو القى ودفع إليه الجوالق ففعل كان المشتري قابضاً كذا في فتاوی قاضی خان" (مالگیری ۱۹/۳)۔

"وفیه ایضاً إذا قال المشتري للبائع: قل للعبد: يعمل لی كذا فأمره البائع، فعمل صار المشتري قابضاً، كذا فی المحيط" (مالگیری ۲۰/۳)۔



بیع میں تحریری وثائق و دستاویز پر قبضہ کی حیثیت

مولانا ابو جندل قاسمی

۱- آج کل قبضہ سے پہلے بیع عالمی تجارت کا ایک اہم عنصر بن گئی ہے، زیادہ تر تھوک کار و بار کا انحصار ٹیلی فون اور تحریری وثائق پر ہے، بلکہ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ اصل جگہ سے روانہ ہو کر منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی مال کی باقاعدہ بیع در بیع ہو جاتی ہے اور درمیان کا ہر بائع اپنا نفع وصول کر لیتا ہے، اس طرح قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے رواج نے علماء اور مفتیان کرام کے سامنے ایک مشکل کھڑی کر دی ہے، اس لئے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے صاف الفاظ میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے ممانعت فرمائی ہے، جیسا کہ ”بخاری و مسلم“ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه“ (بخاری ۲۸۶۱، مسلم ۵/۲)۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا شمار بیع باطل میں ہے یا فاسد میں، تو پہلے بیع فاسد و باطل کی تعریف جان لینا مناسب ہے، چنانچہ تقریباً تمام فقہاء متفق ہیں کہ عقد فاسد وہ عقد ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے تو صحیح ہو، لیکن وصف کی کسی نقص اور خرابی کی وجہ سے وہ مشروع نہ ہو، مثلاً بیع یا شمن ایسی چیز ہو جو غیر مقدور تسلیم ہو، یا کوئی ایسی شرط عقد میں عائد کر دی جو عقد کے خلاف ہو، یا عقد میں کسی طرح کی جہالت ہو جو مفسی الی المنازعت ہو، وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر عقد اپنی ذات اور اصل ہی کے اعتبار سے مشروع نہ ہو، بلکہ ذات میں کوئی خلل

واقع ہو گیا ہو تو یہ عقد باطل ہے، مثلاً: احد المتعاقدين مجنون ہو، یا ناسمجھ بچہ ہو، یا مبیع مال ہی نہ ہو، یا مال تو ہو، لیکن متقوم نہ ہو، جیسے میت اور غمر۔ علامہ عبدالحی فرنگی محلیؒ ہدایہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

”الفاسد ما يصح أصلاً لا وصفاً، والباطل ما لا يصح أصلاً ووصفاً..... فكل ما أورث خللاً في ركنه فهو باطل وكل ما ليس كذلك بل أورث خللاً في غيره كالسليم والتسلم الواجبين بالعقد..... وغير ذلك فهو فاسد“ (ہاشم الہدایہ ۳۳/۳ باختصار)۔

عقد فاسد وہ ہے جو اصل کے اعتبار سے صحیح ہو، نہ کہ وصف کے اعتبار سے، اور عقد باطل وہ ہے جو نہ اصلاً صحیح ہو اور نہ وصفاً، پس (قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ) ہر وہ چیز جو عقد کے رکن میں خلل انداز ہو تو وہ عقد باطل ہے، اور ہر وہ عقد کہ جس کے رکن میں کوئی خلل نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ (کسی اور چیز) میں خلل ہو، مثلاً مبیع کو سپرد کرنے اور قبضہ کرنے میں جو دونوں عقد سے واجب ہوتے ہیں، وغیرہ، تو یہ عقد فاسد ہے۔

اب رہی بات یہ کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت فاسد ہے یا باطل، تو اس سلسلہ میں دونوں قول ملتے ہیں، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ باطل ہے اور بعض فساد کے قائل ہیں، چنانچہ مفتی ابوالسعود مصریؒ فرماتے ہیں: ”(قوله: أى لا يصح بيع المنقول) نفى الصحة يحتمل ثبوت فساد العقد وبطلانه صرح بالأول فى المواهب وبالثنانى فى الجوهرة شرنبلالیہ، ومثل ما فى المواهب فى الزيلعى“ (فتح المعین علی شرح الکنز ۲/۵۹۴)۔

نیز صاحب عنایہ فرماتے ہیں:

”النہی یقتضی الفساد فیکون البیع فاسداً قبل القبض“ (عنایہ مع الفتح ۱/۱۳۷)۔

۱۳۷

نیز ہدایہ کے مندرجہ بالا حاشیہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت بیع فاسد ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے، اس لئے کہ یہاں رکن بیع میں کچھ خرابی نہیں، بلکہ کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

صرف وصف بیع میں خرابی ہے جو فساد ہی کا مقتضی ہے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت اور مفہوم صرف اتنا ہے کہ بائع شیئ مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کر دے کہ مشتری (خریدار) جب بھی چاہے اس شیئ مبیع کو اپنی مرضی سے اٹھا کر لجا سکے، اور اختیار سے اٹھا کر لیجانے میں اس کو کوئی مانع پیش نہ آئے، علامہ کا سائی فرماتے ہیں:

”التسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه، فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً له“ (بدائع الصنائع ۲۳۳/۵، جلد ۱۶/۳)۔

(خریدار کو مبیع سوچنے اور اس پر قبضہ کرنے کا مطلب ہمارے نزدیک یہ ہے کہ تخلیہ اور تنگی ہو جائے اور تخلیہ و تخلی کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع کو مشتری کے لئے اس طرح پیش کرے کہ درمیان سے رکاوٹ اس طرح دور ہو جائے کہ مشتری کو مبیع میں تصرف کرنے پر پوری طرح قدرت حاصل ہو جائے، پس کہا جائے گا کہ بائع نے مبیع سوچ دی اور مشتری نے قبضہ کر لیا)۔ ایک موقع پر فرماتے ہیں:

”ولا يشترط القبض بالبراجم؛ لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة حقيقة“ (بدائع الصنائع ۱۳۸/۵)۔

حصول قبضہ کیلئے ہاتھ سے قبضہ کرنا کوئی شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ مشتری قبضہ پر قادر ہو اور بائع مشتری کے سامان کو چھوڑ دے، اور یہ کہ عرف و عادت میں صحیح معنی میں موانع ختم ہو جائیں۔

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں:

”إن معنى التسليم والتسلم يحصل بالتخلية، ولهذا يدخل المبيع في ضمان المشتري بالتخلية نفسها بلا خلاف دل أن التخلية قبض“ (اعلاء السنن

۱۳/۲۴۲، برائے)۔

معلوم ہوا کہ قبضہ کی حقیقت صرف تخلیہ ہے ہمارے نزدیک، ہاتھ سے قبضہ کرنا یا نقل و تحویل کی قبضہ کے اثبات کیلئے ضرورت نہیں، اگرچہ تصرف کیلئے بعض صورتوں میں ضرورت ہے۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں، بلکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک منقولہ و غیر منقولہ میں قبضہ کی ایک ہی صورت ہے یعنی تخلیہ۔
علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

” لا خلاف بین اصحابنا فی أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال “ (بدائع الصنائع ۵/۲۴۳)۔

ہمارے اصحاب کے درمیان اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ اصل قبضہ تخلیہ سے حاصل ہو جاتا ہے تمام مالوں میں (خواہ وہ اموال منقولہ ہوں، جیسے ملکیتی و موزونی وغیرہ اشیاء، یا غیر منقولہ ہوں جیسے زمین و جائداد) (بدائع الصنائع ۵/۲۴۳)۔
علامہ زعفران احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

” قال العبد الضعيف : وفي ”شرح الوجيز“ للرافعي ما نصه في بيان أن القبض بم يحصل؟ فينظر إن كان المبيع مما لا ينقل كالذور والأراضي فقبضه بالتخلية بينه وبين المشتري وتمكنه من اليد والتصرف ، وإن كان المبيع من المنقولات فقال مالک وأبو حنيفة : إنه يكفي فيه التخلية كما في العقار ، وعن رواية حرملة قول مثله، وفيه وجه آخر : أن التخلية كافية لنقل الضمان إلى المشتري غير كافية للتسلط على التصرف “ (اعلام السنن ۱۳/۲۴۰)۔

(علامہ رافعی کی کتاب ”شرح الوجیز“ میں ہے کہ قبضہ کس طرح حاصل ہوگا؟ تو دیکھا جائے گا آیا بیع غیر منقول ہے یا منقول، اگر غیر منقول ہے جیسے گھر اور زمین و جائداد، تو اس پر قبضہ

مبیع اور مشتری کے درمیان صرف تخلیہ اور قبضہ و تصرف پر قدرت دینے سے ہو جائے گا، اور اگر مبیع منقول ہے، تو اس سلسلہ میں بھی امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ عقار کی طرح صرف تخلیہ قبضہ کیلئے کافی ہے، اور حرمہؒ سے بھی اسی طرح کا ایک قول ہے، اور ایک دوسری بات یہ بھی ہے کہ تخلیہ مشتری کی طرف ضمان کے انتقال کیلئے تو کافی ہے، لیکن تصرف پر تسلط کیلئے کافی نہیں ہے۔

تفصیل بالا سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ اشیاء منقولہ و غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت ایک ہی ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں حنفیہ کے نزدیک۔

قبضہ کی قسمیں:

اس موقع پر قبضہ کی قسموں کو بھی بیان کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا، چنانچہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) قبضہ کامل (۲) قبضہ ناقص۔ قبضہ کامل یہ ہے کہ بائع جب شیء مبیع کو الگ کر دے (تخلیہ کر دے) اور وہی مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے تو صرف اس قدر سے مشتری اس میں ہر قسم کا تصرف کر سکتا ہے۔

اور قبضہ ناقص یہ ہے کہ صرف بائع کے تخلیہ اور مشتری کے ضمان میں داخل ہونے سے مشتری کیلئے اس میں تصرف کرنے کا کوئی جواز نہ ہو۔

۴- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت سے متعلق احادیث ”معلول بالعلت“ ہیں، اور ممانعت کی علت یہ ہے کہ قبل القبض اگر بیع کی جائے تو ممکن ہے کہ اس سے پہلے ہی وہ مبیع ہلاک ہو جائے اور مبیع کی ہلاکت عقد کو فسخ کر دیتی ہے، تو ”بیع قبل القبض“ میں قبضہ سے پہلے ہلاکت مبیع کے ذریعہ عقد بیع کے ختم ہو جانے کا غرر ہے اور نبی کریم ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے، جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ کی سند سے مروی ہے (بخاری ۲۸۷۱/۱ مسلم ۲۸۷۱/۱)۔

علامہ مظفر احمد صاحب عثمانی لکھتے ہیں:

”وعلة النهی هو غرر انفساخ العقد بالهلاك قبل القبض“ (اعلاء السنن

۱۳/۲۳۲)۔

مفتی ابوالسعود مصری فرماتے ہیں:

”وما رووه معلول بغير انفساخ العقد بالهلاك قبل القبض“ (فتح المبین

۲/۵۹۳، بکدانی الاوجز ۵/۶۷، فتح القدر ۶/۱۳۸)۔

۵- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عام نہیں، بلکہ اس میں استثناءات و تخصیصات بھی ہیں، چنانچہ طعام (جس کا ممانعت والی حدیث میں صراحۃً ذکر آیا ہے) کے سلسلہ میں تمام فقہاء متفق ہیں کہ اس کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں، اور طعام کے علاوہ بقیہ اشیاء میں اختلاف ہے، اور اس سلسلہ میں چار مذاہب ہیں:

(۱) یہ ہے کہ مکانات اور زمین و جائداد کے علاوہ بقیہ تمام اشیاء کا حکم بھی وہی ہے جو طعام کا ہے یعنی ان کی بیع بھی قبل القبض جائز نہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مذہب ہے۔

(۲) طعام و غیر طعام تمام مبیعات کا حکم یکساں ہے، خواہ زمین و جائداد ہو یا مکان اور دکانیں وغیرہ، یعنی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی اجازت نہیں، یہ امام شافعیؒ اور امام محمد بن الحسنؒ شیبانیؒ کا مسلک ہے، حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔

(۳) ماکولات و مشروبات کے علاوہ بقیہ تمام اشیاء کو قبل القبض فروخت کرنے کی اجازت ہے، یہ امام مالکؒ کا مسلک ہے۔

(۴) منکلیی اور موزونی اشیاء کے علاوہ تمام اشیاء قبل القبض فروخت کی جاسکتی ہیں، معدودی اشیاء کا حکم بھی منکلیی و موزونی کی طرح ہے، یہ امام اوزاعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، اسحاقؒ، سعید بن المسیبؒ، حسن بصریؒ، حماد اور حکم کا مذہب ہے (بذل المجود ۴/۲۸۳، بکدانی الاوجز ۵/۶۷، بکدانی

اعلاء السنن ۱۳/۲۳۶)۔

دلائل:

حنفیہ کی دلیل:

شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ کے غیر منقول کے استثناء کرنے کے سلسلہ میں دو دلیلیں ہیں، ایک دلیل عقلی اور ایک دلیل نقلی۔ عقلی دلیل یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے ممانعت کی جو علت ہے، یعنی قبضہ سے پہلے ہلاکت مبیع کے ذریعہ عقد بیع کے فسخ ہو جانے کا غرر، یہ ہلاکت غیر منقول میں متصور نہیں ہے، مگر شاذ و نادر، اور نادر معدوم کی طرح ہے، لہذا اس کا اعتبار نہیں ہوگا، لہذا اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت علت نہیں کے نہ پائے جانے کی وجہ سے جائز ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر وہ زمین ایسی جگہ ہو جہاں اس کی ہلاکت کا خطرہ ہو، مثلاً دریا کے کنارے ہو اور ندی وغیرہ کے کنارے جہاں اس کی ہلاکت کا ہر وقت خطرہ ہے، یا ایسی جگہ ہو کہ ریت کے غلبہ کا خوف ہو تو پھر چونکہ علت نہیں پائی گئی، یعنی ”ہلاکت مبیع کے ذریعہ غرر انفساخ عقد“ لہذا ابالاتفاق اس کی بیع بھی قبل القبض جائز نہ ہوگی۔

علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی فرماتے ہیں:

”واحتج أبو حنیفةً بأن الحكم معلل بغرر انفساخ العقد بهلاك المبيع، والهلاك في غير المنقول نادر، والنادر كالمعدوم“ (إعلاء السنن ۱۳/۲۳۴، بکذا فی أوجز المسالك ۵/۶۶، نیز دیکھیے: البحر الرائق ۶/۱۱۶، بکذا فی فتح العین ۲/۵۹۳؛ فتح القدر ۶/۱۳۸)۔

نقلی دلیل:

نقلی دلیل یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت طلحہؓ سے مدینہ میں ایک زمین خریدی اپنی ایک زمین کے بدلہ میں جو کوفہ میں تھی، تو حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے وہ زمین بغیر دیکھے بیچ دی ہے ”بیچ دی ہے“ اس لئے فرمایا کہ بدلہ ہوا تھا، گویا دونوں نے بیچ بھی اور خریدی بھی، واللہ اعلم) تو حضرت طلحہؓ نے فرمایا کہ دیکھنے کا خیار مجھے حاصل ہوگا، کیونکہ جس کو آپ نے خریدا (یعنی مدینہ والی زمین) اس کو آپ دیکھ چکے، اور جس کو میں نے خریدا (یعنی کوفہ

والی زمین) وہ میں نے نہیں دیکھی، دونوں حضرات حضرت جبر بن مطعمؓ کے پاس مقدمہ لے گئے، تو انہوں نے بیان سن کر حضرت عثمانؓ کے خلاف اور حضرت طلحہؓ کی موافقت میں فیصلہ صادر فرمادیا، اور دلیل وہی دی کہ انہوں نے (حضرت طلحہؓ نے) بغیر دیکھے خریدی ہے۔ اس حدیث اور واقعہ میں غور کرنے سے معلوم ہوا کہ عقار کو قبل القبض فروخت کرنا جائز ہے، اس لئے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنی کوفہ کی زمین بلا دیکھے بیچی، اور یہ اس سلسلہ میں ظاہر ہے کہ قبل القبض بیچی ہے، کیونکہ قبضہ رویت کو مستلزم ہے، اور اگر یہ اشکال کیا جائے کہ ممکن ہے وکیل کے واسطے سے قبضہ کیا ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وکیل کا دیکھنا مَوَکَل کا دیکھنا ہے، حالانکہ حضرت عثمانؓ نے فرمایا ”بعثک ما لم ارہ“ لہذا وکیل کے واسطے سے دیکھنے کا احتمال بھی باطل ہو گیا (رواہ ابن ابی ملیکہ، اعلاء السنن ۱۳/۲۳۸)۔

اس حدیث سے استدلال میں احقر کو ایک اشکال ہے، وہ یہ کہ ابھی پیچھے گذرا کہ تمام مالوں میں تخلیہ قبضہ ہے، لہذا یہ تو بہت ممکن ہے کہ اس زمین میں تخلیہ ہو چکا ہو، لہذا قبل القبض بیع نہ رہی، البتہ قبل الرویت ہے۔

شافعیہ کی دلیل:

امام شافعیؒ اور امام محمدؒ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کے عموم سے متعلق تین دلیلیں پیش کرتے ہیں، دو نقلی دلیلیں اور ایک قیاس، پہلی نقلی دلیل یہ ہے کہ ممانعت والی حدیث میں اطلاق ہے، چنانچہ حضرت حکیم بن حزامؓ سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا تبیعن شینا حتی تقبضھا“ (رواہ الترمذی بحوالہ اعلاء السنن ۱۳/۲۳۲)، نیز ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں حضرت حکیم بن حزامؓ کی یہ حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے: ”إذا ابتعت بیعا فلا تبعه حتی تقبضه“ (حوالہ بالا)، نیز حضرت ابن عباسؓ سے بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبضہ سے پہلے طعام کی بیع سے منع فرمایا ہے، اس کے بعد حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ”وأحسب کل شیء مثله“ (بخاری ۲۸۶۱/۲ مسلم ۵/۲ واللفظ)۔

دوسری نقلی دلیل یہ ہے کہ جب تک کوئی چیز مشتری کے ضمان میں نہ داخل ہو اس وقت تک نبی کریم ﷺ نے اس سے نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا ہے، لہذا عقار کو قبل القبض بیچنے کی صورت میں ”ربح ما لم یضمن“ لازم آتا ہے لہذا اس کو بھی قبل القبض بیچنے کی اجازت نہیں ہو سکتی، چنانچہ ترمذی والیوداؤد نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لا یحل سلف و بیع ولا شرطان فی بیع ولا ربح ما لم یضمن“ (ترمذی ۱۳۸۱، ابوداؤد مع البذل ۲۸۷۴)۔

تیسری قیاسی دلیل یہ ہے کہ کسی شے کو قبل القبض اجارہ پر دینا جائز نہیں، لہذا اسی طرح بیع بھی جائز نہیں۔

چنانچہ علامہ ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

”قوله یجوز بیع العقار..... وقال محمد: لا یجوز وهو قول الشافعی“ (رجوعاً إلى اطلاق الحدیث) یعنی عمومہ وهو ما فی حدیث حکیم بن حزامؓ من قوله ﷺ ”لا تبیع شیناً حتی تقبضه“ و للنبی عن ربح ما لم یضمن، ولو باع العقار بربح یلزم ربح ما لم یضمن، وصار بیع العقار کاجارته وإجارته قبل قبضه لا تجوز فکذا بیعه“ (فتح القدیر ۶/۱۳۷، مکذبات ۵/۷۲، البحر ۶/۱۱۶)۔

مالکیہ کی دلیل:

امام مالکؒ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کو طعام کے ساتھ خاص کرتے ہیں، کیونکہ ممانعت والی حدیثوں میں صرف طعام کا لفظ آیا ہے، لہذا ممانعت حکم طعام ہی کے ساتھ خاص ہوگا، چنانچہ حضرت ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”أما الذی نہی عنہ النبی ﷺ فهو الطعام أن یباع حتی یقبض“ (حوالہ بالا) ایسے ہی حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”إذا ابتعت طعاماً فلا تبعه حتی تستوفیه“ (رواہ مسلم ۶۲۲)۔

مذکورہ بالا تمام حدیثوں میں ممانعت کا حکم طعام کے ساتھ خاص آیا ہے، معلوم ہوا کہ طعام کے علاوہ بقیہ تمام اشیاء کا حکم اس کے برخلاف ہے، یعنی ان کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے۔

چنانچہ ظفر احمد صاحب عثمانیؒ لکھتے ہیں:

”قالوا: التخصيص في هذه الأحاديث يدل على أن غيره بخلافه“ (اعلاء السنن ۱۳/۲۳۷)۔

شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ لکھتے ہیں:

”وفي التعليق الممجد: قال مالك يجوز جميع التصرفات في غير الطعام قبل القبض لورود التخصيص في الأحاديث بالطعام“ (أجزاء السالك ۷/۷۵)۔
حنابلہ کی دلیل:

طعام کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے ساتھ امام اوزاعی اور امام احمد وغیرہ نے مکلی اور موزونی اشیاء کو بھی جوڑا ہے، اس لئے کہ پورا قبضہ اور استیفاء جو حدیث میں آیا ہے وہ مکلی اور موزونی اشیاء ہی میں ہوتا ہے، چنانچہ امام احمدؒ نے مرفوعاً حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”من اشترى طعاماً اشتراء بكيل أو وزن فلا بيعه حتى يقبضه“۔ ایسے ہی امام ابو داؤد و نسائی نے بھی حضرت ابن عمرؓ سے یہ حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے: ”نهی أن یبیع أحد طعاماً اشتراء بكيل أو وزن حتى یستوفیه“ (اعلاء السنن ۱۳/۲۳۳)، ان مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ مکلی اشیاء میں کیل سے اور موزونی میں وزن سے قبضہ شرط ہے (لہذا مکلی اور موزونی اشیاء کو بھی طعام کی طرح قبل القبض فروخت کرنا جائز ہوگا) (اعلاء السنن ۱۳/۲۳۳)۔

۶۔ اس سے قبل کہ اس سوال کا جواب لکھا جائے بطور تمہید اشیاء مبیعہ منقولہ کی قسمیں اور احکام لکھے جاتے ہیں تاکہ آسانی سے اس صورت کا حکم نکل آئے۔

اشیاء منقولہ کی اولاد و قسمیں ہیں: (۱) بیع مثلی، (۲) غیر مثلی۔
علامہ کا سائی فرماتے ہیں:

”وجملة الكلام فيه أن المبيع لا يخلو إما أن يكون مما له مثل ، وإما أن يكون مما لا مثل له“ (بدائع ۵/۲۳۳)۔

چنانچہ اگر بیع مثلی ہے، جیسے مکملی اور موزونی اشیاء، تو ان اشیاء میں صرف تخلیہ سے بیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل تو ہو جائے گی، لیکن مشتری کیلئے اس میں تصرف کرنا اور انتفاع بغیر دوبارہ کیل و وزن کے جائز نہیں، کیونکہ تخلیہ سے مکملی اور موزونی اشیاء میں قبضہ تام حاصل نہیں ہوتا، بلکہ قبضہ ناقص حاصل ہوتا ہے اور قبضہ ناقص میں تصرف کی اجازت نہیں۔

الایہ کہ بائع بیع کرنے کے بعد مشتری کی موجودگی میں کیل و وزن کر دے، یا کیل و وزن سے نہ نیچے بلکہ اندازے اور اٹکل سے فروخت کرے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ”مجازفہ“ کہتے ہیں۔

چنانچہ علامہ کا سائی فرماتے ہیں:

”وإن كان (المبيع) مما له مثل فإن باع مكاليله أو موازنة في المكيل والموزون وخلقى فلا خلاف في أن المبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل في ضمان المشتري وكذا لا خلاف في أن لا يجوز للمشتري بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن“ (بدائع ۴/۲۳۳)۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:

”فأما جواز التصرف فيه فيستدعي قبضاً كاملاً لورود النهي عن بيع ما لم يقبض والقبض المطلق هو القبض الكامل“ (بدائع ۵/۲۳۵)۔

علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

”وإن كاله أو وزنه بعد العقد بحضرة المشتري مرة ، فيه اختلاف

المشاخ ، قال عامتهم : كفاه ذلك حتى يحل للمشتري التصرف فيه قبل كيله ووزنه إذا قبضه وعند البعض لابد من الكيل أو الوزن مرتين احتجاجاً بظواهر الحديث والصحيح قول العامة؛ لأن الغرض من الكيل والوزن صيرورة المبيع معلوماً وقد حصل بذلك الكيل واتصل به القبض“ (فتح القدير ۱۳۱/۶، ہدایہ مع الفتح ۱۳۱/۶، بدائع ۲۳۵/۵)۔

ایک جگہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

”أما إذا اشتراه مجازفة مبيع صبرة فله أن يتصرف فيه قبل الكيل والوزن ، لأن كل المشار إليه له فلا يتصور اختلاط الملكين“ (فتح القدير ۱۳۰/۶، بدائع ۲۳۳/۵)۔

دوسری قسم یہ ہے کہ بیع غیر مثلی ہو، جیسے مذروعات و معدودات متفاوتہ، ایسی اشیاء میں صرف تخلیہ سے بالاتفاق قبضہ تام حاصل ہو جائے گا اور بغیر شمار اور پیمائش کے ہی مشتری کیلئے ہر قسم کا تصرف جائز ہو جائے گا۔

علامہ کا سائی فرماتے ہیں:

”فإن كان مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتفاوتة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف ، حتى لو اشترى مذروعا مذارعة أو معدودا معاددة ووجدت التخلية يخرج عن ضمان البائع ويجوز له بيعه والانتفاع به قبل الذرع والعدد بلا خلاف“ (بدائع الصنائع ۲۳۳/۵)۔

اب رہ گئی بات معدودات متقاربہ کی تو اس میں ہمارے ائمہ کرام مختلف ہیں، حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان کا حکم بیع مثلی جیسا ہے، لہذا دو بار شمار کئے بغیر مشتری کیلئے ان کی بیع جائز نہ ہوگی، لیکن حضرات صاحبین کے نزدیک معدودات متقاربہ کا حکم بیع غیر مثلی جیسا ہے، یعنی صرف تخلیہ سے قبضہ تام حاصل ہو جائے گا، اور مشتری کیلئے ہر قسم کا تصرف جائز ہوگا۔

علامہ علاء الدین کا سائی فرماتے ہیں:

”وأما المعدودات المتقاربة إذا بيعت عدداً لاجزافاً فحكمها حكم المكيلات والموزونات عند أبي حنيفة حتى لا يجوز بيعها إلا بعد العد، وعند أبي يوسف ومحمد حكمها حكم المذروعات فيجوز بيعها قبل العد“ (بدائع الصنائع ۲۳۵/۵)۔

مندرجہ بالا تفصیل کا حاصل یہ ہوا کہ مکیلی اور موزونی اشیاء میں اور امام صاحب کے نزدیک معدودات متقاربتہ میں بھی تخلیف سے قبضہ تام حاصل نہ ہوگا، جبکہ جواز تصرف کیلئے قبضہ تام ضروری ہے، اور مذروعات و معدودات متفاوتہ میں نیز صاحبین کے نزدیک معدودات متقاربتہ میں بھی تخلیف قبضہ تام ہے، اور تصرف جائز ہوگا۔

صورت مسئلہ:

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر اشیاء مبیعہ غیر مثلی ہیں تو فیکٹری کے تخلیف سے ان اشیاء پر مشتری نمبر (۱) کو قبضہ تام حاصل ہو جائے گا، اور قبل الذرع والعد ہر قسم کا تصرف مشتری نمبر (۱) کیلئے جائز ہوگا اگرچہ قبضہ حسی نہیں ہوا ہے، اس لئے کہ تخلیف ہی قبضہ تام ہے جو جواز تصرف کیلئے شرط ہے۔

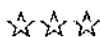
ہاں البتہ اگر مبیع مثلی ہے تو فیکٹری کے تخلیف سے مشتری نمبر (۱) کو قبضہ تام حاصل نہیں ہوا بلکہ قبضہ ناقص ہے جو جواز تصرف کیلئے کافی نہیں، لہذا قبل الکیل والوزن تصرف درست نہ ہوگا۔
الا یہ کہ درمیان کا آدمی کمپنی کا ایجنٹ ہو، تو پھر یہ شخص فیکٹری کیلئے بحیثیت وکیل ہوگا، اور اس کے نفع کو اجرت و کالت قرار دی جائے گی۔

البتہ جواز کی دو صورتیں اور ممکن ہیں (مبیع مثلی میں): (۱) کمپنی اور فیکٹری ہی کو مشتری اول کی طرف سے وکیل بالقض مان کر (۲) یا مشتری ثانی کو ہی مشتری اول کا وکیل بالقض مان کر یہ معاملہ دائرہ جواز میں لایا جاسکتا ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

”فلو تصرف فيه البائع قبل قبضه إما بأمر المشتري أو لا ، فلو بأمره وكان أمره أن يهبه من فلان أو يوجره ففعل وسلم صح وصار المشتري قابضاً“ (رد المحتار ۵/۱۳۹، کراچی)۔

۷۔ اس صورت میں چونکہ مشتری ایسی چیز سے نفع حاصل کر رہا ہے جس کا وہ ابھی ضامن نہیں ہوا، یعنی ”ربح مالہ یضمن“ لازم آتا ہے، جس کا حدیث میں صراحتہ انکار ہے، چنانچہ ترمذی و ابو داؤد کی حدیث جس میں ”ربح مالہ یضمن“ کی ممانعت ہے، مذہب شوافع کی دلیل کے ذیل میں گزر چکی ہے، اس لئے یہ صورت دائرہ جواز میں آتی ہوئی معلوم نہیں ہوتی۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے احکام

مولانا محمد حنیف ☆

۱- بیع قبل القبض شریعت میں ناجائز ہے، اسکا شمار بیع فاسد میں ہوتا ہے، ”صح بیع عقار لا یخشی ہلاکہ قبل قبضہ ولا یصح قبل قبضہ بیع المنقول و مفسد بیع المنقول قبل قبضہ“ (درمختار ۴/۱۶۲، ۶۳)۔

۲- کتاب و سنت میں قبضہ کی کوئی حقیقت متعین نہیں کی گئی ہے، قبضہ کا مقصود بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہونا ہے۔ لہذا عرف میں جس چیز سے بیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے اس کو قبضہ سمجھا جائے گا، بہر حال کتاب و سنت میں قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں ہے، اس لئے منقولہ کے قبضہ کی حقیقت میں حضرات علماء کا اختلاف ہوا ہے۔

اشیاء منقولہ میں قبضہ کی حقیقت:

حنفیہ کے نزدیک بیع کے اعتبار سے قبضہ کی حقیقت مختلف ہوتی ہے، لیکن ان حضرات کے نزدیک اتنی بات مسلم ہے کہ اگر بیع فی الحال مقدور التسلیم والتسلم ہو تو مشتری کو اطلاع کے بعد تحلیل قبضہ حکمی ہوتا ہے، البتہ اشیاء کے مختلف ہونے کے لحاظ سے تحلیل کی صورت بھی مختلف ہوگی، بیع خواہ منقولہ ہو، یا غیر منقولہ اگر فی الحال مقدور التسلیم والتسلم ہے، تو تحلیل قبضہ ہے اور اگر فی الحال مقدور التسلیم والتسلم نہیں تو تحلیل قبضہ نہیں، مثلاً بیع دور ہو، خواہ منقولہ ہو، خواہ غیر منقولہ،

ریاض العلوم، گورینی، جونپور۔

یہی ظاہر الروایہ ہے، بعض کتابوں میں اشیاء غیر منقولہ کے سلسلے میں حضرات صاحبین کا جو اختلاف منقول ہے وہ ضعیف ہے۔

”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل و شرط في الأجناس شرطا ثالثا وهو أن يقول: خلّيت بينك و بين المبيع، فلولم يقله أو كان بعيدا لم يصّر قابضا والناس عنها غافلون، فإنهم يشترّون قرّبة و يقرون بالتسليم والقبض وهو لا يصح بالقبض على الصحيح“ (در مختار ۴۲)

”وفى حاشية: وحاصله أن التخلية قبض حكما ولو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة فى بيت فدفع المفتاح وفى نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أى بأن تكون فى البلد فيما يظهر، وفى نحو بقر فى مرعى فكونه بحيث يرى و يشار إليه قبض، وفى نحو فرس أو طير فى بيت إمكان أخذه منه بلا معين۔

وقوله على الصحيح وهو ظاهر الرواية و مقابله ما فى المحيط و جامع شمس الأئمة أنه بالتخلية يصح القبض وإن كان العقار بعيدا غائبا عنهما عند أبى حنيفة خلافا لهما وهو ضعيف كما فى البحر“ (در مختار ۴۳)

بہر حال عبارات مذکورہ سے یہ واضح ہے کہ تخلیہ کی صورت مختلف ہوتی ہے، اور تخلیہ فی الحال مقدور التسليم والتسليم اشیاء ہیں، خواہ منقولہ ہوں، یا غیر منقولہ قبضہ ہے، البتہ اشیاء غیر منقولہ کے سلسلے میں جب وہ فی الحال مقدور التسليم والتسليم نہ ہوں تو ایک روایت میں ہے کہ اس میں بھی اشیاء منقولہ غیر مقدور التسليم کی طرح تخلیہ قبضہ نہیں ہے، اور محیط، جامع شمس الامم کی روایت میں حضرات صاحبین کا اختلاف منقول ہے کہ امام صاحب کے نزدیک تخلیہ قبضہ ہے، حضرات صاحبین کے نزدیک نہیں ہے۔

اشیاء منقولہ میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب:

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اشیاء منقولہ میں قبضہ کا مدار عرف پر ہے، قبضہ کے لئے عرف میں جو چیز رائج ہوگی اس کو قبضہ متصور کیا جائے گا، مثلاً دراہم و دنانیر میں قبضہ بالبراجم، مکیلات و موزومات میں قبضہ کے لئے کیل و وزن کی شرط لگاتے ہیں۔

”قال المالکۃ والشافعیۃ: قبض المنقول کالأمتعة والأنعام والدواب بحیث العرف الجاری، بین الناس قال الحنابلۃ: قبض کل شیء بحسبه فإن کان مکیلا أو موزونا فقبضه بکیله ووزنه أى أنه یجب الرجوع فی القبض إلى العرف“ (الفقه الاسلامی ۴/۲۱۹)۔

اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ:

”اتفق الفقهاء علی أن قبض العقار یكون بالتسلیم الفعلی بالتخلیة أى رفع المانع من القبض أو لتمکن من إثبات الید بارتفاع الموانع (الفقه الاسلامی ۲۰۸) ثم لا خلاف بین أصحابنا فی أن أصل القبض یحصل بالتخلیة فی سائر الأموال“ (بدائع ۵/۲۳۴)۔

اشیاء غیر منقولہ میں تخلیہ قبضہ ہے اس میں تمام علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ اگر اشیاء غیر منقولہ فی الحال مقدور لتسلیم نہ ہوں تو اس میں قبضہ کے سلسلے میں حضرات احناف کا اختلاف ہے، جو کہ شروع میں گنڈر چکا ہے۔
قبضہ کی قسمیں:

قبضہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) تام، (۲) ناقص، قبضہ تام اور ناقص، اشیاء اور ان کی بیع و شراء کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے، اس لئے اشیاء کے اقسام کو ذکر کیا جاتا ہے، ساتھ ہی وضاحت بھی کر دی جائیگی کہ قبضہ تام کیا ہے اور قبضہ ناقص کیا ہے۔

مقدور لتسلیم اشیاء کے اقسام:

(۱) اشیاء غیر منقولہ فی الحال مقدور لتسلیم

(۲) اشیاء غیر منقولہ غیر مثلیہ۔ جیسے عودیات، مزروعات، متفاوتہ دونوں قسموں میں قبضہ تام صرف تخلیہ سے متحقق ہو جائے گا، بعد تخلیہ مشتری کو اس میں ہر طرح کے تصرف کی اجازت ہوگی۔

(۳) اشیاء منقولہ کیلی، یا وزنی ہوں ان کی بیع و شراء مجازفہ بغیر کیل و وزن کے ہو تو اس میں بھی صرف تخلیہ ہی قبضہ تام ہے، بعد تخلیہ مشتری کو تمام تصرفات کی اجازت ہے۔

(۴) اشیاء منقولہ کیلی، یا وزنی جس کی شراء مجازفہ، یعنی بغیر کیل و وزن کے ہو اور بیع کیل، یا وزن سے ہو تو مشتری اول کیلئے صرف تخلیہ ہی قبضہ تام ہے، اور مشتری ثانی کیلئے تخلیہ قبضہ تام نہیں ہے بلکہ قبضہ ناقص ہے۔ اس لئے اس صورت میں مشتری اول کے لئے بعد تخلیہ تمام تصرفات کی اجازت ہوگی اور مشتری ثانی کیلئے اس میں تصرف کرنا جائز نہ ہوگا۔

(۵) اشیاء منقولہ کیلی، یا وزنی جس کی شراء کیل، یا وزن سے ہو اور بیع بغیر کیل کے مجازفہ ہو تو اس صورت میں مشتری ثانی کے لئے تخلیہ قبضہ تام ہوگا، اور مشتری اول کے لئے قبضہ تام نہ ہوگا۔

(۶) اشیاء منقولہ کیلی، یا وزنی جسکی بیع و شراء دونوں کیل، یا وزن سے ہو، اس صورت میں تخلیہ کسی کے لئے بھی قبضہ تام نہ ہوگا دونوں کے لئے قبضہ ناقص ہے، کسی کے لئے بھی بغیر کیل، یا وزن کے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں۔

(۷) عودیات و مزروعات متقاربہ، اس میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اشیاء کیلیہ، وزنہ کے حکم میں ہے۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک اشیاء کیلیہ، وزنہ کے حکم میں نہیں، بلکہ اشیاء غیر مثلیہ کے حکم میں ہے، لہذا حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عودیات و مزروعات متقاربہ میں تخلیہ قبضہ تام نہیں ہے۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک تخلیہ قبضہ تام ہے (نوٹ) کیل اور وزن و عدد وغیرہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حقیقی (۲) حکمی دونوں کا حکم ایک ہے۔

- (۱) مشتری کا خود کیل ہو، یہ کیل حقیقی ہے۔
- (۲) مشتری کے سامنے بائع کیل، یا وزن کر دے، یہ کیل حکمی ہے، دونوں میں سے، یعنی کیل حقیقی، اور حکمی میں سے کوئی بھی پالیا جائے تو قبضہ تام ہو جائے گا مشتری کی موجودگی میں بائع کا کیل مشتری کا کیل متصور ہوتا ہے مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے (۲۳۴/۵)۔

(۳) ”وإنما شرط الاكتيال على المشتري لكونه من تمام القبض في المكيل والموزون إذا وقع البيع مكالمة، فلا يجوز التصرف فيه بالبيع ونحوه قبل الكيل أو الوزن“ (فتح الملم، ۳۵۸) ”وفي البدائع ولو كاله البائع أو وزنه بحضرة المشتري كان ذلك كافيا لا يحتاج إعادة الكيل، لأن المقصود يحصل بكيله مرة واحدة بحضرة المشتري“ (ص ۲۳۴)۔

خلاصہ:

یہ کہ بیع میں قبضہ تام سے پہلے مشتری کیلئے کوئی تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اور قبضہ تام اشیاء منقولہ مثلیہ (کیلید، وزینہ) کی اگر بیع و شراء دونوں کیل، یا وزن سے ہو تو تخلیہ نہ ہو تو مشتری اول اور نہ مشتری ثانی کے حق میں قبضہ تام ہوگا، کیونکہ دونوں کے قبضہ کی تمامیت کیلئے کیل، یا وزن کا پایا جانا ضروری ہے، اور اگر بیع کیل، یا وزن نہ ہو اور شراء مجازفہ بغیر کیل کے ہو تو مشتری اول کے لئے تخلیہ قبضہ تام ہے، اور مشتری ثانی کے لئے قبضہ تام نہیں ہے، اور اگر شراء کیل، یا وزن نہ ہو اور بیع مجازفہ ہو تو مشتری ثانی کے لئے تخلیہ قبضہ تام ہے، مشتری اول کے لئے تام نہیں ہے، بلکہ اس کا کیل، یا وزن کرنا ضروری ہے، مذکورہ صورتوں کے علاوہ صرف تخلیہ ہی قبضہ تام ہو جاتا ہے، البتہ عد دیات، مزروعات متقار بہ میں حضرت ابو حنیفہؒ کے نزدیک تخلیہ قبضہ تام نہیں اور صاحبین کے نزدیک قبضہ تام ہے، قبضہ تام مشتری کے خود کیل کرنے، یا مشتری کے سامنے بائع کے کیل

کرنے سے بھی متحقق ہو جاتا ہے، اسی طرح مشتری کے وکیل کے سامنے بھی کیل و وزن کرنے سے قبضہ متحقق ہو جاتا ہے۔

بیع و تصرف قبل القبض کے سلسلے میں مذاہب:

حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک کسی بھی چیز میں بیع قبل القبض جائز نہیں، خواہ مطعومات، یا غیر مطعومات، منقولات و غیر منقولات ہی کی قبیل سے کیوں نہ ہو، تمام چیزوں میں ان حضرات کے نزدیک قبضہ کی تمامیت شرط ہے۔

”قال الشافعی و محمد ابن الحسن من الحنیفة: یحرم بیع کل شیء قبل قبضه طعاما أو كان غیره منقولا أو كان غیر منقول“۔

حضرت امام احمد ابن حنبلؒ کے نزدیک صرف مطعومات میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں۔

”قال ابن حنبل فی المهر الروایة: إنما یختص النهی والطعام فلا یجوز بیعه قبل قبضه ویجوز فیما سوا، كما حققه ابن قدامة“۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک مطعومات و مشروبات میں بیع قبل القبض جائز نہیں۔

”قال مالک: إنما یمنع البیع قبل القبض فی المکیل والموزون من الطعام خاصة“ (تملک ۱/۳۵۱-۵۲)۔

”یجوز کل مبیع قبل قبضه إلا المأکول والمشروب قاله مالک وأبو ثور قال ابن المنذر: وأصح المذهب لحديث النهی عن بیع الطعام قبل أن یتوفی“ (اعداد السنن ۴/۲۲۱)۔

حضرات شیخینؒ کے نزدیک تمام منقولات میں قبضہ کی تمامیت سے پہلے بیع جائز نہیں،

”قال أبو حنیفة وأبو یوسف: یمتنع البیع قبل القبض فی سائر المنقولات، ویجوز فی العقار الذی لا یخشی هلاکة“ (تملک ۲/۵۰۵-۵۱)۔

(٢) "وعن حكيم ابن حزام قال: قلت يا رسول الله ﷺ إني أبتاع هذه البيوع فما يحل لي منها وما يحرم علي قال: يا ابن أخي لا تبيع شيئا حتى تقبضها، في رواية أبان إذا اشتريت بيعا فلا تبعه حتى تقبضه".

(۳) ”وعن عبد الله ابن عمرو أن رسول الله ﷺ قال: لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم يضمن، ولا بيع ما ليس عندك“ (شملة فتح الباعث)۔

روایت مذکورہ ثلاثہ بیچ قبل القبض کے عدم جواز پر دال ہیں، خواہ بیچ مطعومات وغیر مطعومات کے قبیل سے ہو، یہ روایات حضرات امام شافعی و امام محمد و امام ابو حنیفہ اور حضرات امام ابو یوسف رحمہم اللہ اجمعین کا مستدل ہے۔

دلیل احمد ابن حنبلؒ و امام مالک:

”عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه، وفي رواية: حتى يقبضه“.

روایت مذکورہ مبیع مطعومات میں قبل القبض تصرف کے عدم جواز پر دال ہے، یہ روایت حضرت امام احمد ابن حنبل کا مستدل ہے۔

ولیل حضرات شیخین:

”نہی رسول اللہ ﷺ عن ربح ما لم یضمن وما لیس عندک، ونہی رسول اللہ ﷺ عن بیع الحصاة وعن بیع الغرر، ونہی أن تباع السلع حیث تباع حتی یحوزها التجار إلی رحالهم، فقال رسول اللہ ﷺ: یا ابن أخی لا کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

تبیعن شینا حتی تقبضه وفي رواية أبان: إذا شتریت ببعافلا تبعه حتى تقبضة۔۔۔
روایت مذکورہ بیع قبل القبض کے عدم جواز پر دال ہے۔ حضرات شوافع، امام محمد رحمہم اللہ کے
نزدیک بیع قبل القبض کی علت نہی ”ربح مالہ یضمن“ ہے، کیونکہ بیع قبل القبض ”ربح
مالہ یضمن“ کو متضمن ہے، جب بھی بیع قبل القبض ہوگی تو ”ربح مالہ یضمن“ ہوگا، اور
”ربح مالہ یضمن“ نص حدیث سے ممنوع ہے، لہذا ہر وہ بیع جو ”ربح مالہ یضمن“ کو
متضمن ہوگی وہ ممنوع ہوگی، اس لئے بیع قبل القبض ناجائز ہے، جیسا کہ بہت سی احادیث شریفہ
میں صراحت ہے۔ خواہ بیع قبل القبض مطعومات وغیر مطعومات، منقولات، غیر منقولات جس چیز
میں بھی ہو، حضرات شوافع اور امام محمد کے نزدیک ”ربح مالہ یضمن“ کو متضمن ہونے کی بنا پر
ممنوع ہوگی۔

حضرات شیخین:

حضرات شیخین کے نزدیک منقولات میں بیع قبل القبض ناجائز ہے۔ یعنی فاسد
ہے۔ اور غیر منقولات میں بیع قبل القبض جائز ہے۔

”ومن اشتری شینا مما ینقل ویحول لم یجز ببعه حتی یقبضه؛ لأنه
علیه السلام نہی عن بیع مالہ یقبض؛ لأنه فیہ غرر انفساخ العقد علی اعتبار
الہلاک ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفہ وأبی یوسف وقال
محمد: لا یجوز رجوعا إلی إطلاق الحدیث واعتبارا بالمنقول و صار
كالإجارة“ (ہدایہ)۔

حضرات شیخین کے مسلک کی توضیح دو طرح سے ہو سکتی ہے، ایک اس طرح سے کہ
اصل علت نہی ”ربح مالہ یضمن“ کو ٹھہرایا جائے اور جہت کے اطلاق و عموم سے غیر منقولات
کو مستثنیٰ کر دیا جائے، کیونکہ حدیث شریف میں بیع قبل القبض کی اصل علت نہی ”ربح مالہ
یضمن“ ہے اور ضمان کا تصور صرف ان ہی چیزوں میں ہوتا ہے جن میں بیع کے ضیاع کا اندیشہ

ہو اور چونکہ غیر منقولات میں ضیاع و ہلاکت نادر و کالعدم ہے، اس لئے غیر منقولات میں ضمان کا سوال ہی نہیں اور جب ضمان کا وجود نہیں تو ”ربح مالہ بضمن“ کا وجود کیسے ہوگا جو مدار نہی ہے، لہذا قاعدہ فقہیہ: ”إذا فات العلة فات الحكم“ سے غیر منقولات کی بیع جائز ہے۔

دوسری تشریح یہ ہو سکتی ہے کہ علت نہی غرر انفساخ عقد کو ٹھہرایا جائے کہ جس میں بیع کے ضیاع سے عقد ختم ہو جائے تو ایسا عقد تصرف بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے جائز نہیں اور حدیث ”ربح مالہ بضمن“ کو مخصوص منہ البعض مانا جائے دلائل جواز پر عمل کرتے ہوئے، ”کما فی الہدایۃ: لهما أن رکن البیع صدر من أهله فی محله ولا غرر فیہ؛ لأن الهلاک فی العقار نادر بخلاف المنقول و الغرر منہی عنه غرر انفساخ العقد و الحدیث معلول بہ عملاً بدلائل الجواز ای من الکتاب و السنۃ“ (ہدایہ / ۳۳۳)۔

حدیث ”ربح مالہ بضمن“ میں تخصیص بالاتفاق جائز ہے، مثلاً قبضہ سے پہلے ایسی بیع میں تصرف کرنا کہ اس سے بیع کے ضیاع سے فسخ کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی بیع میں تصرف بالاتفاق جائز ہے، حالانکہ اس میں بھی ”ربح مالہ بضمن“ موجود ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حدیث ”ربح مالہ بضمن“ مخصوص منہ البعض ہے، ورنہ تو اس بیع میں بھی جس میں اس کے ضیاع سے فسخ عقد کا اندیشہ نہ ہو یہ تصرف جائز نہ ہوتا، مثلاً مہر، بدل خلع، عتق علی مال، بدل صلح من دم العمد، جب اعیان کی قبیل سے ہوں، تو ان میں قبضہ سے پہلے تمام تصرفات جائز ہیں۔ اسی طرح اخذ شفعہ ”قبل قبض المبیع“ بھی جائز ہے۔ تو ان سب سے معلوم ہوا کہ ایسی بیع میں تصرفات جس میں بیع کے ضیاع کا اندیشہ نہ ہو قبل القبض جائز ہیں۔ اور علت نہی غرر انفساخ عقد ہے جو حدیث ابو ہریرہ: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع الحصاة وعن بیع الغرور“ سے ثابت ہے (مسلم شریف)، اور اگر علت نہی ”ربح مالہ بضمن“ ہوتی تو بیع تولیہ کو جائز ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ بیع تولیہ بھی قبل القبض جائز نہیں۔ معلوم ہوا کہ اصل علت نہی ”ربح مالہ بضمن“ نہیں بلکہ غرر انفساخ عقد ہے، تو جس طرح سے ایسی بیع میں جس میں اس کے ضیاع

سے فسخ کا اندیشہ نہیں ہوتا ہے، مثلاً: مہر، بدل، خلع، صلح عن دم العمد، اخذ شفعہ قبل القبض وغیرہ جائز ہیں، اسی طرح سے غیر منقولات جس میں ضیاع نادر ہے، ان میں بھی تصرف قبل القبض جائز ہوگا، کیونکہ غیر منقولات کی بیع قبل القبض کی صورت میں انفساخ عقد کا احتمال نہیں رہتا ہے، لہذا غیر منقولات میں بیع قبل القبض جائز ہوگی، اسی علت پر مدار رکھ کر حضرات فقہاء نے یہ کلیہ بیان کیا ہے، ”أن كل عوض ملك بعقد يفسخ بهلاكه قبل قبضه فالتصرف فيه غير جائز، ومالا فبجائز“ (یعنی، درمختار ۴/ ۱۶۲)۔

حاصل یہ ہے کہ حضرات شیخین کے نزدیک اصل علت نہی غرر انفساخ عقد ہے، اور حضرات امام شافعی و امام محمد کے نزدیک علت نہی ”ربح مالم یضمن“ ہے۔ اور حضرات شیخین نے حدیث ”ربح مالم یضمن“ کو مخصوص کر دیا ہے ان معاملات کے ساتھ جن میں بیع کے ضیاع سے فسخ عقد کا احتمال ہو۔

نہی عن بیع الطعام:

آپ ﷺ کے ارشاد: ”نہی عن بیع الطعام حتی یجری فیہ الصاعان“، ”صاع البائع و صاع المشتري“ کی علت نہی مال غیر میں بغیر اس کی اجازت کے تصرف کرنے سے بچانا مقصود ہے، کیونکہ مال غیر میں تصرف بغیر اس کی اجازت کے ناجائز و حرام ہے اس سے تحرز واجب ہے، ”نہی عن بیع الطعام... إلى... فیکون لصاحبه والزيادة عليه النقصان ذكره الزیلعی: فی نصب الرایة، وقال الحافظ: فی الدراية، إسناده جيد، وهذا يدل على أن العلة فی النهی عن بیع الطعام حتی یجری فیہ الصاعان إنما هو امتیاز حق البائع عن المشتري“ (تکملة ۱/ ۳۵۸)۔

خلاصہ:

سطور سابقہ میں ذکر کردہ مسائل و احکام کا خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ بیع کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے، بیع اولاً دو طرح کی ہوتی ہے (۱) بیع مثلیہ، کیلیہ، یا وزنیہ مشتری بالکلیل، یا بالوزن

ہو (۲) بیچ اس کے علاوہ ہو یعنی مثلی نہ ہو اور اگر مثلی ہو تو کیلی، یا وزن نہ ہو، کیلی، یا وزن نہ ہو تو شراء کیلی، یا وزن سے نہ ہوئی ہو۔ ان دونوں قسموں میں سے قسم اول میں حضرات احناف کے نزدیک تخلیہ قبضہ ناقص ہے، اور قبضہ کی تمامیت کے لئے مشتری کے کیلی، یا وزن کی شرط ہے کہ مشتری دوبارہ خود کیلی، یا وزن کرے، یا کم از کم اس کے سامنے کیلی، یا وزن کی گئی ہو تو تخلیہ قبضہ تام ہوگا، ورنہ نہیں، اور کسی چیز میں تصرف قبضہ کی تمامیت سے پہلے جائز نہیں۔ اگر عقد کرے گا تو عقد فاسد ہوگا۔ ”اشتری کیلا بشرط الکیل حرم ای کرہ تحریمہ بیعہ واکلہ حتی یکیلہ وقد صرحوا بفسادہ“ (در مختار ۴/ ۱۶۳) اور بیچ کی دوسری قسم میں اگر وہ فی المال مقدور التسليم ہے تو صرف یہ تخلیہ ہی قبضہ تام ہے، لہذا اس میں بعد تخلیہ مشتری کو ہر طرح کے تصرف کرنے کا اختیار ہے، لیکن اگر بیچ ذرائع اور عددی متقار بہ ہو اور شراء عدد و ذراع سے ہوئی ہو تو حضرات صاحبین اور امام صاحب کا اس میں اختلاف ہے، حضرات صاحبین کے نزدیک ان میں بھی تخلیہ قبضہ تام ہوگا اور حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک تخلیہ قبضہ تام نہیں، بلکہ قبضہ کی تمامیت کیلئے عدد و ذراع کی شرط ہے۔

”فی البدائع أما المعدودات المتقاربة إذا بيعت عددا لا جزافا فحكمها حكم المكيلات والموزونات. عند أبي حنيفة حتى لا يجوز بيعها إلا بعد العدد و عند أبي يوسف و محمد حكم المذروعات فيجوز بيعها قبل العدد. و وجه قولهما أن العددي ليس من أموال الربوا كاللذراع ولهذا لم تكن المساواة فيها شرطا لجواز العقد كما لا تشرط في المذروعات فكان حكمه حكم المذروع“ (بدائع ۲۴۵/۵)۔

اور فتویٰ کے لئے ضرورتاً عموم بلوی کی بناء پر صاحبین کے قول کو اختیار کیا جائے گا تاکہ ”یسرا ولا تعسرا“ پر عمل ہو کر معاملات میں سہولت و آسانی پیدا ہو جائے اور نیز بیع قبل القبض کی مروجہ صورت میں سہولت و آسانی کیلئے بعض چیزوں میں حضرت امام مالک کا مسلک

اختیار کرنے میں کوئی جرم نہیں ہے۔ اور ان کے مسلک و مذہب کے مطابق ضرورۃً فتویٰ دینا جائز ہے، جیسا کہ فقہاء متقدمین فقہ حنفی کے اصول ”إذا ضاق الأمر اتسع، إذا عمت البلية حفت خفية، المشقة تجلب التيسير“ کی بنا پر ضرورت کے وقت دوسرے امام کے مذہب کو اختیار کیا ہے۔ مثلاً شامی، طحاوی وغیرہ نے جمع بین الصلاتین کو ضرورت کے وقت مذہب شافعی پر جائز فرمایا ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں۔ دیانت میں نہیں معاملات میں ابتلاء عام ہوتا ہے، دوسرے امام کے قول پر اگر جواز کی گنجائش ہوتی ہے، تو اس پر فتویٰ دیدیتا ہوں، دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ میرا ارادہ تھا کہ ایک رسالہ احکام معاملات میں ایسا لکھوں جن معاملات میں عوام مبتلا ہیں، اگر وہ صورتیں کسی بھی مذہب میں جائز ہوں تو اس کی اجازت دے دوں تاکہ مسلمانوں کے افعال کسی طرح بھی جائز ہو سکیں۔ اور فرمایا کہ احتیاطاً میں نے حضرت گنگوہیؒ سے اس کی اجازت لے لی تھی، حالانکہ حضرت کے حنفی تھے (فقہ حنفی کے اصول و ضوابط پر)۔ (۱۶۹)۔

امام مالک کا مذہب:

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک مطعومات کے علاوہ تمام چیزوں میں تصرف قبل القبض جائز ہے۔ ”قال مالک: يجوز جميع التصرفات فيه قبل القبض في غير الطعام لأنه عليه السلام خص الطعام بالذكر عند النهي بقوله: ”من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه“ فدل على تخصيص الحكم وإلا فليس لهذا التخصيص فائدة“ (بنایۃ ۳۲۱/۷)۔

بیوع کے چند مروجہ طریقے:

(۱) بائع کمپنی یا بڑی بڑی تھوک دوکانوں پر فون وغیرہ سے اشیاء کی قیمت معلوم کرتا ہے پھر جب اطمینان کر لیتا ہے تو بھیجے کا آرڈر دیتا ہے۔

(۲) بائع مشتری سے اشیاء کی قیمت معلوم کر کے یہ کہتا ہے کہ ان چیزوں کو نکال کر یا تول کر

رکھ دو، پھر مشتری کا ملازم جا کر وہ سامان لے آتا ہے۔

(۳) بائع لکھ کر، یا ٹیلی فون سے مشتری کو آرڈر دیتا ہے اور بائع مطلوبہ اشیاء کو مع قیمت کی فہرست کے بھیج دیتا ہے۔

(۴) ایک شخص ایجنسی وغیرہ میں فون وغیرہ سے کسی چیز کا آرڈر دیتا ہے اور ایجنسی والے اس کا پتہ وغیرہ نوٹ کر کے کمپنی میں آرڈر دیتے ہیں، فلاں پتہ پر اتنا مال روانہ کر دیا جائے۔

(۵) کوئی شخص تھوک دوکان والوں سے کسی چیز کو طلب کرتا ہے، اور ان کے پاس نہیں ہوتی ہے تو وہ ایجنسی، یا کمپنی کو آرڈر دیتے ہیں، فلاں پتہ پر اتنا مال روانہ کر دیا جائے اس کو بھی اطلاع کر دیتے ہیں کہ تمہارا مال پہنچ رہا ہے۔

(۶) آجکل مختلف چیزیں اوزان کے ڈبوں میں اور مختلف اوزان کے سلے ہوئے بوروں، میں بندلوں میں، تھیلوں میں، عدد، کیل، وزن، ذراع شدہ رکھی رہتی ہیں جن پر متعینہ وزن لکھا رہتا ہے اور بعض میج میں میج کے تعارف کی پوری تفصیل درج ہوتی ہے مشتری جب ان چیزوں میں سے کوئی چیز طلب کرتا ہے تو بائع وہی پیکٹ وغیرہ جو پہلے سے کیل وغیرہ کر کے رکھا ہے، دیدیتا ہے۔

(۷) باہر ممالک سے مشتری کوئی چیز خریدتا ہے اور قبضہ سے پہلے ابھی مال جہاز ہی وغیرہ میں ہوتا ہے اس کو فروخت کر دیتا ہے دوسرا تیسرے کو، تیسرا کسی اور کو، اسی طرح سے وہ چیز قبضہ سے پہلے فروخت ہوتی رہتی ہے، ان سب مردوجہ صورتوں کا کیا حکم ہے؟ کیا بغیر کیل و وزن کئے ہوئے اور بغیر قبضہ کئے ہوئے اس میں تصرف کرنا جائز ہے؟

بیع قولی و تعاطی:

مذکورہ مردوجہ صورت کے حکم سے پہلے بیع بالا لفاظ، بیع بالا افعال (تعاطی) کو سمجھ لینا ضروری ہے، نیز قبضہ کی حقیقت ٹرانسپورٹ وغیرہ کی شرعی حیثیت کا علم ہونا ضروری ہے، کیونکہ بیع

کی مردہ صورتوں میں ان سب کا واسطہ ہوتا ہے، لہذا ان صورتوں کا حکم بیع تعاطی، قوی، قبضہ، ٹرانسپورٹ وغیرہ کے بعد لکھا جائے گا، تاکہ اخذ حکم میں سہولت ہو۔
بیع قوی:

بیع بالا لفاظ کی اولاً دو صورتیں ہیں۔ (۱) ایجاب و قبول دونوں لفظ ماضی یا حال سے ہوں (۲) ایجاب لفظ سے ہو قبول لفظ سے نہ ہو، بلکہ فعل سے ہو۔ مثلاً زید نے عمر سے کہا کہ میں نے آپکے ہاتھ یہ چیز فروخت کی تو عمر نے اس پر قبضہ کر لیا۔ قبول کے لئے کوئی لفظ استعمال نہیں کیا یہ بھی بیع بالا لفاظ میں داخل ہے۔

”كما في الرد؛ قلت قوله من غير لفظ لغير ما قد مناه عن الفتح من أنه لو قال بعته بالف فلم يقل المشتري شيئاً كان قبضه قبولا وليس من التعاطي فلا لمن جعل منه ليس فيه إيجاب بل قبض بعد معرفة ثمنه“ (رد المحتار ۱۱/۳)۔

(۲) دوسری قسم، یعنی ایجاب و قبول دونوں لفاظ سے ہوں، اسکی چار صورتیں ہیں، (۱) ایجاب و قبول دونوں صیغہ ماضیہ سے ہوں (۲) ایجاب و قبول دونوں صیغہ حال سے ہوں (۳) ایجاب صیغہ ماضی سے ہو، قبول صیغہ حال ہو (۴) قبول صیغہ ماضی سے ہو اور ایجاب صیغہ حال سے ہو۔

”البيع ينعقد بالإيجاب والقبول إذا كانا بلفظي الماضي مثل أن يقول بعث والآخر اشتريت ولا ينعقد بلفظين أحدهما لفظ المستقبل وفي التنوير۔ وهما عبارة عن كل لفظين يتبان عن التملك والتملك ما ضيين أو حالين ولكن لا يحتاج الأول إلى نية بخلاف الثاني، فإن توكل به الإيجاب للحال صح على الأصح وإلا لا وإذا استعمله للحال فكالماضي كأبيحك الآن لتمحضه للحال وأما المتمحض فلا استقبال فكان الأمر لا يفتح أصلاً إلا إذا دل على الحال كخذه بكذا فقال أخذت أو رضيت صح بطريق الاقتضاء“

(تتویر مع الدرائس ملخصا ۳۹-۱۰)۔

حاصل یہ ہے کہ بیع بالالفاظ کی زیادہ سے زیادہ چھ صورتیں ہو سکتی ہیں:

- (۱) ایجاب لفظ سے ہو، قبول فعل سے ہو۔ (۲) ایجاب وقبول دونوں صیغہ ماضی سے ہوں (۳) ایجاب وقبول دونوں صیغہ حال سے ہوں (۴) ایجاب ماضی سے قبول حال سے ہو (۵) ایجاب حال سے اور قبول ماضی سے ہو (۶) ایجاب صیغہ امر سے ہو تو قبول کا صیغہ ماضی سے ہونا ضروری ہے، صیغہ امر ایجاب کے لئے اسی وقت ہو سکتا ہے، جبکہ امر سے اقتضاء حال کا معنی مستنبط ہو، بیع بالکتابت، اگر وہ... مرسومہ ہو تو الفاظ کے ساتھ ملحق ہے، کیونکہ کتابت الفاظ کا ترجمان اور قائم مقام ہوتی ہے (ارجع للتحفیل رالی الدر ۴/۸، ۱۰)۔

بیع تعاطی:

بیع تعاطی کی پانچ صورتیں ہیں (۱) ثمن طے کرنے کے بعد ثمن حوالہ کر دے، بیع پر قبضہ بعد میں کرے۔ (۲) بیع پر قبضہ کر لے، ثمن بعد میں دے۔ (۳) ثمن طے کرنے اور معرفت ثمن سے پہلے ہی بیع پر قبضہ کر لے۔ (۴) ثمن کے علم و معرفت سے پہلے ہی ثمن دیدے، اور بیع پر قبضہ بعد میں کر لے۔ (۵) ثمن دیدے اور بیع لے لے۔ "التعاطی هو الأخذ والإعطاء وفى الرد وصورته أن يتفقا على الثمن ثم يأخذ المشتري المتاع و يذهب يرضى صاحبه من غير دفع الثمن أو يدفع المشتري الثمن للبائع ثم يذهب من غير تسليم المبيع، فإن البيع لازم على الصحيح... قلت: فيها خامسة إنه ينعقد به ولو تأخرت معرفة الثمن لكون دفع الثمن قبل معرفته" (رد المحتار ۱۱/۴، البحر الرائق ۱۱/۴)۔

حاصل یہ کہ ثمن کے علم کے بعد یا ثمن کے علم سے پہلے بائع ثمن پر قبضہ کر لے یا مشتری بیع پر قبضہ کر لے، یا دونوں ایک دوسرے پر قبضہ کر لیں، تو یہ بیع تعاطی ہے بشرطیکہ اس میں ایجاب وقبول کے وہ الفاظ جن کی تفصیل گزر چکی ہے نہ پائے جائیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

بیع تعاظمی کا حکم:

- (۱) بیع تعاظمی میں جب بیع، یا ثمن پر قبضہ ہو جائے تو بیع لازم ہو جاتی ہے
- (۲) بیع تعاظمی میں اشیاء کیلید، وزنیه میں بھی تصرف کیلئے اعادہ کیل اور وزن کی شرط نہیں ہے: "فی الدر" اشتری مکیلا بشرط الکیل حرم ای کره تحریماً بیعه و اکلہ حتی یکیلہ ومثلہ الموزون والمعدود غیر الدراهم والدنانیر لجواز التصرف فیہما بعد القبض قبل الکیل والوزن کبیع التعاظمی، فبانہ لا یحتاج فی الموزونات إلی وزن المشتري ثانیاً، لأنه صار تبعاً بالقبض بعد الوزن، قنیة وعلیة الفتوی خلاصہ" (الدر المختار لمصنفہ ۱۶۳/۴ - ۱۶۴)

عبارات مذکورہ سے واضح ہے کہ بیع تعاظمی میں مشتری کے اعادہ کیل اور وزن کی شرط قبضہ کی تمامیت کیلئے نہیں ہے، کیونکہ یہ بیع قول سے نہیں، بلکہ بائع، مشتری، یا ان میں سے کسی کے قبضہ سے ہوتی ہے (حاشیہ الدر ۱۶۳/۴)۔

بیوع فاسدہ باطلہ کے بعد بیع تعاظمی:

بیع فاسد و باطل کے بعد اگر متعاقدین سے تسلیم و تسلیم پالیا جائے تو کیا یہ عقد بیع تعاظمی بن کر درست ہو سکتا ہے؟

بیع فاسد و باطل کے بعد جب تک عقد اول کو فسخ نہ کر دیا جائے اس وقت تک نہ تو، وہ معاملہ ایجاب و قبول سے اور نہ ہی بیع تعاظمی سے درست ہو سکتا ہے، بلکہ علی حالہ فاسد و باطل ہی رہے گا۔

"التعاظمی لا ینعقد بعد بیع باطل أو فاسد ما لم یفسخ العقد الأول"

(حاشیہ البحر ۱۱/۴، ۱۱/۵)

خلاصہ یہ ہے کہ بیع فاسد و باطل کے بعد جب تک عقد اول کو بالکل ختم نہ کر دیا جائے اس وقت تک نہ تو دوبارہ ایجاب و قبول سے اور نہ ہی بیع تعاظمی معاملہ درست ہو سکتا ہے، بلکہ عقد کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

اول کو فسخ کرنا ضروری ہے پھر اگر فسخ کے بعد لین دین ہو جائے یا دوبارہ ایجاب و قبول ہو جائے تو معاملہ درست ہو سکتا ہے، لہذا اگر فی الحال غیر مقدور التسلیم والتسليم اشیاء کو خرید تو جب تک قبضہ نہ کرنے اس وقت تک اس کو فروخت کرنا جائز نہیں اور اگر فروخت کر دے گا تو بیع فاسد ہوگی اور بیع فاسد کے بعد اگر لین دین بھی ہوگا تو یہ بیع تعاطی نہیں بن سکتا، بلکہ اس عقد کو ختم کرنا واجب رہے گا۔

نوٹ:

اگر وجہ فساد کو مجلس عقد ہی میں دور کر دیا جائے تو بیع تعاطی ہو کر معاملہ درست ہو جائے گا، ”والفرق انه بعد المجلس تقرر الفساد من كل وجه فلا بد من المتاركة، أما في المجلس ولا يتقرر من كل وجه متحصل المتاركة ضمناً فتأمل“ (شامی ۱۲/۴)۔

مثلاً ”كل قفيز بدرهم“ والی صورت میں اگر صبرۃ طعام کو مجلس عقد ہی میں کیل وزن کر دیا جائے تو معاملہ درست ہو جائے گا۔

”فی الدر : وإن علم عدد الغنم في المجلس لم ينقلب صحيحاً عنده على الأصح ولو رضا العقد بالتعاطي ونظيره البيع بالرقم سراج“ (در مختار ۲۹)۔ عبارت مذکورہ میں ”ولو رضا العقد بالتعاطي“ کو اگر ”بعد المتاركة“ یا ”بعد عدد“ پر محمول کیا جائے تو درست ہو سکتی ہے، ورنہ یہ عبارت خود مصنف کی سابق ذکر کردہ عبارت کے خلاف ہے، جیسا کہ مضمون ہذا میں نقل کیا گیا۔

قبضہ کی حقیقت:

قبضہ کی اصل روح اور حقیقت مبیع کے بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہونا ہے اور حضرات فقہاء احناف نے انتقال ضمان کے سلسلہ میں اگر فی الحال مقدور التسلیم والتسليم ہو تو مشتری کو اطلاع دینے کے بعد تخلیہ کو حکماً انتقال ضمان کیلئے، یعنی قبضہ کیلئے کافی مانا ہے،

اور اگر بیع فی الحال مقدور تسلیم والتسلیم نہ ہو تو تخلیہ قبضہ نہیں ہو سکتا، خواہ بیع منقولات کی قبیل سے ہو یا غیر منقولات کی قبیل سے، اگر فی الحال مقدور تسلیم والتسلیم ہے تو مشتری کو اطلاع دینے کے بعد تخلیہ قبضہ سمجھا جائے گا، لیکن یہ بھی یاد رہے کہ قبضہ میں عرف کا بہت دخل ہے، جیسا کہ حضرات ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قبضہ کا مدار ہی عرف پر ہے، اگر عرف میں کوئی چیز ایسی رائج ہو کہ جس سے بیع بائع کے ضمان و ذمہ داری سے نکل کر مشتری کے ضمان و ذمہ داری میں داخل ہو جائے تو اس کو بھی قبضہ سمجھا جائے گا، کیونکہ حضرات احناف کے نزدیک بھی عرف کا بہت اعتبار ہے۔

(۱) ”اشتری فی المثل حطباً فغصبه غاصب حال حملہ الی منزله فمن البائع؛ لأن علیہ التسليم فی منزل الشاری بالعرف“ (رد مختار ۴/۲۴۲)۔

عرف اگر کسی نص کے مخالف نہیں ہے تو عرف خاص ہو یا عام دونوں معتبر ہے، لہذا اگر عرف میں کوئی چیز قبضہ کیلئے رائج ہو تو اس کے پائے جانے کے بعد قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا، اور بیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی۔

(۲) ”فی الدر: المذهب عدم اعتبار العرف الخاص لكن أفتی كثير باعتبارہ وفي حاشیة: فأفاد أن عدم اعتبارہ بمعنى أنه إذا وجد النص بخلافه لا یصلح ناسخاً للنص ولا مقيداً له وإلا فقد اعتبروه فی مواضع كثيرة منها مسائل الإيمان وكل عاقد وواقف وحالف یحمل كلامه علی عرفه كما ذكره ابن همام عرف العام یصلح مقيداً“ (رد المحتار ۱۳/۱۳)۔

”وفیه عبارة الأشباه أقول: علی اعتبارہ أی اعتبار العرف الخاص ینبغي أن یفتی بأن ما یقع فی بعض أسواق القاهرة من خلو الحوانیت لازم“ (رد مختار ۱۵)۔

ایک بات یہ غور کرنے کی ہے کہ حضرات فقہاء نے تخلیہ وغیرہ کو قبضہ کیوں مانا ہے؟ اس میں کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات فقہاء کے تخلیہ وغیرہ کو قبضہ شمار کرنے کی دوجہیں ہیں (۱) قدرت تصرف کامل (۲)۔

انقطاع تعلق البائع من المبيع بحكم المشتري، حضرات فقہاء کے تحلیہ وغیرہ کو قبضہ شمار کرنے کی یہی دو جہیں سمجھ میں آتی ہیں۔

(۱) "أن التخلية تعتبر إقباضاً في العرف والشرع أما في العرف فلائذ لا يكون في العقار إلا بها فتقال هذه الدار في يد فلان فلا يفهم منه إلا التخلي وهو التمكن من التصرف" (الفقه الإسلامي ۲۰۰/۵)۔

(۲) "وفي النهاية معزياً إلى الغاية: إن القبض في العقار بالتخلية وفي المنقول بالنقل إلى مكان لا يختص بالبائع" (إعراء ۳۰۹/۵)۔

عبارت مذکورہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرات فقہاء کے تحلیہ وغیرہ کو قبضہ شمار کرنے کی دو جہیں ہیں (۱) بائع کو مکمل قدرت تصرف حاصل ہو جائے (۲) مبیع سے بائع کا تعلق، بالکل ختم ہو جائے مشتری کے حکم سے اور مشتری کے حق کے ساتھ مجبوس ہو جائے، جب ان دو وجہوں میں سے کوئی وجہ پائی جاتی ہے تو حضرات فقہاء اس کو قبضہ تسلیم کرتے ہیں۔

ٹرانسپورٹ ڈاک وغیرہ کی شرعی حیثیت:

(۱) قبضہ کی حقیقت میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ اگر مشتری کے حکم کی وجہ سے بائع کا تعلق مبیع سے بالکل ختم ہو جائے تو یہ مشتری کا قبضہ ہے۔

(۲) ڈاک ٹرانسپورٹ وغیرہ کو حوالہ کر دینے کے بعد مبیع بائع کے قبضہ سے نکل جاتی ہے، اور اس کا تعلق مبیع سے بالکل ختم بھی ہو جاتا ہے، لیکن اگر ان کا کرایہ بائع خود ادا کرے تو یہ بائع کے وکیل بااجرت ہوں گے اور وکیل کا فعل موکل کا فعل ہوتا ہے، لہذا بائع کے ان کا کرایہ ادا کرنے کی صورت میں مبیع بائع کے وکیل کے قبضہ میں رہے گی اور وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ ہوتا ہے، لہذا مبیع سے بائع کا تعلق ختم نہیں ہوگا، بلکہ اس کا تعلق علی حالہ باقی رہے گا، فرق صرف اتنا ہوگا، جیسے بائع نے مبیع کو ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کر دیا اور جب مبیع بائع کے قبضہ سے نکلے گی نہیں تو مشتری کے ضمان میں داخل بھی نہ ہوگی، اور جب ضمان میں داخل نہ ہوگی تو

حقیقت قبضہ مفقود ہوگی اور اگر ان کا کرایہ بائع نہیں ادا کر رہا ہے تو بائع کا تعلق بیع سے مشتری کے حکم کی بناء پر بالکل ختم ہو جائے گا اور بیع سے کوئی تعلق باقی نہ رہے گا، اس لئے اگر ذاک ٹرانسپورٹ وغیرہ کا کرایہ بائع نہ ادا کرے تو بیع کے بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہونے سے قبضہ کی حقیقت پالی جائے گی، اور مشتری کے ضمان میں آنے کی صورت میں اس کا قبضہ شمار ہوگا: "قال فی الہندیۃ: إذا قال المشتري للبائع ابعت إلی ابنی واستأجر البائع رجلاً یحملہ إلی ابنہ فہذا لیس بقبض والأجر علی البائع إلا أن یقول استأجر من یحملہ فقبض الأجير یكون قبض المشتري إن صدقہ أنه استأجرہ ودفع إلیہ وإن أنکر استیجارہ والدفع إلیہ فالقول قوله کذا فی التاتارخانیۃ" (مائگیر ۱۹۳۳ نظامن احسن الفتاویٰ ۶)۔

اگر مشتری بائع سے یہ کہے کہ فلاں کے ذریعہ سامان بھیج دو اور وہ شخص صرف جمالی کا کام کرتا ہو تو یہی سمجھا جائے گا کہ مشتری نے بائع کو اس کا حکم دیا ہے کہ اس شخص کو اس کی جانب سے اجیر رکھ کر سامان بھیج دیا جائے تو اگر بائع کرایہ نہ ادا کرے تو وہ شخص وکیل مشتری کا وکیل ہوگا، اسی طرح سے ڈاک ٹرانسپورٹ وغیرہ جو بار برداری کا کام کرتے ہیں، اگر مشتری نے ان کے ذریعہ بھیجنے کا حکم دیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے کہا: "استأجر من یحملہ إلی": تو اگر ڈاک ٹرانسپورٹ وغیرہ کا خرچ مشتری کے ذمہ آتا ہو تو بائع مشتری سے وصول کر کے ان کو کرایہ دے یا مشتری خود کرایہ ادا کرے، بہر حال اگر ان کا کرایہ بائع نہیں ادا کر رہا ہے اور یہ کہنے کی صورت میں کہ ڈاک سے بھیج دو عرف میں ان کے کرایہ کی ادائیگی مبعوث الیہ کے ذمہ آتی ہے تو ڈاک وغیرہ مشتری کے وکیل ہوں گے، لہذا ان کے قبضہ میں مال پہنچنے کے بعد مشتری کا قبضہ متحقق ہو جائے گا، اور بیع بائع کے ذمہ سے نکل جائے گی۔

حاصل یہ ہے کہ ڈاک ٹرانسپورٹ وغیرہ کا کرایہ اگر اپنی جیب سے نہیں ادا کرتا ہے، بلکہ ان کے کرایہ کی ادائیگی مشتری کے ذمہ لازم ہوتی ہے تو یہ مشتری کے وکیل ہیں اور ان کا قبضہ

مشتري کا قبضہ سمجھا جائے گا اور اگر ان کے کرایہ کی ادائیگی بائع کے ذمہ لازم آتی ہے اور وہ اپنی جیب سے ادا کر رہا ہے پہلے، یا بعد میں مشتری سے وہ کرایہ وصول نہیں کرتا ہے تو یہ بائع کے وکیل میں اور ان کا قبضہ بائع کا قبضہ سمجھا جائے گا، اور بیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل نہ ہوگی، جو قبضہ کی حقیقت اور روح ہے۔

بیوع کے مروجہ مذکورہ چند طریقوں کا حکم:

بیع بالا لفاظ اور بیع بالا افعال قبضہ ٹرانسپورٹ وغیرہ کی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد مذکورہ صورتوں کا حکم نکالنا آسان ہے اب مذکورہ صورتوں کے احکام لکھے جا رہے ہیں (۱-۲-۳-۴-۵) ان سب صورتوں کا تعلق مشتری کے بائع کو آرڈر دینے سے ہے اور آرڈر حقیقت میں صیغہ امر ہے اور وہ بھی حال کے معنی میں نہیں ہو سکتا، اس لئے یہ ایجاب لفظی نہ بنے گا اور جب بائع بیع کو مشتری کے کہنے کے مطابق ڈاک ٹرانسپورٹ ریلوے، اور ملازم وغیرہ کو دیدیتا ہے، اور دینے کے بعد بائع کے کرایہ نہ ادا کرنے کی صورت میں بیع سے اس کا تعلق بالکل ختم ہو جاتا ہے اور یہ چیزیں بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے وکیل کے قبضہ میں آ جاتی ہیں، اور وکیل کا فعل مشتری کا شمار ہونے کی وجہ سے وہ اشیاء مشتری کے قبضہ میں داخل ہو جاتی ہیں اور جب بغیر ایجاب لفظی کے مشتری کے قبضہ میں بیع آگئی تو یہ بیع تعاطی بنی اور بیع تعاطی کا حکم بیع کا لزوم ہے، اور اشیاء کیلیہ، وزنہ مشتری بالکیل والوزن میں بھی قبل بالکیل والوزن مشتری کو تمام تصرفات کی اجازت ہے، لہذا صورت مذکورہ میں اگرچہ وہ اشیاء کیلی، وزنی ہوں، یا کیلی، وزنی نہ ہوں، جب آرڈر دینے والے کے پاس پہنچ جاتی ہیں اور یہ ان پر قبضہ کر لیتا ہے تو پھر مشتری اول اور مشتری ثانی کے درمیان بیع تعاطی کے ذریعہ سے ایک نیا عقد ہو جاتا ہے، یہ ہونے والا عقد پہلے سے نہ تو باطل تھا نہ فاسد تھا، بلکہ اس کا وجود ہی نہ تھا، اس لئے جب مشتری اول مشتری ثانی کے درمیان بیع تعاطی ہوئی تو مشتری اول کو حاصل ہونے والا نفع حلال و طیب ہے، اور یہ بیع قبل القبض میں داخل نہیں، کیونکہ مشتری ثانی کے پاس بیع مشتری اول کے وکیل یعنی ڈاک،

ٹرانسپورٹ وغیرہ کے ذریعہ پہنچی ہے اور وکیل کا فعل مؤکل کا شمار ہونے کی وجہ سے حقیقت میں وہ مشتری اول کے قبضہ سے مشتری ثانی کے قبضہ میں گئی ہے، نیز اصل قبضہ اور حقیقت قبضہ ضمان میں داخل ہوتا ہے، تو اگر مجمع مشتری اول کے ضمان میں آنے کے بعد وہ مشتری ثانی کے ضمان میں گئی ہے تو یہ بیع قبل القبض نہیں اور مشتری ثانی کا پہلے سے آرڈر دینا اور مشتری اول کا وعدہ کر لینا یہ بیع نہیں بنے گا، کیونکہ آرڈر امر ہے، اور امر ایجاب نہیں ہوتا ہے، اور مشتری اول کا وعدہ قبول نہیں ہوگا: ”أما قول المشتري يعني يكون مساومة وطلباً وطلب الأمر والإيجاب أمر آخر طلب الإيجاب ليس بإيجاب وإنما لم يذكر الشارح اللبيب برهان عدم الانعقاد على قول المشتري وهو يعني بظهوره“ (حاشیہ بیانیہ ص ۱۱)۔

حاصل یہ کہ آرڈر ایجاب نہیں ہوتا ہے، بلکہ صرف بیع کا مطالبہ ہوتا ہے، لہذا جب بیع بغیر ایجاب و قبول کے مشتری کے ضمان اور قبضہ میں داخل ہو جائے تو یہ بیع تعاطی ہوگی اور مشتری کیلئے اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کی صورت میں بیع قبل القبض نہ ہوگی۔

(۶) کا حکم، یعنی پیک شدہ ڈبے، شیشیاں، بنڈل وغیرہ جن کو آج کے موجودہ زمانہ میں برقی مشینوں کے ذریعہ سے کیل، وزن، ذراع وغیرہ کرنے کے بعد بیع کو ڈبوں، بوروں، پیکٹوں میں سل کر بند کر دیا جاتا ہے، اور بہت سی چیزوں میں پیکٹ وغیرہ پر بیع کا پورا تعارف، وزن، قیمت تاریخ وغیرہ تمام چیزیں درج ہوتی ہیں، پھر اسی مکتوبہ وزنی، قیمت وغیرہ پر اعتبار کر کے اس کی بیع و شراء ہوتی ہے نہ تو بائع کو تولتا ہے اور نہ مشتری اپنے گھر لے جانے کے بعد ان چیزوں کو تولتا ہے، اور نہ بائع سے تولنے کیلئے کہتا ہے، اور اگر بالفرض پیک کو کھولنے کے بعد تول و ناپ لے تو کم ہونے کی صورت میں واپسی ہو جاتی ہے، لیکن اگر اسی وزن کے اعتبار سے قیمت کم کر کے بیع و شراء کرنا چاہیں، قیمت کچھ کم نہیں ہوتی، جب کہ قانون شرعی کے مطابق کم ہونے کی صورت میں قیمت کم ہونا چاہئے، نیز بائع و مشتری میں سے کوئی بھی معاملہ کرتے وقت، یا معاملہ کے بعد ان کو کیل و وزن نہیں کرتا ہے، معلوم یہ ہوا کہ جو چیزیں پیک ہو کر سلے ہوئے

بوروں میں فروخت ہوتی ہیں تو ان میں کیل، وزن مقصود ہی نہیں رہ جاتا، بلکہ وہ ڈبہ، لفافہ پیکٹ وغیرہ مقصود ہوتا ہے، تو یہ چیزیں پیک ہونے کے بعد معدودات میں داخل ہو جاتی ہیں، ان کی بیع و شراء میں وزن مشروط نہ ہونے کی وجہ سے بیع مجازفہ میں داخل ہیں، اس لئے اگرچہ وہ اشیاء فی نفسہ کیلی یا وزنی ہوں مشتری نے شراء کے وقت ایک متعین کیل اور وزن کی مقدار بیان کر کے خریدا ہو تو بھی وزن مقصود نہیں ہوتا ہے، اس لئے اس کو قبل الکیل والوزن تصرف کرنا، بیع و شراء کرنا جائز ہے۔

(۷) جہاز وغیرہ سے بیع و شراء کا حکم یہ ہے کہ حضرات احناف کے نزدیک قبضہ کی حقیقت میں دو چیزیں داخل ہیں (۱) تخلیہ، یعنی قدرت تصرف (۲) بیع سے بائع کا بالکل انقطاع تعلق، لہذا اگر جہاز مال بردار کمپنی کا کرایہ مشتری ادا کر رہا ہے تو اس کا قبضہ متحقق ہو جانے کی وجہ سے قبضہ حسی سے پہلے اس کے لئے بیع و شراء جائز ہے، اور مشتری ثانی کیلئے جائز نہیں، کیونکہ بیع سے بائع کا تعلق منقطع نہیں ہوا اور نہ تخلیہ ہی ہوا۔

کمپنی کی اشیاء اور ان کا حکم:

(۱) کمپنی میں تیار ہونے والی چیزیں، خواہ مطعومات و مشروبات کی قبیل سے ہوں، یا غیر مطعومات کی قبیل سے ہوں، اکثر و بیشتر وہ پیک شدہ ہوتی ہیں۔

(۲) اور اگر پیک شدہ نہ ہوں تو بھی، یا تو مشتری بالکیل والوزن نہ ہوں گی، یا عددی ذرائع ہوں گی ان تینوں قسموں کا حکم یہ ہے کہ ان میں سے بعض چیزیں معدودات میں داخل ہیں، اور بعض میں بیع مجازفہ ہوتی ہے، اس لئے بائع کے تخلیہ اور اس کے مشتری کے حکم کی بناء پر بیع سے انقطاع تعلق کے بعد قبضہ متحقق ہو جانے کی وجہ سے مشتری کیلئے ہر طرح کا تصرف جائز ہے، مگر یہ کہ مشتری ثانی کی بیع و شراء تخلیہ اور بائع کے انقطاع تعلق سے پہلے بیع قبل القبض ہونے کی بناء پر بیع فاسد ہوگی۔

نیز اگر حضرت امام مالکؒ کے مذہب کو اختیار کیا جائے تو ماکولات و مشروبات کے

علاوہ بقیہ تمام چیزوں میں ان کے نزدیک بیع قبل القبض کے جائز ہونے کی وجہ سے سہولت و آسانی ہو جائے گی اور موجودہ دور میں ضرورت کے وقت حضرت امام مالک کے مذہب کو اختیار کر کے لوگوں کو حرج و تنگی سے بچانا ضروری ہے ”لا حرج فی الدین، یسرا ولا تعسرا“ کا ارشاد ہے، اور فقہاء کا اصول ہے: ”إذا ضاق الأمر اتسع، المشقة تجلب التيسير“ وغیرہ، اس لئے حضرت امام مالک کے مذہب کو ضرورت کے وقت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

کمپنی وغیرہ سے شراء کے بعد قبضہ حسی سے پہلے بیع کا حکم:

کمپنی سے مال کی خریداری پھر اس کی بیع چار طریقوں سے ہو سکتی ہے۔

(۱) مال خریدنے کے بعد اس کو نہ دیکھا، نہ اس پر قبضہ کیا، وہ مال کمپنی ہی کے پاس تھا صرف معاملہ کرنے کے بعد اس کو فروخت کر دیا۔

(۲) خریدنے کے بعد اس کو ٹرانسپورٹ وغیرہ کے حوالہ کرنے کے بعد اس کی بیع کیا اور ٹرانسپورٹ کی اجرت بائع کے ذمہ نہ ہو۔

(۳) مال خرید کر کمپنی ہی میں مشتری نے خود، یا اس کے وکیل نے اس کو الگ رکھوا دیا اور کمپنی نے اس کو پوری قدرت تصرف بھی دے دی، اور وہ مال مشتری کے ضمان میں داخل بھی ہو گیا کہ اگر ضائع ہوگا تو مشتری کا ضائع ہوگا۔

(۴) مال خریدنے کے بعد بائع ہی کو اس کی بیع کا وکیل بنا دیا۔

پہلی صورت کا حکم:

کمپنی سے مال خرید کر اپنے، یا وکیل وغیرہ کے قبضہ و ضمان میں آنے سے پہلے ہی کمپنی ہی سے اس کی بیع کر دیا تو یہ بیع فاسد ہوگی اگر اس سے ربح حاصل ہوگا تو ”ربح مالم یضمن“ ہوگا، اگرچہ بیع کے بعد بیع مشتری اول کے ضمان میں آجائے، کیونکہ جس وقت عقد کیا ہے اس وقت وہ بیع غیر مقبوض تھی اور اس سے حاصل ہونے والا نفع اسی عقد کی جانب منسوب ہو کر ”ربح

مالم یضمن“ ہوگا، کیونکہ ربح اسی عقد کا نتیجہ ہے، لہذا اگر اس صورت میں بیع کے تمام ارکان وغیرہ پالنے گئے ہیں تو عقد بیع تعاطلی بھی نہیں بن سکتا، عقد اول کے فاسد ہو جانے کی وجہ سے، لہذا اس ربح کا حضرات احناف کے مطابق تصدق واجب ہے، البتہ اگر ایجاب و قبول کیلئے صیغہ مستقبل استعمال کیا، مشتری نے کمپنی سے کہا بیع دو اور کمپنی نے کہا بیع دیا جائے گا، تو ایجاب و قبول نہ ہونے کی وجہ سے اگر بیع یا شمن پر بعد میں قبضہ ہو جائے تو یہ بیع تعاطلی بن جائے گی۔ دوسری صورت کا حکم:

ٹرانسپورٹ وغیرہ کو حوالہ کرنے کے بعد اگر اس کی بیع کیا اور اس کی اجرت بائع نے نہ ادا کیا ہو تو وہ مال مشتری کا مقبوض سمجھا جائے گا، اور اس کی بیع درست ہے اور اس سے حاصل شدہ نفع ”ربح مالم یضمن“ نہ ہوگا، لیکن مشتری ثانی کیلئے کسی تیسرے کے ہاتھ فروخت کرنا مال کے وصول ہونے سے پہلے جائز نہیں کیونکہ جب تک وہ مال ٹرانسپورٹ وغیرہ کے قبضہ میں ہے اس وقت تک وہ مقدور التسليم نہیں، اس لئے مشتری کا قبضہ اس پر نہیں ہو سکتا، لہذا اس کا بیع کرنا بیع قبل القبض ہوگا جو بیع فاسد ہے۔

(۳) مال خرید کر مشتری، یا اس کا وکیل کمپنی کے کسی کمرے، گودام وغیرہ میں رکھ دے اور مشتری کو پوری قدرت تصرف ہو تو وہ مال کا مشتری مقبوض سمجھا جائے گا اور اس کی بیع جائز ہے، البتہ مشتری ثانی کیلئے وصول ہونے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں۔

(۴) بائع ہی کے پاس مال خرید کر چھوڑ دیا اور قبضہ سے پہلے بائع کو فروخت کرنے کا وکیل بنادیا تو اس کی تین صورتیں نکلتی ہیں، اگر دیکھنے سے پہلے ہی بائع سے کہا کہ اس کو فروخت کر دو تو بائع مشتری کے درمیان ہونے والے عقد فسخ سمجھا جائے گا، بائع نے اس کو قبول کیا ہو یا نہ قبول کیا ہو، اور اگر مشتری نے بائع سے کہا کہ اس کو میرے لئے فروخت کر دو تو اس صورت میں اگر بائع قبل کر لے تو عقد فسخ سمجھا جائے گا، اور اگر بائع راضی نہ ہو تو فسخ نہ ہوگا، اور اگر قبضہ اور دیکھنے کے بعد اس سے کہا کہ اس کو فروخت کر دو یا میرے لئے فروخت کر دو تو یہ بیع کی وکالت

ہوگی اور چونکہ قبضہ کے بعد بیع کا وکیل بنایا ہے، اس لئے بیع قبل القبض بھی نہ ہوگی۔

”ولو اشتری ثوباً أو حنطة فقال للبائع ، قال الإمام الفضلی : إن كان قبل القبض والرؤية كان فسخاً وإن لم يقل البائع نعم لأن المشتري ينفرد بالفسخ في خيار الرؤية وإن قال : بعه لي أي كن وكيلا في الفسخ فما لم يقبل البائع لا يكون فسخاً، وكذا لو بعد القبض والرؤية لكن يكون وكيلاً بالبيع سواء قال : بعه أو بعه لي هكذا كله ملخص مما في البحر“ (شامی ۴/۳۳)۔

تفصیل مذکور حضرات احناف کے مذہب کے مطابق کی گئی، البتہ حضرت امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا مسلک اختیار کرنے میں سہولت و آسانی ہے، ان کے نزدیک صرف مطعومات میں بیع قبل القبض ناجائز ہے، اس کے علاوہ میں جائز ہے۔



قبضہ شرعی سے قبل اشیاء کی خرید و فروخت کا شرعی حکم

مولانا ارشاد قاسمی ☆

قبضہ شرعی کے حاصل ہونے سے قبل خریدار کا مال فروخت کر دینا جائز نہیں ہوگا، اور اس کی بیع از روئے شرع یا از روئے قواعد فقہیہ فاسد ہوگی۔ اور اس پر بیع فاسد کے احکام جاری ہوں گے۔

فاسد ہونے کی دلیل:

قبضہ شرعی سے قبل فروخت کرنے کی صورت میں فسخ عقد کا غرر ہے، کہ بیع (خریدی ہوئی چیز) جو ابھی اس کے قبضہ میں نہیں آئی ہے شاید نہ آ سکے اور ضائع ہونے کی وجہ سے عقد ختم ہو جائے۔ اور غرر کی اس کیفیت سے بیع فاسد ہوگی۔ جیسا کہ غرر اور اس کی تفصیل کے ذیل میں اس کی مفصل بحث کی گئی ہے۔ محقق ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

”لأن فيه غرر انفساخ العقد الأول على اعتبار هلاك المبيع قبل القبض فبين حينئذ أنه باع ملك الغير بغير إذنه و ذلك مفسد للعقد“ (۵۱۲/۶)۔

علامہ بدر الدین الحنفی العینی اس کی علت فساد پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ شرعی سے قبل مشتری کا فروخت کرنا ”ربح مالم يضمن“ میں داخل ہے، اور شارع علیہ السلام نے ضمان میں آنے سے قبل فروخت کرنے اور نفع حاصل کرنے سے منع فرمایا۔ اور نہ ہی مقتضی فساد ہے، لہذا اس سے بیع فاسد ہوگی۔ چنانچہ ”ہدایہ“ کی شرح ”البنایہ“ میں

لکھتے ہیں:

”والجامع اشتمالهما علی ربح مالم یضمن، فان المقصود من البیع الربح والربح مالم یضمن نهی عنه شرعا والنهی یقتضی الفساد، فیکون البیع فاسدا قبل القبض لأنه لم یدخل فی ضمانه کما فی الإجارة“ (۲۲۲/۷)۔

نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کی علت غرر وصف ہے۔ محققین فقہاء کرام اس کی تصریح بھی کر رہے ہیں۔ چنانچہ ابن ہمام کا قول ابھی گزرا۔ ”لأن فیہ غرر الانفاسخ العقد الاول“۔ اسی طرح ”عنا یہ شرح ہدایہ“ میں ہے: ”لأن فیہ غرر الانفاسخ بالہلاک والاستحقاق“ (ص ۵۱۲)، نبی کی علت منصوص کی وضاحت کرتے ہوئے خطہ عرب کے مشہور محقق فقیہ علامہ زحیلی ”الفقه الاسلامی“ میں لکھتے ہیں: ”إن العلة عند الحنفیة فی عدم جواز بیع الشئ قبل قبضه هی الغرر“ (۲۲۲/۴)، اور غرر جب من حیث الوصف ہو تو یہ مفید ہے۔ چنانچہ علامہ زحیلی غرر سے فساد اور ابطال کے ضابطہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”والغرر الذی یطل البیع هو غرر الوجود وهو کل ما کان البیع فیہ محتملا للوجود والعدم۔ أما غرر الوصف فمفسد للبیع“ (۲۲۷/۴)۔

معلوم ہوا کہ غرر وجود جس میں مبیع کے وجود اور عدم ہی کا علم نہ ہو بیع کو باطل کرتا ہے۔ سو یہاں غرر الوجود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مبیع تو موجود ہے اس کے وجود نے بیع اول کو جائز قرار دیا ہے۔ البتہ یہ احتمال ہے کہ جس کا وجود ثابت ہو چکا ہے آیا قبضہ میں بھی آسکے گی یا نہیں، ملے گی یا ہلاک ہو جائے گی، یہ غرر وصف ہے۔ اور غرر وصف سے بیع فاسد ہوتی ہے۔ علامہ زحیلی نے اس نبی کو سبب فساد قرار دیا ہے:

”قال الحنفیة لا یجوز التصرف فی البیع المنقول قبل القبض؛ لأن النبی ﷺ نهی عن بیع مالم یقبض والنهی یوجب الفساد المنهی عنه“ (ص ۲۷۴)، اس سے بھی معلوم ہوا کہ نبی شارع کی وجہ سے یہ بیع فاسد ہوگی۔ اس سے

زیادہ واضح طور پر علامہ زحیلی نے ”الفقہ الاسلامی وادلتہ“ کے اس مقام پر بیان کیا ہے جہاں وہ ترتیب سے بیع فاسد کو شمار کر رہے ہیں۔ اس میں انہوں نے ”بیع الشئ المملوک قبل القبض“ کو بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ (صفحہ ۷۳ ۷۴ جلد ۲) میں اسے بیع فاسد کی فہرست میں شمار کراتے ہیں۔

عنا یہ شرح ہدایہ میں بھی صراحتہً اس بیع کو بیع فاسد قرار دیا گیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ”والنہی يقتضی الفساد فیكون البیع فاسداً قبل القبض؛ لأنه لم یدخل فی ضمانه“ (حاشیہ فتح القدیر ۶/۵۱۲)، صاحب ”درمختار“ علامہ ”ھکفی“ نے بھی مواہب کے حوالہ سے اسے فاسد ہی قرار دیا ہے۔ ”وفی المواہب وفسد بیع المنقول قبل قبضه“ (مصری نسخہ ۵/۱۳۸)، علامہ شامی نے بھی غرر کو فساد کی علت قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: ”لأن علة الفساد الغرر“ (۵/۱۳۸)، اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی قبل القبض کی علت غرر ہے جو سبب فساد ہے۔

محقق طحاوی نے بھی ”الدر المختار“ کے ”حاشیہ طحاوی علی الدر“ میں اسے فاسد قرار دیا ہے۔ چنانچہ صاحب ”الدر“ کے قول ”وفسد بیع المنقول“ کے تحت لکھتے ہیں:

”وانما جاء الفساد من جهة أخرى وهو الغرر أى غرر انفساخ العقد بھلاکہ“ (۳/۱۰۰)، علامہ طحاوی نے صاحب الدر کے قول فساد کو صحیح قرار دے کر اس کی علت اور وجہ بیان کی ہے کہ فساد کا سبب غرر ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے باطل ہونے پر تحقیق و تنقیح:

خیال رہے کہ بعض فقہاء نے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو باطل بھی قرار دیا ہے۔ مگر یہ تحقیق اور اصول کے اعتبار سے درست نہیں۔ اہل تحقیق نے خود اس کی تردید کی ہے۔ چنانچہ جوہرہ کے حوالہ سے درمختار میں ہے: ”بخلاف بیعه قبله فإنه باطل مطلقاً“۔ صاحب ”درمختار“ علامہ ”ھکفی“ خود اس سے متفق نہیں، وہ ”قلت“ سے اپنی تحقیق پیش کرتے ہیں: ”وفی

المواهب وفسد ببيع المنقول قبل قبضه۔ علامہ شامیؒ دونوں قولوں کو سامنے رکھ کر تحقیق فیصلہ فرماتے ہیں: ”والظاهر هو الثاني لأن علة الفساد الغرر كما مر۔“ اب رہی بات کہ پھر اسے باطل کیوں قرار دیا تو علامہ شامی اس کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”و کثیرا ما يطلق الباطل على الفاسد۔“

ربح مالم يضمن:

نہی قبل القبض کی ایک علت جس کی وجہ سے یہ نہی واقع ہوئی ہے ”ربح مالم يضمن“ ہے۔ یعنی ضمان میں آنے سے قبل اسے فروخت کرنا اور اس سے نفع حاصل کرنا ہے۔ اور حدیث پاک میں ”ربح مالم يضمن“ کی نہی آئی ہے، چونکہ قبضہ شرعی سے شے ضمان میں داخل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعضوں نے قبضہ کی تشریح ضمان سے اور ”لم يقبض“ کی شرح ”لم يضمن“ کے ساتھ کی ہے۔

ضمان سے قبضہ کا تحقق ہو جائے گا:

کسی شے کا ضمان میں آنا گویا کہ اس کے قبضہ میں آنا ہے۔ چنانچہ ضمان سے قبضہ کو ثابت کرتے ہوئے علامہ زحلیؒ ”الفقه الاسلامی“ میں لکھتے ہیں: ”فاما أن تكون يد ضمان بنفسه كيد الغاصب فيصير المشتري قابضا للمبيع بنفس العقد“ (۴۲۲/۷) غاصب کے مثل اگر ضمان میں آجائے تو اس سے مشتری قابض ہو جائے گا۔ اس عبارت سے یہ بات بالکل صاف واضح ہوتی ہے۔ ضمان اور قبضہ ایک دوسرے کے لئے معاملات بیع میں لازم و ملزوم ہیں۔ اور ضمان میں کسی شے کا آجانا قبضہ کو ثابت کر دیتا ہے۔ اور اس پر خود حدیث پاک شاہد ہے، اور اسی کو فقہاء نے بھی جا بجا اختیار کیا ہے جو ان کے بیان کردہ جزئیات سے بھی ثابت ہوتا ہے، لہذا مشتری کے ضمان میں بیع آجائے تو اس کا بیچنا جائز ہو جائے گا۔

اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت:

یہ واضح رہے کہ حدیث پاک میں جو قبضہ سے پہلے فروخت اور بعض تصرفات سے منع

کیا گیا ہے اس میں قبضہ سے کیا مراد ہے۔ محض قبضہ حسی یعنی مشتری کے ہاتھ میں آ جانا مراد ہے، یا اس کے مفہوم میں وسعت ہے۔ اور مرادی اعتبار سے قبضہ حسی کو جس طرح یہ شامل ہے اسی طرح تحویل، تسلیم، افراز، فراغ، ضمان وغیرہ جسے قبضہ حکمی اور معنوی سے بھی موسوم کیا جاتا ہے شامل ہے؟ ذیل میں اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ اولاً قبضہ کے لغوی معنی۔ ثانیاً فقہاء کی اصطلاح میں قبضہ کا مفہوم اور اس بات کی تشریح کہ قبضہ سے مراد حسی قبضہ ہی نہیں، بلکہ قبضہ معنوی اور حکمی بھی ہے۔ اور دونوں قبضہ میں سے کسی قبضہ کا تحقق شارع علیہ السلام کی منع کردہ بیع سے خارج کرتے ہوئے جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

قبضہ لغت میں:

قبض لغت میں متعدد معانی کے لئے آتا ہے۔ جن میں ایک معنی ملک اور تحویل میں آنا اور قبول کرنا بھی ہے (لسان العرب ۷/۲۱۳)۔

محدثین و فقہائے محققین کے یہاں قبضہ کا مفہوم و مراد:

علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ بخاری کی شرح ”فیض الباری“ میں قبضہ کے مفہوم کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وبالجملة أن القبض في البيع والهبة والرهن يتحقق عندنا بالتخلية والممكنة على القبض ولا يحتاج إلى القبض الحسي والنقل“ (۲۰۶/۳)، حاصل کلام یہ ہے کہ قبضہ، بیع، ہبہ، رهن میں تخلیہ اور تمکین قبضہ سے قبضہ تحقق ہو جاتا ہے۔ حسی قبضہ اور منتقل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح ایک اور مقام پر مزید اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ”و معناها عندی رفع علائق ملکہ و تمکینه للمشتري علی أن یقبضه و ذلك قد یكون بالفعل وأخری بالقبول وتارة بالقرائن“۔

اور اس تمکین کی شرح ایک مثال سے کرتے ہیں۔ جسے فقہاء اپنے کلام میں تمکین کو قبضہ قرار دیتے ہوئے ذکر کرتے ہیں:

”ولو باع فرسا في الصحراء فان كان المشتري أن يستطیع أن یقبضه بدون إعانة غیره تحقق القبض.. فكأنهم نظروا إلى الممکنة“ (۲۰۶/۲)، جنگل میں گھوڑا بیچا اگر مشتری کسی دوسرے کی مدد کے بغیر قبضہ کر سکتا ہے تو قبضہ کا تحقق ہو جائے گا۔ علامہ ابن ہمام ”فتح القدیر، شرح ”ہدایہ“ میں ”محیط“ کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں: ”إن بالتخلية يقع القبض وإن كان المبيع یبعد عنهما“۔ تخلیہ سے قبضہ ہو جاتا ہے، خواہ بیع دور ہی کیوں نہ ہو۔ اسی طرح ابن ہمام فتح القدیر میں ایک مثال سے قبضہ حکمی سے قبضہ شرعی کے واقع ہونے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ولو اشتری فرسا فی حظيرة فقال البائع: سلمتها إلیک ففتح المشتري الباب، فذهب الفرس إن أمکنه أخذه من غیر عون کان قبضا“ (۲۹۸/۶)۔
دیکھئے اس جزئیہ میں محض قدرت اور تمکین کو قبضہ قرار دیا گیا ہے۔ ابن ہمام نے تجرید کے حوالہ سے تسلیم و قبضہ کا ایک قاعدہ کلیہ ذکر کیا ہے جس سے مسئلہ نجومث عنہ کے ثبوت میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”تسليم المبيع أن یخلی بینہ و بین المبيع علی وجه یتمکن من قبضه من غیر حائل“ (۲۹۷/۶)، سپردگی بیع کا مفہوم یہ ہے کہ بائع مشتری کو بیع اس طرح حوالہ کر دے کہ بغیر کسی مانع کے قبضہ ممکن ہو جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض قدرت اور تمکین ہو جائے کہ وہ اپنے حوالہ اور قبضہ میں جب جس طرح چاہے قبضہ کر سکے تو اسے قبضہ کہا جائے گا۔
چنانچہ ایک جزئیہ سے اور یہ واضح ہوتا ہے: ”ولو اشتری حنطة فی بیت و دفع البائع المفتاح إلیه، و قال: خلیت بینک و بینها فهو قبض“ (۲۹۷/۶)۔

دیکھئے محض کنجی حوالہ کر دینا اور اذن قبضہ دے دینا ہی قبضہ قرار دے دیا گیا۔
دیکھئے قبضہ نہیں کیا، مگر اس کے تحت آ گیا اور اس کے اختیار میں آ گیا کہ جب چاہے

وہ قبضہ سنا بھی کر سکتا ہے۔ گویا یہ اختیار میں آ جانا قبضہ شرعی ہے۔

فقہ کا سانی ”بدائع الصنائع“ میں قبضہ اور تسلیم کے مفہوم اور مراد کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبضہ کی کوئی ایک ہی خاص شکل مراد نہیں، بلکہ اس کے مفہوم میں وسعت ہے، جسے قبضہ حکمی اور معنوی سے بھی یاد کیا جاسکتا ہے۔

”التسلیم أو القبض۔ معناه عند الحنفیة هو التخلی أو التخلیة۔ وهو أن یخلی البائع بین المبیع و بین المشتري برفع الحائل بینهما علی وجه یتمكن المشتري من التصرف فیہ، فیجعل البائع مسلما للمبیع والمشتري قابضا له“ (بحوالہ الفقہ الاسلامی ص ۴۱۸)۔

ابن نجیم شرح ”کنز الدقائق“ میں لکھتے ہیں اگر بائع کا اس کی طرف اشارہ ہو جائے اور وہ ایسے طور پر ہو کہ وہ اشارہ سے ممتاز ہو جائے تو اسے بھی قبضہ تصور کیا جائے گا۔ مثلاً: ”و کذا لو اشترى بقرا فی السرح فقال البائع: اذهب فاقبض إن کان یری بعیث یمکنہ الإشارة إلیہ یكون قبضا“ (۵/۳۲۳)۔

دیکھئے اگر چراگاہ میں جانور ہے اور بائع کے اشارہ سے وہ ممتاز ہو جائے، یعنی بیع غیر بیع سے علیحدہ نمایاں ہو جائے تو اسے قبضہ کہا جا رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ قبضہ کے مفہوم میں وسعت ہے اور اس کی کوئی ایک شکل نہیں ہے کہ قبضہ کو اسی پر منحصر کیا جائے۔

علامہ شامیؒ نے بھی قبضہ کو صرف حسی میں منحصر نہیں کیا ہے، بلکہ اس کی مختلف شکلیں جسے قبضہ شرعی سے موسوم کیا جاسکتا ہے، ذکر کیا ہے۔ جس کا حاصل تمکین اور ضمان میں آ جانا ہے (دیکھئے: رد المحتار ۴/۵۶۱)۔

علامہ شامیؒ ”الدر المختار“ میں ایک موقع پر تخلیہ کو اجماعاً قبضہ کے معنی میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”أجمعوا علی أن التخلیة فی المبیع الجائز تكون قبضا“ (۴/۵۶۲)۔

علامہ شامی نے ایک جزئیہ کا ذکر کیا ہے کہ مشتری نے اگر اپنا برتن بھیج دیا اور وہ خود نہ رہا اور بائع نے اس میں سامان ڈال دیا تو باوجودیکہ مشتری یا اس کا کوئی وکیل نہیں ہے پھر بھی قبضہ تصور کیا جائے گا۔ اس لئے کہ تخلیہ اور حوالہ پایا گیا۔ اور اس کے ضمان میں داخل ہو گیا۔

”لو اشتری دھنا و دفع قارورة دزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشتري فهو قبض، و كذا بغیثه فی الاصح“ (۵۶۱/۴)، اس سے معلوم ہوا کہ مشتری کے غائبانہ میں بھی جبکہ مشتری نے افراز کا حکم دیدیا ہو تو قبضہ شری ہے۔

فقہ حنفی کی بیشتر کتابوں میں امام اعظمؒ کے نزدیک تخلیہ کے لئے عموماً ۳ شرطوں کا ذکر ملتا ہے۔ جسے قاضی خاں، علامہ شامی، صاحب ”البحر الرائق“ وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

”قال أبو حنیفة: التخلية بین المبیع والمشتري تكون قبضا بشرائط: ثلاثة أحدها: أن يقول البائع: خلیت بینک و بین المبیع فاقبضه، ویقول المشتري: قد قبضت، والثانی: أن یكون البیع بحضرة المشتري بحيث یصل إلی أخذه من غیر مانع، والثالث: أن یكون المبیع مفرزا غیر مشغول بحق الغیر“ (قاضی خاں علی ہاشم البندیہ ۳۵۸/۲)۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ نے تخلیہ کے قبضہ ہونے کی ۳ شرطیں ذکر کی ہیں: (۱) بائع خلّیت کہہ دے (۲) مبیع کو مشتری بلا کسی روک و مانع کے قبضہ کر سکے (۳) مبیع غیر مبیع سے علیحدہ اور ممتاز ہو۔ خیال رہے کہ علامہ شامی نے خلّیت کے مفہوم میں لکھا ہے کہ مراد یہ لفظ نہیں ہے، بلکہ اذن و اجازت کے کلمات مراد ہیں۔ جن سے حوالہ اور قبضہ دینے کا علم ہو جائے ضروری ہے۔

”در مختار“ نے بھی اس شرط کو ذکر کیا ہے۔ ”و شرط فی الأجناس شرطاً ثالثاً وهو أن یقول: خلیت بینک و بین المبیع فلو لم یقله أو کان بعیداً لم یصر قابضاً“ (ص ۵۶۱)، اجناس ناظمی نے یہ شرط لگائی ہے کہ قبضہ کا اذن ہو، اگر کچھ نہ کہا یا مبیع دور ہے تو قبضہ شمار نہ ہوگا۔ خیال رہے کہ تخلیہ یا قبض کے الفاظ کا کہنا ضروری نہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ

باع کی جانب سے ایسی کوئی بات پائی جائے جو تمکین یا قبضہ دیئے کو ثابت کرتی ہو، چنانچہ رسید یا کیش میمو کا دینا بھی اس کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی اس احتمال کو دور کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”الظاهر هو أن المراد به الإذن بالقبض لا خصوص لفظ التخلية“

(۵۶۱/۳) مراد لفظ خلّیت سے قبضہ کی اجازت ہے نہ کہ لفظ تخلیہ۔ معلوم ہوا کہ اس کی جانب سے اذن و اجازت ہونی کافی ہے۔ لفظ خلّیت ضروری نہیں۔ ساری عبارتیں اس بات کی وضاحت کر رہی ہیں کہ قبضہ سے مراد حسی اور ہاتھ میں آ جانا ہے۔

اشیائے منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت اور اس کا فرق:

واضح رہے کہ فقہاء کرام کے نزدیک منقول اور غیر منقول اشیاء کے درمیان فرق ہے۔ علامہ رافعی کی ”شرح الوجیز“ کے حوالہ سے اعلاء السنن میں ہے:

”إن كان المبيع مما لا ينقل كالدور والأراضي فقبضه بالتخلية بينه و

بين المشتري و تمكنه من اليد والتصرف۔ وإن كان المبيع من المنقولات

فالمذهب المشهور وبه قال أحمد أنه لا يكفي فيه التخلية بل لابد من النقل

والتحويل۔ وقال مالك و أبو حنيفة: إنه يكفي فيه التخلية كما في العقار“

(۲۳۱/۱۳) عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ تخلیہ اور تمکن حاصل ہو جائے تو دونوں میں قبضہ کا تحقق

ہو جائے گا۔ تخلیہ کا مفہوم دونوں میں شامل ہے۔ جیسا کہ ابن وہبہ زحلی کی عبارت واضح کر رہی

ہے: ”فإن القبض عند الحنفية يكون بالتخلية سواء كان المبيع عقارا أو

منقولا“ (۴۱۹/۲) السید السابِق اپنی کتاب الفقہ السنّی میں قبضہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے

لکھتے ہیں: ”والقبض في العقار يكون بالتخلية بينه وبين من انتقل ملكه اليه على

وجه يتمكن معه من الانتفاع فيما يقصد منه كزرع الأرض و سكنى المنزل

والاستغلال بالشجر أو جنى ثماره ونحو ذلك“ (۱۳۹/۳)۔

عقار (زمین و کھیت) میں قبضہ کا یہ مفہوم ہے کہ ایسا تخلیہ اور حوالہ ہو جائے جس سے انتفاع ممکن اور قابو میں آجائے۔ مثلاً زمین ہو تو کھیتی کرے، مکان ہو تو بس جائے، درخت ہو تو سایہ اور پھل پر قابو پالے وغیر ذلک۔

اور منقول کے قبضہ کی شکل واضح کرتے ہوئے سید السابق الفقہ السنۃ میں ذکر کرتے

ہیں:

”والقبض فیما یمکن نقله کالطعام والنبات والحووان ، ونحو ذلک یكون علی النحو الآتی :

أولاً باستیفاء القدر کیلاً أو وزناً إن کان مقدراً۔

ثانیاً: بنقله من مکانه إن کان جزءاً۔

ثالثاً: یرجع إلی العرف فیما عدا ذلک“ (۱۳۹/۳)۔

مطلب یہ ہے کہ اشیاء منقولہ مثلاً غلہ، کھانے پکڑوں وغیرہ میں قبضہ کی شکل یہ ہوگی کہ کیلی ووزنی چیزوں میں کیل ووزن ہو جائے۔ اگر اندازے اور تخمینہ سے اس کی بیع ہوئی ہو تو اپنی تحویل میں لے لے یا اپنے پاس منتقل کر لے۔ اور تیسری شکل یہ ہے کہ عرف میں جس کو قبضہ تصور کیا جاتا ہو اس کا وقوع ہو جائے۔ عرف میں قبضہ کی شکل یہ ہوگی کہ کیش میو اور رسید اس کے نام بن جائے۔ سیل ٹیکس، اکم ٹیکس کا کاغذ اس کے نام آجائے، کاغذ کے ساتھ لوگوں کی زبان پر بھی آجائے کہ یہ تو فلاں کا ہے، اس ٹیکس پر مٹ کاغذ پر اس کا نام درج ہو جائے۔

سرکاری مواخذہ، راستہ ٹیکس (چنگی) وغیرہ سب اس سے متعلق ہو جائے۔ یہی ضمان میں آنے کی علامت ہے۔ اور یہی قبضہ معنوی ہے۔ صاحب ”الفقہ السنۃ سید السابق“ کی اس عرفی قبضہ کے اعتبار سے حسی قبضہ کے بغیر اس کا فروخت کرنا جائز ہوگا۔

عقار کے قبضہ جکی کے سلسلے میں فقہاء نے اس امر کا بھی اعتبار کیا ہے کہ اگر قریب ہے تو تخلیہ اور تمکین قبضہ شمار ہوگا، اور اگر بعید ہے تو تخلیہ قبضہ نہ ہوگا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

”والصحيح ما ذكر في ظاهر الرواية؛ لأنه إذا كان قريباً يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التخلية مقام القبض أما إذا كان بعيداً لا يتصور القبض في الحال فلا تقام التخلية مقام القبض“ (۵۶۱/۴)، صاحب درمختار نے بھی اسی قریب و بعید کا فرق ملحوظ رکھا ہے: ”وكان بعيداً لم يصير قابضاً“ (۵۶۱/۴)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ محیط و جامع شمس الأئمة سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیہ مطلقاً قبضہ ہے، خواہ قریب ہو یا بعید ہو۔ علامہ شامی لکھتے ہیں: ”و مقابله ما في المحيط و جامع شمس الأئمة: أنه بالتخلية يصح القبض وإن كان العقار بعيداً غائباً عنهما عند أبي حنيفة“ (۵۶۱/۴)۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہیں کی احادیث ”معلول بالعلۃ“ ہیں: احادیث پاک میں جو قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہیں کی روایتیں پائی جاتی ہیں وہ جمہور فقہاء محدثین کے نزدیک معلول بالعلۃ ہیں۔ اور اس پر تمام محققین فقہاء کے اقوال شاہد ہیں جن کی تفصیل یہاں پیش کی جاتی ہے:

صاحب ”ہدایہ“ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی احادیث کو معلول بالعلۃ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”والحديث معلول به عملاً بدلائل الجواز“۔ اور اس کی شرح کرتے ہوئے ابن ہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں: ”والحديث الذي استدل به معلول به أي بغور الانفساخ“ (۵۱۳/۶)، اور اس معلول بالعلۃ کی دلیل واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”والدليل عليه أن التصرف الذي لا يمتنع بالغرر نافذ في المبيع قبل القبض وهو العتق والتزوج عليه“ (۵۱۳/۶)۔

یعنی چونکہ حدیث معلول بالعلۃ ہے، کہ عدم جواز کی علت غرر انفساخ اور ہلاکت ہے۔ اور یہ بات عتق اور تزوج میں نہیں پائی جاتی۔ اس علت کے پیش نظر قبل القبض عتق اور تزوج جائز ہوگا۔ کیونکہ اس میں غرر اور ہلاکت کا احتمال نہیں۔ صاحب عنایہ ابن نجیم مصری اور اکثر اہل

علم نے اس حدیث کے معلول ہونے کی صراحت کی ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلے میں حنفیہ کا مسلک اور دلائل:

خیال رہے کہ امام محمد اور امام زفر قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی کے سلسلہ میں عموم کے قائل ہیں۔ خواہ منقولات میں سے ہو یا عقار میں سے ہو، کسی کی بھی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت درست نہیں ہے۔ یہی قول حضرت امام شافعیؒ کا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کا بھی قول اول یہی ہے۔ ابن ہمامؒ ”فتح القدیر“ میں امام محمدؒ کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”رجوعاً إلى إطلاق الحديث يعني عمومه .. وهو مافى حديث حكيم من قوله ﷺ لا تبيعن شيئا حتى تقبضه .. وللنهي عن ربح مالم يضمن .. ولو باع العقار بربح يلزم ربح مالم يضمن .. ولأن السبب هو البيع إنما يتم بالقبض ولهذا جعل الحادث بعد العقد قبل القبض كالحادث عند العقد .. والملك متأكد بتأكد السبب وفى هذا العقار والمنقول سواء“۔

مطلب یہ ہے کہ نہی عام ہے، تمام اشیاء کو شامل ہے۔ مزید یہ کہ اس نہی کی علت خود حدیث پاک میں ہے کہ ”ربح مالم يضمن“ منوع ہے درست نہیں، لہذا عقار کی بیع قبضہ سے پہلے ”ربح مالم يضمن“ میں داخل ہو کر ناجائز ہوگی۔ مزید یہ کہ بیع کا اتمام قبضہ سے ہوتا ہے۔ اور جب قبضہ سے اتمام بیع ہوتا ہے تو اتمام بیع سے قبل اس کا تصرف کیسے درست ہوگا۔ تاوقتیکہ ملک جس کا سبب بیع ہے قبضہ سے تام اور مکمل نہ ہوگی، بیع درست نہ ہوگی۔ اور یہ علت منقول اور عقار دونوں کو شامل ہے، لہذا منقول و غیر منقول کسی کی بھی بیع جائز نہ ہوگی۔

شیخین کا قول مع دلائل: www.KitaboSunnat.com

حضرات شیخین قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی والی حدیث کو اشیاء منقولہ کے ساتھ خاص مانتے ہیں۔ اور اس نہی کا محل اشیاء منقولہ یا جو ہلاکت کے گمان غالب میں ہے، اسے مانتے ہیں، اسی وجہ سے زمین و کھیت کی بیع کو قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں۔ یہی مسلک کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

حنابلہ کا، مالکیہ کا، امام بخاری کا، عثمان الہتی کا اور علامہ نووی کے مطابق بیشتر فقہاء کا ہے، احناف کے نزدیک یہ حدیث چونکہ علت غرر کے ساتھ معلول ہے اس لئے جہاں غرر اور ہلاکت کا گمان غالب ہوتا ہے وہاں بیع اور تصرف قبل القبض کو ممنوع قرار دیتے ہیں، خواہ زمین اور کھیت ہی کیوں نہ ہو جس کی مثال آگے آرہی ہے۔ ”تکملہ فتح الملہم“ میں شیخین کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”إنهما يستثيان العقار من عموم النهي؛ لأن علة النهي منتفية . فإن الحديث الأخير حديث عبد الله بن عمرو دل على أن العلة في النهي عن بيع المبيع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح مالم يضمن، وإنما بضمن الإنسان ما يخاف فيه الهلاك . وأما العقار فلا يخشى فيه ذلك إلا نادرا حتى لو كان العقار على شط البحر أو كان المبيع علوا لا يجوز بيعه قبل القبض . كما في فتح القدير“ (۲۶۲/۵)، ”لأن الهلاك فيه غير نادر“ (ص ۳۵۳)۔

اور صاحب ”ہدایہ“ نے شیخین کے استدلال کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: ”إن ركن البيع صدر من أهله في محله ولا غرر فيه، لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول. والغرر المنهى عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز“۔ اس کی شرح میں ابن ہمام صاحب ”الفتح“ فرماتے ہیں: ”والدليل عليه أن التصرف الذي لا يمتنع بالغرر نافذ في المبيع قبل القبض وهو العتق والتزوج عليه.. ويجوز في المبيع قبل القبض العتق“ (ص ۵۱۳)۔

اس سے معلوم ہوا کہ غرر جہاں نہیں ہے، وہاں ممنوع نہیں ہے۔ چنانچہ عتق اور تزوج میں غرر کا سوال پیدا نہیں ہوتا، اس وجہ سے یہ نافذ ہو جائے گا۔

امام اعظم اور ابو یوسف کی جانب سے یہ جواب محققین احناف نے دیا ہے۔ جسے صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے۔ اس پر ایک اعتراض واقع ہوتا ہے، جسے قریب قریب تمام شراح

نے بیان کیا ہے کہ شیخین کا حدیث کو معلول قرار دے کر غرر نہ ہونے کی وجہ سے عقار کا مستثنیٰ کرنا یہ تعلیل فی مقابلۃ النص ہے اور یہ درست نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ عینی نے البنا یہ میں جو بیان کیا ہے اسے یہاں ذکر کیا جاتا ہے: ”فإن قيل: هذا التعليل معارض لمطلق النص، فإن مطلقه يتناول العقار كما بينا“۔ اور صاحب ”عنا یہ“ نے ”شرح ہدایہ“ میں اس طرح نقل کیا ہے:

”واعترض بأنه تعليل في موضع النص وهو ما روى أنه عليه الصلوة والسلام نهى عن بيع مالهم يقبض وهو عام والتعليل في موضع النص غير مقبول“۔ صاحب ”فتح القدير“ نے بھی اس اعتراض کو ذکر کیا ہے (۵۱۴/۶) جواب میں عنا یہ کا قول سب سے زیادہ واضح ہے۔ چنانچہ وہ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ”وأجيب بأنه عام دخله الخصوص لإجماعنا على جواز التصرف في الثمن والصداق قبل القبض. ومثل هذا العام يجوز تخصيصه بالقياس فنحمله على المنقول، كذا في المبسوط“۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ حدیث عام ہے، مگر اجماع کے ذریعہ اس میں تخصیص ہو چکی ہے، چنانچہ ثمن اور مہر پر تصرف بیع قبضہ سے پہلے اجماعاً جائز ہے۔ جب اجماع سے اس میں تخصیص ہو چکی ہے، اور اجماع نے اس میں تخصیص کر دی ہے تو اب اس میں تخصیص کا احتمال ثابت ہو گیا۔ چنانچہ قیاس سے تخصیص کر دی گئی کہ یہ منقول کے حق میں ہے، عقار کے حق میں نہیں ہے۔ اور اس قیاس کی بنیاد خود شارع ہی کا قول غرر اور ہلاکت ہے۔ علامہ عینی البنا یہ شرح ہدایہ میں بھی اسی طرح جواب دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ”قلنا الحديث مخصوص فإن بيع عقد المهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد والميراث والثمن قبل القبض يصح بالاتفاق“ (۲۲۲/۷)۔

جب حدیث نبی قبل القبض سے یہ امور اجماعاً مستثنیٰ ہیں تو اس میں استثناء اور تخصیص کا

دروازہ کھل گیا۔ چنانچہ ”عام خص عنہ البعض“ کا قاعدہ فقہیہ اصول فقہ کی مشہور کتاب ”اصول الشاشی“ میں ہے: ”وأما العام الذي خص عنه البعض فحكمه أنه يجب العمل به في الباقي مع الاحتمالات، فإذا قام الدليل على تخصيص الباقي يجوز تخصيصه بخبر الواحد أو القياس، وفيه: فإذا قام الدليل الشرعي على وجود تلك العلة في غير هذا الفرد المعين ترجح جهة تخصيصه، فيعمل به مع وجود الاحتمال“ (س/۹)۔

چنانچہ علامہ عینی فرماتے ہیں: ”فحينئذ يجوز تخصيصه بالقياس - والدليل عليه ثبوت حق الشفعة قبل القبض والشفيع يملك. فلو كان العقار قبل القبض لا يحتمل الملك ببدل لما جاز للشفيع الأخذ بالشفعة قبل القبض“ (۲۲۳/۷)۔

یعنی جب ایک شخص اجماع سے ثابت ہوگئی تو دوسری شخص بھی جائز ہوگی۔ اور شخص تو پہلے سے کر دی گئی ہے، چنانچہ حق شفعہ قبل القبض ثابت کر دیا گیا ہے۔ جس کا تعلق عقار سے ہے۔ اور قبل القبض عقار میں تملک کی صلاحیت نہ ہوتی تو حق شفعہ کا ثبوت اور اخذ قبل القبض جائز نہیں ہوتا۔ لہذا عقار میں ہم نے قبل القبض تصرف اور بیع کو جائز قرار دے دیا۔

خیال رہے کہ زمین کی بیع حضرت عثمان غنی اور حضرت طلحہ کے درمیان ثابت ہے جو قبل الرویۃ والقبض ہوا تھا۔ چنانچہ بیہقی کی ”سنن کبریٰ“ میں ہے۔ اور طحاوی کی ”معانی الآثار“ میں ہے: ”إن عثمان ابتاع من طلحة أرضاً بالمدينة ناقلة بأرض له بالكوفة فقال عثمان: بعثك ما لم أره، فقال طلحة: إنما النظر لي؛ لأنني ابتعت مغيباً وأنت قد رأيت ما ابتعت فتحاكما إلى جبير بن مطعم فقضى علي عثمان أن البيع جائز وأن النظر لطلحة، لأنه ابتاع مغيباً۔“

اس روایت میں ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بلا دیکھے اسے فروخت فرما دیا۔ ظاہر ہے کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

جب دیکھا نہیں تو قبضہ کہاں ہوگا کہ قبضہ تو رویت کو مستلزم ہے۔ لہذا اس سے ”بیع مالم یقبض“ کا ثبوت ہوگا۔ چنانچہ ”اعلاء السنن“ میں ہے:

”وہو یقتضی جواز بیع العقار قبل القبض فإن عثمان باع أرضاً له بالكوفة ولم يرها وهو ظاهر هو أنه باعها ولم یقبضها، فإن القبض یستلزم الرویة حتماً“ (۲۲۹/۱۳)۔

مزید تخصیص کی گنجائش:

اگر غرر اور ہلاکت کا نادر ہونا کسی منقول میں پایا جائے گا تو اس کا بھی استثناء اور اس کی بھی تخصیص جائز ہو جائے گی۔ مثلاً جہاز، موٹر، فیکٹریاں، بڑی بڑی فولادی مشینیں، جن میں غرر اور ہلاکت کا احتمال نہیں رہتا۔ ان میں بھی نہیں سے مستثنیٰ ہونے کی گنجائش رہے گی۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلے میں مختلف ائمہ کی رائے:

قبل القبض بیع کے سلسلے میں احناف کے علاوہ دیگر ائمہ اربعہ وغیرہ کے مختلف اقوال

ہیں:

امام مالک:

”او جز المساک“ شرح ”موطا امام مالک“ میں مالکیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے لکھا ہے: ”یجوز بیعہ قبل قبضہ غیر الطعام“ (۱۹۹/۱۱)، اسی طرح علامہ انور شاہ کشمیری انوار محمود شرح ابو داؤد میں فرماتے ہیں: ”وقال مالک بن انس۔ ما عدا الماکول والمشروب جائز أن یباع قبل أن یقبض“ (۳۳۸/۲)، علامہ نووی نے مالکیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے کہا ہے: ”وقال مالک: لا یجوز فی الطعام ویجوز فیما سواہ۔ ووافقه کثیر ون“ (۵/ص)، اسی طرح ”فیض الباری“ میں ہے: ”قال مالک: لا یجوز فی الطعام ویجوز فیما سواہ“ (۲۲۲/۳)، اور فتح القدیر میں ہے: ”وقال مالک: یجوز جمیع التصرفات من بیع وغیرہ قبل القبض إلا فی الطعام“ (۵۱۱/۱)، ان کا کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

حاصل یہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے طعام کی تخصیص کر دی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے: "لأنه ﷺ خص الطعام بالنهي في حديث رواه مالك عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه" (أخرجه الشيخان ۵۱۱/۶)۔

شافعية کا مسلک:

شافعية کے نزدیک تمام اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے۔ خواہ وہ طعام ہو یا غیر طعام۔ چنانچہ امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں: "فقال الشافعي: لا يصح بيع المبيع قبل قبضه سواء كان طعاما أو عقارا أو منقولا أو نقدا أو غيره" (۵/۲)، اسی طرح فیض الباری میں ہے: "فقال الشافعي: لا يصح سواء كان طعاما أو عقارا" (۲۲۲/۳)، خیال رہے کہ احناف میں امام محمدؒ بھی امام شافعیؒ کے ساتھ ہیں، چنانچہ ابن قدامہ کے حوالہ سے "تکملة فتح الملہم" میں ہے: "قال الشافعي ومحمد بن الحسن من الحنفية: يحرم بيع كل شيء قبل قبضه طعاما كان أو غيره منقولا كان أو غيره" (۳۵۰/۳)، اسی طرح امام زفر من الاحناف بھی اسی مسلک کے حامل ہیں۔ "او جز المسالك شرح مؤطا امام مالک" میں ہے: "زفر ومحمد والشافعي... لا يجوز طعاما أو غيره" (۱۹۹/۱۱)، ابن عقیل نے امام احمدؒ کا بھی یہ قول نقل کیا ہے۔ اور یہی قول صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ کا ہے: "كذا في تكملة فتح الملهم: وهو ظاهر قول ابن عباس" وهو رواية ابن عقیل عن أحمد (۳۵۰/۱)۔

شافعية کے دلائل:

"عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه، قال ابن عباس: وأحسب كل شيء مثله. وفي رواية أخرى وأحسب كل شيء بمنزلة الطعام" (مسلم)۔

"عن زيد بن ثابت أن رسول الله ﷺ نهى أن يتباع السلف حيث كتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم“ (ابوداؤد ۴۹۴)، ”فقد عمم هذا الحديث الحكم في سائر السلع ولم يقصره على الطعام“ (تكملة فتح البلبم ۳۵۲)، ”وعن حكيم بن حزام قلت يا رسول الله! إنى أبتاع هذه البيوع فما يحل لى منها وما يحرم على قال: يا ابن أختى لا تبیع شیئا حتى تقبضه“ (سنن کبریٰ ۵/۳۱۳)۔

حنابلہ کا مسلک:

حضرات حنابلہ اپنے بیشتر اقوال میں اسے طعام کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ چنانچہ ”تكملة فتح البلبم“ میں ہے: ”قال أحمد بن حنبل في أظهر روايته: إنما يختص النهى بالطعام، فلا يجوز بيعه قبل قبضه، ويجوز فيما سواه“ (۳۵۰/۱)، امام احمد بن حنبل کے اظہر روایت میں ہے کہ نہی طعام کے ساتھ خاص ہے، لہذا اس کی بیع جائز نہ ہوگی۔ اس کے علاوہ کی جائز ہوگی۔ حنابلہ احادیث میں واقع شدہ لفظ طعام کی قید سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صرف طعام کے ساتھ خاص کرتے ہیں، باقی دیگر اشیاء میں قبل القبض تصرف کو جائز قرار دیتے ہیں۔ ”كذا في التكملة: استدلال الحنابلة بحديث الباب على أن النهى مقصور على الطعام لأن النبي ﷺ نص فيه الطعام“ (۳۵۱/۱)، حنابلہ کہتے ہیں کہ نہی کے باب میں جو احادیث وارد ہیں وہ نہی طعام کے ذکر کے ساتھ خاص ہیں، لہذا طعام ہی پر منحصر ہیں گی۔

قبضہ کے سلسلے میں دیگر ائمہ کی رائے:

ما قبل میں قبضہ کے سلسلے میں ائمہ اربعہ کے مسلک کا بیان تھا، اب ائمہ اربعہ کے علاوہ دیگر حضرات کے اقوال کا ذکر:

قبضہ کے سلسلے میں امام بخاری کے یہاں بہت وسعت ہے۔ وہ بیع و شراء میں قبضہ کی کسی نوعیت خاص کے قائل نہیں ہیں۔ تحقق قبضہ کے سلسلے میں ان کے یہاں بہت وسعت ہے۔ فیض الباری شرح بخاری میں علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ امام بخاری کا مسلک لکھتے ہیں:

”وأما عند البخاري فلا يشترط عنده هذا ولا ذاك بل القبض عنده

أعم منهما بأن المشتري لو أراده لم يمنع عنه البائع وإن بقي المبيع مشغولا بقبضه في الحالة الراهنة فكان القبض يحصل عنده بمجرد الإيجاب والقبول ولا يحتاج بعد ذلك إلى أمر آخر يسمى قبضا... إذا علمت هذا فاعلم أنه يعلم من تراجم البخاري أن القبض عنده لا يحتاج إلى التخلية ولا إلى النقل.. وإن تصرف المشتري يصح عنده قبل قبض المبيع بمعنى النقل..

عبارت مذکورہ سے بالکل صاف واضح اور عیاں ہے کہ امام بخاریؒ کے نزدیک مشتری کے تصرف کرنے کے لئے صرف ایجاب و قبول کا ہو جانا کافی ہے، قبضہ کی قسم کا پایا جانا ضروری نہیں۔ لہذا قبضہ سے پہلے مشتری کسی قسم کا بھی تصرف کرے تو جائز ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قبضہ کے مفہوم میں امام بخاری کے یہاں بہت توسع اور عمومیت ہے۔ اس کے برخلاف حضرات شوافع کے یہاں کہ برائے میں قبضہ ضروری ہے۔ چنانچہ علامہ کشمیری لکھتے ہیں:

”فأضيق المذاهب فيه مذهب الشافعي وأوسعها مذهب البخاري“..

حضرات شافعیہ کا مذہب اس بارے میں تنگ ہے، امام بخاری کا بہت وسیع۔ عثمان البتی کے نزدیک تو بیع میں قبضہ کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ تمام تصرفات قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں بیع میں بھی۔ اسی طرح ”تکملہ فتح الملہم“ میں ہے: ”قال عثمان البتی يجوز بيع كل شيء قبل قبضه“ (۳۵۰/۱)، ابن عبد البر مالکی نے اس قول کو سنت و اجماع کے خلاف قرار دیا ہے۔ چنانچہ ”تکملہ فتح الملہم“ میں ہے: ”هذا قول مردود بالسنة والحجة المجمعة على الطعام“ (۳۵۰/۱)، عثمان البتی کا قول سنت اور اجماع سے مردود ہے کہ وہ طعام کی بیع قبل القبض جائز قرار دیتے ہیں۔ حسن بصری، حکم، سعید بن مسیب، حماد، اوزاعی، امام احمد اور اسحاق راہویہ اس امر کے فائل ہیں کہ ملکیتی اور موزونی اشیاء کا تو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں، البتہ اس کے علاوہ تمام اشیاء کا فروخت کرنا درست ہے (اعلاء السنن ۱۳/۲۲)۔

یہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلے میں چار مشہور مسلک ہیں۔ صاحب ”اوز

المسالك“ نے اس سے زائد اقوال ذکر کئے ہیں۔

۶۔ اگر ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے۔ لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا ہے، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر ۲ یعنی مشتری دوم کو روانہ کر دیتا ہے۔ اور ان کے درمیان یہ معاملہ طے پاتا ہے کہ مال روانہ ہونے کے بعد مشتری ثانی کے پاس پہنچنے سے قبل مال ہلاک ہو جائے تو اس کی ذمہ داری نہ بائع (فیکٹری) پر نہ مشتری ثانی پر، بلکہ مشتری اول پر عائد ہوتی ہے۔ اس صورت میں یہ مال مشتری ثانی کے پاس پہنچنے سے قبل مشتری اول کے ضمان میں رہا۔ جب ضمان میں رہا تو ”ربح عالم بضمن“ میں داخل نہ ہوا۔ گو اس مشتری کا قبضہ حسی نہ ہوا۔ مگر قبضہ معنوی اور حکمی کے پائے جانے کی وجہ سے اس کا فروخت کرنا درست ہوا کہ نہیں۔ ذیل میں اس مسئلہ کو فقہی روشنی میں حل کیا جاتا ہے۔ اولاً ضمان کا مفہوم ذکر کیا جاتا ہے، پھر قبضہ حسی اور حکمی کے احکام ذکر کئے جاتے ہیں۔

ضمان کا مفہوم اور ضمان کے پائے جانے کی شکل:

کسی شے کے ضمان میں آنے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس کی تحویل اور اس کی قدرت انتفاع میں آجائے، چنانچہ ضمان کی تعریف کرتے ہوئے علامہ وہبہ زحیلی نے ”الفقه الاسلامی وأدائہ“ میں لکھا ہے: ”هو ما كان فيه القابض مسئولاً عن المقبوض تجاه الغير فيضمنه إذا هلك عنده“ (۴/۲۲۱)، مطلب یہ کہ قابض کی مقبوض کے متعلق ذمہ داری عائد آجائے۔ اور مقبوض کے متعلق سوائے جواب اسی پر عائد ہو۔ مثلاً ٹیکس خرچہ وغیرہ۔

خیال رہے کہ عرف کے اعتبار سے اور مروجہ قانون اور عمل کے اعتبار سے جب مشتری نے ایجاب و قبول کر لیا، ثمن کی تعیین، بیع کا افراز ہو گیا تو اب ساری ذمہ داری مشتری پر عائد ہوگی۔ کرایہ، محصول، بیع کا ٹیکس، راستہ کا ٹیکس سب اس پر عائد ہوگا۔ عرفاً بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں مشتری کا مال ہے، بائع کا مال نہیں ہے۔ اس اعتبار سے تو یہ مشتری کے ضمان میں آ گیا۔ اور اب

اس کا بلا قبضہ حسی کے فروخت کرنا ”ربع مالہ بضمن“ میں داخل نہ ہوگا۔ مگر ہم جب ضمان کے شرعی مفہوم پر غور کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ضمان میں داخل ہونے کا کیا مفہوم ہے اور بیع کا ضمان میں شمار کب ہوتا ہے، تو احادیث اور آثار صحابہ سے اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بغیر قبضہ کے ضمان میں داخل نہیں ہوتا ہے۔ چنانچہ ”اعلاء السنن“ میں ہے: ”باب یدخل المبیع فی ضمان المشتري بالقبض ولا یدخل فی ضمانہ قبل القبض...“ اس کے بعد حضرت عثمان اور عبد الرحمن بن عوف کے درمیان پیش آمدہ واقعہ سے استنباط کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وفیه دلالة علی اتفاق الصحابة علی أن المبیع لا یدخل فی ضمان المشتري قبل قبضه... سواء کان مکیلا أو موزونا أو غیرهما“ (۴۵۳/۱۳)، مطلب یہ ہے کہ مشتری کا ضمان میں داخل ہونا قبضہ کرنا ہے۔ قبضہ میں ضمان کا مفہوم ہے۔ اسی طرح حسن بصری کے ایک اثر سے استدلال کیا گیا ہے۔ ”عن الحسن انه سئل عن رجل ابتاع من رجل طعاما والطعام فی بیت، فأمر به أن یغلق ویدفع المفتاح إلیه حتی یتوفیه فأحرق البیت ممافیہ من مال قال: هو من صاحب الطعام من أجل أنه لم یتوفیه“۔

دیکھئے اس واقعہ میں بائع نے تخلیہ اور تمکین کر دیا، کنجی دے دی کہ وہ اپنا مال لے لے، تمکین اور تحویل کی صفت پائی گئی مگر اس نے اپنی تحویل میں حتم نہیں لیا تھا کہ وہ جل گیا، اس پر حسن بصری نے بائع کا مال ہلاک قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ استیفاء اور قبضہ ہی سے ضمان میں داخل ہوتا ہے۔ ہاں اگر قبضہ سے مراد قبضہ حکمی لیا جائے تو پھر ضمان میں آجائے گا۔ اور یہاں حسن بصری کے سوال میں جو صورت مذکور ہے اس میں افراز یعنی بیع غیر بیع سے ممتاز ہو کر تحویل اور تمکین میں جانا نہ پایا گیا۔ اس لئے اس سے قبضہ حکمی کا ثبوت نہ ہونا ہمارے لئے کوئی حرج نہ پیدا کرے گا۔ قبضہ حکمی پائے جانے کی صورت میں ضمان میں داخل ہو جائے گا۔ اور اس کا خریدار نمبر ۲ سے فروخت کرنا جائز ہوگا۔

قبضہ حکمی اور اس سے قبضہ کا ثبوت:

ما قبل قبضہ کی شرعی صورتوں میں یہ بحث مکمل طور پر آچکی ہے کہ قبضہ حکمی کو بھی شریعت نے قبضہ مانا ہے۔ اور قبضہ صرف حسی میں منحصر نہیں۔ چنانچہ علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں: ”وبالجملة أن القبض في المبيع والهبة والرهن يتحقق عندنا بالتخلية والمكنة على القبض ولا يحتاج إلى القبض الحسي والنقل.“ پھر اس کی توضیح ایک جزئیہ سے بھی بخوبی ہو جاتی ہے: ”قالوا: إنه باع فرسا في الصحراء فإن كان المشتري يستطيع أن يقبضه بدون إعانة غيره تحقق القبض، فكأنهم نظروا فيه إلى المكنة فقط. ورأوها كالقبض. وقالوا: إنه لو باع دارا أو صندوقا وسلم مفاتيحه فهو قبض.“ (۲۰۶/۳)۔

اولاً تو شاہ صاحب نے قاعدہ کلیہ بیان کیا کہ قدرت اور تمکین کا پایا جانا قبضہ ہے۔ حساً اسے اپنے قبضہ اور ید میں کرنا ضروری نہیں۔ اور اس کو فقہاء کے کلام سے ثابت کیا کہ دیکھئے اگر جنگل میں موجود گھوڑے کو بیچا اور مشتری بغیر کسی دوسرے کی اعانت کے اسے حاصل کر لے تو گویا قبضہ ہو گیا، اسی طرح کوئی بڑا بکس فروخت کیا اور اس کی کنجی حوالہ کر دی تو قبضہ ہو گیا۔ ظاہر ہے یہاں صرف قدرت اور تمکین ہی تو پائی گئی پھر بھی فقہاء نے اسے قبضہ تسلیم کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبضہ حکمی بھی مؤثر ہے۔

فقہاء کرام کی بعض عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ حکمی کے شرعاً معتبر ہونے کے لئے کچھ شرطیں ہیں۔ چنانچہ ”فتاویٰ قاضی خاں“ میں ہے:

”قال أبو حنيفة: التخلية بين المبيع والمشتري تكون قبضا بشرائط ثلاثة، أحدها: أن يقول البائع: خليت بينك وبين المبيع فاقبضه، ويقول المشتري: قد قبضت. والثاني أن يكون البيع بحضرة المشتري بحيث يصل إلى أخذه من غير مانع، الثالث أن يكون المبيع مفزاً غير مشغول بحق

الغیر“ (نایطی باش البندیہ ۲/۲۵۸) مطلب یہ ہے کہ اولاً بائع تخلیہ اور تمکین دے دے، مشتری قبول کر لے، علامہ شامی نے لکھا ہے کہ لفظ خلیت کوئی ضروری نہیں، بلکہ اذن و اجازت مراد ہے۔ ثانیاً کسی رکاوٹ کے بغیر مشتری اس پر قبضہ کر سکے۔ ثالثاً مبیع غیر مبیع سے ممتاز اور الگ کر دی جائے۔ اس عبارت کی روشنی میں موجودہ زمانہ کے طریقہ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ بائع کیش میو، رسید اشتراء حوالہ کر دے، مشتری یا اس کا وکیل اسے قبول کر کے قبضہ کر لے۔ مال مبیع موجود ہو کہ مشتری اگر فوراً اپنے انڈر میں کرنا چاہے تو کر لے یا کسی کو حوالہ مثلاً ٹرانسپورٹ وغیرہ کرنا چاہے تو کر لے۔ اور خریدا ہوا مال بالکل الگ ہو مشتری نہ ہو، یعنی اسے پھانٹ دیا ہو۔ اس کا مال الگ کر دیا گیا ہو ایسے طور پر کہ اگر اشارہ کیا جائے تو اشارہ صحیح واقع ہو جائے۔ اور کہنے والا کہہ سکے یہ مال فلاں کا ہے۔ تو اس صورت میں یہ مال قبضہ حکمی میں داخل ہو کر فروخت کرنا جائز ہو جائے گا۔

لہذا اگر یہ شکلیں پائی جا رہی ہیں تو خریدار نمبر (۱) کے ضمان اور قبضہ شرعی ہی پائے جانے کی وجہ سے فروخت کرنا اور نفع لینا جائز ہوگا، اور ”ربح الم یضمن“ میں داخل نہ ہوگا۔ خیال رہے کہ عرف اور ماحول میں بھی یہ مال مشتری کا مثل مقبوض کے سمجھا جاتا ہے، چونکہ کرایہ، ٹیکس، قانونی سوال و جواب یہ سب اسی مشتری سے متعلق ہوتا ہے۔ لہذا ”الفقہ السنۃ“ کے مولف کے مطابق عرفاً قبضہ پائے جانے کی وجہ سے اس کا فروخت کرنا شرعاً درست ہوگا۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت کی صورت میں جس میں مال مشتری تک پہنچنے سے قبل ضائع ہو جائے تو بائع ضامن نہیں ہوتا ہے۔ یہ اس وقت درست ہے جبکہ مشتری کے ضمان میں وہ خریدا ہوا مال قبضہ کے ذریعہ سے آجائے، خواہ قبضہ حسی نہ ہو حکمی ہی سہی، ماقبل میں قبضہ حکمی اور اس کی جو شرطیں بیان کی گئی ہیں اگر اس کے مطابق ہو تو بائع کا ضامن نہ ہونا درست ہے۔

پھر اس شخص کے مال کی وصولیابی سے قبل کسی تیسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا قبضہ شرعی سے قبل فروخت کر دینا ہے جو درست نہیں۔ پھر مال کی ہلاکت اور ضائع ہونے کی صورت

میں مشتری اول کا ضامن نہ ہو کر مشتری ثانی جو تیسرا خریدار ہے ضامن ہونا بلا قبضہ شرعی کے ضامن بنانا ہے جو درست نہیں، یہ صورت شرعاً جائز نہیں، مشتری ثانی کا فروخت کرنا جبکہ مال سمندر میں ہے جو حالت غرر ہے، قبضہ شرعی اور بیع کے درست نہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں کہ ”ربح مالم یضمن“ ہے، جو تیسرے خریدار سے خریدنا اور بلا قبضہ شرعی کے ضامن ہونا، بیع کیا قمار کی گویا صورت ہے، جو شرعاً جائز نہ ہوگی۔

☆☆☆

قبل القبض بیع و شراء کی شرعی حیثیت

مولانا مجیب القفار اسعدیؒ

۱- شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض ناجائز ہے، اور اس کا شمار بیوع فاسدہ میں ہے، جیسا کہ تصریحات ذیل سے واضح ہے، فتح القدیر میں ہے:

”لأن فيه غرر انفساخ العقد (الأول) (على اعتبار هلاك المبيع)
قبل القبض فيتبين حينئذ أنه باع ملك الغير بغير إذنه و ذلك مفسد للعقد“
(۲۶۵/۵)۔

”بیع قبل القبض“ اس لئے ناجائز ہے کہ اس کے اندر قبضہ سے پہلے بیع کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں عقد اول کے فسخ ہو جانے کا خطرہ اور کھٹکا ہے، اگر ایسا ہوا تب تو کھل کر یہ بات سامنے آجائے گی کہ بیع قبل القبض کرنے والے نے دوسرے کا مال بدون اس کی اجازت کے بیچ دیا، اور ظاہر ہے کہ یہ مفسد عقد ہے۔

”عنایہ“ میں ہے:

”فإن المقصود من البيع الربح، و ربح ما لم يضمن منهى عنه شرعاً
والنهي يقتضي الفساد، فيكون البيع فاسداً قبل القبض؛ لأنه لم يدخل في
ضمانه كما في الإجارة“ (عنایہ علی باش فتح القدیر ۲۶۵/۵)۔

بیع سے مقصود نفع کمانا ہوتا ہے، اور جو چیز آدمی کے ضمان میں نہ آئی ہو اس سے نفع کمانا

سابق استاد: جامعہ مظہر العلوم، دارالمنی (یونی)۔

شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ اس سے نہی وارد ہوئی ہے، اور کسی چیز سے نہی شرعی اس کے فساد کو مقتضی ہوا کرتی ہے، اس کے تحت بیع قبل القبض فاسد ہوگی، کیونکہ بیع مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہے۔

۲۔ شرع اسلامی میں قبضہ کی حقیقت:

قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے مختلف احادیث مختلف الفاظ و تعبیرات کے ساتھ مروی ہیں، لیکن چونکہ قبضہ کی مختلف اور گونا گوں صورتیں تھیں، جیسا کہ فقہ و فتاویٰ کی کتابوں سے واضح ہے، اسلئے اس کی کوئی خاص صورت کتاب و سنت میں بطور تعین و حصر کے نہیں فرمائی گئی۔

احادیث میں قبضہ کی جو صورتیں مذکور بھی ہیں، مثلاً نقل و تحویل، ”ایواء الیہ الرحال“ وغیرہ، وہ سب چونکہ غالب احوال پر محمول ہیں، قبضہ کیلئے لازمی اور ضروری شرطیں نہیں، کما قال الحافظ ”إن الايواء إلى الرحال خروج مخرج الغالب“ (فتح الباری ۲/۲۹۳)، اس لئے ان ساری صورتوں کے انضباط اور انتظام کے لئے ایک ایسے امر کلی کے بیان کی ضرورت تھی جس کے اندر قبضہ و دخل کی تمام صورتیں آجائیں، سو حضور ﷺ نے اسے بیان فرمادیا جس کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آدمی شرعاً اسی چیز کو بیچنے اور فروخت کرنے کا مجاز ہے جو اس کے حرز و ضمان میں داخل ہو چکی ہو، ورنہ اس کا بیچنا درست نہ ہوگا، اور اس بیع کا جو نفع ہوگا وہ ”ربح مالم یضمن“ کے تحت ناجائز ہوگا۔

”عن عبد الله بن عمرو قال: نهى النبي ﷺ عن ربح مالم یضمن“ (أخرج الترمذی) (فتح الباری ۲/۲۹۳)۔

(عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی چیز سے نفع کمانے سے منع فرمایا ہے جو آدمی کے حرز و ضمان میں نہ آئی ہو)۔

اسی کے معنی میں حضرت حکیم بن حزامؓ کی وہ حدیث بھی ہے۔ جس کی اصحاب سمن کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

نے خرچ کی ہے، حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

”قلت: یا رسول اللہ یأتیننی الرجل فیسألننی البیع لیس عندی ، أبیعه

مند ثم ابتاعه له من السوق فقال : لا تبع ما لیس عندک“ (فتح الباری ۲/۲۹۱)۔

(حکیم بن حزام کہتے ہیں ”میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک شخص میرے پاس آتا

ہے اور مجھ سے ایسی چیز فروخت کرنے کی فرمائش کرتا ہے جو ابھی میری ملک اور ضمان میں نہیں

ہے۔ تو کیا میں اس وقت اس کے ہاتھ وہ شی چیز دوں اور پھر بازار سے وہی چیز خرید کر اس کے

حوالے کر دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو چیز تمہارے پاس، یعنی تمہاری ملک اور ضمان میں نہ ہو اسے فروخت نہ کیا کرو)۔

ان احادیث کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ خود آنحضرت ﷺ نے قبضہ کی

شرعی حقیقت متعین فرمادی ہے، اسی بناء پر مولانا محمد تقی عثمانی نے قبضہ کی تعریف ضمان ہی سے کی

ہے، لکھتے ہیں:

”وأما القبض فهو أن يأتي الشيء في حرزه و ضمانه كما يظهر من كلام

الحافظ في الفتح“ (تملح فی الفتح ۱/۳۵۰)۔

یعنی قبضہ کی حقیقت، جیسا کہ ”فتح الباری“ کے اندر حافظ کے کلام سے ظاہر ہوتی ہے،

یہ ہے کہ ”چیز آدمی کی ضمانت اور حفاظت میں آجائے“۔

اس سے صاف واضح ہے کہ قبضہ اور ضمان کا مفہوم ایک ہے، لہذا جو کسی آدمی کے

ضمان میں ہو، یعنی جس کے نفع نقصان کا وہ ضامن ہو وہ اس پر شرعاً قابض مانا جائے گا اور اس کا

اسے چھینا زروئے شرع صحیح و درست ہوگا، گو نقل و حمل اور حسی قبضہ نہ ہو۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے:

”حضرت علامہ فرماتے ہیں:

واضح ہو کہ شوافع کے یہاں نقل و تحویل کے بغیر قبضہ کا تحقق نہیں ہوتا اور ہمارے یہاں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

مبیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ سے قبضہ پالیا جاتا ہے، لیکن تخلیہ سے کیا مراد ہے؟ اور اسکی حقیقت کیا ہے؟ سو یہ ایسی چیز ہے جس کا انضباط ذرا مشکل ہے، ہاں جزئیات پر غائر نظر ڈالنے سے کسی قدر اس کے مفہوم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، میرے نزدیک تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع سے اپنی ملکیت کے علاقے کو اٹھالے اور اسے قبضہ پر قابو دیدے، اور یہ بات کبھی قول کے ذریعہ، کبھی فعل کے ذریعہ، اور کبھی قرآن کے ذریعہ پائی جاتی ہے، اور ناٹھی کی اجناس میں جو یہ شرط لگائی ہے کہ بائع زبان سے کہدے کہ میں نے مبیع اور مشتری کے درمیان ردک اٹھادی ہے، یا ای کے ہم معنی کوئی بات کہے، سو میرے نزدیک یہ کچھ ضروری نہیں ہے، اور میرے علم میں ناٹھی کے علاوہ کسی اور نے یہ شرط نہیں لگائی ہے، اب میں آپ کے سامنے چند جزئیات رکھتا ہوں تاکہ بات مزید واضح ہو جائے، مسئلہ: فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر صحرا کے اندر کسی نے گھوڑا بیچا اب اگر مشتری اس پوزیشن میں ہے کہ بدون کسی تعاون کے قبضہ کر سکتا ہے تو قبضہ مان لیا جائے گا، دیکھئے فقہاء نے یہاں صرف مشتری کے ممکن کو مد نظر رکھتے ہوئے اسے قبضہ کے حکم میں مان لیا (فیض الباری ۲۰۶/۳)۔

فقہاء کا قول ہے کہ اگر کسی نے گھریا صندوق بیچا اور اس کی کچھیاں مشتری کے حوالے کر دیا تو یہ قبضہ ہو گیا، حاصل کلام یہ کہ بیع، ہبہ، رهن میں ہمارے نزدیک قبضہ تخلیہ اور قبضہ پر قدرت سے ہو جاتا ہے اس کیلئے نقل و حمل اور حسی قبضہ کچھ ضروری نہیں (فیض الباری ۲۰۶/۳)۔

تخلیہ کے بارے میں ایک ضروری وضاحت:

علامہ شامی لکھتے ہیں:

”و حاصله أن التخلية قبض حکما لو مع القدرة عليه بلا كلفة، لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، و نحو بقر في مرعى، فكونه بحيث يرى و يشار إليه قبض، و في نحو ثوب، فكونه بحيث لو مدیده تصل إليه قبض، و في كتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

نحو فرس او بطیر فی بیت امکان اخذہ منہ بلا معین قبض“ (رد المحتار ۵۹/۳)۔

(حاصل یہ ہے کہ بدون کلفت و مشقت کے قبضہ پر قدرت اور تمکن کے باوجود بھی تخلیہ کو حکماً قبضہ قرار دیا جائے گا، لیکن تخلیہ کی نوعیت ہر جگہ یکساں نہیں ہوگی، بلکہ مبیع کی حالت اور پوزیشن کے اعتبار سے اس کے اندر اختلاف ہوتا رہتا ہے، یعنی اس کی نوعیت بدلتی رہتی ہے، مثلاً ایک کوٹھری میں گیہوں ہے، بائع نے اسے بیچ دیا بعد اس کی کنجی مشتری کے حوالے کر دی ایسی صورت میں اگر مشتری باسانی تالا کھول سکتا ہے تو قبضہ مان لیا جائے گا، یا مثلاً گائے بچی گئی جو چراگاہ میں چر رہی ہے تو اگر وہ اتنی قریب ہے کہ نظر آئے اور اس کو اشارہ سے بتلایا جاسکے تو یہ قبضہ ہو گیا، اسی طرح اگر کپڑا بیچا گیا اور اتنے فاصلہ پر ہی کہ مشتری اگر ہاتھ بڑھائے تو پا جائے تو یہ بھی قبضہ ہو گیا، اگر گھوڑا یا پرندہ کی بیع ہوئی جو کوٹھری میں بند ہیں ایسی صورت میں دیکھنا یہ ہے کہ مشتری اسے اگر بدون کسی کی مدد حاصل کئے ہوئے پکڑ سکتا ہے تو اسے قبضہ مان لیا جائے گا۔

حاصل بحث:

الحاصل قبضہ یہ ہے کہ چیز آدمی کی حفاظت اور ضمان میں آجائے، قبضہ کی یہ تعریف اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں کو شامل ہے، فقہاء کے نزدیک قبضہ کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) قبضہ ھقیقۃً جس کو قبضہ حسی بھی کہتے ہیں (۲) قبضہ حکماً، قبضہ حکمی اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں کے اندر تخلیہ سے ہو جاتا ہے، اور تخلیہ میں ہاتھ کا قبضہ یعنی قبضہ حسی شرط نہیں بلکہ روک دور کر کے قابو دینا بھی قبضہ ہے، یعنی بائع مبیع اور مشتری کے درمیان اس طرح روک اٹھا دے کہ مشتری اس کے قبضہ کرنے پر قادر ہو جائے اور کوئی مانع نہ رہے، چنانچہ فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ موانع کا درمیان سے اٹھا دینا بیع جائز میں قبضہ ہو جاتا ہے مگر بیع فاسد میں دور وایتیں ہیں اور صحیح یہ ہے کہ اس میں بھی قبضہ ہو جاتا ہے۔

۳۔ کے جواب میں عرض ہے کہ ہمارے نزدیک اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں میں تخلیہ کے ذریعہ قبضہ کا تحقق ہو جاتا ہے، البتہ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے، ان کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

کے یہاں جو چیز ہاتھ میں لی جاسکتی ہے، جیسے دراہم، دانیر، کپڑے وغیرہ ان کا قبضہ ہاتھ میں لینے ہی سے ہوگا، اور غیر منقولہ کے اندر قبضہ تخلیہ سے ہوگا اور جو چیزیں عادیہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاتی ہیں، جیسے لکڑیاں، اناج، حیوانات، تو ان پر قبضہ اس وقت ہوگا، جبکہ انہیں ایسی جگہ منتقل کر دیا جائے جس کا بائع سے کوئی علاقہ نہ ہو، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان اشیاء میں بھی تخلیہ سے قبضہ ہو جائے گا، کمافی (فتح الباری ۴/۲۹۲)۔

۴- کے جواب میں عرض ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت سے متعلق احادیث متعددی نہیں، بلکہ معلول بالعلتہ ہیں اور انہی کی علتیں دو ہیں (۱) ربح مالم یضمن کا لزوم ہے جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

”حدیث عبد اللہ بن عمرو دل علی أن العلة فی النهی عن بیع المبیع قبل القبض هی أنه یستلزم ربح مالم یضمن نصحہ ما یأتی : أن رسول اللہ ﷺ قال: لا یحل سلف و بیع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع ما لیس عندک“ (آخر جہ الترمذی فی باب کرہۃ بیع ما لیس عندہ وقال بہ احادیث حسن صحیح)۔

(عبد اللہ بن عمرو کی حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ بیع قبل القبض سے ممانعت کی علت ”ربح مالم یضمن“ ہے، یعنی اس چیز سے نفع اٹھانا لازم آتا ہے جو ابھی ضمان (قبضہ) میں نہیں آئی اور ایسا نفع ناجائز ہے اور جو عقد امر ناجائز کو مستلزم ہو وہ بھی ناجائز ہوتا ہے)۔

(۲) غرر انفساخ العقد، یہ علت صاحب ہدایہ نے بیان فرمائی ہے، مطلب یہ ہے کہ بیع قبل القبض اس لئے ناجائز ہے کہ اس کے اندر قبضہ سے پہلے بیع کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں عقد اول کے فسخ ہو جانے کا خطرہ اور کھٹکا ہے۔

علامہ ابن الہمام اس کے تحت لکھتے ہیں:

”والحدیث معلول بہ ای بغرر الانفساخ“، یعنی حدیث میں ممانعت غرر انفساخ کی وجہ سے ہے اور اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ جو تصرفات غرر

انفساخ سے متاثر نہیں ہوتے وہ بیع کے اندر قبل القبض صحیح ہیں، جیسے غلام کو قبل القبض آزاد کرنے کا تصرف، اور بیع کو قبل القبض نکاح میں مہر مقرر کر دینے کا تصرف، یہ سب صحیح اور نافذ ہیں، غلام آزاد ہو گیا تو ہو گیا غلام کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں یہ تصرف باطل نہیں ہوتا اسی طرح اگر مہر معین ہلاک ہو گیا تو شوہر پر اس کی قیمت لازم ہوگی، لیکن اس کی وجہ سے نکاح ہی فسخ ہو جائے ایسا نہیں ہو سکتا (عمدۃ فہم ۱/۳۵۳)۔

۵۔ کے جواب میں عرض ہے کہ احادیث نہی تعلیم و تخصیص کے اعتبار سے فقہاء کے اجتہادات مختلف ہیں، اس سلسلہ میں چند مشہور اقوال مع وجوہ دلائل کے ذکر کئے جاتے ہیں۔
قول اول:

یہ کہ بیع قبل القبض ہر چیز کے اندر جائز ہے، یہ قول عثمان الہتٰی کا ہے، یہ قول ناقابل التفات، شاذ، متروک اور مردود ہے۔

علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں: ”یہ قول، احادیث بالخصوص اثناع کے اندر بیع قبل القبض کی ممانعت کے سلسلہ میں اجماعی حجت کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے، شاید انہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث ”من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یستوفیہ“ کا علم نہ ہوا ہوگا، اس لئے انہوں نے یہ بات کہہ دی، لیکن کچھ بھی ہو یہ قول ناقابل التفات ہے (کذا فی المغنی لابن قدامہ ۳/۱۱۳)۔

قول ثانی:

اشیاء منقولہ، غیر منقولہ غلہ وغیرہ ہر چیز کی بیع قبل القبض بدون کسی استثناء اور تخصیص کے حرام ہے، یہ قول امام شافعی، امام محمد بن الحسن الشیبانی کا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ظاہر بھی یہی ہے، اور ایک روایت میں بواسطہ ابن عقیل امام احمد سے بھی یہی بات منقول ہے، کمافی المغنی۔

دلائل:

رجل فأعطاني به ربها حسناً ، فأردت أن أضرب على يديه فأخذ رجل من خلفي بزراعي ، فالتفت فإذا زيد بن ثابت ، فقال : لا تبعه حيث ابتعته حتى تحوزه إلى رحلك فإن رسول الله ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع ، حتى يحوزها التجار إلى رحالهم“ (ابوداؤد رقم الحديث: ۳۳۵۶)۔

(سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت موجود ہے، کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے بازار میں روغن زیتون خریدا، جب بیع لازم ہوگئی تو ایک صاحب وہیں پر ملے اور اس کا اچھا نفع دے کر مجھ سے خریدنے کیلئے تیار ہو گئے، میں نے ابھی ارادہ ہی کیا تھا کہ اس آدمی سے ہاتھ ملاؤں اور بیع کی پکی بات کر لوں کہ اتنے میں پیچھے سے ایک شخص نے میرا ہاتھ پکڑ لیا، میں نے جوڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ حضرت زید بن ثابتؓ ہیں، کہنے لگے کہ بھائی! ایسا نہ کرو، جس جگہ تم نے خریدا ہے وہیں بیچنا درست نہیں، جب تک کہ اسے گھر نہ پہنچا لو، سامان جس جگہ خریدا جائے وہیں اسے بیچ دیا جائے رسول اللہ ﷺ نے تاجروں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے، تا آنکہ وہ اسے اپنی تحویل میں لے کر اپنے گھر اور ٹھکانے پر نہ پہنچالیں۔“)

(۲) ”عن حکیم بن حزام قال : ”قلت : یا رسول اللہ ! انی أبتاع هذه البیوع فما یحل لی منها و ما یحرم علی ؟ قال : یا ابن أخی ، لا تبیع شیئا حتی تقبضه“ (ہذا اللفظ للبیعتی فی سنہ ۲۵/۳۱۳) و قال : هذا إسناد حسن متصل“ و أخرجه أيضا ابن حبان فی صحیحہ“ (واحد فی سنہ ۲۰۲/۳)۔

(حکیم بن حزامؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! میں خرید و فروخت کرتا رہتا ہوں، میرے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے بھتیجے قبضہ کرنے سے پہلے کسی چیز کو آگے فروخت مت کرنا۔)

(۳) ”عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله ﷺ قال : لا یحل سلف و بیع ، ولا شرطان فی بیع ، ولا ربح مالم یضمن ، ولا بیع مالیس عندک“ کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

(آخر جہ الترمذی فی باب کربیہ مالیس عندہ وقال: ہذا حدیث حسن صحیح)۔

(حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ قرضہ اور بیع کو جمع کرنا حلال نہیں اور نہ بیع میں دو شرطیں لگانا، اور نہ ایسی چیز کا نفع حاصل کرنا حلال ہے جو ابھی ضمان میں نہیں آئی، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

مندرجہ بالا احادیث عام ہیں اور ہر قسم کی بیع کو شامل ہیں، لہذا ان احادیث کے عموم پر نظر کرتے ہوئے قول ثانی کے اندر کسی طرح کا استثناء نہیں، بلکہ ہر ایک بیع کی بیع قبل القبض حرام ہے۔

قول ثالث:

بیع کے صحیح ہونے کیلئے قبضہ کی شرط صرف طعام (غلہ) کی بیع کے ساتھ خاص ہے، طعام کے علاوہ دوسری اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے، یہ قول امام احمد بن حنبلؒ کا ہے ”کما حقہ ابن قدامہ“۔
دلائل:

(۱) ”عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه، قال ابن عباس: وأحسب كل شيء مثله“ (آخر جہ البخاری فی البیوع باب ما یذکر فی بیع الطعام والکرة)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ: حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے فرمایا کہ جو شخص غلہ بیچنے کا ارادہ کرے اسے چاہئے کہ قبضہ میں لانے سے پہلے فروخت نہ کرے، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ حکم غلہ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام چیزوں میں عام ہے۔

(۲) ”عن ابن عمر قال: ”كنت أبيع الإبل بالبيع بالدنانير وأخذ

مکانها الورق وأبيع بالورق وأخذ مکانها الدنانير فأتيت النبي ﷺ فسألته عن

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

ذلک، فقال : لا بأس به بالقيمة“.

(حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہتے ہیں کہ میں بیع کے علاقہ میں اونٹ بیچا کرتا تھا، جب دنانیر کے بدلے بیچتا تو ان کی جگہ دراہم لے لیتا، اور کبھی دراہم کے عوض فروخت کرتا تو ان کی جگہ دنانیر لے لیتا، میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کے بارے میں دریافت کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مالیت کا لحاظ کرتے ہوئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔)

”أخرجہ أصحاب السنن الأربعة وأحمد و ابن حبان والحاكم من طريق سماك بن حرب عن سعيد بن جبیر عن ابن عمر ، ولم يرفعه إلا سماك بن حرب كما في التلخيص الحبير للحافظ“ (۲۶، ۲۵، ۲۴، باب القبض والحكم)۔
وجہ دلالت:

اس حدیث کی رو سے جب بیع کے ایک عوض (شمن) کے اندر قبضہ سے پہلے تصرف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تو پھر دوسرے عوض (میثع) کے اندر بھی قبضہ سے پہلے تصرف صحیح ہونا چاہئے، ہاں میثع جب غلہ ہو تو وہ اس سے مستثنیٰ ہے، اسلئے کہ اس کو قبضہ سے پہلے بیچنا بصراحت منع ہے۔

نوٹ: قول ثانی کے اندر جو حدیثیں مذکور ہیں چونکہ وہ عام ہیں اور ہر قسم کی میثع کو شامل ہیں، اس لئے وہ حدیثیں ان کے خلاف حجت ہیں۔

قول رابع:

بیع کی صحت کے لئے میثع پر قبضہ کی شرط صرف کیلی اور وزنی چیزوں کے ساتھ خاص ہے، ان چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں کی بیع میں قبضہ شرط نہیں، یہ قول امام مالکؒ کا ہے۔
استدلال:

”بحديث ابن عمر مرفوعاً “من اشترى طعاما بكييل أو وزن فلا يبعه

حتیٰ یقبضہ“ (رواہ احمد)۔

(حضرت ابن عمرؓ کی مرفوعاً حدیث کے اندر ارشاد بنوی ہے کہ جو شخص غلہ خریدے کیل، یا وزن کے ذریعہ تو وہ اسے قبضہ سے پہلے نہیں بیچ سکتا)۔
قول خاص:

زمین اور مکانات کے علاوہ باقی اشیاء میں آگے فروخت کرنے کے لئے بائع کا قبضہ ضروری ہے، یہ قول امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے (کمانی فتح القدیر ۵/۲۶۶)۔
دلائل:

ان حضرات کی دلیلیں بعینہ وہی ہیں جو قول ثانی کے اندر مذکور ہو چکی ہیں بس فرق یہ ہے شیخین نے بر بناء درایت بیع قبل القبض سے ممانعت کی حدیثوں کا مصداق اشیاء منقولہ ہی کو قرار دیا ہے (۱) اعلاء السنن میں عقار کی بیع قبل القبض کے جواز پر حدیث بھی موجود ہے، لکھتے ہیں:

”ومما يدل بقول أبي حنيفة ما رواه ابن أبي مليكة أن عثمانً ابتاع من طلحة أرضاً بالمدينة ناقلة بأرض له بالكوفة فقال عثمان: بعتك ما لم أراه، فقال طلحة: إنما النظر لي لأني ابتعت مغيباً وأنت قد رأيت ما ابتعت فتحاكما إلى جبير بن مطعم ففضي علي عثمان أن البيع جائز وأن النظر لطلحة؛ لأنه ابتاع مغيباً، رواه البيهقي بإسناد حسن، ويقتضي جواز بيع العقار قبل القبض فإن عثمانً باع أرضاً له بالكوفة ولم يرها وهو ظاهر في أنه باعها ولم يقبضها فإن القبض يستلزم الرواية حتماً“ (۱۴۵/۱۳)۔

اور امام شافعیؒ وغیرہم نے منقولہ وغیر منقولہ تمام مبيعات کو ان کا مصداق سمجھا ہے، شیخین کہتے ہیں کہ بیع کا دار و مدار چونکہ بیع ہی پر ہوتا ہے، اور مبيعات منقولہ میں ہلاکت کثیر الوقوع ہے، اس لئے غالب احوال کو دیکھتے ہوئے آگے فروخت کرنے کے لئے یہاں بائع

کابضہ ضروری ہے، ورنہ ہو سکتا ہے کہ بصورت ہلاکت میبج، عقد اول ہی فسخ ہو جائے اور پھر دوسرے کی ملک میں تصرف کرنا اور ایک ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا لازم آئے جو ابھی ضمان اور قبضہ ہی میں نہیں آئی ہے، اور یہ دونوں باتیں شرعاً ممنوع ہیں، اور جو چیز امر ممنوع کو مستلزم ہوا کرتی ہے وہ ممنوع ہوا کرتی ہے، اس لئے یہاں ”بیع قبل القبض“ کو ممنوع قرار دیا گیا، اور چونکہ اشیاء غیر منقولہ (گھر اور زمین) میں میبج کی ہلاکت شاذ و نادر ہے، اور نادر بمنزلہ معدوم کے ہوا کرتا ہے، اس لئے عام احوال میں بر بناء عدم فساد مذکور، آگے فروخت کرنے کیلئے یہاں میبج پر قبضہ کی شرط نہیں رکھی گئی، لیکن اگر یہاں بھی وہی فساد لازم آئے جس کا ذکر اوپر ہوا، مثلاً یہ کہ گھر، زمین دریا کے کنارے پر ہوا اور سیلاب وغیرہ کی وجہ سے ہلاکت کا خطرہ غالب ہو تو ایسی صورت میں یہاں بھی فقہ حنفی کے اندر بیع قبل القبض جائز نہیں (کمانی فتح القہد ۲۶۶/۵)۔

نوٹ:

سوال (۵) سے متعلق مذکورہ بالا تفصیلات ”عکملہ فتح الملہم مفتی تقی عثمانی ۱/۳۵۰، ۳۵۱، نیل الاوطار للشوکانی ۲۵۶/۵، اوجز المسالک للشیخ زکریا ۵/۷۵“ سے ماخوذ ہیں۔

الحاصل ”بیع کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ میبج بائع، یا اس کے وکیل کے قبضہ میں ہو، پھر حنابلہ نے اس شرط کو طعام (غلہ) کی بیع کے ساتھ خاص کر دیا ہے، لہذا ان کے نزدیک طعام کے علاوہ دوسری اشیاء کی ”بیع قبل القبض“ جائز ہے، اور مالکیہ نے قبضہ میں ہونے کی شرط کو کیلی اور وزنی چیزوں کے ساتھ خاص کر دیا ہے، لہذا ان کے نزدیک کیلی اور وزنی چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں کی بیع میں قبضہ شرط نہیں ہے۔

امام شافعی اور امام محمد بن حسن کے نزدیک میبج کا بائع کے قبضہ میں ہونا تمام مبیعات میں ضروری ہے، چاہے وہ طعام ہو، یا کیلی وزنی چیز ہو، یا زمین ہو، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک زمین کے علاوہ باقی اشیاء میں آگے فروخت کرنے کیلئے بائع کا قبضہ ضروری ہے“ (فتح القہد لابن الہمام ۲۶۶/۵، المغنی لابن قدامہ ۴/۱۱۳)۔

۶۔ کے جواب میں عرض ہے کہ یہ صورت جائز ہے۔

یہاں جواز کی صورت یہ سمجھ میں آئی کہ خریدار اول نے فیکٹری سے مال خریدا اور بیع کے بعد فیکٹری سے کہا کہ فیکٹری میرا خرید کردہ مال فلاں، یعنی خریدار دوم کے پتہ پر بھیج دے یہ عمل فیکٹری خریدار اول کی طرف سے وکالت کرتی ہے، اسلئے یہاں قبضہ اور ضمان پایا گیا اور بیع جائز و درست ہوگئی۔

رد المحتار میں ہے:

”ومن القبض مالو أودعه المشتري عند أجنبي أو أعاره و أمر البائع

بالتسليم إليه“ (رد المحتار ۵۸/۴)۔

۷۔ جواب میں عرض ہے کہ صورت مسئلہ میں بیع ناجائز ہے، یہاں بیع خریدار اول کے ضمان میں آئی ہی نہیں، اس لئے کہ بیع ضمان میں آتی ہے قبضہ حسی سے، یا تخلیہ (قبضہ حکمی) سے جو بائع، یا اس کے وکیل کی طرف سے پایا جائے، یا اس سے کہ خریدار نے بائع کو کسی کے پاس مال بھیجے، یا سپرد کرنے کا وکیل بنا دیا ہو، یہاں یہ سب صورتیں مفقود ہیں، شرع میں مجرد عقد سے بیع ضمان میں نہیں آتی، لہذا ”ربیع مالم یضمن“ کو مستلزم ہونے کی وجہ سے اس بیع کو ناجائز قرار دیا گیا بیع کے ضمان میں آنے کی وجہ مذکورہ کے بغیر کسی کو اس کا ضامن قرار دینا شرعاً غیر معتبر ہے بلکہ سراسر ظلم ہے، جب اس عقد کی بنیاد اول ہی صحیح نہیں تو جہاں تک بھی اس کا سلسلہ پہنچے گا سب ”بناء الفاسد علی الفاسد“ کی بنیاد پر فاسد قرار دیا جائے گا، مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بھی اس بیع کو، بیع قبل القبض ہی کی صورتوں میں شمار کیا ہے اور اس کے مفاسد پر بھی روشنی ڈالی ہے (عملہ المہم ۱/۳۵۴)۔

☆☆☆

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت

مولانا ابوالحسن علی ☆

۱۔ بیع قبل القبض کے سلسلہ میں ائمہ کرام کا اختلاف:
حنفیہ کی رائے:

امام ابوحنیفہ کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اور غیر منقولہ جائیداد وغیرہ کی بیع قبل القبض جائز ہے۔
شافعیہ کی رائے:

استقرار (قبضہ) سے پہلے بیع درست نہیں ہے، خواہ اشیاء منقولہ ہو یا غیر منقولہ، اختلاف میں سے امام محمد کا بھی یہی مذہب ہے۔
مالکیہ:

صرف طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اور اس کے علاوہ کی بیع جائز ہے۔

حنابلہ:

ملکی اور موزونی اور معدودی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اور اس کے علاوہ میں جائز ہے۔

مولانا ظفر احمد تھانوی نے شرح مہذب کے حوالے سے اختلاف ائمہ کا تفصیلی ذکر کیا

ہے (اعلاء السنن ۱۳/۲۲۷)۔

☆ دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات۔

شافعیہ کے نزدیک یہ بیع باطل ہے جیسے کہ امام نووی کی عبارت: ”وقد ذکرنا أن مذهبنا بطلانه مطلقاً“ کے الفاظ سے ظاہر ہے ”الفقہ علی المذاهب الاربعہ“ میں بھی باطل ہی کا لفظ ہے: ”فإذا اشترى شيئاً منقولاً كان أو غيره ولم يتسلمه ثم باعه وقع البيع باطلاً“ (۲۳۴/۲)۔

مگر حنفیہ نے اس کو بیع فاسد میں شمار کیا ہے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت:

فقہاء حنفیہ کے نزدیک قبضہ کا مفہوم وسیع ہے، کیونکہ عند الاحناف قبضہ کا حاصل صرف تخلیہ ہے، اور تخلیہ کا حاصل یہ ہے کہ بیع اور مشتری کے درمیان باعتبار حقیقت، یا باعتبار عرف و عادت ایسا کوئی مانع اور حائل نہ ہو جو مشتری کو عرفی قبضہ کرنے سے اور اس میں تصرف کرنے سے روک سکے، بلکہ بیع اس حال میں ہو کہ مشتری اگر اس میں تصرف کرنا چاہے تو آزادی کے ساتھ اس میں تصرف کر سکے اگرچہ بیع ابھی بائع کے پاس ہی موجود ہو۔

”وأما تفسير التسليم والقبض، فالتسليم والقبض عندنا هو التخليه والتخلي وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه، فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً“ (بدائع ۲۳۴/۵)۔

اور دوسری جگہ لکھا ہے: ”لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة حقيقة“ (بدائع ۱۳۸/۵)۔

”ولهذا كانت التخليه تسليماً وقبضاً فيما لا مثل له“ (بدائع ۲۳۴/۵)۔ ایک شی بائع کے پاس ہونے کے باوجود اس پر مشتری کا قبضہ شمار کیا جاسکتا ہے جبکہ معاملہ ہو چکا ہو اور تخلیہ بھی ہو، بدائع میں ایک مسئلہ لکھا ہے: ”ولو اشترى من إنسان كراً بعينه و وقع غرائره وأمره بأن يكيّل فيها ففعل صار قابضاً سواء كان المشتري

حاضر اَوْ غائباً؛ لأن المعقود عليه معين وقد ملكه المشتري بنفس العقد فصح أمر المشتري؛ لأنه تناول عينا هو ملكه فصح أمره و صار البائع وكيلا له و صارت يده يد المشتري و كذلك الطحن إذا طحنه البائع بأمر المشتري صار قابضاً“ (بدائع ۵/۲۷۷)۔

اور ”البحر الرائق“ میں ہے: ”و ذكر في الذخيرة إذا اشترى ما هو أمانة في يده من ودیعة أو عارية، فإنه لا يكون قابضاً إلا إذا ذهب المودع أو المستعير إلى العين وانتهى إلى مكان يتمكن من قبضها فيصير الآن قابضاً بالتخلية“ (البحر الرائق ۶/۸۷، كنز الدقائق ۳/۱۱۲)۔

شافعیہ کے یہاں قبضہ کی تفسیر بیع کو اس کی جگہ سے منتقل کر کے اپنے مقام تک پہنچانے سے کی جاتی ہے: ”وقال الشافعی: القبض فی الدار و العقار و الشجر بالتخلية، و أما فی الدراهم و الدنانیر، فتناولها بالبراجم و فی الثیاب بالنقل“ (بدائع ۵/۱۳۸)۔

حضرت مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں: ”قال الموفق فی ”المغنی“: و قبض کل شیء بحسبه فإن كان مکیلا أو موزونا فقبضه بکیله و وزنه و بهذا قال الشافعی و قال أبو حنیفة: التخلية فی ذلك قبض، و قد روی أبو الخطاب عن أحمد رواية أخرى: أن القبض فی کل شیء بالتخلية مع التمييز، لأنه خلی بینہ و بین المبیع من غیر حائل فكان قبضاً له“ (اعلاء السنن ۱۳/۱۵۳)۔

حاصل یہ ہے کہ کتاب و سنت نے قبضہ کی کوئی خاص صورت تو متعین نہیں کیا ہے، لیکن ایسے اصول و قواعد اور اس کی مثالیں ضرور بیان کر دیا ہے جن سے ہر زمانہ میں ہم اس کی تعیین کر سکتے ہیں، اور اس کا زیادہ تر مدار عرف و عادت پر ہے، لیکن اس میں عرف کی حیثیت شرعیہ ملحوظ رکھتے ہوئے اعتبار ہوگا، مطلقاً عرف کا اعتبار نہیں ہوگا۔

۳۔ منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء میں فرق:

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، البتہ غیر منقولہ چیزوں کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، اور امام محمد کے نزدیک دونوں کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، شیخین کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ زمین جائداد وغیرہ میں ہلاکت شاذ و نادر ہے، اس لئے اس کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، اور اشیاء منقولہ میں ہلاکت کا خطرہ زیادہ ہے، اس لئے اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہوگی، ہدایہ میں ہے: ”ولا غرر فيه؛ لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول، والغرر المنهي عنه غرر انفساخ العقد“۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ غیر منقول اشیاء میں ”بیع قبل القبض“ کے جواز کی علت ہلاکت کے خطرہ کا کم ہونا ہے، اور عقد کو فسخ کرنے والے غرر کا نہ ہونا ہے، اور ماقبل میں قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے کہ عند الاحتماف قبضہ کی تعریف میں بہت وسعت ہے، لہذا بظاہر دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

البتہ منقول اشیاء کے اندر ہلاکت کا خطرہ اور فسخ بیع کا امکان زیادہ ہے، اس لئے اس میں اس پہلو کا لحاظ کرتے ہوئے قبضہ کی تعیین کی جائے گی، جبکہ غیر منقول اشیاء کے اندر وسعت کا پہلو ملحوظ رہے گا اسباب مذکورہ کے معدوم ہونے کی وجہ سے، لیکن علامہ ابن ہمام نے اشیاء غیر منقولہ کو بھی اشیاء منقولہ کی طرح (ہلاکت کے خطرہ کی صورت میں) قبل القبض بیع کرنے سے منع فرمایا ہے: ”وهذا لأنه لا يتصور هلاكه إلا إذا صار بحراً أو نحوه، حتى قال بعض المشائخ: إن جواب أبي حنيفة في موضع لا يخشى عليه أن يصير بحراً أو يغلب عليه الرمال، فأما في موضع لا يؤمن عليه ذلك، فلا يجوز، كما في المنقول ذكره المحبوبي، وفي الاختيار: حتى لو كان على شط البحر أو كان المبيع علواً لا يجوز بيعه قبل القبض“ (فتح القدير ۶/۵۳۳ مطبوعہ دار الفکر)۔

لہذا منقول اور غیر منقول اشیاء میں تنوع اور کیفیات کے بدلنے سے حکم میں تبدیلی بھی

آسکتی ہے، اگرچہ عام حالات میں دونوں کے درمیان حکم میں فرق ہی رہے گا۔

۴- احادیث کا معلول بالعلۃ ہونا:

صاحب ”ہدایہ“ نے بیع العقار میں شیخین کے دلائل کا ذکر کرتے ہوئے امام محمد کے جواب میں فرمایا کہ حدیث ”معلول بالعلۃ“ ہے، ”والحدیث معلول بہ عملاً بدلانل الجواز“۔

علامہ ابن ہمام نے اس کی علت میں فرمایا: ”(معلول بہ) ای بغرر الانفساخ، والدلیل علیہ أن التصرف الذی لا یمتنع بالغرر نافذ فی البیع قبل القبض وهو العتق والتزوج علیہ“ (فتح القدیر ۶/۵۱۳)۔

صاحب ”عنایہ“ نے وضاحت کے ساتھ علت غرر کا ذکر فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب زمین وغیرہ میں ہلاکت نادر ہے تو عقد کے فسخ ہونے کا غرر جس سے روکا گیا ہے وہ منقہ رہے گا، اور حدیث شریف ”معلول بالانفساخ“ ہے، لہذا جائداد اس میں داخل ہوگی اور اس کی بیع قبل القبض جائز ہوگی، کتاب وسنت اور اجماع کی دلیل جواز پر عمل کرنے کی وجہ سے۔

اس کے آگے فرماتے ہیں: ”وإذا كان الحدیث معلولاً بغرر الانفساخ لا یحتمل تناول مالیس فیہ ذلک“ (عنایہ مع الفتح ۶/۵۱۳)۔

۵- بیع قبل القبض کی ممانعت:

اس سلسلہ میں احادیث مبارکہ کے الفاظ مختلف ہیں، اور فقہاء کرام نے اس میں تخصیص کر کے بہت سی چیزوں کو حکم سے خارج کر دیا ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں نقل مذاہب کے سلسلہ میں گذر چکا ہے، امام مالک صرف غلہ میں ناجائز اور بقیہ تمام چیزوں میں جائز قرار دیتے ہیں: ”کل ما اشتریت من العروض کلھا الحيوان والعقار والياب وغير ذلک ما خلا المبیع من الطعام علی الکيل، فلا بأس عند مالک أن تبیع ذلک کله قبل أن تقبضه“ البتہ اس میں عجلت کرے تاخیر نہ کرے، ”إذا تعجلت ذلک ولم کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

تو آخرہ“ (کتاب الکافی فی فہرست المذہب المالکی ۲/۲۴)۔

امام مالک کی دلیل حضرت ابن عمر کی وہ حدیث ہے جو آپ نے ”موطا“ میں بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی اناج خریدا تو وہ اس کو فروخت نہ کرے، جب تک کہ وہ اس پر قبضہ پوری طرح نہ حاصل کر لے، ”عن عبد اللہ بن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبيعه حتى يستوفيه“ (موطا امام مالک: کتاب البیوع ۲۶۴)۔ امام احمد بھی اسی حدیث سے استدلال فرماتے ہیں کہ وہ مالکول و مشروب کے ماسوا میں قبل القبض بیع کو جائز قرار دیتے ہیں۔

امام شافعی اور امام محمد کے نزدیک طعام ہو یا عقار ہو، کسی کو بھی قبل القبض فروخت کرنا جائز نہیں ہے، یہ حضرات حکیم ابن حزام کی روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ”عن حکیم بن حزام قال: قلت يا رسول الله: إني رجل مبتاع هذه البیوع وأبيعها فما يحل لي منها وما يحرم؟ قال: لا تبیع شیئاً حتى تقبضه“ (فتح القدير ۳/۵۱۱، اعلام السنن ۱۳/۲۲۳)۔

اس حدیث میں تمام چیزوں کی بیع قبل القبض ناجائز و حرام فرمایا ہے، امام شافعی اپنی کتاب (کتاب الام ۴/۷۰۳) میں ارشاد فرماتے ہیں: ”وبهذا نأخذ فمن ابتاع شیئاً كان ما كان ليس له أن يبيعه حتى يقبضه“، نیز اس سلسلہ میں حضرت ابن عباس کا اجتہادی قول بھی یہی ہے کہ غیر طعام کو بھی طعام کی طرح قبل القبض بیچنا جائز نہیں ہے۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں: ”قلنا قد رواه ابن عباس أيضا قال: وأحسب كل شيء مثل الطعام، أخرجه عنه أئمة الكتب الستة“ (فتح القدير ۶/۵۱۱)۔

امام اعظم اور امام ابو یوسف اشیاء منقولہ کو ”نہی عن بیع ما لم يقبض“ کی وجہ سے ناجائز قرار دیتے ہیں، اور اشیاء غیر منقولہ کو علت عدم غرر کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ غیر منقول اشیاء کی بیع میں ایجاب و قبول اہل کی طرف سے محل بیع میں صادر ہوا اور کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

منقول چیزوں میں جو مائع تھا ”غرر انفساخ العقد“ وہ یہاں متحقق نہیں ہے، لہذا یہ بیع جائز ہونی چاہئے (فتح القدیر ۶/۵۱۱)۔

مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں: ”إلا أن أبا حنيفة وأبا يوسف خصا النصوص بالمنقول بعللة النهي وهو غرر انفساخ العقد بالهلاك قبل القبض و محمد أجزأها على عمومها، والشافعي خصها بما لم يكن متميزاً وهو اختلاف الاجتهاد“ (اعلاء السنن ۱۳/۲۲۳)۔

امام اعظم کی دلیل حضرت عثمان ابن عفان کی وہ روایت بھی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے اپنی کوفہ والی زمین کو دیکھے بغیر فروخت کر دیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کو قبل القبض ہی فروخت کر دیا، کیونکہ قبضہ رویت کو مستلزم ہے۔

مولانا ظفر احمد تھانوی اعتراض نقل کرتے ہیں کہ کوئی اگر یوں کہے کہ حضرت عثمان نے وکیل کی معرفت قبضہ کیا ہوگا، تو ہم اس کا جواب دیں گے کہ وکیل کی رویت بھی موکل کی ہی رویت ہے اور جبکہ روایت میں خود اس احتمال کو دور کرنے والا لفظ موجود ہے، کیونکہ وہ فرماتے ہیں: ”بعثك ما لم أره فبطل احتمال رؤيته بواسطة الوكيل وقبضه بقبضه“ حضرت عثمان کی روایت کی شرح مہذب میں مسلم شریف کے حوالہ سے نقل کر کے اس میں ایک راوی کے مجہول اور مختلف الاحتجاج ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ”قلت: و مسلم لا يروى عن مجهول ولا لمجهول فالحديث حسن حجة“ (اعلاء السنن ۱۳/۲۲۹)۔

امام مالک نے جس حدیث پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہے اس کے بارے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ایک خاص حکم سے متعلق ہے، جبکہ اس سلسلہ میں دیگر عام حدیثیں بھی موجود ہیں، کیونکہ حضرت ابن عمر والی حدیث جس سے امام مالک نے استدلال کیا ہے وہ حدیث حضرت ابن عباس سے بھی ”بخاری و مسلم“ میں موجود ہے جس میں راوی حدیث ابن عباس کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

فرماتے ہیں کہ: ”ولا أحسب كل شئ إلا مثله“ (بخاری شریف: کتاب البیوع ۲۸۶/۱) پر یہ حدیث موجود ہے، (مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۵) پر بھی یہ حدیث موجود ہے، اور اسی طرح کی ایک روایت ”ابوداؤد“ میں بھی ابن عمر سے مروی ہے، جس میں ”نہی عن بیع مالہم یقبض“ کا لفظ موجود ہے (نصب الرایہ ۱۹/۳، ۳۲/۳)۔

شوافع کی متدل روایت جو حکیم ابن حزام سے مروی ہے اس پر محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن ابن ہمام نے رجال پر گفتگو کرتے ہوئے حدیث بالا کو حجت قرار دیا ہے: ”والحق أن الحديث حجة والذي قبله كذلك“ لیکن پھر اس کی تخصیص کی دلیل کا ذکر کیا ہے: ”والحاجة بعد ذلك إلى دليل التخصيص لغير العقار لأبي حنيفة ما يذكر هناك، والأحاديث كثيرة في هذا المعنى“ (فتح القدیر ۵۱۲/۶)۔

۶۔ قبضہ ضمان:

فقہاء کرام نے قبضہ کی تشریح کی ہے اور اس سلسلہ میں جو جزئیات ذکر فرمائے ہیں، اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ قبضہ حسی کا ہونا ضروری نہیں ہے (شامی ۴/۳۸۰)۔ قبضہ کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے فقہاء کرام نے اس کی مختلف قسمیں بیان فرمائی ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) اول قبضہ ضمانت (۲) دوم قبضہ ضمان، اور پھر قبضہ ضمان کی دو قسمیں ہیں: (۱) اول ضمان بنفسہ (۲) دوم ضمان بغيرہ۔ ان میں سے ہر ایک کا حکم بھی جدا گانہ ہے۔

۱۔ مشتری کو اگر بیع پر پہلے سے قبضہ حاصل ہے اور وہ قبضہ ضمان بنفسہ کا ہے، مثلاً غاصب کا قبضہ شیء مغصوب پر، تو اس کا حکم یہ ہے کہ بیع موجود ہو یا نہیں، بہر حال سابق قبضہ ہی جدید قبضہ کے لئے کافی ہوگا، اور نئے سرے سے قبضہ کی ضرورت نہیں ہوگی، کیونکہ غاصب کا ضمان بنفسہ ہے اور مغصوب شیء بصورت بنفسہ ہے۔

۲۔ اور اگر بیع پر مشتری کا قبضہ ضمان بغيرہ کا ہے، مثلاً شیء مرہون پر راہن کا قبضہ، تو

رہن امانت ہوتا ہے، البتہ مضمون بالغیر ہوتا ہے یعنی فرض کی وجہ سے، گویا کہ وہ مضمون بالغیر تو ہے مگر مضمون بنفسہ نہیں ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر کسی مرہون موجود ہو تو یہ قبضہ جدید قبضہ کی طرف سے کافی ہوگا، ورنہ نہیں۔

۳۔ اور اگر بیع پر مشتری کا قبضہ قبضہ امانت ہے، مثلاً عاریت، ودیعت و کالت اور اجارہ کا قبضہ، تو یہ سارے قبضے قبضہ امانت کہلاتے ہیں، اور ان کا حکم یہ ہے کہ یہ امانت والے قبضہ ضمان والے (بیع کیلئے) قبضہ کیلئے کافی نہ ہوں گے، بلکہ تجدید قبضہ ضروری ہوگا (بدائع الصنائع ۲۴۸/۵، شامی ۴/۴۶۸، ۴۸۸)۔

شامی میں ان تمام جزئیات کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: ”و حاصلہ أن التخلية قبض حکما مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع، ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، و في نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض، أي بأن تكون في البلد فيما يظهر، وفي نحو بقر في مرعى فكونه بحيث يرى و يشار إليه قبض الخ“ (شامی ۴/۴۸۸ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ، کوئٹہ پاکستان)۔

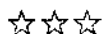
ان تمام مثالوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر بائع نے حسی قبضہ نہ کیا ہو، لیکن وہ ضامن ہو گیا ہو تو اس کو قبضہ ضمان کے درجہ میں شمار کر کے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے گا۔

۷۔ صورت مسئلہ میں جب مشتری کا کسی قسم کا قبضہ پایا ہی نہیں جاتا اور اس سے پہلے ہی بائع اپنے ضمان سے بری ہو جاتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے، لہذا بائع کیلئے ایسا سودا کرنا جائز نہیں ہے، اور جب مشتری اس کا مالک نہیں ہوتا ہے تو یہ بیع ”بیع معدوم ما لیس عندک“ اور ”بیع مالم یقبض“ کے درجہ میں رکھتے ہوئے اس کیلئے بھی کسی تیسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا۔

شامی میں لکھا ہے: ”اشتری بقرۃ مریضة و خلاها فی منزل البائع قانلاً إن

ہلکت فمنی و ماتت فمن البائع لعدم القبض، و كذا لو قال للبائع: سقها إلى منزلک فاذهب فانسلمها فهلکت حال سوق البائع فإن ادعى البائع، التسليم فالقول للمشتري، “، اسی طرح کا ایک یہ مسئلہ بھی ہے: ”اشتری و عادلین خاثر فی السوق فأمر البائع بنقله إلى منزله فسقط فی الطريق فعلى البائع إن لم يقبضه المشتري“ (شای جلد ۴/۳۸)۔

ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اصل بائع کا ذمہ مشتری کے تخلیہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا ہے، اور ہلاکت کی نسبت بائع کی طرف ہی ہوتی ہے، نہ کہ مشتری کی طرف، اور تیسرا خریدار کیسے ضامن ہو سکتا ہے جبکہ بائع اول اور مشتری کے درمیان ہی بیع صحیح نہیں ہوئی ہے، لہذا اس قسم کی خرید و فروخت شرعاً ناجائز ہی ہوں گے۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عمومی یا خصوصی؟ (ائمہ کرام کے اقوال و آراء اورادلہ)

مولانا اشتیاق احمد اعظمی ☆

بیع قبل القبض کی ممانعت مختلف احادیث میں وارد ہے، کہیں یہ نہیں بالکل عام ہے، اور کہیں خاص، جس کے باعث فقہاء امت کے درمیان ”بیع قبل القبض“ کے بارے میں اقوال و آراء کا اختلاف ایک فطری امر ہے، ذیل میں ہم فقہاء کرام کے آراء و اقوال بیان کرتے ہیں، پھر ہر ایک کے دلائل پیش کریں گے۔

پہلا قول حنفیہ کا ہے:

حنفیہ نے بیع قبل القبض کے تعلق سے اشیاء منقولہ و غیر منقولہ کے درمیان فرق کیا ہے۔ جمہور حنفیہ کے نزدیک مشتری کے لئے اشیاء منقولہ پر قبضہ سے پہلے اس کی بیع کرنا درست ہے، رہا غیر منقولہ اشیاء کا معاملہ، جیسے عقار، دار اور شجر وغیرہ تو اس میں قبضہ سے پہلے بھی مشتری کے لئے بیع جائز ہوگی، ائمہ احناف میں سے حضرات شیخین (امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ) کا یہ مسلک ہے، لیکن احناف ہی میں سے امام محمد و زفر، نیز امام شافعیؒ غیر منقولہ اشیاء کے اندر بھی بیع قبل القبض کے عدم جواز ہی کے قائل ہیں (بدائع الصنائع ج ۶، ۱۸۱-۱۸۰، مجمع الانہر فی شرح ملتقى البحر ج ۲، ۸۰)۔

دوسرا قول مالکیہ اور ابن حزم ظاہری کا ہے:

ان حضرات کے یہاں ہر قسم کی چیزوں کی بیع، خواہ وہ منقول ہو یا غیر منقول، جائز ہے، اس عموم سے ان کے یہاں صرف طعام مستثنیٰ ہے، لیکن مالکیہ کے نزدیک طعام سے مراد صرف گندم ہی نہیں ہے، بلکہ اس کے ضمن میں دیگر مطعومات، مثلاً فاکہہ وغیرہ بھی آتے ہیں، چنانچہ ان کے نزدیک گندم اور فاکہہ کی بھی بیع قبل القبض جائز نہ ہوگی، مگر علامہ ابن حزم ظاہری کے نزدیک طعام سے مراد صرف گندم ہے، اس لئے گندم کی بیع ان کے نزدیک قبضہ سے پہلے بالکل درست نہ ہوگی (الفتاویٰ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵، المحلی لابن حزم ۸/۵۱۸)۔

تیسرا قول شافعیہ کا ہے:

شوافع کے نزدیک ”بیع قبل القبض“ کی نہیں بالکل عام ہے، ان کے یہاں اشیاء منقولہ وغیرہ منقولہ دونوں ہی کی بیع درست نہیں ہے، یہی امام احمدؒ کی بھی ایک روایت ہے، اور ابن عقیل نے اسی کو اختیار کیا ہے، معنی میں ہے: ”و عن أحمد رواية أخرى: لا يجوز بيع شيء قبل قبضه، اختارها ابن عقیل“ (المعنی ۱۲/۴)۔

چوتھا قول حنابلہ کا ہے:

ان حضرات کے نزدیک قبضہ سے پہلے بیع کے اندر تصرف جائز ہے، بشرطیکہ بیع کیلی، وزنی، یا عددی نہ ہو، لیکن اگر بیع انواع مذکورہ میں سے کسی بھی نوع کی ہوگی تو اس میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہوگا (المعنی ۱۲/۴، الفتاویٰ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۶)۔

پانچواں قول عثمان الہتبی کا ہے:

ان کے نزدیک ہر طرح کی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے، ”أنه قال: لا بأس ببيع كل شيء قبل قبضه“ (المعنی لابن قدامہ ۱۲/۴)۔

حنفیہ اور شافعیہ کے اولہ:

حنفیہ اشیاء منقولہ، اور شوافع اشیاء منقولہ وغیرہ منقولہ کے اندر قبضہ سے پہلے تصرف کے عدم جواز کے قائل ہیں، اس لئے اس سلسلہ میں ان دونوں جماعتوں کے اولہ ایک ہی ہیں، اور کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

ذیل کی وہ روایتیں ہیں جس میں عمومی طور سے قبضہ سے پہلے کسی بھی شی کی بیع سے روکا گیا ہے:

۱۔ ”ما رواہ أبو داؤد عن زید بن ثابت أن النبی ﷺ نہی أن تباع السلع حيث تباع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم“ (سنن ابی داؤد مع المیزل ۳/۲۸۵، نیل الأوطار ۵/۱۵۷)۔

۲۔ ”عن حکیم بن حزام قال : سألت رسول الله ﷺ فقلت : یا تینی الرجل فیسألنی أن أبيع ما لیس عندی أبتاع له من السوق ثم أبعه ، قال : لا تبیع ما لیس عندک“ (ترمذی ۱/۱۳۸)۔

۳۔ ”عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده رضی الله عنهما قال : قلل رسول الله ﷺ : لا یحل سلف وبيع، ولا شرطان فی بیع، ولا ربح ما لم یضمن، ولا بیع ما لیس عندک“ (رواہ آئمتہ نقلاً عن سل السلام ۳/۸۰۹)۔

حنفیہ نے اشیاء منقولہ و غیر منقولہ کے درمیان جو فرق کیا ہے، اس کی بنیادی وجہ مذکورہ بالا احادیث کے اندر موجود علت نہیں ہے، اور وہ علت ”غور انفساخ العقد علی اعتبار الهلاک“ ہے، اور یہ علت منقولہ اشیاء کے اندر قبضہ سے پہلے موجود ہوا کرتی ہے، اس لئے منقولہ اشیاء کے اندر ”بیع قبل القبض“ کو حنفیہ نے ناجائز کہا، اور غیر منقولہ اشیاء کے اندر بلاکت چونکہ نادر الوقوع ہے، اس لئے عدم تحقق علت کے باعث حنفیہ نے ان کی بیع قبضہ سے پہلے بھی جائز قرار دی، لیکن مکان و جائداد وغیرہ اگر ایسی ہوں جن کے اندر بلاکت کا اندیشہ موجود ہو، مثلاً زمین جو دریا کے دہانے پر واقع ہو تو فقہاء احناف نے اس طرح کی چیزوں کو قبضہ سے پہلے بیچنے سے منع کیا ہے، چنانچہ عینی میں ہے:

”فأما فی موضع لا یؤمن ذلک فلا یجوز“ (یعنی شرح ہدایہ ۳/۱۳۷)۔

حنفیہ کی دوسری دلیل وہ قاعدہ اور اصول ہے، جسے علامہ عینی نے ”ایضاح“ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے: ”کل عرض ملک بعقد ینفسخ العقد فیہ بھلاکہ قبل القبض

ولم یجز التصرف فیہ کالمبیع و الأجرة إذا كانت عیناً و ما لا ینفسخ العقد بهلاکہ فالتصرف فیہ جائز قبل القبض کالمهر وبدل الخلع“ (یعنی ۱۳۷/۳)۔

اس قاعدہ کا حاصل یہ ہے کہ ہر عرض جس کا کسی عقد سے مالک بنا جاتا ہو اور اس عرض کی ہلاکت کے باعث اس میں منعقدہ عقد فسخ ہو جاتا ہو تو ایسے عرض میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہوگا، جیسے بیع اور اجرت جب کہ معین شی ہو اور جہاں اس عرض کی ہلاکت کے باوجود عقد منفسخ نہ ہوتا ہو تو اس میں قبضہ سے پہلے بھی تصرف جائز ہوا کرے گا۔

اس ضابطہ کی رو سے اشیاء منقولہ وغیر منقولہ، دونوں ہی کے اندر قبضہ سے پہلے تصرف ناجائز ہونا چاہئے، لیکن غیر منقولہ اشیاء کے اندر ہلاکت کے نادر ہونے کے باعث اس میں قبضہ سے پہلے بھی جمہور احناف نے تصرف کو جائز قرار دیا۔

احناف میں سے حضرت امام محمد و زفرؒ نے غیر منقولہ کی بیع کو بھی قبضہ سے پہلے ناجائز قرار دیا ہے، ان حضرات کی دلیل مذکورہ بالا وہ روایتیں ہیں جن کے اندر کلمہ ”ما“ وارد ہوا ہے ”لا تبع ما لیس عندک“ اور ”ولا بیع ما لیس عندک“ اور کلمہ ”ما“ عموم پر دلالت کرتا ہے، اس لئے اس میں منقول وغیر منقول کی کوئی تخصیص نہ ہوگی۔

دوسری دلیل یہ کہ امام محمد وغیرہ نے بیع کو اجارہ پر قیاس کیا ہے، چونکہ عقار وغیرہ کا اجارہ قبل القبض درست نہیں، اس لئے عقار کی بیع بھی قبل القبض درست نہ ہوگی، یعنی میں مذکور ہے: ”وصار کالاجارة فإنها فی العقار لا یجوز قبل القبض“ (یعنی شرح ہدایہ ۱۳۷/۳)۔

مالکیہ اور ابن حزم کے دلائل:

ان حضرات کے ادلہ وہ روایتیں ہیں جن میں طعام کا لفظ وارد ہوا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں:

۱- ”عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: إذا ابتعت طعاماً فلا تبعه

حتى تستوفیه“ (رواہ احمد و مسلم بحوالہ نیل الأوطار ۵/۱۵۷)۔

۲- ”عن أبی ہریرۃ قال : نہی رسول اللہ ﷺ أن يشتري الطعام ثم يباع حتى يستوفى“ (رواہ احمد و مسلم بحوالہ نیل الاوطار ۵/۱۵۷)۔

۳- ”عن ابن عباس أن النبی ﷺ قال : من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه“ (نیل الاوطار ۵/۱۵۸)۔

ان جیسی حدیثوں میں چونکہ خاص طور سے طعام کی قبل القبض بیع سے روکا گیا ہے، اس لئے طعام کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہ ہوگی، لیکن اس کے ماسواہر چیز کی بیع، قبضہ سے پہلے جائز ہوگی، ”فإن تخصیصه الطعام بالنہی عن بیعه قبل قبضه يدل علی إباحة ذلك فی ما سواہ“۔

ہاں مالکیہ نے طعام سے مراد صرف گندم نہیں لیا ہے، بلکہ دیگر مطعومات، جیسے فاکہ وغیرہ کو بھی طعام کے ضمن میں لے لیا ہے، لیکن علامہ ابن حزم ظاہری نے کہا کہ لفظ طعام بغیر اضافت کے کلام عرب میں جب استعمال ہوتا ہے تو اس سے صرف ”قمح“ گندم مراد ہوا کرتا ہے، اور اس سلسلہ میں عربوں کے کلام سے استشہاد پیش فرمایا ہے، چونکہ احادیث مذکورہ بالا میں لفظ طعام بدون اضافت استعمال ہوا ہے، اس لئے عربوں کے استعمال کے بموجب اس سے مراد گندم (قمح) ہی ہوگا (الحکمی لابن حزم ۸/۵۲۱)۔

حنابلہ کی دلیل:

حنابلہ کی دلیل بھی وہ ساری احادیث ہیں جن میں قبضہ سے پہلے طعام کی بیع سے روکا گیا ہے، چونکہ مطعومات کیلی، وزنی یا عددی ہونے سے خارج نہیں ہوا کرتے، اس لئے نبی کا تعلق ان تمام انواع میں سے ہوگا جو کیلی، وزن، یا عدد کے ضمن میں آتی ہوں، علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اسے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

”إن الطعام المنہی عنه عن بیعه قبل قبضه لا یکاد یخلو من کونه مکیلاً أو موزوناً أو معدوداً فتعلق بالحکم بذلک“ (المنہی ۴/۱۳۳)۔

عثمان البتی کی دلیل:

عثمان البتی نے ہر طرح کی اشیاء میں قبضہ سے پہلے جو بیع کے جواز کا قول پیش کیا ہے، بظاہر ان کی کوئی دلیل سمجھ میں نہیں آتی، سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ ان کو مذکورہ بالا احادیث نہیں پہنچ سکی ہوگی، جس کی بنا پر انہوں نے جواز کا عمومی قول پیش کر دیا، جیسا کہ علامہ ابن عبد البر نے ان کے بارے میں اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے:

”قال ابن عبد البر: وهذا (ای قول عثمان البتی) مردود بالسنة والحنة المجمعة على الطعام وأظنه لم يبلغه هذا الحديث، ومثله هذا لا يلتفت إليه“ (المغنی ۳/۱۲۷)۔

شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض جائز ہے یا ناجائز؟ اور ناجائز ہے تو اس کا شمار بیع باطل میں ہے، یا بیع فاسد میں، یا بیع مکروہ میں۔

اسلامی شریعت کی رو سے بیع قبل القبض فی الجملہ ناجائز ہے: ”لقوله عليه السلام: لا تبع ما ليس عندك“ دوسرے اس وجہ سے بھی کہ بیع کے ہلاک ہونے کے اعتبار سے، عقد ہی کے فسخ ہو جانے کا غرر موجود ہے، اور حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے بیع غرر سے بھی منع فرمایا ہے، اس لئے بھی بیع قبل القبض فی الجملہ درست نہ ہوگی (مجمع لا نہر فی شرح ملتقى الأبحر ۷/۷۹)۔

رہا یہ امر کہ بیع قبل القبض فاسد ہے یا باطل، تو احناف کے یہاں یہ بیع فاسد ہے، اور شوافع کے نزدیک باطل، الفقہ علی المذاهب الاربعہ میں ہے: ”الحنفية قالوا: من البيع الفاسد بيع الأعيان المنقولة قبل القبض“ (۲/۲۲۳)۔

مذکورہ بالا حوالہ کے اندر یہ بھی مذکور ہے: ”والشافعية قالوا: لا يصح للمشتري أن يتصرف في المبيع قبل قبضه..... فإذا اشترى شيئاً منقولاً كان أو غيره ولم يستلمه ثم باعه وقع البيع باطلاً“ (الفقہ علی المذاهب الاربعہ ۲/۲۲۳)۔

لیکن باعتبار مال کے دونوں قولوں میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ شوافع کے نزدیک فساد اور بطلان ایک ہی امر ہے: ”والفساد والباطل بمعنی واحد فی عقود البیع فکل فاسد باطل وبالعکس“ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۲۳)۔

بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق حدیث معلول بالعلۃ ہیں یا نہیں؟
بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، لیکن فقہاء کرام کے درمیان علت کے استخراج میں اختلاف ہے۔

(۱) حنفیہ کے نزدیک علت نہی: ”غور انفساخ العقد علی اعتبار الهلاک“ ہے (ہدایہ ۵۹/۳)۔

(۲) مالکیہ کے اس سلسلہ میں ہمیں دو قول ملتے ہیں:

۱۔ یہ کہ یہ احادیث معلول بالعلۃ ہیں۔

۲۔ یہ کہ یہ احادیث معلول بالعلۃ نہیں ہیں، بلکہ یہ ایک امر تعبدی ہے۔

بہر کیف نہی کی علت ان احادیث کے اندر مالکیہ کے یہاں عمال کی منفعت کا ضیاع اور بربادی ہے، جیسا کہ اسے علامہ جزیری نے ”الفقہ علی المذاہب الاربعہ“ میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

”وقد قيل في علة النهي: إن في قبضه منفعة للعمال إذ يتفعون بكيه وحمله ووزنه وغير ذلك بخلاف ما إذا بيع وهو عند صاحبه فإن ذلك يضيع تلك المنفعة وقيل: إنه أمر تعبدی“ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

قبضہ کی حقیقت:

حنفیہ کے یہاں قبضہ کی اصل اور حقیقت تمام اموال میں تخلیہ ہے، علامہ کاسانی ”بدائع الصنائع“ میں تحریر فرماتے ہیں: ”ثم لا خلاف بين أصحابنا أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال“ (بدائع ۵/۲۳۴)۔

تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع، بیع اور مشتری کے درمیان تمام موانع اور رکاوٹوں کو اس طور پر ختم کر دے کہ مشتری بیع کے اندر ہر طرح کے تصرف پر پوری طرح قادر ہو جائے، علامہ کا سائی نے تسلیم اور قبضہ کے مفہوم کی وضاحت ان لفظوں میں فرمائی ہے:

”أما تفسير التسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينها على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً له“ (بدائع ۲۴۴/۵)۔

صاحب ”بدائع“ کی اس عبارت سے یہ واضح ہو گیا کہ احناف کے نزدیک اصل حوالگی بیع، بائع کی طرف سے تخلیہ اور مشتری کی طرف سے تحلی ہے، ہاں تخلیہ کی نوعیت میں اختلاف ہو سکتا ہے، جبکہ بیع کے انواع میں اختلاف ہو، اور تخلیہ کی نوعیت، اس تبدیلی کا دار و مدار عرف و عادت پر محمول ہوگا، چنانچہ جس مقام پر جس طرح کے استیلاء کو وہاں کے عرف میں قبضہ سمجھا جاتا ہوگا، اسی کو اس معاملہ میں شرعاً قبضہ مانا جائے گا۔

علامہ شامیؒ بحر کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں: ”حاصله أن التخلية قبض حکما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع“ (شامی ۵۹/۲)۔

اور بدائع میں ہے: ”لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة حقيقة“ (بدائع ۱۳۸/۵)۔

تخلیہ سے متعلق شرطیں:

صاحب درمختار نے تخلیہ کیلئے تین شرطیں ذکر فرمائی ہیں جن کی طرف اشارہ ”بدائع“ کی مذکورہ بالا عبارت (۲۴۴/۵) میں بھی ہو چکا ہے، وہ شرطیں درمختار کے الفاظ میں یوں ہیں:

”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل وشرط في الأجناس شرطاً ثالثاً وهو أن يقول: خلعت بينك وبين

المبیع، فلو لم یقله أو كان بعيداً لم یصر قابضاً“ (در مختار مع الشامی ۵۹۲-۵۸)۔

در مختار کی عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ بیع کی تسلیم و سپردگی تخلیہ کی صورت میں اس وقت مکمل مانی جائے گی جبکہ مشتری بیع پر بلا کسی مانع اور حائل کے تصرف پر قادر ہو جائے، ”اجناس“ کے اندر ایک تیسری شرط یہ بھی لگائی ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ: ”خلیت بینک و بین المبیع“۔

چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس کے ذیل میں جو مثال پیش کی ہے وہ یہ کہ اگر مشتری نے کسی مکان کے اندر موجود گیارہوں خرید اور بائع نے اس مکان کی کنجی مشتری کے حوالہ کردی اور کہا کہ: ”خلیت بینک و بینہا“ تو اس صورت میں قبضہ نہیں ہوگا۔

تخلیہ کے اندر ”بلا مانع ولا حائل“ کی شرط کا مفہوم یہ ہے کہ بیع بالکل علیحدہ، الگ تھلگ اس انداز سے ہو کہ اس سے غیر کا حق متعلق نہ ہو ”(بأن یکون مفزاً غیر مشغول بحق غیرہ“ (شامی ۵۹۲)۔

چنانچہ اگر کسی نے گھر بیچا اور اسے مشتری کے حوالہ بھی کر دیا، لیکن اس مکان کے اندر تھوڑا یا زیادہ، بائع کا سامان موجود ہے، تو اس صورت میں بیع کی حوالگی اور تسلیم اس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ بائع اس مکان کو مکمل خالی نہ کر دے۔

الغرض شریعت نے قبضہ کی اصل اور حقیقت، تخلیہ کی شکل میں متعین کر دی ہے، لیکن اس کی نوعیت میں مکان اور بیع کے اختلاف کے باعث اختلاف ہو سکتا ہے، اور اس کا تعلق عرف اور عادت سے ہوگا، اس کی مختلف صورتوں کا ذکر علامہ شامیؒ نے ان لفظوں میں فرمایا ہے:

”ففی نحو حنطة فی بیت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمکنه الفتح بلا کلفة قبض، وفی نحو دار فالقدرة علی إغلاقها قبض، ونحو بقر فی مرعى فکونه بحیث یری ویشار إلیه قبض وفی نحو ثوب فکونه بحیث لو مد یدہ تصل إلیه قبض ... إلی غیر ذلک“ (شامی ۵۹۲)۔

اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت ایک ہوگی یا مختلف؟

احناف کے یہاں تمام اموال میں تسلیم قبضہ کی حقیقت ایک ہی ہے، یعنی تخلیہ و تحلی، لیکن تخلیہ کی نوعیت اشیاء منقولہ کے اندر بھی مختلف چیزوں میں مختلف ہو سکتی ہے، اور غیر منقولہ میں بھی حالات کے اعتبار سے مختلف ہوگی، جیسا کہ شامی کے حوالہ سے پہلے لکھا جا چکا ہے کہ بیع کے اختلاف سے تخلیہ کی صورتیں اور نوعیتیں مختلف ہوا کرتی ہیں ”لکن ذلک یختلف بحسب حال المبیع“، مثلاً کسی مکان کے اندر موجود گیموں خرید تو بائع کا مشتری کو اس مکان کی کنجی اس طور پر حوالہ کر دینا کہ وہ اس کو با کسی تردد کے کھول سکے، مشتری کے حق میں قبضہ مانا جائے گا، ”ففی نحو حنطۃ فی بیت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمکنه الفتح بلا کلفة قبض“ (شامی ۵۹/۲)۔

اور اگر کسی نے گھر خریدا اور بائع اس کی کنجی مشتری کو دیدے کہ وہ اس گھر کو بند کر سکے تو اس صورت میں مشتری کا کنجی پالینا ہی قبضہ ہوگا، بشرطیکہ وہ گھر اس شہر میں ہو، ”وفی نحو دار فالقدرة علی إغلاقها قبض ای بأن تكون فی البلد فیما یظهر“ (شامی ۵۹/۲)۔

مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہو گیا کہ بائع کی طرف سے حوالگی کی ایسی صورت سامنے آجائے، جس کے بعد مشتری بیع پر قابض و متصرف ہو سکے تو اس کی طرف سے تسلیم کی یہ صورت تخلیہ ہوگی اور مشتری کے حق تحلی یعنی قبضہ ہوگا، خواہ بیع منقول ہو یا غیر منقول، جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہوا۔

البتہ غیر منقول بیع کا جائے وقوع اگر بعید ہو تو قبضہ محض تخلیہ سے نہ ہوگا، شامی میں ہے: ”أما إذا كان بعيداً لا یتصور القبض فی الحال فلا تقام التخلية مقام القبض“ (۵۹/۲)۔

شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت:

شوافع اور حنابلہ کے یہاں بھی غیر منقولہ اشیاء کے اندر قبضہ تخلیہ ہی ہوتا ہے، چنانچہ

بدائع میں مذکور ہے: ”وقال الشافعي: القبض في الدار والعقار والشجرة بالتخلية“ (۲۴۴/۵)۔

اور مغنی میں علامہ ابن قدامہ حنبلی رقم طراز ہیں: ”وان كان مما لا ينقل ويحول فقبضه التخلية بينه وبين مشتريه لا حائل دونه“ (الغنی ۱۲۶/۴)۔

اور منقولہ اشیاء میں قبضہ ان حضرات کے یہاں مختلف شکل سے ہوا کرتا ہے، چنانچہ مغنی میں مذکور ہے: ”وقبض كل شيء بحسبه“ (۱۲۵/۴) اس لئے اگر بیع درہم و دینار کی ہو تو قبضہ کی صورت ”اخذ باليد“ یا ”تناول بالبراجم“ یعنی ہاتھ میں لینے سے ہوگی، اور اگر بیع کپڑا ہو، یا طعام ہو اور اسے مجازفتہ بیچا جائے تو قبضہ اس کے منتقل کرنے سے ہوگا، اور اگر حیوان ہو تو اسے اس کے مقام سے چلا کر قبضہ ہوگا، مغنی میں ہے: ”وان كان المبيع دراهم أو دنانير فتبضتها باليد وان كان ثياباً فقبضتها نقلها، وان كان حيواناً فقبضته تمشيته من مكانه“ (الغنی ۱۲۶/۴)۔

اور اگر بیع کیل یا وزن ہو اور بیع بھی کیل یا وزن کی گئی ہو تو قبضہ کیل و وزن سے ہوگا، جیسا کہ مغنی میں ہے: ”فان كان مكيلاً أو موزوناً بيع كيلاً ووزناً فقبضه بكيلاه ووزنه وبهذا قال الشافعي“ (الغنی ۱۲۵/۴)۔

۶۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار (۲) کو روانہ کر دیتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے، اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے، نہ خریدار (۲) پر، بلکہ یہ اس شخص یعنی خریدار (۱) کا نقصان قرار پاتا ہے۔۔۔۔۔ اس صورت معاملہ میں فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر اگرچہ حسی قبضہ نہیں ہوا،

لیکن اس کے ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام مان کر اس کی بیع و شراء کو درست اور جائز قرار دیا جائے گا۔ کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مفت مرکز

چاہئے، بشرطیکہ خریدار (۱) نے فیکٹری سے معاملہ اولاً طے کیا ہو، اور فیکٹری سے مال کی روانگی کے بعد خریدار (۲) سے معاملہ طے ہوا ہو، اس صورت میں خریدار (۱) کے حق میں تخلیہ مال کی روانگی کے بعد ثابت ہو جائے گا، جو قبضہ کی اساس و بنیاد ہے، تخلیہ کے حصول کے بعد خریدار (۱) کا بیع کے اندر تصرف صحیح ہوگا، اس لئے اس کی بیع خریدار (۲) کے حق میں درست ہوگی، خصوصاً جبکہ وہ ضمان بھی قبول کر رہا ہے۔

رہا مذکورہ بالا صورت معاملہ میں تخلیہ سے قبضہ کا ثبوت، تو بدائع میں مذکور ہے کہ:

”فتسليم المبيع الى المشتري هو جعل المبيع سالماً للمشتري أى خالصاً له بحيث لا ينازعه فيه غيره وهذا يحصل بالتخلية، فكانت التخلية تسليماً من البائع والتخلي قبضاً من المشتري“ (بدائع ۲۴۴/۵)۔

مذکورہ بالا صورت معاملہ میں فیکٹری سے مال کی روانگی بائع کی طرف سے تسلیم بیع یعنی تخلیہ پایا گیا، اور بیع کی یہ سپردگی مشتری کے حق میں تخلی یعنی قبضہ متصور ہوگی۔

اور ”بدائع“ میں یہ بھی مذکور ہے: ”حتى لو اشترى مدروعاً مذارعة أو معدوداً معاددة ووجدت التخلية تخرج عن ضمان البائع ويجوز له بيعه والانتفاع به قبل الزرع والعد بلا خلاف، وإن كان مما له مثل، فإن باعه مجازفة فكذا“ (بدائع ۲۴۶/۵)۔

مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں فیکٹری سے خریدار ہوا مال، خواہ مثلی ہو یا غیر مثلی، دونوں صورتوں میں تخلیہ کی بنیاد پر، مشتری کے قبضہ میں ہو جائے گا، مذکورہ بالا صورت معاملہ میں فیکٹری کی طرف سے مال کی روانگی تخلیہ مانی جائے گی، اور بیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی، اور یہاں تو مشتری خود بخود ہی ضمان قبول کر رہا ہے، اس لئے مشتری کا اس بیع کو ناپنے اور شمار کرنے سے پہلے اس سے انتفاع اور اس کی بیع درست ہوگی۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ بائع کا بیع کے اندر مشتری کے امر سے کوئی بھی تصرف کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

مشتري ہی کا تصرف مانا جاتا ہے، اس لئے اس صورت معاملہ میں بائع کا مشتري کے امر سے فیکٹری سے مال کو روانہ کرنا خود اس کے قبضہ کے مترادف ہوگا، بدائع میں ہے: ”و کذلک لو فعل البائع شینا من ذلک بأمر المشتري؛ لأن فعله بأمر المشتري بمنزلة فعل المشتري بنفسه“ (بدائع ۲۳۶/۵)۔

مذکورہ بالا پوری بحث سے یہ امر واضح ہو گیا کہ مشتري اول کا مشتري ثانی کو مذکورہ بالا صورت معاملہ میں مال کو فروخت کرنا درست ہوگا۔

۷۔ وہ صورت معاملہ جس میں بین الاقوامی تجارت میں شیپنگ کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مال مشتري تک پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جاتا ہے تو بائع اس کا ضمان نہیں لیتا۔

تو اس صورت معاملہ میں چونکہ بائع کی طرف سے تسلیم بیع پایا گیا اور وہ یہاں پر مال کی شیپنگ ہے، اس لئے اس صورت میں بائع کا فارغ الذمہ ہونا ہی قرین قیاس ہے، اور یہ بیع بھی درست ہوگی، کیونکہ بائع کی طرف سے بیع کی تسلیم بصورت شیپنگ موجود ہے۔

اب اگر یہ مشتري اس مال کو اپنے ضمان میں لے لیتا اور پھر کسی کے ہاتھ اسے فروخت کرتا تو یہ بیع بھی درست مانی جاتی، لیکن یہاں صورت معاملہ اس کے برعکس ہے، کیونکہ مشتري اول جواب بیع کر رہا ہے، وہ مال کو سمندر میں رہتے ہوئے، بغیر ضمان لئے ہوئے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے، تو بیع کی یہ صورت جائز نہ ہوگی، کیونکہ یہ ”ربح مالم یضمن“ کی شکل بن رہی ہے جو کہ منہی عنہ ہے اور منہی عنہ فساد عقد کی مقتضی ہے، ”سبل السلام“ میں یہ روایت ہے:

”عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضى الله عنهما قال : قال رسول الله ﷺ : لا يحل سلف وبيع، ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم یضمن، ولا بیع ما لیس عندک“ (سبل السلام ۸۰۹/۳)۔

علامہ صنعانی ”ولا ربح ما لم یضمن“ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں: ”قیل

«ما لم يقبض لأن السلعة قبل قبضها ليست في ضمان المشتري إذا تلفت ، تلفت من مال البائع»۔

اور یہاں صورتحال اس کے برعکس ہے، وہ یہ کہ مشتری اول سمندر میں موجود مال کو مشتری ثانی تک پہنچنے کا ضمان قبول کئے بغیر بیع کر رہا ہے، اس لئے یہ بیع ناجائز ہوگی۔

☆☆☆

قبضہ سے پہلے بیع و شراء کے مسائل

مولانا ظفر عالم ندوی مدظلہ

۱۔ بیع کے سلسلہ میں جو اصولی احکام ہیں ان پر غور کرنے اور بعض فقہی نصوص کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا شمار بیع فاسد میں ہوگا، کیونکہ جب بیع کے ارکان موجود ہوں اور عوضین موجود ہوں تو بیع کا وجود ہو جاتا ہے، البتہ اس بیع کو قبضہ سے قبل فروخت کر دینے میں معاملہ علی الخطر ہو جاتا ہے کہ آیا اس کا حصول ہو یا نہ ہو، اس بنا پر اس میں فساد پیدا ہو جائے گا، پھر یہ کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلہ میں نصوص شرعیہ میں جو نہیں وارد ہے، وہ فساد کو ثابت کرتی ہے، ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے اپنی مشہور تصنیف ”الفقہ الاسلامی وادلثہ“ میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو بیع فاسد کی فہرست میں شمار کرایا ہے، اور لکھا ہے:

”لا يجوز التصرف في المبيع المنقول قبل القبض؛ لأن النبي ﷺ

نهی عن بیع مالہ یقبض والنہی یوجب فساد المنہی عنہ“ (ابوداؤد، الفقہ الاسلامی وادلثہ ۴/۳۷۳)۔

(ایسی بیع جو منقول ہو قبضہ سے پہلے اس میں تصرف جائز نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسی چیز کی بیع سے روک دیا ہے جس پر قبضہ نہ ہوا ہو، اور نبی منی عنہ کے فساد کو ثابت کرتا ہے)۔

۲۔ قبضہ کی کوئی خاص حقیقت غالباً کتاب وسنت میں بیان نہیں کی گئی ہے، البتہ کتب فقہ کے مطالعہ سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ احناف کے یہاں ایسا تخلیہ جو بلا مانع اور بلا حائل ہو قبضہ ہے، اس سلسلے میں نا چیز کا خیال ہے کہ قبضہ کا تعلق عرف و رواج ہی سے ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس طرح کا استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا۔ علامہ کاسائی نے ”بدائع الصنائع“ میں ایک مسئلہ کے ضمن میں قبضہ کے مفہوم کو مختصر ذکر کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ موصوف کے نزدیک قبضہ میں اصل معیار عرف ہی ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

”ولا يشترط بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكن والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً و عادة حقيقة“ (بدائع الصنائع ۳/۱۳۸)۔

اور انگریزوں سے پکڑنے کی شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کا مطلب دراصل تمکین، تخلیہ اور موانع کو دور کرنا ہے اور یہ عرف و عادات اور حقیقت کے مطابق ہو۔

علامہ شامی نے تسلیم اور قبضہ کی تفصیلات ذکر کرنے کے بعد جو حاصل بحث لکھا ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شریعت اسلامی میں قبضہ کی کوئی خاص شکل اور حقیقت متعین نہیں ہے بلکہ عرف میں جس چیز پر جس درجے کے عمل دخل حاصل ہونے کو قبضہ سمجھا جاتا ہو شرعاً بھی وہی قبضہ تصور کیا جائے گا۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں:

”حاصله: أن التخلية قبض حکما لو مع القدرة عليه بلا كلفة، لكن ذلك بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أي بأن تكون في البلد فما يظهر، وفي نحو بقر في مرعى، فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض، وفي نحو ثوب، فكونه بحيث لو مدة تصل إليه قبض، وفي

نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض“ (رد المحتار ۳/۱۵۶)۔
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

(خلاصہ یہ کہ تخلیہ حکماً قبضہ ہے اگر بلا تکلف اس پر قدرت حاصل ہو، البتہ یہ بیع کے حسب حال ہوگا، پس گیہوں جیسی چیز اگر کسی مکان واسٹور میں ہو تو کنجی کا دے دینا، جبکہ بلا کسی وقت کے کھولنا ممکن ہو تو یہ قبضہ تصور کیا جائے گا، مکان جیسی چیزوں میں قبضہ یہ ہے کہ اس کے بند کر دینے اور تالا لگا دینے پر قدرت حاصل ہو جائے، گائے جو چراگاہ میں ہو اگر اس کو دکھا دیا جائے یا اشارہ کر دیا گیا تو یہ قبضہ ہے، کپڑا اگر اس طرح پھیلا دیا گیا کہ اس تک پہنچ جائے تو یہ قبضہ ہے، گھوڑے یا پرندے اگر گھر میں ہوں، بلا کسی تعین کے ان کی گرفت یا ان کو حاصل کرنا آسان اور ممکن ہو تو یہ قبضہ ہے)۔

علامہ شامیؒ کے بیان سے جو خاص بات معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ بیع کے حسب حال قبضہ کا تصور ہوگا۔ علامہ ابن قدامہؒ نے ”المغنی“ میں حنابلہ کا جو مسلک بیان کیا ہے اس میں صاف وضاحت ہے کہ قبضہ کے سلسلے میں عرف درواج ہی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

”قبض کل شیء بحسبه فان كان مكيلا أو موزونا فقبضه بكيلاه و وزنه
أي أنه يجب الرجوع في قبض إلى العرف“ (المغنی ۳/۱۱۱)۔

(ہر چیز کا قبضہ اس کے حسب حال ہوگا، اگر مکلی ہے تو کیل کرے یا موزونی ہے تو وزن کرے اس پر قبضہ ہوگا، یعنی قبضہ کے سلسلہ میں عرف کی طرف رجوع کیا جائے گا)۔

اسی طرح مالکیہ اور شافعیہ کے یہاں قبضہ کے سلسلہ میں صراحت موجود ہے کہ لوگوں کے درمیان قبضہ کا جو عرف جاری ہو اسی کا اعتبار کیا جائے گا۔

”وقبض المنقول كالأمتعة والأنعام والدواب بحسب العرف الجاري
بين الناس“ (المجوع ۳۰۱/۹، المہذب ۲/۲۶۳)۔

اشیاء منقولہ مثلاً سامان، جانور، چوپائے کا قبضہ اس عرف کے مطابق ہوگا جو لوگوں میں جاری ہو۔

مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہے کہ شریعت اسلامی میں کتاب و سنت میں قبضہ کی کوئی خاص کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

شکل متعین نہیں ہے، لہذا لوگوں کے عرف میں جس چیز پر جس درجہ کے تسلط اور عمل دخل کو قبضہ سمجھا جاتا ہے شرع میں بھی وہی قبضہ مانا جائے گا۔

۳۔ علامہ شامیؒ کی اوپر درج شدہ عبارت ”ذلک بحسب حال المبيع“ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء منقولہ وغیرہ منقولہ کی نوعیت سے قبضہ کی صورتوں میں فرق ہوگا۔ مالکیت اور شافعیہ نے اشیاء منقولہ وغیرہ منقولہ کے قبضہ میں فرق بیان کیا ہے:

”قبض العقار كالأرض والبناء ونحوهما يكون بالتخلية بين المبيع وبين المشتري و تمكنه من التصرف فيه بتسليم المفاتيح إن وجدت و قبض المنقول كالأمتعة و الأنعام والدواب بحسب العرف الجاري بين الناس“ (الفقه الاسلامی و آدابہ ص ۴۳۷)۔

(زمین اور مکان جیسی چیزوں کا قبضہ دراصل بیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ اور اس میں تصرف پر قدرت حاصل ہونا ہے، اگر کنجیاں ہوں تو مکان کی کنجیاں سپرد کر دینا قبضہ ہے، اور منقول، جیسے سامان، جانور اور چوپائے کا قبضہ اس عرف کے مطابق ہوگا جو لوگوں میں جاری ہو)۔

اس سلسلے میں علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے بہت ہی واضح طور پر لکھا ہے جس سے مسئلہ کی پوری نوعیت سامنے آ جاتی ہے، علامہ موصوفؒ ”شرح الوجیز للرافعی“ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

”قال العبد الضعيف : وفي ”شرح الوجيز“ للرافعي ما نصه في بيان أن القبض بم يحصل؟ فينظر إن كان المبيع مما لا ينقل كالدار والأرض فقبضه بالتخلية بينه وبين المشتري و تمكنه من اليد والتصرف ، وإن كان المبيع من المنقولات فالمذهب المشهور وبه قال أحمد: إنه لا يكفي فيه التخلية؛ بل لابد من النقل والتحويل. وقال مالك وأبو حنيفة: إنه يكفي فيه التخلية كما في العقار، وعن رواية حرملة قول مثله، وفيه وجه آخر: أن

التخلية كافية لنقل الضمان إلى المشتري غير كافية للتسلط على التصرف.

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

الحالة الثانية: أن يباع الشيء مع اعتبار تقدير فيه، كما إذا اشترى ثوبا أو أرضا مدارعة أو متاعا موازنة، أو صبرة حنطة مكايلة أو معدودا بالعدد فلا يكفى للقبض ما مر في الحالة الأولى، بل لابد مع ذلك من الذرع أو الوزن أو الكيل أو العدد“ (اعلاء السنن ۱۳/۲۳۱)۔

(امام رافعیؒ نے شرح الوجیز میں جو صراحت کی ہے کہ قبضہ کس طرح ہوا کرتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ غور کیا جائے گا اگر بیع اشیاء منقولہ میں سے نہ ہو، مثلاً گھر اور زمین ہو تو ان پر قبضہ بیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ کرنے اور تصرف پر قدرت حاصل کر دینے سے ہوتا ہے، اور اگر بیع اشیاء منقولہ میں سے ہو تو مشہور قول اور مسلک یہ ہے کہ صرف تخلیہ کافی نہیں، بلکہ نقل اور تحویل بھی ضروری ہے، یہی خیال امام احمدؒ کا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اشیاء منقولہ میں بھی تخلیہ کافی ہے جیسا کہ عقار میں ہے۔ اور حرمہ سے اسی طرح کا قول منقول ہے، اور اس میں ایک دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ تخلیہ کافی ہے ضمان کے نقل ہونے کی وجہ سے مشتری کی طرف، اور ناکافی ہے تصرف پر قادر ہونے کے اعتبار سے۔

دوسری حالت یہ ہے کہ اشیاء فروخت کی جائیں اس میزان کے اعتبار سے جو ان میں معتبر ہیں، مثلاً کپڑے یا زمین کو پیمائش کے اعتبار سے، گیہوں کے ڈھیر کو کیل کے اعتبار سے یا معدودی اشیاء کو عدد کے اعتبار سے، تو ان میں قبضہ کے لئے وہ چیز کافی نہیں جو پہلی صورت میں گذری، بلکہ یہاں پیمائش کرنا، وزن یا کیل کرنا یا گننا ضروری ہے، جب ہی قبضہ کا تصور ہوگا)۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہیں سے متعلق جو احادیث ہیں وہ معلول بالعلۃ ہیں، عام طور پر مجتہدین نے علت نہیں غرر کو بتایا ہے۔ محقق علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

”إن أبا حنيفة وأبا يوسف خصا النصوص المنقول بعلۃ النهی وهو غرر انفساخ العقد بالهلاك قبل القبض، و محمد أجراها على عمومها، والشافعي

خصہا بما لم یکن متمیزا و هو اختلاف الاجتهاد“ (اعلاء السنن ۱۳/۲۲۳)۔

(امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے نصوص کو نبی کی علت کے ساتھ خاص کیا ہے اور یہ علت دراصل قبضہ سے قبل ہلاک ہونے کی وجہ سے عقد کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے، اور امام محمدؒ نے ان نصوص کو عموم پر چھوڑ دیا ہے، اور امام شافعیؒ نے ایسی چیزوں کے ساتھ خاص کیا ہے جو متمیز و ممتاز نہ ہو، اور یہ اختلاف اجتہادی ہے)۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی نے احناف کے مسلک پر روشنی ڈالتے ہوئے آخر میں لکھا ہے:

”والخلاصة أن العلة عند الحنفية في عدم جواز بيع الشيء قبل قبضه

هي الغرر“ (الفقه الاسلامي وادلته ۴/۳۷۷)۔

(خلاصہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے عدم جواز میں حنفیہ کے نزدیک

علت غرر ہے)۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی صورت میں تمام اشیاء کی بیع کو ممنوع قرار نہیں دیا، بلکہ جہاں علت نبی پائی جاتی ہے وہاں ممنوع ہے اور جہاں علت نہیں پائی جاتی ہے وہاں ممنوع نہیں۔ مثلاً احناف میں امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے عقار کی بیع کو قبل القبض جائز قرار دیا ہے، اور وجہ جواز یہی بیان فرمایا ہے کہ اس میں غرر نہیں ہے:

”أما العقار كالأراضي والدور فيجوز بيعه قبل القبض عند أبي حنيفة

وأبي يوسف استحسانا... ولا غرر في العقار إذ لا يتوهم هلاك العقار ولا

يخاف تغييره غالبا بعد وقوع البيع وقبل القبض أن تلف العقار غير محتمل فلا

يتقرر الغرر“ (المبسوط ۸/۱۳، بدائع الصنائع ۵/۲۳۴، فتح القدير ۵/۲۶۴)۔

عقار مثلاً زمین اور مکان ان کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک استحساناً جائز ہے، اور عقار میں غرر نہیں ہے، کیونکہ عقار کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہی نہیں اور نہ ہی بیع ہونے کے بعد تبدیلی اور تغیر کا اندیشہ ہے، قبضہ سے قبل تلف ہونے کا اندیشہ نہیں ہے، اس لئے غرر ثابت نہیں ہے)۔

البتہ مالکیہ کے نزدیک علت نہی ”ربا النسیئہ“ ہے، ان کے نزدیک طعام کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت درست نہیں ہے، اور طعام کے علاوہ اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے۔

”وقال المالکیۃ: لا یجوز بیع الطعام قبل القبض ربویا کان أو غیر ربوی لحديث ابن عباس و ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یقبضه“ (مجمع الزوائد ۹۸/۴، نیل الأوطار ۵/۱۵۸)۔

(مالکیہ نے کہا کہ طعام کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے، خواہ وہ طعام اموال ربویہ میں سے ہو یا نہ ہو، اور یہ عدم جواز ابن عباسؓ و ابن عمرؓ کی روایت کی وجہ سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے طعام خرید و اوہ اس کو نہ فروخت کرے تا آنکہ اس پر قبضہ نہ کر لے)۔

”وأما سوی ذلك أو بیع الطعام جزافا، فیجوز بیعه قبل قبضه لغلبة تغیر الطعام بخلاف ما سواه والعلة فی منع بیع الطعام قبل قبضه عند المالکیۃ هی أنه قد یتخذ البیع ذریعة للتوصل إلی ربا النسیۃ، فهو شبیه بیع الطعام بالطعام نساء فیحرم سدا للذرائع“ (الفقه الاسلامی وادلتہ ۴/۷۶)۔

(اور اس کے علاوہ میں یا طعام کی بیع اٹکل سے ہو تو قبضہ سے قبل جائز ہے تغیر طعام کے غلبہ کی وجہ سے، برخلاف اس کے علاوہ اشیاء میں۔ مالکیہ کے نزدیک علت نہی یہ ہے کہ یہ بیع ربا النسیئہ تک پہنچنے کا ذریعہ بن رہی ہے، اس لئے یہ بیع الطعام یا طعام نسیئہ کے ہم مشابہ ہے، جو سدا للذریعہ حرام ہے)۔

احناف ہی کی طرح حنابلہ نے بھی علت نہی غرر کو مانا ہے، البتہ مکملی، موزونی اور معدودی اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا ہے:

”قال الحنابلۃ: لا یجوز بیع الطعام قبل قبضه إذا کان مکیلا أو موزونا

او معدودا، وأما عدا المكيل والموزون والمعدود فيصح قبل قبضه، فالعلة عنده الغرر“ (حوالہ سابق ۴/۳۷۷)۔

(حنابلہ نے کہا ہے کہ طعام کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ مکمل یا موزون یا عددی ہو، اگر مکمل، موزون یا عددی کے علاوہ ہو تو اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے، علت نہی ان کے نزدیک غرر ہے)۔
خلاصہ یہ کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق جو روایات ہیں وہ معلول بالعلۃ ہیں۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کے عموم و تخصیص کے سلسلے میں ائمہ کی رائیں مختلف ہیں، حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی ممانعت عام ہے، مہذب میں ہے:
”قال الشافعي: لا يجوز بيع مال مستقر ملكه عليه مطلقا قبل قبضه عقارا كان او منقولا لعموم النهي عن بيع مال يقبض“ (المہذب ۱/۲۶۳)۔

(امام شافعیؒ نے فرمایا کہ جس چیز میں ملکیت ثابت نہ ہو جائے اس کی بیع جائز نہیں ہے قبضہ سے قبل، خواہ عقار ہو یا منقول ہو، روایت میں نہی کے عموم کی وجہ سے)۔
امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے اس ممانعت سے عقار کی بیع کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور اسے جائز قرار دیا ہے، ان کے نزدیک ممانعت عام نہیں ہے (بدائع الصنائع ۵/۲۳۴)۔ اسی طرح امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک ممنوع عام نہیں ہے، بلکہ بعض اشیاء کو تفصیل سے فرمایا ہے جس سے مسئلہ کی پوری نوعیت واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے، میں یہاں امام نوویؒ ہی کی بحث کو نقل کرنا زیادہ مفید سمجھتا ہوں، علامہ موصوف لکھتے ہیں:

ترجمہ: ہم نے بیان کیا ہے کہ ہمارا مسلک اس کے بطلان کا ہے، خواہ طعام ہو یا غیر طعام ہو، یہی بات ابن عباسؓ سے بھی ثابت ہے، اور امام محمدؒ بھی یہی کہتے ہیں، ابن المنذر نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس شخص نے طعام خرید تو اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اسے

بیچ دے، تا آنکہ اس پر قبضہ نہ کر لے، اور غیر طعام کے سلسلہ میں فقہاء کے چار مذاہب ہیں: ایک یہ کہ کسی چیز کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں ہے، خواہ بیع جس قبیل سے ہو، جس طرح طعام میں جائز نہیں ہے، یہ قول امام شافعی و امام محمد کا ہے۔ دوسرا مذاہب یہ ہے کہ سوائے ملکیتی و موزونی کے تمام اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے، یہ قول عثمان بن عفان، سعید بن مسیب اور دیگر حضرات کا ہے۔ تیسرا مذاہب یہ ہے کہ سوائے گھر اور زمین کے دیگر تمام چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے، یہ قول امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے۔ چوتھا مذاہب یہ ہے کہ سوائے ماکولات و مشروبات کے تمام چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے، یہ قول امام مالکؒ، ابو ثورؒ کا ہے۔ ابن المذکر کا خیال یہ ہے کہ یہی قول سب سے زیادہ صحیح ہے، اس حدیث کی بنا پر کہ حضور ﷺ نے طعام کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے منع فرمادیا ہے، امام مالکؒ اور ان کے موافقین نے ابن عمرؓ کی روایت سے استدلال کیا ہے: ”من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یقبضہ“، اور ابن عباسؓ کی روایت کو بھی مستدل بنایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس چیز کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے منع فرمایا وہ طعام ہے۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ ان روایات میں جو طعام کی صراحت ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر طعام کا حکم اس کے برعکس ہے۔ ہمارے اسحاب شوافع نے حکیم بن خزام کی روایت سے استدلال کیا ہے: ”لا تبع مالہم تقبضہ“۔ یہی زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ سامان وہاں نہ خریدا جائے جہاں فروخت ہوا ہے تا آنکہ تجار اپنے گھروں میں اسے جمع نہ کر لیں، امام ابو داؤد نے اس روایت کو نقل کیا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے نصوص کے اطلاق سے استدلال کیا ہے، اور اس سے کہ عقار کے تلف ہونے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، برخلاف غیر عقار کے... یہ پوری بحث امام نوویؒ کی کتاب شرح المہذب سے تلخیص کے ساتھ نقل کی گئی ہے (شرح مہذب ۱/۹، ۲/۲۷، ۲/۲۸)۔

۶۔ اس صورت میں ضمان کو قبضہ حسی کے قائم مقام قرار دیا جائے گا اور اس طرح کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ عرف میں بھی اسے قبضہ ہی تصور کیا جاتا ہے، اور یہ ایسا

عرف ہے جو شخص شارع سے متصادم بھی نہیں ہے، لہذا اس کے جواز میں کوئی تردد نہیں ہے۔
 ۷۔ جہاز پر لدا ہوا مال جو ابھی سمندر ہی میں ہو اور مشتری اول نے ابھی اسے وصول بھی نہ کیا ہو اس مال کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دینا یا تیسرے شخص کا اس مال کو خریدنا شرعاً جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ معاملہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممنوع صورت میں داخل ہے، اور فقہاء نے یہ صراحت کر دی ہے کہ اشیاء منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔



قبضہ سے پہلے ہونے والی خرید و فروخت کا شرعی حکم

مولانا محمد عزیز الحق قادری

۱۔ بیع قبل القبض شریعت کی روشنی میں:

حدیث اور فقہ و فتاویٰ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ”بیع قبل القبض“ ناجائز ہے، کیونکہ حدیث میں عتاب بن اسید کا واقعہ لکھا ہے کہ جب انہیں مکہ کا امیر بنا کر بھیجا جا رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جاؤ بیت اللہ والوں کی طرف اور انہیں چار چیزوں سے روکو، ان میں سے پہلی چیز قبل القبض ہے“ (فتح القدیر ۶/۱۳۶)۔

اور ”مشکوٰۃ شریف“ میں یہ حدیث ہے: ”قال رسول اللہ ﷺ: من ابتاع طعاماً فلا یبعہ حتی یستوفیہ“، اور اس کے آگے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول مذکور ہے کہ ”اما الذی نہی عنہ النبی ﷺ فهو الطعام ان یباع حتی یقبض، قال ابن عباس: ولا احسب کل شیء الا مثله“ (مشکوٰۃ ۷/۲۴۷)۔

اور اس کے علاوہ مختلف محدثین نے اپنی اپنی تالیفات میں بہت سی دوسری احادیث نقل کی ہیں جن سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ”بیع قبل القبض“ درست نہیں ہے۔

علامہ برہان الدین نے بھی ایسی عبارت درج فرمائی ہے جن سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض ناجائز ہے (ہدایہ مع الفتح ۶/۳۵۱، البحر الرائق ۶/۱۱۶)۔ چنانچہ اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اشیاء جسے منتقل کرنا ممکن ہو قبضہ سے قبل فروخت کرنا ناجائز نہیں ہے۔

ہدایہ کے مذکورہ بالا اقتباس سے جہاں یہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ منقولہ اشیاء کی خرید و

فروخت قبضہ سے قبل ناجائز ہے وہیں یہ بھی سمجھ میں آرہا ہے کہ غیر منقولہ اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہے، جیسے زمین۔

حضرت امام محمدؒ کی رائے اس کے متعلق بھی یہی ہے کہ قبضہ سے قبل اس کا فروخت کرنا جائز نہیں، ان کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں مطلقاً غیر مقبوضہ اشیاء کی بیع سے منع کیا گیا ہے، لہذا حدیث اپنے اطلاق کی وجہ سے تمام اشیاء غیر مقبوضہ کی بیع کو شامل ہوگی، خواہ وہ شی از قبیل منقولات ہو، یا غیر منقولات، سب کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہوگی۔

لیکن حضرات شیخینؒ کی رائے ہے کہ حدیث تمام اشیاء کو عام نہیں ہے، بلکہ صرف منقولہ اشیاء کا حکم حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، اور وہ اشیاء جو غیر منقولہ ہیں اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہوگی، ان کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ حدیث مذکور معلل بعلت ہے، یعنی شبہ ”غرر“ لہذا جہاں کہیں یہ علت ہوگی، ”بیع قبل القبض“ ناجائز اور جہاں علت معدوم وہاں ”بیع قبل القبض“ جائز ہوگی (البحر الرائق ۱۱۶/۶)، علامہ شامیؒ نے بھی یہ تفصیل ذکر فرمائی ہے، چنانچہ انہوں نے جو فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ:

بروہشی جو نقل نہ کی جاسکتی ہو اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہوگی، لیکن جو منتقل کی جاسکتی ہو اس کی بیع قبضہ سے قبل درست نہیں ہے، عبارت اس طرح ہے:

”صح بیع عقار لا یخشی ہلاکہ قبل قبضہ من بانعہ لعدم الغرر لندرة ہلاک العفار حتی لو کان علوا او علی شط نہر ونحوہ کان کمقول فلا یصح اتفاقا ککتابۃ وإجارۃ وبیع منقول قبل قبضہ“ (در مختار ۲/۲۲۳)۔

مذکورہ عبارت سے یہ بھی سمجھ میں آرہا ہے کہ ”بیع قبل القبض“ کے جائز و ناجائز ہونے کا مدار منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء ہونے پر نہیں ہے، بلکہ بنیادی بات یہ ہے کہ بروہ میج جس پر مشتری ثانی یا ثالث کی ملکیت اور قبضہ متحقق ہونے سے قبل اس میج کا ہلاک ہونا نادر ہو، خواہ یہ ندرت کسی وجہ سے بھی ہو اس کی بیع قبضہ سے قبل جائز ہوگی، خواہ وہ منقولہ ہی کیوں نہ ہو، اور بروہ

شی جس پر مشتری ثانی کی ملکیت و قبضہ سے قبل ہلاک ہونا اکثر ہو تو اس کی بیع قبضہ سے قبل درست نہیں ہے۔

بیع قبل القبض باطل ہے یا فاسد:

وہ اشیاء کہ جن کی بیع قبضہ سے قبل ناجائز ہے تو اگر کہیں اس قسم کی بیع کا تحقق ہو تو اسے باطل کہا جائے گا، یا فاسد، یا مکروہ؟

فقہاء محققین نے بیع منہی عنہ کی عموماً تین قسم ذکر فرمائی ہے: باطل، فاسد اور مکروہ۔

فاسد وہ بیع ہے جو اپنے اصل کے اعتبار سے صحیح اور وصف کے اعتبار سے غیر مشروع ہو، اور باطل وہ بیع ہے جو اصل و وصف دونوں اعتبار سے غیر مشروع ہو، اور مکروہ وہ بیع ہے جو اصل و وصف دونوں اعتبار سے مشروع ہو، لیکن کسی شی مجاور کی وجہ سے اس قسم کی بیع سے روک دیا ہو، جیسے بیع بوقت اذان جمعہ کہ ایسی بیع اپنے اصل و وصف کے اعتبار سے مشروع ہے لیکن ”سعی الی الجمعہ“ جو واجب ہے، کا چونکہ ترک لازم آتا ہے اس لئے ایسی بیع مکروہ ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اگر ”سعی الی الجمعہ“ کا ترک لازم نہ آوے اور بیع بھی ہو رہی ہو تو باتفاق فقہاء اس میں کوئی حرج و کراہت نہیں ہے، جیسے بائع اور مشتری کسی کشتی میں سوار ہو کر جامع مسجد کی طرف جارہے ہوں اور درمیان راہ بیع بھی ہو رہی ہو تو یہ جائز ہوگی (نور الانوار ۶۲)۔

بیع باطل اور فاسد میں فرق و امتیاز اس طرح آسان ہوگا کہ عوضین میں سے کوئی ایک یا دونوں موجودہ شریعت یا سابقہ شریعت میں مال نہ ہو تو بیع باطل ہوگی، جیسے مردار اور خون کی بیع، لیکن اگر عوضین میں سے کوئی ایک سابقہ شریعت میں مال تو تھا، لیکن موجودہ شریعت میں مال نہیں ہے اور اسے کسی ایسی شی کے ذریعہ فروخت کیا جا رہا ہے جو اموال کے قبیل سے ہے اثمان کے قبیل سے نہ ہو تو ایسی بیع فاسد ہوگی، اور اگر اس کا عکس ہو، یا اثمان کے ذریعہ خرید اجارہ ہو تو یہ بیع باطل ہوگی (رد المحتار ۴/۱۳۸)۔

ترجمہ: فاسد کی حقیقت اور فرق واضح ہو جانے کے بعد یہ فیصلہ آسان ہو گیا، چنانچہ کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

”بیع قبل القبض“ میں عاقدین اہل ہوں، اور عوضین میں سے ہر ایک موجودہ شریعت میں مال ہے تو ایسی بیع فاسد ہوگی، اور اگر ایسا نہ ہو، بلکہ اس کے خلاف ہو تو ایسی بیع باطل ہوگی، چنانچہ متقدمین بزرگوں نے بھی اسی تفصیل کے مطابق ”بیع قبل القبض“ کو فاسد و باطل قرار دیا ہے، ”شرح عنایہ حاشیہ فتح القدیر“ میں عبارت اس طرح درج ہے:

”والنهی يقتضی الفساد، فیکون البیع فاسداً قبل القبض“ (فتح القدیر ۱۳۷۶) اور در مختار کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ ”بیع قبل القبض“ باطل ہے، عبارت اس طرح ہے: ”بخلاف بیعہ قبلہ فإنہ باطل مطلقاً“ (در مختار ۲۲۵/۳)، اور ”الجوہرۃ النیرۃ“ کی عبارت سے بھی یہی سمجھ میں آرہا ہے، عبارت ملاحظہ ہو: ”لا یجوز بیعہ قبل القبض لا من بائعہ ولا من غیرہ فإن باعہ، فالبیع الثانی باطل والبیع الأول علی حالہ جائز“ (۲۱۰/۱)۔

مذکورہ دونوں عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ”بیع قبل القبض“ باطل ہے، لیکن اصل وہی ہے جو بحوالہ ”فتح القدیر“ اوپر ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ حدیث میں صحت بیع کی جو نفی ہے وہ گرچہ باطل اور فاسد دونوں قسم کو شامل ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ ایسی بیع فاسد ہے، باطل تو اس صورت میں ہوتی جب عوضین میں سے کوئی ایک مال ہی نہ ہوتا، اور یہاں مفروضہ مسئلہ میں عوضین میں سے ہر ایک مال کا ہونا فرض کیا گیا، ہے اور عاقدین اہلیت بھی رکھتے ہوں، صرف منع شبہ ”غرر“ کی وجہ سے کیا گیا ہے، اور متقدمین نے جو باطل قرار دیا ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ بیع فاسد ہوگی، باطل نہیں، اور علامہ شامیؒ نے یہی محاکمہ بھی فرمایا ہے کہ باطل سے فاسد ہی مراد ہے باطل نہیں، عبارت اس طرح ہے: ”الواقع فی المتن یحتملہما ای یحتمل البطلان والفساد والظاهر الثانی“، ”لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركنی البیع وکثیراً ما یطلق علی الفساد“ (رد المحتار ۲۲۶/۳)۔

۲- قبضہ کی حقیقت:

قبضہ باعتبار لغت: ”قبض قبضاً الشئ وعلی الشئ“ کسی شئی کو پکڑنا، قبضہ میں

لینا اور سیننا وغیرہ، اور اسلامی شریعت میں قبضہ کا حاصل یہ ہے، مالک اموال اپنی ملکیت سے اس طرح دست بردار ہو جائے اور علاحدہ ہو جائے کہ وہ شئی کسی شئی کے ساتھ نہ مشغول ہو اور نہ وہ شئی مالک اول کے کسی چیز کے ساتھ متصل ہو اور غیر کا اس پر استیلاء ہو جائے، نیز مالک اول ان باتوں کو اپنی زبان سے ظاہر بھی کر رہا ہو کہ میں نے مال تمہارے حوالہ کیا، جیسا کہ ”در مختار“ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، عبارت اس طرح ہے: ”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع و حائل و شرط في الأجناس شرطاً ثالثاً وهو أن يقول: خلّيت بينك وبين المبيع“ (در مختار ۵۸/۳)۔

علامہ ابن نجیم مصری نے قبضہ کی حقیقت جو ذکر فرمائی ہے اس کا بھی حاصل یہی ہے، ان کی ذکر کردہ عبارت اس طرح ہے: ”وأما ما يصير به قابضاً حقيقة ففي التجريد تسليم المبيع أن يخلي بينه وبين المبيع على وجه يتمكن من قبضه بغير حائل“ (المحرر الرائق ۳۰۸/۵)۔

مذکورہ اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبضہ کی حقیقت محقق ہونے کے لئے تین چیزوں کا وجود ضروری ہے، ایک یہ ہے کہ مالک مال غیر سے یوں کہے کہ میں نے مال تیرے حوالہ کیا، دوسری یہ کہ یہ قول اس غیر کی موجودگی میں اس طرح ہو کہ اس شخص کے لئے مال پر استیلاء کلی ممکن ہو اور کوئی چیز اس کے استیلاء سے مانع نہ ہو اور تیسری چیز یہ ہے کہ وہ اس طرح علاحدہ ہو کہ وہ شئی نہ کسی حق کے ساتھ مشغول ہو اور نہ کسی شئی کے ساتھ متصل ہو، اور شخص غیر یہ کہے کہ ”میں نے اس کو اپنے قبضہ میں لے لیا“ یا اس کی طرف سے کوئی ایسا فعل ہونا ضروری ہے جس سے قبضہ پر دلالت ہوتی ہو۔

لہذا اگر بائع یہ نہ کہے کہ میں نے یہ مال تیرے حوالہ کیا، یا غیر کیلئے فی الحال اس مال پر کسی وجہ سے استیلاء ممکن نہ ہو، یا وہ مال کسی کے حق کے ساتھ مشغول ہو، یا کسی شئی کے ساتھ متصل ہو تو ان تمام صورتوں میں قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، جیسا کہ ”المحرر الرائق“ کی عبارت سے سمجھ میں آ رہا

ہے، عبارت اس طرح شروع ہوئی ہے: ”إن دفعه ولم يقل شيئاً الخ“ (۳۰۸/۵)۔
قبضہ کی کوئی متعین صورت نہیں ہے:

شریعت کے اعتبار سے قبضہ کے تحقق کیلئے کوئی خاص شکل متعین نہیں ہے کہ اس کے علاوہ صورت میں قبضہ کا تحقق ہی نہ ہو، بلکہ عرف و عادت کے لحاظ سے قبضہ کی جو شکل بھی معروف و متعارف ہو اور متصور ہو سکتی ہو وہی شکل باعتبار شرع معتبر ہوگی، یہی وجہ ہے کہ بیع تعاطی کا رواج قائم ہے اور شریعت اس کو جائز قرار دیتی ہے، اگر باعتبار شرع قبضہ کی کوئی خاص شکل متعین ہوتی تو قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ اس طرح کی خرید و فروخت ناجائز ہوتی اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال خبیث ملک ہوتا، لیکن فقہ و فتاویٰ کی تمام کتابوں میں تقریباً اس کے جواز کا تذکرہ ملتا ہے، اور اسے خلاف قیاس بھی نہیں کہا گیا ہے (البحر الرائق ۲۷۰/۵)۔

نیز اسی وجہ سے کہ قبضہ کی کوئی شکل باعتبار شرع متعین نہیں، بلکہ اسے عرف و عادت پر مبنی قرار دیا گیا ہے، مختلف اشیاء میں مختلف طرق سے قبضہ کا تحقق ہوتا ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم نے ”البحر الرائق“ میں قدرے اس کی تفصیل ذکر فرمائی ہے، مثلاً وہ پھل جو درخت پر ہوتے ہوئے فروخت کئے گئے ہیں تو گرچہ یہ پھل بائع کے درخت کے ساتھ متصل ہے، لیکن جب حوالہ کرنا اور مشتری کا دیکھنا پایا گیا تو قبضہ ہو جائے گا، اس کے برخلاف اگر کسی نے کوئی مکان فروخت کیا اور اس کا کچھ مال و اسباب اس میں ہے اور اسی حال میں بائع نے مکان کا تالا مشتری کے حوالہ کر دیا تو یہاں قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، یا گندم، یا اور کوئی غلہ مشتری کے حوالہ اس طرح کیا کہ وہ بائع کی تحویل میں ہے تو قبضہ کا تحقق نہ ہوگا (رد المحتار ۵۸/۴ و بحر الرائق ۳۰۸/۵-۳۰۹)۔

اور کسی جگہ قبضہ کا تحقق اس طرح ہوگا کہ مشتری کے حوالہ اس طرح ہوگا کہ مشتری بیع کو اپنی جگہ، یا اپنے مکان کی طرف منتقل کر لے، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا، ابن عمرؓ کی روایت میں ہے: ”فنهاهم رسول الله ﷺ عن بيعه في مكانه حتى ينقلوه“ تو اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبضہ کے تحقق کے لئے ”نقل الشيء من مكان إلى مكان“ کافی

ہے، اور دوسری حدیث جو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے، اس میں ”حتی قبض“ کا لفظ ہے، جس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ مطلقاً قبضہ ضروری ہے، چاہے جس صورت سے ہو اور چاہے ”نقل الشيء من مكان إلى مكان“ کا وجود ہو یا نہ ہو (مشکوٰۃ شریف ۱/۲۳)۔

نیز شریعت نے بھی اس کو عرف و عادت ہی پر چھوڑ دیا ہے اس کی کوئی خاص شکل متعین نہیں کی ہے، چنانچہ مسئلہ لکھا ہے کہ کسی شخص نے ایک زمین خریدی اور وہ زمین مشتری کی نگاہ سے اوجھل ہے پھر بھی قبضہ کا تحقق ہو جائے گا، اس کے برخلاف کسی نے کوئی مکان خریدا اور وہ مکان مشتری کی نگاہ سے دور ہے تو بیع صحیح ہوگی، لیکن قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، علامہ ابن نجیم نے بصراحت یہ مسئلہ لکھا ہے، البحر الرائق میں عبارت اس طرح ہے: ”وفی جامع شمس الأئمة یصح القبض وإن كان العقار غائباً عنهما عند أبي حنيفة“ اور دوسری جگہ عبارت اس طرح ہے: ”ولو باع داراً غائبة فقال: سلمتها إليك، فقال: قبضتها لم یکن قبضاً الخ“ (البحر الرائق ۵/۳۰۸)۔

۳۔ منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کے قبضہ میں فرق ہے:

قبضہ کی حقیقت جو ابھی ذکر کی گئی اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کے قبضہ میں قدرے اشتراک ہے، کیونکہ جہاں کہیں قبضہ کے تصور و تحقق کا ذکر ہے وہاں ایسی عبارت ملتی ہے: ”تسليم المبيع أن یخلی بینہ و بین المبيع علی وجه یتمکن من قبضہ بغير حائل“ (البحر الرائق)۔

مذکورہ عبارت میں بیع عام ہے، خواہ منقول ہو، یا غیر منقول، البتہ حدیث میں جو عبارت ملتی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ منقولہ اشیاء کی بیع قبضہ سے قبل جائز نہیں، اور اس کی غایت یہ ذکر کی گئی ہے کہ مشتری اس کو ایسی جگہ منتقل کر لے جہاں بائع کا کوئی تعلق نہ ہو، روایت اس طرح ہے: ”عن ابن عمر قال: كانوا يتبايعون الطعام في أعلى السوق، فيبيعونه في مكانه فنهاهم رسول الله ﷺ عن بيعه في مكانه حتى ينقلوه“ (مشکوٰۃ ۱/۲۳)۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ منقولہ اشیاء میں قبضہ کا تحقق اس طرح ہوگا کہ مشتری بیع کو نقل خریداری سے اپنی جگہ اور اپنے مکان کی طرف منتقل کر لے، لیکن غیر منقولہ اشیاء میں یہ ممکن ہی نہیں ہے، اسی وجہ سے صاحب ”بحر“ نے یہ نقل کیا ہے کہ منقولہ اشیاء میں تحقق قبضہ کیلئے ضروری ہوگا کہ مشتری کی طرف سے بیع کو منتقل کرنا پایا جائے، عبارت اس طرح ہے: ”وفی المنقول بالنقل والنقل إلى مكان لا يختص بالبايع“۔

مزید وضاحت اس طرح فرمائی ہے کہ تسلیم المبیع کی صحت کیلئے تین چیزوں کی ضرورت ہے، عبارت اس طرح ہے: ”وفی الأجناس يعتبر فی صحة التسليم ثلاثة معان، أن يقول: خلّیت بینک وبين المبیع، وأن يكون يحضره المشتري علی صفة يتأتى فيه الفعل من غير مانع، وأن يكون مفرزا غير مشغول بحق“ (البحر الرائق ۵/ ۳۸۰-۳۸۱)۔

اور غیر منقولہ اشیاء میں تحقق قبضہ کے لئے تینوں باتوں کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ اول کی دو باتیں یعنی تخلیہ کا قول و فعل اور مشتری کا حاضر ہونا کافی ہے، عبارت اس طرح ہے: ”وفی النهاية معز یا إلى الغاية: أن القبض فی العقار بالتخلية“، اور حضور مشتری کا اضافہ اس لئے کیا گیا کہ اگر نہ مشتری ہو اور نہ اس کا کوئی وکیل اور نہ کوئی نائب ہو تو بیع پر قبضہ جو مشتری کا فعل ہے، کا تحقق نہیں ہو سکتا ہے، گویا تحقق قبضہ کیلئے مشتری کا اس پر قبضہ کرنا ممکن ہونا بھی ضروری ہے، چنانچہ اگر کسی جگہ ایسا ممکن نہ ہو، بایں طور کہ مشتری موجود ہو، لیکن بیع کے مشتری سے دور ہونے کی بناء پر مشتری کے لئے اس پر قبضہ کرنا ممکن نہیں ہے تو قبضہ کا تحقق نہ ہو سکے گا، علامہ ابن نجیم وغیرہ بزرگان امت نے لکھا ہے کہ ایک شخص نے ایک قطعہ اراضی فروخت کیا اور اس کی طرف سے تخلیہ کا بھی تحقق ہو، اگر یہ قطعہ اراضی مشتری کے قریب نہیں ہے، بلکہ دور ہے تو قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، عبارت اس طرح ہے:

”ذكر في النواذر إذا باع ضيعة وخلي بينها وبين المشتري إن كان يقرب كتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

منها یصیر قابضا، وإن کان یبعد لا یصیر قابضا“ (الحرمین، ۵: ۳۰۸، رقم: ۵۹۹۴)۔

قریب و بعید کا یہ معیار قائم کیا گیا ہے کہ اگر اس بیع پر مشتری کیلئے وہاں پر رہتے ہوئے قبضہ کرنا یا تکلف ممکن ہو تو وہ قریب ہے، اور اگر یا تکلف ممکن نہ ہو تو وہ بعید ہے، مثلاً کسی شخص نے ایک مکان خرید اور بائع نے اس مکان کی تالی مشتری کے حوالہ کر دیا تو مشتری کیلئے اس مکان کو کھولنا اور اس کو بند کرنا یا تکلف ممکن ہو تو قبضہ کا تحقق ہوگا اور اگر یا تکلف کھولنا بند کرنا ممکن نہ ہو تو قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، مگر چہ امام اعظم اور حضرات صاحبین کا اس میں قدرے اختلاف ہے، امام صاحب کی رائے یہ ہے کہ زمین پر قبضہ کے تحقق کیلئے مشتری کا زمین کے قریب ہونا ضروری نہیں، دور ہو تو بھی قبضہ کا تحقق ہو جائے گا، البتہ بائع کی طرف سے تجلید ہونا چاہئے لیکن حضرات امام صاحب کا یہ قول مرجوح ہے، جیسا کہ علامہ شامی نے ذکر فرمایا ہے۔

”وفی المحيط وجامع شمس الأئمة: أنه بالتخلية يصح القبض، وإن كان العقار بعيدا غالبا عنهما عند أبي حنيفة خلافا لهما وهو ضعيف“ (روایت: ۵۹۹۴)۔

اور صاحب ”بخار“ نے بھی یہ وضاحت کی ہے کہ امام صاحب کا یہ قول ضعیف ہے، عبارت اس طرح ہے: ”فقد علمت ضعف ما فی المحيط وجامع شمس الأئمة الخ“ (الحرمین، ۵: ۳۰۹)۔

”الموسوعة الفقهية“ کے مطالعہ سے بھی سمجھ میں آتا ہے کہ منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء کے قبضہ میں بڑا فرق ہے، چنانچہ ایک جگہ لکھا ہے کہ برشی پر قبضہ اسی کی حیثیت سے ہوتا ہے، عبارت یوں ہے: ”إن قبض کل شیء بحسبه“ آگے مزید تفصیل یوں ذکر کی گئی ہے کہ اگر بیع کیلئے ہو تو قبضہ بذریعہ کیل ہوگا، اور روزنی ہے تو قبضہ بذریعہ وزن ہوگا، اور اگر عددی یا ذرائعی ہے تو قبضہ شمار کر کے، یا ناپ کر کے تحقق ہوگا، اور اگر اس کے علاوہ دوسری کوئی منقولہ شی ہو تو اس پر قبضہ کا تحقق عرف جاری کے ذریعہ ہوگا، لہذا جس چیز پر قبضہ کا جو تصور اور جو طریقہ معروف و متعارف ہوگا اسی طریقہ کے مطابق قبضہ کا تحقق ہوگا، ساری چیزوں پر قبضہ کی ایک ہی شکل لازم و ضروری نہ ہوگی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

خدا صہ کلام یہ ہے کہ منقولہ اور غیر منقولہ اشیاء میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے بڑا

فرق ہے۔

۴۔ حدیث نبی معلول ہے:

خرید و فروخت کی صحت کے لئے جہاں اور بہت سی شرطیں ہیں وہیں ایک شرط یہ ہے کہ اس میں کسی طرح کا دھوکہ اور مشتری کے قبضہ میں آنے سے قبل بلاکٹ بیع کا کوئی خطرہ نہ ہو، اگر اس طرح کا کہیں کسی طرح کا خط و پیدا ہو جائے تو خرید و فروخت ناجائز ہو جائے گی، چنانچہ امام ابن ہمام نے ”فتح القدیر“ میں ایک حدیث نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے خرید و فروخت میں دھوکہ بازی سے منع فرمایا ہے، الفاظ اس طرح ہیں: ”انہ ینہی عن بیع الغرر“ (فتح القدیر، ج ۱، صفحہ ۲۴۷)۔

اس سے صاف طور پر یہ واضح ہوتا ہے کہ ہر وہ بیع جس میں ”غرر“ کا امکان ہو وہ بیع ناجائز ہوگی، کیونکہ خرید و فروخت کے متعلق بطور خاص وجود دھوکہ ہی نہیں، بلکہ امکانی دھوکہ کا سد باب بھی مقصود ہے، اسی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں رائج بیعوں میں سے جس بیع کے اندر امکانی دھوکہ کا تصور ہو اس سے منع کر دیا گیا، اور دھوکہ بازی کرنے والے شخص کے بارے میں ارشاد فرمایا: ”من غش فلیس منا، اور:“ نہی رسول اللہ ﷺ عن المحاقلة والمزابنة والمخابرة والمعاومة“ وغیرہ احادیث سے صاف طور پر یہی ثابت ہوتا ہے کہ دھوکہ کا امکان جس بیع میں ہو گا وہ بیع ناجائز ہوگی، اور جو شخص دھوکہ بازی کرے گا وہ امت کا فرد ہی نہ ہوگا۔

اسی طرح بیع قبل القبض کے متعلق جو روایتیں مختلف سندوں اور متنوں کے ساتھ پائی جاتی ہیں وہ منوع صرف اسی بنا پر نہیں ہے کہ فروخت کی جانے والی شے بائع کے قبضہ میں نہیں ہے، اور جہاں کہیں بھی بیع قبل القبض کا تصور ہو اسے ناجائز قرار دیا جائے، بلکہ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت اس جگہ ہوگی جہاں دھوکہ کا امکان ہو، گویا کہ ہر وہ حدیث جس میں ”بیع قبل القبض“ سے نبی آئی ہے وہ مطہر نہیں بلکہ معلول ہے کسی علت کے ساتھ، اور اس کی علت امام کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

ابوضیفہ کے نزدیک ”غرر“ یعنی امکانی دھوکہ ہے، گویا ممانعت فرما کر امکانی دھوکہ کا بھی سد باب کر دیا گیا۔

اور علت نہی ”غرر“ یعنی امکانی دھوکہ ہی ہے اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے، اس لئے کہ بعد استقرا، بتبع یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر وہ معاملہ جہاں امکانی دھوکہ کا تصور ہوا تو اس سے ممانعت کر دی گئی اور جہاں کہیں جس معاملہ میں امکانی دھوکہ کا تصور نہیں اس معاملہ کو درست قرار دیا گیا، جیسے کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور مہر میں غلام مقرر کیا گیا، تو عورت کیلئے اس پر قبضہ شرعی کے متحقق ہونے سے قبل ہی جائز ہے کہ وہ اس میں ہر طرح کا تصرف کر سکے، چاہے اسے آزاد کر دے، چاہے تو اسے بیچ دے وغیرہ۔ اور اس کے علاوہ اور بہت سی املاک ایسی ہیں کہ ان پر قبضہ سے قبل نقلی تصرف جائز ہوتا ہے تو اسی وجہ سے کہ وہاں امکانی دھوکہ کا تصور نہیں ہے، علامہ ابن نجیم نے عبارت اس طرح ذکر فرمائی ہیں:

”أراد بالمنقول المبيع المنقول، فجاز غيره كالمهر وبدل الخلع“.

اور اس کے بعد ایک ضابطہ ذکر فرمایا کہ ہر وہ عوض جو کسی ایسے عقد کے ذریعہ ملکیت میں آیا ہو کہ عوض کے ہلاک ہونے کی وجہ سے عقد ہی ختم ہو جائے تو ایسے عوض میں قبضہ صحیح ہوگا، عبارت اس طرح ہے: ”والأصل كما في الإيضاح أن كل عوض ملك بعقد تنفسخ بهلاكه قبل قبضه، فالتصرف فيه غير جائز وما لا فحائز“ (البحر الرائق ۱/۱۱۶)۔

تو حاصل یہ نکلا کہ بیع قبل القبض کی نہیں جس حدیث میں آئی ہے وہ مطلقاً نہیں ہے، بلکہ معلول بالعدت ہے اور اس کی علت ”غرر انفساخ للمبيع“ ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم نے عبارت اس طرح ذکر فرمائی ہے: ”بخلاف المنقول والغرر المنهى غرر انفساخ العقد والحديث معلول بد عملاً بدلائل الجواز“ (البحر الرائق ۱/۱۱۶)۔

اور صاحب ”ہدایہ“ نے بھی بعینہ یہی عبارت ذکر فرمائی ہے (۵۸۳)۔ علامہ ابن تیمیہ صاحب ”فتح القدیر“ نے ”بیع قبل القبض“ سے متعلق نہی کیلئے بہت سی حدیثیں مختلف سندوں سے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت پر حدیث مطلقاً حجت ہے، جبکہ کہ امام

مذکورہ مسلک ہے۔ لہذا حضرات شیخین کے مذہب کے اعتبار سے دلیل تخصیص کی جستجو کی ضرورت محسوس کی کہ یہ ثابت کیا جاسکے کہ وارد ہونے والی یہ نہیں قطعہ اراضی کے علاوہ کیلتے ہے، تو انہوں نے صاحب ”ہدایہ“ کے قول کے متعلق فرمایا کہ وہی علت ہے جو صاحب ہدایہ نے یہ ذکر کیا ہے کہ ”قبضہ سے قبل بیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں عقد اول کے فسخ ہو جانے کا خطرہ ”بیع قبل القبض“ کے ممانعت کی علت ہے“، لہذا اگر عقد اول فسخ ہو جائے تو بائع ثانی غیر کی ملکیت کو اس کی اجازت کے بغیر فروخت کرنے والا ہو جائے گا جو جائز نہیں ہے، مختصر یہ کہ علامہ برہان صاحب، ہدایہ، علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر، علامہ ابن نجیم مصری صاحب ”البحر الرائق“ اور علامہ شامی صاحب ”رد المحتار“ وغیرہ اکابر امت کی متفقہ رائے ہے کہ حدیث نبی معلول باطلہ ہے اور علت ”غور انفساخ العقد الاول علی اعتبار ہلاک المبیع“ ہے (فتح الباری ۱۳/۶۷)۔

۵۔ بیع قبل القبض عام ہے یا خاص:

”بیع قبل القبض“ کے متعلق ائمہ کے درمیان اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حکم ممنوع تمام چیزوں کو عام ہے، یا یہ حکم کسی خاص چیز کے بارے میں ہے، چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ تمام اشیاء کو شامل ہے، کسی بھی شے کی ”بیع قبل القبض“ جائز نہیں ہے، خواہ وہ از قبیل منقولات ہو، یا ملبوسات اور خواہ وہ از قبیل منقولات ہو، یا غیر منقول اور تقریباً ائمہ احناف میں سے حضرت امام محمدؒ کی بھی یہی رائے ہے۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم تمام اشیاء کو عام نہیں ہے، بلکہ بروہی جواز قبیل منقولات ہے، اس کو قبضہ سے قبل خرید و فروخت کرنا جائز نہیں، گویا ان کے نزدیک یہ حکم ممنوع اشیاء منقولہ کے ساتھ خاص ہے، اور جو اشیاء خوردنی نہیں ہے جو ملبوسات میں سے ہو، یا اور کوئی چیز اس کی خرید و فروخت قبضہ سے قبل جائز ہوگی۔

حضرات شیخین امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں قدرے تفصیل ہے، ان

حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم ممنوع ان تمام اشیاء کو شامل ہوگا جس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا ممکن ہو، اور ہر وہ شیء جس کا حمل و نقل ممکن نہیں وہ اس حکم ممنوع میں داخل نہیں، یعنی غیر منقولہ اشیاء، کی خرید و فروخت قبضہ سے قبل باکرابت جائز ہوگی، گویا حضرت امام شافعی اور حضرت امام محمدؒ نے حدیث کے عموم پر عمل کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ حکم تمام اشیاء کو عام ہوگا، اور وہ حدیثیں جن میں خاص چیزوں کا ذکر ہے اس کو اس حدیث میں ضم کر دیا جس میں عموم پر دلالت ہو رہی ہے، اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہو گیا، کیونکہ جہاں کہیں دو حکم ایک طرح کے دو جگہ وارد ہوں اور ان میں سے ایک عموم پر دلالت کرتا ہو اور دوسرا مخصوص پر تو دونوں حکموں میں تطبیق دینے کیلئے اسی طرح کیا جاتا ہے کہ مخصوص پر دلالت کرنے والے حکم کو عموم پر دلالت کرنے والے حکم کے ساتھ ضم کر دیتے ہیں، اور ایسا امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک بھی بہت ہوتا ہے جیسے فائزہ نمازوں کی قضا کے متعلق دو طرح کی روایت ملتی ہے، ایک روایت میں صرف اقامت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا حکم ملتا ہے اور دوسری روایت میں اذان و اقامت دونوں کا تذکرہ ہے تو ائمہ احناف نے اذان و اقامت دونوں پر عمل فرمایا اور یہ کہا کہ وہ حدیث جس میں صرف اقامت کا تذکرہ ہے اسے اس حدیث کے ساتھ ضم کر دیا جائے گا جس میں اذان و اقامت دونوں کا تذکرہ ہے، اس طرح دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے گا، اگرچہ امام شافعی اس خاص مسئلہ میں اس مذکورہ رائے سے متفق نہیں ہیں۔

مالکیہ نے ان حدیثوں کو اصل قرار دیا ہے جن میں صرف نذرانی اشیاء پر قبضہ سے فروخت کرنے کی ممانعت کا ذکر ہے اور وہ حدیثیں جن میں نذرانی اشیاء کا کوئی تذکرہ نہیں، بلکہ حکم ممانعت مطلق ہے اس میں مختلف تاویلیں کی ہیں، مثلاً یہ کہ وہ حدیثیں جن میں کسی چیز کا تذکرہ نہیں، بلکہ حکم مطلق ہے اس سے مراد اشیاء خوردنی ہی ہے وغیرہ وغیرہ۔

ان سب باتوں سے الگ ہو کر ائمہ احناف میں سے حضرات شیخین نے غور و فکر کرنے سے یہ نتیجہ برآمد کیا کہ مسئلہ کی اصل روح اور شریعت کا متعدد دلائل کیا ہے اس پر نگاہ رکھی تو ان

حضرات نے فرمایا کہ جہاں بس اس طرح کی خرید و فروخت میں امکانی دھوکہ کا بھی تصور ہو وہ بیع قبل القبض ناجائز اور جہاں یہ تصور نہ ہو وہاں ”بیع قبل القبض“ کے جائز ہونے کا حکم دیا جائے گا۔
 نویدان کے نزدیک امکانی دھوکہ کا سد باب مقصود ہے (حایل و حرام)۔
 اختلاف ائمہ کی وجہ:

ائمہ کرام کے درمیان اختلاف اس لئے پیدا ہو گیا کہ بیع قبل القبض کی ممانعت کی جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں وہ مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہیں، چنانچہ امام بخاری نے ابن عمرؓ سے جو روایت نقل فرمائی ہیں وہ اس طرح ہے: ”أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه“، اور ابن حبان اور مسند احمد میں حکیم ابن حزام سے جو روایت منقول ہے وہ اس طرح ہے ”قال قلت يا رسول الله اني رجل أبتاع هذه البيوع وأبيعها فما يحل لي منها وما يحرم قال لا تبعن شيئا حتى تنقبضه“ تو حضرات شوافع نے ابن حبان والی روایت کے مضمون پر نگاہ ڈالی اور جملہ اشیاء، خواہ منقولہ ہو، یا غیر منقولہ سب کی بیع کی ممانعت کا حکم دیدیا، اور مالکیہ حضرات نے شیخین کی روایت کو اصل قرار دیا اور غذائی چیزوں کی بیع قبل القبض کی ممانعت کا حکم دیا (مشکوٰۃ ص ۱۳۶)۔

اختلاف کے نزدیک یہ بات پیش نظر رہی کہ مقصود نہیں ”خر“، یعنی امکانی دھوکہ کا سد باب ہو تو حکم دیا کہ جب تک کوئی شیئ قبضہ میں نہ آ جائے احتمال موجود ہے کہ شاید قبضہ ہی میں وہ شیئ نہ آ پائے، ایسی شکل میں وہ شخص اپنے مہم کو پورا نہ کر پائے گا، منقولہ اشیاء میں اس طرح کا احتمال اس وقت تک موجود ہے جب تک کہ وہ شیئ قبضہ میں نہ آ جائے، لیکن اشیاء غیر منقولہ میں اس طرح کا کوئی احتمال نہیں ہے کہ وہ شیئ قبضہ میں آنے سے قبل ہلاک ہو جائے، یا گم ہو جائے، یا چرائی جائے، اس لئے صرف منقولہ اشیاء ہی کے فروخت کرنے کے لئے اولاً قبضہ کو ضروری قرار دیا، اور اس کے علاوہ اشیاء کے لئے یہ حکم نہ ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ اگر کسی جگہ قصبہ اراضی میں اس طرح کا احتمال موجود ہو تو اس قطعہ

اراضی کی بیع بھی قبضہ سے قبل ناجائز ہوگی، چنانچہ صاحب ”فتح القدیر“ نے بحوالہ ”محبوبی“ یہ جزیئہ نقل کیا، عبارت اس طرح ہے: ”قال بعض المشائخ أن جواب أبي حنيفة في موضع لا يخشى عليه أن يصير بحراً أو يغلب عليه الرمال، فأما في موضع لا يؤمن عليه ذلك فلا يجوز كما في المنقول ذكره المحبوبي“ (فتح القدیر ۱/۳۸)۔

اور اس بات کی دلیل کہ ”بیع قبل القبض“ کے متعلق وارد ہونے والی نبی میں اصل و بنیادی چیز یہ ہے کہ امکانی دھوکہ کا سد باب ہو جائے، یہ ہے کہ جہاں کہیں کسی عقد میں بیع کے ضیاع کے باوجود عقد اول کے فسخ ہونے اور امکانی دھوکہ کا تصور نہیں وہاں منقولہ اور غیر منقولہ تمام اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے، مثلاً ثمن میں قبضہ سے قبل تصرف کرنا اور اس کی بیع کرنا بالیقین جائز ہے، اسی طرح مہر کے اندر متعین کی ہوئی شئی پر قبضہ کرنے سے قبل ہر طرح کا تصرف کرنا جائز ہے، علامہ ابن نجیم نے اس طرح عبارت ذکر فرمائی ہے: ”وإراد بالمنقول بالمبيع المنقول فجاز بيع غيره كالمهر وبدل الخلع الخ“ (المحرر المفيد ۱/۱۱۰)۔ اور علامہ ابن ہمام نے بھی اسی قسم کی بات لکھی ہے، اگرچہ ایک سوال کے جواب میں عبارت یوں ہے: ”أنه خص منها أشياء منها جواز التصرف في الثمن قبل قبضه وكذا المهر يجوز لها بيعه الخ“ (فتح القدیر ۱/۳۸) اور علامہ شامی نے یہ ضابطہ ہی ذکر فرمایا ہے، عبارت اس طرح ہے: ”والأصل فيه أن كل عوض منك بعقد يفسخ بهلاكه قبل قبضه فالتصرف فيه غير جائز وما لا فجاز عيني“ (فتاویٰ رضویہ ۲/۲۴۵)۔

اسی طرح ہر وہ تصرفات جو عقد اول کے فسخ ہو جانے کے باوجود نافذ ہوتے ہیں وہ قبضہ سے قبل منقولہ اشیاء کے اندر بھی جائز ہوں گے، جیسے خریدے ہوئے کام کو قبضہ سے قبل آزاد کرنا وغیرہ۔

اس لئے یقین کے ساتھ یہ کہا جائے گا کہ حدیث نبی جو وارد ہے اس کے الفاظ مقصود ہیں اور نہ اس کا عموم، بلکہ یقیناً یہ ہے کہ اصل مقصد کیا ہے تو اصل مقصد یہ ہے کہ خریدار کو کسی طرح

کا کوئی دھوکہ نہ ہو، چاہئے، لہذا انہیں دھوکہ کا امکان ہو اس بجائے کوٹا جائز اور جہاں دھوکہ کا امکان نہ ہو اس جگہ دوسرے تصرفات کی طرح بیع کو بھی جائز قرار دیا جائے گا۔

۶۔ فہرہ فی وغیرہ سے خرید و مال بیچنے کیلئے قبضہ کسی کی ضرورت نہیں ہے، موجودہ دور میں تجارت کی ایسی شکلیں وجود پا رہی ہیں جس کا زمانہ قدیم میں تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا، اسی وجہ سے اس قسم کے معاملات کے احکام بھی فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں تصریح نہ لور سکے ہیں، لیکن مہتمدین نے ایسے اصول و ضوابط ثبت فرمادئے ہیں جن کی روشنی میں پیش آمدہ جدید مسائل کا حل تلاش کرنا آسان ہو گیا ہے، چنانچہ کاروبار کی نئی شکلوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص کارخانہ سے کوئی خام یا پختہ تیار مال خریدتا ہے اور مال بردار گالیوں پر سوار کر دیتا ہے اور قبل اس کے کہ یہ خریدار اس خریدے ہوئے مال پر حساب قبضہ کر لے دوسرے کسی شخص سے معرفت فروخت کر دیتا ہے اور مال فیکٹری سے براہ راست خریدار نمبر ۲ کے یہاں بھیجا دیتا ہے اور درمیان راہ میں اس مال کے ہلاک ہونے کی ذمہ داری خریدار نمبر (۱) اپنے اوپر رکھتا ہے اور عام طور پر اس قسم کا کاروبار بہت ہی قابل اعتماد و برحورس مندر ہوتا ہے حتیٰ کہ بعض پیشہ و لوگوں سے معلوم ہوا ہے کہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہنچنے کا وقت بھی مقرر ہوتا ہے اور عموماً اسی مقررہ وقت پر مال پہنچ جاتا ہے، لیکن اس سے انکار نہیں کہ خال خال مال بردار گاڑی کسی حادثہ کا بھی شکار ہو جاتی ہے، لیکن عدم حادثہ کے مقابلہ میں ایسا بہت کم ہوتا ہے جو ہر حال کسی درجہ میں غیر معتبر بھی ہو سکتے ہیں لہذا اس قسم کا معاملہ شرعاً کیا حیثیت رکھتا ہے؟

شریعت نے خرید و فروخت کی صحت کیلئے بہت تفصیلی شرائط کا تذکرہ کیا ہے، چنانچہ فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں موجود تفصیل و شرائط اس کی شاہد مدلل ہے، مثلاً ان شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ بیع کیلئے ضروری ہے کہ وہ بیع اس بائع کی ملکیت میں ہو جو اپنے لئے بیع کر رہا ہو، یہی وجہ ہے کہ وہ بیع اگر بائع کی ملکیت میں نہ ہو تو اس کا فروخت کرنا درست نہ ہوگا، دوسری شرط وہ ہے جو مدینہ کی کتابوں میں تصریحاً موجود ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ بیع بھی کوئی عقد بیع

کا تصور ہو تو ضروری ہے کہ اس جگہ ”غرر“ یعنی دھوکہ بازی کا امر کافی تصور بھی نہ ہو، شیخین نے اسی معنی میں یہ حدیث نقل فرمائی ہیں: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع العود“ اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اس بیع پر فی الحالی بائع کا قبضہ بھی ہو، اس پر حدیث کے یہ الفاظ دلالت کرتے ہیں: ”لا تتبعہ حتی تقبضہ“ (مشکوٰۃ شریف ۱۲۰، فتح القدیر ۱۳۶/۶) اور اس کے علاوہ اور دوسری بہت سی شرطوں کا فقہاء نے تذکرہ کیا ہے (رد المحتار ۴/۷۷)۔

اس سلسلہ میں خاص بات جو قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ خرید و فروخت کرتے وقت بیع پر بائع کا قبضہ ہونا ضروری ہے، تو یہ شرط تمام اشیاء کیلئے ضروری ہے، یا خاص چیزوں کیلئے، تو حضرات فقہاء کرام کا اس میں قدرے اختلاف ہے جو اوپر تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، چنانچہ امام مالک کے نزدیک صرف اشیاء خورد و پی میں یہ شرط ہے، دیگر اشیاء میں نہیں، مگر چشما وغیرہ کے نزدیک تمام اشیاء میں قبضہ ضروری قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ابن عباس کا قول ہے، لیکن احناف کے نزدیک بھی خاص ہے، لیکن غذائی اشیاء کے ساتھ نہیں، بلکہ منقولہ اشیاء کے ساتھ اس شرط کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اور اس سلسلہ میں وارد ہونے والی ممانعت کی جو حدیث ہے اس کی علت نکالی گئی ہے۔

مذکور بالا صورت مسئلہ کو دیکھنے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی بیع ناجائز ہوگی، کیونکہ حدیث میں وارد ہونے والی نبی کے صراحت خلاف ہے، نیز بظاہر شرط سلامت بیع کے اس خلاف ہے، کیونکہ مٹلہ شرائط کے ایک شرط یہ ہے کہ وہ منقولہ شیء جس کو فروخت کیا جا رہا ہے ضروری ہے کہ وہ بائع کے قبضہ میں ہو اور یہاں اس کے قبضہ میں حسا نہیں ہے۔

مگر بایں ہمہ میری سمجھ میں آرہا ہے کہ اس صورت بیع کو جائز قرار دیا جائے جس کی پسند و جہیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) فقہاء احناف نے ”بیع قبل القبض“ کی نبی کو اس کے ظاہر پر نہیں رکھا ہے، بلکہ فرمایا کہ اس قسم کی حدیث معلول ہے چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری نے ”البحر الرائق“ میں علامہ

ابن ہمام حنفی نے ”فتح القدیر“ میں، مولانا جلال الدین کرمانی نے ”کفایہ“ میں اور علامہ برہان الدین مرہوتائی نے ”ہدایہ“ میں اور ان کے علاوہ دیگر فقہاء کرام نے متفقہ طور پر یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث معلول ہے، اور اس کی علت مبیع کے بلاک ہونے کی وجہ سے بیع اول کے ختم ہو جانے کا ”غرر“ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مبیع کا بائع ثانی کی ملکیت میں آنے کا کسی طرح یقین ہو یا نہیں، اگر کسی طرح بائع ثانی کی ملکیت میں آنے کا یقین ہو جائے تو بیع ثانی درست ہوگی، ورنہ بیع ثانی صحیح نہ ہوگی۔

اور کسی شی مبیع کے ملکیت میں آنے کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے ایک شکل یہ ہے کہ خریدار اول اس بیع کو اپنی جائے استقرار کی طرف منتقل کر لے، جیسا کہ حدیث میں ہے ”نہی ان تباع السلع حیث تباع حتی یحوزھا التجار الی رحالہم“۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری اول کا اس پر حسی قبضہ ہو جائے، جیسا کہ حدیث کے ظاہر لفظ سے معلوم ہوتا ہے: ”لا تبیع شئنا حتی یقبضد“ اسی طرح ایک صورت یہ ہے کہ چراگاہ میں خریدار ہوا جانو اس طرح ہو کہ اس کو خریدار اچھی طرح دیکھ رہا ہو اور اس کی طرف اشارہ حسیہ ممکن ہو اور بائع نے قبضہ کی اجازت دیدی ہو تو اس صورت میں بھی وہ جانو مشتری اول کی ملکیت میں آجائے گا، اسی طرح ایک صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک پرندہ اس حال میں خرید لیا کہ وہ ایک مکان میں بند تھا اور بائع نے اس پر قبضہ کی اجازت دیدی تو وہ پرندہ مشتری کے مکان کھولتے ہی کیوں نہ اڑ جائے وہ پرندہ مشتری کی ملک میں شمار ہوگا، ”البحر الرائق“ میں اس طرح عبارت درج ہے: ”ولو استسری طیرا فی بیت والباب مغلق فأمره البائع بالقبض فلم یقبض حتی ھبت الریح ففتحت الباب فطار لا یصح التسلیم وإن فتحه فطار صح التسلیم“ (البحر الرائق ۲: ۳۰۹)۔

تو اسی طرح یہ کیوں نہ ہوگا کہ خریدار کا رخا نہ سے مال خرید لے اور خریدار نمبر (۲) کو مال بردار کاڑھی کے ذریعہ وہ مال روانہ کر دے، تو میری سمجھ میں ایسا آ رہا ہے کہ اس صورت میں

بھی خریدار نمبر (۱) کی ملکیت ثابت ہو جائے گی، کیونکہ فقہ و فتاویٰ کی کتابوں میں تذکرہ جزئیات کے ذیل میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے گھر میں بند گندم خریدا اور بائع نے اس مکان کی چابھی مشتری کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ وہ گندم میں نے آپ کے حوالہ کیا تو بائع کا یہ فعل ہی مشتری کے قبضہ و ملکیت کیلئے کافی ہے، عبارت اس طرح ہے: ”لو اشترى حنطة في دار ودفع البائع المفتاح اليه وقال: خليت بينك وبينها فهو قبض“ میری سمجھ میں یہ آ رہا ہے کہ کچھ ایسی ہی صورت مذکورہ بالا شکل یعنی فیکٹری سے مال خرید کرنے کی شکل میں ہوتی ہے کہ بائع اول مال کو مال بردار گاڑی پر لادنے کے بعد اپنے ذمہ سے بری ہو جاتا ہے اور صراحتاً، یا عرفاً بائع اول مشتری اول سے یہ کہتا ہے کہ مال بردار گاڑی پر لادو اور مال آپ کا ہے اور آپ ہی اس کے ذمہ دار و مالک ہیں ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، لہذا فرد نقلی گندم کی مذکورہ بالا صورت پر قیاس کرتے ہوئے اس خاص صورت میں بائع ثانی کے اس طرح ثابت شدہ قبضہ کو تسلیم کرنے میں ہمیں کوئی مانع نہ ہونا چاہئے۔

اور اس طرح جب بائع ثانی کا قبضہ فیکٹری سے لئے مال پر ثابت ہو گیا تو یہ خاص صورت بیع قبل القبض کی صورت نہ رہی، بلکہ بیع بعد القبض کی صورت ہو گئی جو باتفاق فقہاء کرام جائز ہے۔

(۲) دوسرے اس وجہ سے کہ تحقق قبضہ کیلئے شریعت نے کوئی خاص شکل متعین نہیں کی ہے کہ اس خاص طریقہ سے قبضہ ہو تو قبضہ شرعی کا تحقق ہوگا، ورنہ قبضہ کا تحقق نہ ہوگا، بلکہ قبضہ کا تحقق عرف پر مبنی ہے، عرف میں جو قبضہ کی شکل ہو سکتی ہے وہ سب صورتوں میں قبضہ شرعی شمار کیا جائے گا، جیسا کہ مالکیہ کی رائے ”الموسوعة الفقہیہ“ میں نقل کی گئی ہے، عبارت اس طرح ہے: ”إن كان منفولا من عروض وأنعام فقبضته بالعرف الجاری بین الناس“ تو کیا مضائقہ ہے کہ خرید سے ہوئے سامان کو مال بردار گاڑی پر سوار کروا دینا ہی باعتبار عرف کے قبضہ شمار کیا جائے۔ اور عرف کے اثبات کیلئے یہ کافی ہے کہ اس طرح کا قبضہ اگر کبھی نہ ہو تو کم از کم اکثری

میں یہ سہولت ہی ہو، تو میری سمجھ میں یہ آ رہا ہے کہ اس طرح کا معاملہ گرچہ کلی اور عمومی ہونے کی بنا پر اسے جائز نہ کرنا ہو، لیکن بین الاقوامی تجارت میں ایسا ضرور ہوتا ہے اور بہت ہوتا ہے، کیونکہ ان کے ذہنی طریقہ فہم نے اس قبیلے کی ہوئی دنیا کو سمیٹ کر یکجا کر دیا ہے اور موجودہ دور میں ہر خانہ و غیرہ سے مال کی خریداری اکثر و بیشتر اسی طرح ہو رہی ہے کہ ٹیلیفون سے خرید و فروخت ہوئی اور قیمت کی ادائیگی ڈرافٹ کے ذریعہ اور منہج کو وصولی مال بردار گاڑی کے ذریعہ ہو رہی ہے، اسی طرح یہ خرید و نمبر (۱) یہ چاہتا ہے کہ مال یہاں آ کر رک نہ جائے، اس لئے یہ کسی دوسرے شخص سے بات چیت کرتا ہے کہ میرا فلاں قسم کا مال ترک وغیرہ آ رہا ہے اور پھر مال کی پوری تفصیل بیان کر کے دوسرے شخص کی خواہش جب معلوم ہو جاتی ہے تو اسی کے ہاتھ یہ خرید و نمبر (۱) مال فروخت کر دیتا ہے، پھر مال کو خرید و نمبر (۱) اپنے یہاں منگوانے کے بجائے فوراً کارخانہ دار سے بات چیت کرتا ہے کہ وہ مال جو میں نے آپ سے خریدا ہے وہ فلاں جگہ بھیجا دیں، پہلے لپے وہ مال خرید و نمبر (۲) کے پاس وقت سوغود پر پہنچ جاتا ہے۔

اور اس زمانہ میں اس طرح کا معاملہ اکثر و بیشتر ہو رہا ہے اور جماعت تجارت کے عرف میں اس قسم کی تجارت نے اپنا ایک مقام بنالیا ہے، انھوں تجارت اس سے مانوس اور طبائع سلیمہ کے نزدیک مقبول ہو گیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کے معاملہ نے عرف و عادت کا مقام حاصل کر لیا ہے، لہذا صورت مذکورہ میں گرچہ مشتری اول کا حق قبضہ نہ ہوا، لیکن عرفاً اس کا قبضہ ہو گیا، اور جب عرفاً مشتری اول کا قبضہ ثابت ہو گیا تو یہ خاص صورت ”بیع قبل القبض“ کی فہرست سے خارج ہوگئی۔

اسی طرح ”الموؤدۃ القبیحہ“ میں ایک عبارت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر چیز کا قبضہ کیسا نہیں ہوتا، بلکہ ہر شیء پر قبضہ اسی کی حیثیت سے ہوتا ہے، چنانچہ لکھا ہے کہ عددی اشیاء پر قبضہ شیء کو شمار کرنے، ملکیتی و موسرونی اشیاء پر قبضہ اس کے کیل اور وزن کرنے اور ذرائعی اشیاء پر قبضہ گز کے ذریعہ کرنا ہے، لیکن کہیں یہ نظر نہ آیا کہ خرید و فروخت کی ہوئی شیء کو فروخت کرنے کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

کیلئے اس پر مسابقت ضروری ہے، لہذا مال بردار کاری پر ادنیٰ جانے والی قسمی پر قبضہ کی یہ صورت ہوگی کہ اس کو مال بردار کاری پر لاوا یا جانے، تو ایسی صورت میں قبضہ کیے "حقن" کو ماننے میں کوئی حرج نہیں، معلوم ہوتا ہے۔

اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ یہ صورت "بیع قبیل القبض" کی ہے جس سے شریعت میں منع کیا گیا ہے تو عرض یہ ہے کہ فقہاء متقدمین نے لکھا ہے کہ بیع قبیل القبض کے ممانعت والی حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے، بلکہ ایک علت کے ذریعہ خاص کر لی گئی ہے اور وہ علت "غرد انفاساخ البع الاہ" ہے تو جہاں یہ علت پائی جائے گی وہاں "بیع قبیل القبض" ممنوع اور جہاں یہ علت معدوم ہو وہاں "بیع قبیل القبض" جائز ہوگی، اس کی مثال میں سابقہ زمانہ میں منقول اور غیر منقول اشیاء کو پیش کیا جاتا ہے، لیکن موجودہ دور میں زباغ و ارسال کے ایسے تیز رفتار ذرائع وجود میں آچکے ہیں کہ جس کے ذریعہ اشیاء کی منتقلی صد فیصد نہیں تو کم از کم اسی فیصد ایسی ضرور ہوگئی ہے کہ جہاں بلاکسٹ بیج کا خط بھی نہیں گزرتا ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ علت نبی کے معدوم، یا نادر ہونے کے باوجود عدم جواز بیع کا حکم دیا جائے، اگر یہی بات ہے تو پھر متقدمین فقہاء کرام نے علت کے معدوم ہونے کی صورت میں تعدد اراضی کی بیع قبیل القبض کی اجازت کیوں دی ہے؟ فقہاء کرام کا اراضی کی بیع قبیل القبض کو جائز قرار دینا صرف علت کے معدوم ہونے کی وجہ سے ہے تو اسی طرح اس صورت میں علت معدوم، یا نادر ہے تو عدم جواز بیع کا حکم نہیں، بلکہ جواز بیع کا حکم دیا جائے گا۔

مختلف ممالک، مختلف علاقوں اور مختلف زمانوں میں کبھی ایسی چیزیں رائج ہو جاتی ہیں جن میں عقل صحیح اور طبع سلیم پسند کرتی ہے اور وہ روح شریعت کے مخالف نہیں ہوتیں، جیسے عربوں میں مہمان نوازی کا رواج وغیرہ، دوسری اچھی باتیں تو ایسی باتوں و عرف و معروف کہا جاتا ہے اور اگر وہ روح شریعت کے مخالف ہوں تو اسے منکر کہا جاتا ہے۔

تمام اقوام عالم کو اس بات کا کلی اعتراف ہے اور کسی کو انکار کی کوئی "تجائش" نہیں اس

بات سے کہ موجودہ دور ترقی میں جہاں تمام شعبہ ہائے زندگی میں خاصی ترقی ہوئی اور ہو رہی ہے اسی طرح تجارتی اکن میں بھی خاصی ترقی ہو رہی ہے اور نت نئے طریقے ہمیشہ سامنے آرہے ہیں اور ادارہ موصلاتی نظام برقی نے اور بھی نئی نئی شکل تجارت کو جنم دیا ہے اور ے رہی ہے، اسی ترقی یافتہ صورت حال میں سے ایک طریقہ یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا، تو دیکھنا یہ ہے کہ اس قسم کا رواج تجارت روح شریعت کے خلاف ہے، یا نہیں، اگر روح شریعت کے خلاف نہیں تو جائز اور روح شریعت کے خلاف ہے تو ناجائز قرار دیا جائے۔

”بیع قبل القبض“ کی ممانعت میں روح شریعت امکانی دھوکہ کا سد باب ہے، لہذا جہاں کہیں امکانی دھوکہ بیع قبل القبض ناجائز اور جہاں امکانی دھوکہ نہیں وہاں بیع جائز ہوگی۔
تو عرض یہ ہے کہ صورت مسئلہ میں اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ امکانی دھوکہ کا تصور نہیں ہوتا بلکہ معاملات ٹھیک اور صحیح طریقہ سے وعدہ کے مطابق جائے وعدہ پر پہنچ کر، یا پہنچا کر ہو رہے ہیں، ساتھ ہی اس قسم کے معاملات میں دھوکہ بازی نادر اور بولتیس زیادہ حاصل ہو رہی ہیں، جس کی وجہ سے اس قسم کے معاملہ بیع نے مقبول عام ہونے کا درجہ حاصل کر لیا ہے، اس لئے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس قسم کے معاملات جائز ہوں گے۔

۷۔ ”تجارت بذریعہ شیپنگ“ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے کوئی مال کسی فیکٹری سے خریدا اور بائع نے مشتری کے حکم کے مطابق مال کو بذریعہ جہاز مشتری کے پاس بھیجنے کا اہتمام کیا، ساتھ ہی بائع نے یہ طے کیا کہ مال کو جہاز پر سوار کر دینے کے بعد میں اس کی ذمہ داری سے بری ہوں، اگر یہ مال ہلاک ہو جائے تو آپ جانیں، ہم پر اس کا کوئی ضمان نہ ہوگا، اور مشتری نے اسے تسلیم کر لیا، پھر اس مشتری نے کسی دوسرے شخص کے ساتھ فروخت کر دیا جب کہ مال درمیان سفر ہے، اور یہ طے کیا کہ مال یہاں پہنچنے کے بعد یا راہ ہی سے مشتری ثانی کے یہاں بھیجا دیتا ہے، اور اس نے بھی یہی طے کیا کہ جب بات طے ہوگئی اور مال آپ کے یہاں ہانے کی حالت میں ہو گیا تو اب میں اس کی ذمہ داریوں سے بری ہوں۔

مذکورہ صورت مسئلہ سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

مال کو جہاز وغیرہ پر سوار کرنے کے بعد اپنی ذمہ داری سے بری ہونا طے کرتا ہے، مال جہاز وغیرہ پر سوار ہوتے ہی مشتری کی ذمہ داری میں آ جاتا ہے، پھر وہ مشتری مال کو دیکھے بغیر کسی تیسرے شخص کے معرفت فروخت کر دیتا ہے، دراصل حالیکہ وہ مال درمیان سفر ہے، اور صاحب مال یہ طے کرتا ہے کہ مال دوران سفر ہونے کے باوجود آپ کا ہو گیا اور میں اس کی ذمہ داری سے بری ہوں، اگر کسی طرح کا نقصان ہوا تو وہ آپ کا ہو گا میں اس کا ضامن نہیں ہوں۔

پہلی بات یہ کہ بیع جائز ہے اس لئے کہ کسی مال کو خریدنے کیلئے دیکھنا ضروری نہیں اور بغیر دیکھے ہوئے مال کو فروخت کرنے کیلئے بھی دیکھنا ضروری نہیں، ”فتاویٰ ہندیہ“ میں عبارت اس طرح: ”شراء مالہم یرہ جائز“ اور دوسری عبارت اس طرح ہے: ”ولو باع شینا لم ترہ بأن ورد شینا لم ترہ حتی باعہ جاز البیع“ (ہندیہ ۵۷۳-۵۸)۔

وہ جہاز یا مال بردار گاڑی مشتری اول کا ذاتی ہے، یا اس نے اجارہ پر لے کر مال لانے کیلئے بھیجا ہے، یا مشتری نے بائع کو حکم دیا کہ اجرت پر کسی گاڑی کو لے کر مال بھیج دیں اور بائع مال اس طرح کی گاڑی پر لا دیتا ہے، تو ان تمام صورتوں میں مشتری اول کا قبضہ ہو جائے گا اور جب مال مشتری اول کے قبضہ میں آ گیا تو اس کیلئے اس میں ہر طرح کا تصیر کرنا بھی جائز ہو جائے گا، لہذا وہ مشتری اول اس کو فروخت کرنے کا بھی مستحق ہوگا۔

یہاں یہ شبہ نہ ہوگا کہ مشتری نے ایسی شے سے نفع اٹھایا ہے جو اس کے ضمان میں نہیں آتا ہے، کیونکہ معاملہ ہی اس طرح طے ہوا تھا کہ مال کے آپ خود ضامن ہوں گے، گویا یہ مال مشتری اول کی ضمانت میں بھی آچکا ہے، اس طرح ”ربح مالہم یضمن“ کی بھی صورت نہ ہوئی۔

اول کی دو صورتوں میں جبکہ مال بردار گاڑی مشتری کی ہے، یا اس نے کرایہ پر لے کر بھیجا ہے، مشتری کا قبضہ تو ہو ہی جائے گا تیسری صورت میں، جبکہ بائع اول نے خود بھیجنے کا اہتمام

کیا ہے اس صورت میں بھی مشتری اول کا قبضہ ہو جائے گا، کیونکہ اجیر کا قبضہ مشتری کا قبضہ تصور کیا جاتا ہے، چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں یہ جزئیہ لکھا ہے، کہ اگر کسی نے کوئی مال خریدا اور بائع کو یہ حکم دیا کہ مال کو ایہ پرچہ لڑی لے کر ہمارے یہاں بھیج دیں تو یہ قبضہ مشتری کا ہوگا، اور ہلاک ہونے کی صورت میں بائع اس کا ضامن نہیں ہوگا، عبارت اس طرح ہے، ”إلا أن يقول: استأجر علی من یحملہ فقبض الأجير یكون قبض المشتري إن صدقه“ (ہندیہ ۱۹۴۳)۔

ہاں اگر مشتری نے مطلقاً سمجھ بھولنے کو کہا اور اجیر کا کوئی تذکرہ نہ کیا تو اس صورت میں اجیر کا قبضہ مشتری کا قبضہ نہ ہوگا (ہندیہ ۹۱۴۳)، لہذا وہ صورت کہ جس میں اجیر کا قبضہ مشتری کا قبضہ تصور کیا جاتا ہے، اگر مشتری اول کسی دوسرے شخص کے معرفت فروخت کر دیتا ہے تو اگرچہ یہ مال دوران سفر ہے بیع جائز ہوئی، اسلئے یہ شی مشتری اول کے قبضہ میں آگئی ہے جو اس جگہ ضروری تھا، البتہ اس نے نہ دیکھا تو اس سے کوئی فرق پیدا نہ ہوگا، کیوں کہ بے دیکھی ہوئی شی فروخت کرنا جائز ہے (ہندیہ ۵۸۴۳)۔

لیکن وہ صورت کہ جس میں وہ شی مشتری اول کے قبضہ میں نہ آئی ہے تو اس کا بیچنا درست نہ ہوگا۔



قبضہ سے پہلے خرید فروخت - شریعت کی روشنی میں

مواد و حید الدین

۱۔ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت کے بارے میں مختلف احادیث صحاح اور دوسری کتابوں میں صحیح سندوں کے ساتھ مروی ہیں:

”عن ابن عمر أن النبی ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه“ (رواہ البخاری، مسلم)۔

(حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا، کہ جس شخص نے غلہ خریدا تو اس کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت نہ کرے، اس حدیث کو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے)۔

”وعن ابن عباس قال: أما الذی نہی عنہ النبی ﷺ فهو الطعام یباع حتی یقبض قال ابن عباس وأحسب کل شیء مثله“ (رواہ البخاری، مسلم)۔

(حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بہر حال وہ چیز جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا سو وہ غلہ ہے کہ اس کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کیا جائے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اور ہر چیز کو میں اسی کے مثل گمان کرتا ہوں، بخاری اور مسلم نے اس کو نقل کیا ہے)۔

”وعن جابر قال، قال رسول اللہ ﷺ إذا ابتعت طعاما فلا تبعه حتی تستوفیه“ (رواہ مسلم)۔

(حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب تم غلہ خریدو تو اس کو قبضہ سے پہلے فروخت مت کرو، امام مسلمؒ نے اس کو نقل کیا ہے۔)

”روفی حدیث زید بن ثابتؓ قال: ان رسول الله ﷺ نهی ان تباع السلع حیث تباع حتی تحوزها التجار الی رحالهم“ (رواہ ابن حبان فی صحیحہ، ولاحکم فی المستدرک وصحیحہ۔)

(حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث میں ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ سامان جس وقت خریدے جاتے ہیں وہ فروخت کئے جائیں، یہاں تک کہ تاجران کو اپنے گھروں میں منتقل کر لیں، ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں اس کو نقل کیا ہے اور اس کی تصحیح فرمائی ہے۔)

”روی عن حکیم بن حزام أنه قال: قلت: یا رسول الله ﷺ انی رجل ابتاع هذه البیوع وأبیعها فما یحل لی منها وما یحرم علی؟ قال لا تبیع شیئاً حتی تقبض“ (آخرجه الساسانی فی سننه الکبریٰ ورواه أحمد فی مسنده وابن حبان فی صحیحہ۔)

(حکیم ابن حزام سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ، میں خرید و فروخت کرنے والا (تاجر) ہوں تو میرے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ، کسی چیز کو قبضہ سے پہلے فروخت نہ کرو، امام نسائی نے اپنی ”سنن کبریٰ“ میں اس کی تخریج کی ہے اور امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اس کو نقل کیا ہے۔)

ان کے علاوہ اور بھی متعدد احادیث ہیں جن میں فی الجملہ بیع قبل القبض کی ممانعت وارد ہوئی ہے، ان تمام روایات اور احادیث سے ”بیع قبل القبض“ کا عدم جواز واضح ہے اور فی الجملہ ”بیع قبل القبض“ کے عدم جواز پر تمام ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے۔

اس پر حکم عام اور مطلق ہے کہ کسی بھی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، یا خاص اور مقید کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

ہے کہ بعض چیزوں کی بیع قبل القبض بھی جائز ہے، اس میں ائمہ اربعہ اور دوسرے مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے، غالباً اس اختلاف کی بنیاد یہی ہے کہ اس باب میں روایات مختلف ہیں بعض مطلق اور بعض مقید ہیں، ہر امام نے اپنے اصول کے مطابق روایتوں کو اختیار کیا ہے۔
 ”بیع قبل القبض“ بیع فاسد ہے:

احناف کے نزدیک بیع منہی عنہ کی تین قسمیں ہیں، باطل، فاسد، اور مکروہ۔
 ”وذكر في البحر أن البيع المنهى عنه ثلاثة، باطل، وفاسد، ومكروه
 تحريماً“ (شامی ۱۰۰/۳)۔

”الحر المرائق“ میں مذکور ہے کہ بیع منہی عنہ کی تین قسمیں ہیں، باطل، فاسد، اور مکروہ
 تحریری۔

لہذا اب سوال یہ ہے کہ احناف کے نزدیک ”بیع قبل القبض“ ان اقسام ثلاثہ میں سے کس قسم میں داخل ہے، یہاں ان اقسام ثلاثہ کی تفصیل میں جائے بغیر صرف یہ ذکر کیا جا رہا ہے کہ فقہاء کرام نے اس بیع قبل القبض کو کس قسم میں شمار کیا ہے۔
 ”درمختار“ میں ہے:

”وفسد بيع المنقول قبل قبضه انتهي، ونفي الصحة يحتملها،
 فتدبر“ (شامی)۔

(بیع منقول قبل القبض فاسد ہے، اور صحت کی نفی بطلان اور فساد دونوں کا احتمال رکھتی
 ہے)۔

اور علامہ شامی نے ”نفی الصحة“ کے تحت ذکر کیا ہے:

”قوله ففي الصحة أي الواقع في المتن يحتملها أي يحتمل
 البطلان والفساد والظاهر الثاني؛ لأن علة الفساد العود كما مر مع وجود
 ركني البيع الخ“ (شامی ۱۲۳/۳)۔

یعنی ”نفی الصحة“ جو متن میں موجود ہے اس میں بطلان اور فساد دونوں کا احتمال ہے، اور خاب ثانی (فساد) ہے اس لئے کہ فساد کی علت ضرر ہے، جیسا کہ گذر چکا، باوجود کہ ارکان بیع موجود ہیں۔

علامہ شامی نے اس عبارت میں وضاحت کی ہے کہ ”بیع قبل القبض“ بیع فاسد ہے۔ صاحب ”بدائع“ علامہ کاسانی نے صحت بیع کی شرائط میں ایک شرط یہ ذکر کی ہے کہ منقول شیء وغیرہ نے والا جب اس منقول کو فروخت کرنا چاہے تو صحت بیع کے لئے اس منقول پر مشتہرہ کی اول کا قبضہ شرط ہے، یعنی قبضہ سے پہلے اس منقول کو فروخت کرنا صحیح نہیں ہے۔

”وَمِنْهَا الْقَبْضُ فِي بَيْعِ الْمُشْتَرَى الْمَنْقُولِ فَلَا يَصِحُّ بَيْعُهُ قَبْلَ الْقَبْضِ“
لما روى أن النبي ﷺ نهى عن بيع ما لم يقبض والنهي يوجب فساد المنهي،
ولأنه بيع فيه غرر الانفاسخ بهلاك المعقود عليه“ (بدائع ۵/۱۸۰)۔

۱۔ منقول خریدی ہوئی چیز کی بیع کیلئے شرائط صحت میں سے قبضہ کا ہونا ہے، لہذا اس کی بیع قبل القبض صحیح نہیں ہوگی، کیونکہ نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے ”بیع ما لم يقبض“ سے منع فرمایا، اور نبی فساد منہی کو ثابت کرتی ہے، اور اس لئے کہ یہ ایسی بیع ہے کہ اس میں معقودہ علیہ کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے عقد کے فسخ ہو جانے کا اندیشہ ہے)۔

۲۔ علامہ کاسانی کا اس قبضہ کو بیع کی صحت کیلئے شرط قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ قبضہ سے پہلے فروخت کرنا غیر صحیح یعنی فاسد ہے نہ کہ باطل، یعنی ارکان بیع کے پائے جانے کی وجہ سے انعقاد پایا جائے گا، لیکن غرر کی وجہ سے، یہ انعقاد صحیح نہیں ہوگا۔

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ احناف کے نزدیک ”بیع قبل القبض“ بیع منہی عندی ووسری قسم، یعنی فاسد میں داخل ہے۔

۳۔ کتاب مسلت میں قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی گئی ہے، مطلق قبضہ کا ذکر ہے۔

جیسا کہ ”صاحب مہذب“ نے شی منقول میں نقل اور غیر منقول میں تخلیک کو قبضہ قرار

دینے کی علت بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے: شرع میں قبضہ کا ذکر ہے، لیکن مطلق ہے (اس کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی ہے)، لہذا اس کو عرف پر منقول کیا جائے گا اور عرف منقول چیز میں نقل اور غیر منقول میں ”تخلیہ“ ہے۔

مالکیہ، شوافع اور حنابلہ نے قبضہ کے سلسلہ میں عرف کا اعتبار کیا ہے، غیر منقول میں عرف یہ ہے کہ تخلیہ“ سے قبضہ شمار ہوتا ہے، لہذا غیر منقول میں تخلیہ قبضہ ہے اور منقول میں قبضہ نقل، یعنی دوسری جگہ منتقل کرنا ہے، لہذا اشی منقول میں انتقال قبضہ شمار کیا جائے گا۔

”وقال المالکیۃ والشافعیۃ: قبض العقار کالأرض والبناء ونحوهما یکون بالتخلیۃ بین المبیع و بین المشتري وتمکینہ من التصرف فیہ بتسلیم المفاتیح إن وجدت ، وقبض المنقول کالأمتعة والأنعام والدواب بحسب العرف جاری بین الناس“۔

(مالکیہ اور شوافع نے کہا کہ عقار، مثلاً زمین مکان وغیرہ کا قبضہ بیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ اور بیع میں تصرف پر قدرت دینے سے ہو جاتا ہے، مثلاً چابیاں موجود ہوں تو ان کے حوالہ کرنے سے، اور منقول میں قبضہ، مثلاً سامان چوپائے اور جانور اس عرف کے اعتبار سے شمار ہوگا جو لوگوں کے درمیان رائج ہو)۔

”وقال الحنابلة قبض کل شیء بحسبه فإن کان مکیلاً أو موزوناً فقبضه بکیله ووزنه ای أنه یجب الرجوع فی القبض الی العرف“ (فتاویٰ اسلامیہ ۳/ ۴۱۹)۔

(اور حنابلہ نے کہا: ہر چیز کا قبضہ اس کے لحاظ سے ہوگا، اگر مکیلی، یا موزونی ہے تو اس کا قبضہ کیل اور وزن سے ہوگا، یعنی قبضہ کے سلسلہ میں عرف کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے)۔

علامہ نووی ”مہذب“ کی مذکورہ عبارت کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

”وأما الأحکام فقال أصحابنا: الرجوع فی القبض الی العرف وهو ثلاثة أقسام، أحدها: العقار والنمر علی الشجرة فقبضه بالتخلیۃ، والثانی: ما

ينقل فى العادة كالأخشاب والحبوب والحيتان ونحوها، فقبضه بالنقل إلى مكان الخ . والثالث: ما يتناول باليد كالدرهم والدنانير والمندبل والثوب والإناء الخفيف والكتاب ونحوها فقبضه بالتناول بلا خلاف الخ“ (المجموع شرح أميد ۳۰۱:۹)۔

(۱) بے عبارت مذکورہ میں بیان کردہ احکام تو ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ قبضہ کے سلسلہ میں عرف کی طرف رجوع کرنا ہے اور وہ تین قسم پر ہے، ایک یہ کہ عقار اور درخت کے اوپر پھل تو ان کا قبضہ ”تخلیہ“ سے ہوتا ہے، دوسری وہ چیز جو عموماً منتقل کی جاتی ہیں، جیسے لکڑیاں، غلے اور مچھلیاں وغیرہ تو ان میں قبضہ دوسرے مکان کی طرف منتقل کرنے سے ہوگا، اور تیسری وہ چیزیں جو ہاتھ سے لی جاتی ہیں، مثلاً دراہم، دنانیر (روپے پیسے) تولیہ، کپڑا، ہلکے برتن اور کتاب وغیرہ تو ان چیزوں میں قبضہ بالاتفاق تناول سے ہوگا)۔

الصل مالک، شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں قبضہ کے سلسلہ میں عرف کا لحاظ ہے، جن چیزوں میں تخلیہ کو قبضہ سمجھا جاتا ہے ان میں قبضہ کیلئے تخلیہ کافی ہے، اور جن چیزوں میں انتقال کو قبضہ شمر کرتے ہیں ان میں منتقل کرنے کو قبضہ کہا جائے گا، اور جن چیزوں میں قبضہ ”تناول بالید“ سے ہوتا ہے ان میں ”تناول بالید“ کو قبضہ گردانا جائے گا۔

حنفیہ کے نزدیک قبضہ کی حقیقت کی تعیین کیلئے لغت کی طرف رجوع کیا گیا ہے کہ لغت میں تسلیم اور قبضہ کی کیا حقیقت ہے، کیونکہ ہر اصطلاحی معنی میں لغوی معنی ملحوظ ہوتا ہے۔

ملک العلماء، علامہ کاسانی قبضہ کی تعریف ان الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں:

”أما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي، وهو أن يخلى البائع بين المبيع والمشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه، فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً له“ (البدائع الصالحات ۲۴۴)۔

جہاں تک تسلیم اور قبضہ کی تفسیر کا تعلق ہے تو ہمارے نزدیک تسلیم اور قبضہ یہ تخلیہ اور تخلی ہے، اور تخلیہ یہ ہے کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان سے ہٹ جائے، دونوں کے درمیان سے مانع کو اس طرح دور کر دے کہ مشتری اس میں تصرف پر قادر ہو جائے تو بائع کو مبیع حوالہ کرنے والا اور مشتری کو اس پر قبضہ کرنے والا شمار کیا جائے گا۔

اس کے بعد علامہ کا سانی نے قبضہ اور تسلیم کی اس تفسیر کی دلیل بیان فرمائی ہے کہ احناف کے یہاں تسلیم اور قبضہ کی مذکورہ تفسیر کیوں ہے۔

”و لنا أن التسليم في اللغة عبارة عن جعله سالما خالصا يقال سلم فلان لفلان أي خلص له و قال الله تعالى: ”ورجلا سلما لرجل“ أي سالما خالصا لا يشركه فيه أحد فتسليم المبيع إلى المشتري هو جعل المبيع سالما للمشتري أي خلص له بحيث لا يباذعه فيه غيره و هذا يحصل بالتخلية فكانت التخلية تسليما من البائع و التخلي قبضا من المشتري“ (ایضاً)۔

(ہماری دلیل یہ ہے کہ تسلیم لغت میں شی کو سالم اور خالص بنادینے کا نام ہے، کہا جاتا ہے: ”سلم فلان لفلان“ یعنی فلان آدمی فلاں کے لئے خالص ہو گیا، اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ورجلا سلما لرجل، یعنی ایک آدمی جو خالص ایک ہی کے لئے ہو کوئی اس میں اس کا شریک نہ ہو، لہذا مبیع کو مشتری کے حوالہ کرنا یہ مبیع کو مشتری کے لئے سالم، یعنی اس طرح خالص کر دینا کہ اس مبیع کے سلسلہ میں اس سے کوئی منازعت نہ کرے، اور یہ تخلیہ سے حاصل ہو جاتا ہے، لہذا تخلیہ بائع کی جانب سے تسلیم اور تخلی مشتری کی طرف سے قبضہ ہوگا)۔

علامہ کا سانی کی اس عبارت میں وضاحت ہے کہ احناف نے تسلیم اور قبضہ کے شرعی معنی کی تعیین کے لئے لغوی معنی کا اعتبار کیا ہے، یعنی لغت میں تسلیم کے کیا معنی ہیں، اور اس معنی لغوی کے اعتبار سے ”تسلیم المبیع“ کے کیا معنی ہوں گے، اور یہ مفہوم کس چیز سے حاصل ہو سکتا ہے، چونکہ تخلیہ سے وہ لغوی مفہوم حاصل ہو جاتا ہے اس لئے حنفیہ نے تخلیہ کو تسلیم مبیع کا شرعی مفہوم

قرارداد اور اس تخلیہ کے نتیجہ میں حاصل ہونے والے ”تخلی“ کو مشتری کی طرف سے قبضہ قرار دیا،
ایہ اختیار کے نزدیک تخلیہ سے قبضہ حاصل ہو جائے گا۔

ماہر کا سہافی نے تخلیہ سے قبضہ کے حصول کی ایک وجہ یہ بیان کی ہے:

”لأن التسليم واجب و من عليه الواجب لا بد أن يكون له سبيل الخروج عن عهده ما وجب عليه و الذي في وسعه هو التخلي و رفع الموانع، واما الإقباض فليس في وسعه، لأن القبض بالبراجم فعل اختياري للقباض فلو تعلق وجوب التسليم به يتعذر عليه الوفاء بالواجب و هذا لا يجوز“ (ایضاً)۔

(اس لئے کہ تسلیم واجب ہے اور جس پر واجب ہے اس کے لئے اس واجب سے اپنے ذمہ کو فارغ کرنے کے لئے کوئی راستہ ہونا ضروری ہے اور جو چیز اس کی قدرت میں ہے وہ تخلیہ اور موانع کو دور کر دینا ہے، اقباض (قبضہ کرنا) یہ اسکی قدرت میں نہیں ہے اس لئے کہ باتوں سے لینا یہ قابض کا اختیاری فعل ہے، اگر وجوب تسلیم کا تعلق اس فعل اختیاری سے ہو تو (تسلیم کرنے والے پر) واجب کو پورا کرنا معذور ہو جائے گا اور یہ جائز نہیں ہے)۔

یعنی تخلیہ کو حکماً قبضہ قرار دیا گیا اس لئے کہ بائع یا بروہ شخص جس کے ذمہ تسلیم واجب ہے اس کی قدرت میں ”اقباض“ یعنی قبضہ کرنا نہیں ہے، اس وجہ سے کہ ”قبض بالید“ قابض کا اختیاری فعل ہے، اس میں تسلیم جس پر واجب ہے اس کا کوئی اختیار نہیں تو اگر وجوب تسلیم کو اس اقباض سے ساتھ متعلق کیا جائے، یعنی اس پر ”اقباض“ واجب کیا جائے تو یہ ”تکلیف بالایطاق“ یا ”تکلیف بتدرۃ الغیر“ ہوگا اور یہ جائز نہیں، لہذا وہ چیز جو اس کے بس اور قدرت میں ہے اور وہ تخلیہ ہے اس کو اس کا مکلف بنایا گیا، تاکہ اس سے وہ اپنے ذمہ کو واجب سے فارغ کر سکے۔

تخلیہ کی حقیقت:

جس تخلیہ کو حکماً قبضہ قرار دیا گیا ہے اسکی حقیقت کیا ہے اور اس کے معنی کیا ہیں اور آیا ہر

چیز کے اندر تخلیہ کی ایک ہی صورت ہوگی یا اشیاء کے اعتبار سے تخلیہ کی مختلف صورتیں ہوں گی؟

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

علامہ انور شاہ کشمیری نے قبضہ کے تحقق کو بیان کرتے ہوئے تخلیہ کی حقیقت اس الفاظ میں ذکر کی ہے:

”فاعلم أولا أن القبض في المنقولات لا يتحقق عند الشافعية إلا بالنقل و التحويل . وعندنا بالتخلية بينه وبين المشتري، أما أن التخلية ماذا هي؟ فهذا مما لا يكاد ينضبط إلا بعد النظر إلى الجزئيات شيئا، ومعناها عندی رفع علانق ملكه وتمكينه للمشتري على أن يقبضه، وذلك قد يكون بالفعل وأخرى بالقول وتارة بالقرائن“ (فیض الباری ۳: ۲۰۶)۔

سب سے پہلے یہ جان لو کہ شوافع کے نزدیک منقول چیزوں میں قبضہ نقل اور تحویل ہی کے ذریعہ پایا جائے گا، اور ہمارے حنفیہ کے نزدیک بیع اور مشتری کے درمیان تخلیہ سے بھی قبضہ تحقق ہو جائے گا، ہاں تخلیہ کیا چیز ہے تو اس کا بیان کرنا مشکل ہے ۱۱۱ یہ کہ جزئیات میں کچھ غلطی ہو جائے، اور میرے نزدیک تخلیہ کا معنی یہ ہے کہ اپنی ملکیت کے تمام تعلقات کو ختم کر کے مشتری کو قبضہ پر قدرت دے دینا، کبھی یہ فعل ہوگا، کبھی تو اس اور کبھی قرائن سے۔

علامہ کاسانی نے ایک دوسری جگہ قبضہ کا معنی ذکر کیا ہے جس سے اس کی حقیقت واضح ہوتی ہے:

”لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفا وعادة وحقيقة“ (ابراج والسنائع ۵: ۱۳۸)۔

قبضہ کے معنی تمکین، تخلی اور عرف و عادات اور حقیقت کے اعتبار سے جتنے موانع ہوں سب کو دور کرنا ہے۔

”در مختار“ میں ہے کہ تسلیم تخلیہ سے اس وقت حاصل ہوگا جب مشتری قبضہ پر قادر ہو جائے، قبضہ سے کوئی مانع اور حائل نہ ہو:

”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا

حائل و شرط فی الاجناس شرطاً ثالثاً، و هو أن يقول: خلیت بینک و بین المبیع“ (نذر الحائر بمشغلی رد المحتار)۔

(پھر تسلیم تخیلہ سے اس طرح حاصل ہوگا کہ مشتری قبضہ پر قادر ہو جائے بلا کسی مانع اور حائل کے اور اجناس میں ایک تیسری شرط یہ بھی ہے کہ بائع ”خلیت بینک و بین المبیع“ کہے۔)

”بلا مانع و لا حائل“ کی وضاحت علامہ شامیؒ نے اس طرح فرمائی ہے:

”(قوله بلا مانع) بأن يكون مفرزاً غير مشغول بحق غيره“ (و قوله ولا حائل) بأن يكون في حضرته“ (اینا)۔

(مانع نہ ہو، یعنی بیع الگ ہو کسی غیر کے حق میں مشغول نہ ہو، اور حائل نہ ہو، یعنی مشتری کے سامنے نہ ہو)۔

”اجناس“ ناطقی نے جو تیسری شرط تخیلہ کی ذکر کی ہے علامہ انور شاہ کشمیریؒ اس شرط کے متعلق فرماتے ہیں:

”و شرط فی أجناس الناطقی أن يقول باللسان: ”خلیت بینک و بینک“ و غیر ذلک مما یؤدی مؤداہ و لیس بضروری عندی و هذا الشرط لم أره عند غیرہ“ (فیض الباری ۲۰۶/۳)۔

اور ناطقی کے اجناس میں تیسری شرط ذکر کی گئی ہے کہ بائع زبان سے کہے ”خلیت بینک و بینک“ یا اسکے علاوہ کوئی دوسرا جملہ جو اس مفہوم کو ادا کر رہا ہو، اور یہ میرے نزدیک ضروری نہیں، اور یہ شرط میں نے ان کے علاوہ کے یہاں نہیں دیکھی۔

صاحب ”در مختار“ نے تخیلہ کے قیود میں سے ”ولا حائل“ پر تفریع کرتے ہوئے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر بیع مشتری کے سامنے نہ ہو بعید ہو تو تصحیح قول کے مطابق مشتری قابض نہیں ہوگا، علامہ شامیؒ نے اس تصحیح قول کے مقابل جو دوسرا قول ہے اس کو نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

”قوله على الصحيح) و هو ظاهر الرواية و مقابله ما فى المحيط و جامع شمس الأئمة أنه بالتخلية يصح القبض، وإن كان العقار بعيدا غالبا عنهما عند أبى حنيفة خلافا لهما و هو ضعيف كما فى البحر، و فى الخانية والصحيح ما ذكر فى ظاهر الرواية؛ لأنه إذا كان قريبا يتصور فيه القبض الحقيقى فى الحال فتقام التخلية مقام القبض، أما إذا كان بعيدا لا يتصور القبض فى الحال فلا تقام التخلية مقام القبض“ (شامی ۴/۳۳۳)۔

(صحیح قول ظاہر الروایۃ ہی ہے اور اس کے مقابل وہ قول ہے جو محیط اور شمس الأئمة کے جامع میں ہے کہ تخلیہ سے قبضہ صحیح ہو جائے گا، اگرچہ عقار بعید، عاقدین کی نظروں سے اوجھل ہو، امام ابو حنیفہ کے نزدیک، برخلاف صاحبین کے قول کے، اور محیط وغیرہ کا یہ قول ضعیف ہے جیسا کہ بحر میں ہے، اور خانہ میں ہے کہ صحیح وہی قول ہے جو ظاہر الروایۃ میں مذکور ہے، اس لئے کہ جب عقار قریب ہو تو اس میں فی الحال حقیقی قبضہ کا تصور ہو سکتا ہے، لہذا تخلیہ کو قبضہ کے قائم مقام گردانا جائے گا، لیکن جب دور ہو تو فی الحال اس میں قبضہ کا تصور نہیں ہو سکتا، اس لئے تخلیہ اس صورت میں قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوگا)۔

مطلب یہ کہ صاحبین کا قول جو ظاہر الروایۃ میں ہے وہی صحیح ہے، اور خانہ کی عبارت سے اس صحت کی وجہ اور علت یہ معلوم ہوئی کہ تخلیہ کے قبضہ کے قائم مقام ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ عقد کے بعد فی الحال اس میں اگر قبضہ حقیقی کا تصور ہو سکتا ہے تو تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوگا، ورنہ اگر فی الحال قبضہ حقیقی کا تصور نہ ہو تو تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوگا، عقار کے قریب ہونے کی صورت میں چونکہ فی الحال قبضہ حقیقی ہو سکتا ہے، لہذا اس صورت میں تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوگا اور دوسری صورت میں جب عقار دور ہو تو فی الحال قبضہ حقیقی کا تصور نہیں ہے، اس لئے تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہیں ہوگا۔

صاحب ”فیض الباری“ نے تخلیہ کی حقیقت کو چند جزئیات سے واضح کرنے کے بعد

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

یہ ہے:

”و بالجملة أن القبض في البيع و الهبة و الرهن يتحقق عندنا بالتخلية و
 التمكنة على القبض و لا يحتاج إلى القبض الحسى أو النقل“ (فیض الباری ۲۰۶:۳)۔
 (غلام یہ کہ قبضہ، ہبہ اور رهن میں ہمارے نزدیک تخلیہ اور قبضہ پر قدرت سے متحقق
 ہو جائے گا، قبضہ حسی یا نقل کی ضرورت نہیں ہے)۔

علامہ شامی اس تخلیہ کی جس سے قبضہ پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے چند صورتیں ذکر
 کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

”و حاصله أن التخلية قبض حکما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن
 ذلك يختلف بحسب حال المبيع“ (شامی ۴۳۴)۔

حاصل یہ کہ تخلیہ حکماً قبضہ ہے، اگر بلا مشقت قبضہ پر قدرت حاصل ہو، لیکن یہ قبضہ حکمی
 مبیع کی حالت کے اعتبار سے مختلف ہوگا۔

تخلیہ قبضہ تام ہے یا ناقص:

تخلیہ (جس سے بلا مشقت قبضہ پر قدرت حاصل ہو جائے) کے حکماً قبضہ ثابت
 ہو جانے کے بعد دو مسئلے اور زیر بحث رہ جاتے ہیں: (۱) تخلیہ قبضہ تام ہے یا نہیں، (۲) جواز
 تصرف کے لئے قبضہ تام ضروری ہے یا مطلقاً قبضہ تصرف کے جائز ہونے کیلئے کافی ہے۔

اس بحث کو علامہ کاسانی نے بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے، دوسرے حضرات نے بھی
 علامہ موصوف سے اس بحث کو نقل کیا ہے، مثلاً صاحب ”اعلاء السنن“ میں۔

اول الذکر مسئلہ سے متعلق علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ تمام حنفیہ کا اس بات
 پر اتفاق ہے کہ تمام اموال میں تخلیہ سے اصل قبضہ حاصل ہو جائے گا، لیکن اس مسئلہ میں اختلاف
 ہے کہ تخلیہ قبضہ تام ہے یا نہیں۔

”ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في

سانو الاموال و اختلفوا فی انہا ملل ہی قبض تام أم لا“ (بدائع ۲۵۴)۔
 (تمام دفعہ کے مابین اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ تمام احوال میں تخلیہ سے اصل
 قبضہ حاصل ہو جائے گا، لیکن اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ تخلیہ قبضہ تام ہے یا نہیں)۔
 اس کے بعد اس اختلاف کا حاصل ذکر فرمایا ہے جس کو انہی کی عبارت میں ترجمہ کے
 ساتھ پیش کیا جا رہا ہے:

”وجملة الكلام فيه أن المبيع لا يخلو إما أن يكون له مثل وإما أن
 يكون مما لا مثل له، فإن كان مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات
 المتفاوتة فالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف، وإن كان مما له مثل فإن باعه
 مجازفة فكذا ذلك، لأنه لا يعتبر معرفة القدر في بيع المجازفة، وإن باع مكيالة
 أو موازنة في المكيل والموزون وخلي، فلا خلاف في أن المبيع يخرج من
 ضمان البائع ويدخل في ضمان المشتري ولا خلاف في أنه لا يجوز للمشتري
 بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن لانعدام القبض بانعدام الكيل أو الوزن أو
 شرعا غير معقول السعنى مع حصول القبض بتمامه بالتخلية“ (ملخص من البدائع
 ۲۵۴)۔

(حاصل یہ کہ بیع دو حال سے خالی نہیں، مثلی ہوگی یا غیر مثلی، اگر غیر مثلی مذروعات یا
 معدودات متفاوتہ میں سے ہو تو بلا اختلاف تخلیہ اس میں قبضہ تام ہے) (تخلیہ سے بیع بائع کے ضمان
 سے نکل جائے گی اور مشتری کے لئے زرع اور شمار سے پہلے اس کو پہنچنا اور نفع اٹھانا جائز ہے) اور
 اگر بیع مثلی ہے اور اس کی بیع جزا فاسی ہوئی ہے تو بھی یہی حکم ہے (تخلیہ سے بلا اتفاق قبضہ حاصل
 ہو جائے گا) اس لئے کہ بیع جزا فاسی مقدار کی معرفت معتبر نہیں ہوتی، لیکن اگر کیلی یا وزنی چیز کو
 کیل یا وزن کے شرط کے ساتھ فروخت کیا اور تخلیہ کر دیا تو اس مسئلہ میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے
 کہ بیع بائع کے ضمان سے خارج ہو جائے گی اور مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی، اور اسی

طرح اس میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ مشتری کے لئے کیل یا وزن سے پہلے اسکا فروخت کرنا یا اس سے انتفاع جائز نہیں ہے، لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ تصرف کی حرمت کیل یا وزن سے پہلے کیل اور وزن کے نہ پائے جانے کی وجہ سے قبضہ کے معدوم ہونے کی بنا پر ہے یا تخلیہ سے قبضہ تام حاصل ہو جانے کے باوجود تصرف کی حرمت شرعاً غیر معقول المعنی ہے۔ اس کے بعد علامہ کاسانی مشائخ احناف کا یہ اختلاف تحریر فرماتے ہیں:

”قال بعض مشائخنا، إنها ثبت شرعاً غير معقول المعنى، و قال بعضهم: الحرمة لمكان انعدام القبض على التمام بالكيل أو الوزن، و كما لا يجوز التصرف في المبيع المنقول بدون قبضه أصلاً لا يجوز بدون قبضه بتمامه“ (ایضاً)۔

(بعض مشائخ احناف کا قول یہ ہے کہ تصرف کی حرمت کا ثبوت شرعاً غیر معقول المعنی (امرتعدی) ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ کیل یا وزن کے ذریعہ قبضہ تام کے معدوم ہونے کی وجہ سے ہے اور جس طرح منقول مبیع کے اندر اصل قبضہ کے بغیر تصرف ناجائز ہے، قبضہ تام کے بغیر بھی ناجائز ہے)۔

پھر مشائخ کی دونوں جماعتوں کی دلیل ذکر فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”وجه قول الأولين ما ذكرنا أن معنى التسلم و التسليم يحصل بالتخلية؛ لأن المشتري يصير سالماً خالصاً للمشتري على وجه يتهاى له تقليبه و التصرف فيه على حسب مشيئته و إرادته ، و لهذا كانت التخلية تسليماً و قبضاً فيما لا مثل له و فيما له مثل إذا بيع مجازفةً دل أن التخلية قبض إلا أن حرمة التصرف مع وجود القبض بتمامه ثبت تعبداً غير معقول المعنى والله عز و جل أعلم. وجه قول الآخرين تعليل محمد في هذه المسئلة في كتاب البيوع، فإنه قال: و لا يجوز للمشتري أن يتصرف فيه قبل الكيل لأنه باعه قبل

أن يقبضه و لم يرد به أصل القبض و الدليل على أن الكيل و الوزن في المكيل و الموزون الذي بيع مكايلة و موازنة من تمام القبض أن القدر في المكيل و الموزون معقود عليه، ألا ترى! أنه لا كيل فازداد لا تطيب له الزيادة بل تزداد يفرض لها ثمن و لو نقص يطرح بحصته شيء من الثمن و لا يعرف القدر فيهما إلا بالكيل و الوزن لاحتمال الزيادة و النقصان، فلا يتحقق قبض القدر المعقود عليه إلا بالكيل و الوزن فكان الكيل و الوزن فيه من تمام القبض“ (۲۴۵ ص)۔

(اول الذکر مشائخ کے قول کی دلیل وہی چیز جو ہم نے ذکر کی کہ تسلیم اور تسلیم کا معنی تخلیہ سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لئے کہ خریدی ہوئی چیز مشتری کے لئے اس طرح خالص ہو گئی کہ وہ اس میں اپنے ارادہ اور منشا کے مطابق تصرف کر سکتا ہے، اور اس وجہ سے تخلیہ غیر مثلی چیز اور اس مثلی میں جس کو جزافاً بیچا جائے قبضہ شمار ہوتا ہے، یہ دلیل ہے کہ تخلیہ قبضہ ہے، مگر قبضہ تام کے پائے جانے کے باوجود تصرف حرام ہے، اس لئے کہ حرمت کا ثبوت تعبدی ہے، یعنی غیر معقول المعنی ہے اسکی حرمت کی شرعاً کوئی علت نہیں بیان کی گئی ہے، واللہ عزوجل اعلم۔ دوسرے حضرات کے قول کی دلیل کتاب البیوع میں اس مسئلہ میں امام محمد کی تعلیل ہے، کیونکہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ مشتری کے لئے کیل سے پہلے اس میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اس وجہ سے کہ اس نے اس کو قبضہ سے پہلے فروخت کیا ہے، امام محمدؒ کی مراد اس سے اصل قبضہ نہیں ہے، بلکہ اس سے قبضہ تام مراد لیا ہے اس لئے کہ اصل قبضہ تو موجود ہے، اور اس کی دلیل کہ مکلی اور موزونی چیز میں مقدار معقود علیہ ہے، کیونکہ دیکھئے صورت مذکورہ ہی میں اگر مبیع کو کیل کیا گیا اور مبیع زائد نکلی تو یہ زیادتی مشتری کے لئے طیب نہیں ہے، بلکہ یا تو واپس کر دے یا اسکے عوض ثمن مقرر کرے، اور اگر مبیع کم نکلی تو ثمن سے اتنی مقدار وضع کر دی جائے گی (لہذا مقدار معقود علیہ ہے) اور ان دونوں زیادتی اور کمی کے احتمال کی وجہ سے مقدار کو کیل اور وزن ہی سے جانا جاسکتا ہے، لہذا معقود علیہ کی مقدار پر قبضہ کیل اور وزن کے بغیر تحقق نہیں ہو سکتا، لہذا اس میں کیل اور وزن قبضہ کے اکمال اور اتمام

میں سے ہوگا)۔

اس اختلاف کا حاصل یہ ہوا کہ بعض مشائخ کے نزدیک تو تخلیہ سے قبضہ تام متحقق ہو جاتا ہے، خواہ میع مثلی ہو یا غیر مثلی، اور مثلی ہونے کی صورت میں بیع مجازفہ ہو یا کیل و وزن کی شرط کے ساتھ، لیکن جب بیع مثلی ہو اور بیع کیل اور وزن کی شرط کے ساتھ ہوئی ہو تو قبل الکیل والوزن اس بیع میں تصرف جائز نہیں، اس لئے کہ احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لہذا شریعت کے اس حکم کی وجہ سے محض بعد اس میں تصرف ممنوع ہوگا، ہاں مشتری کے ضمان میں وہ بیع آجائے گی۔

دوسرے بعض مشائخ کی رائے ہے کہ اگر بیع غیر مثلی مذروعات اور معدودات متفاوتہ میں سے ہے یا مثلی ہے، لیکن بیع کیل یا وزن کی شرط کے ساتھ نہیں ہوئی ہے تو تخلیہ سے قبضہ تام حاصل ہو جائے گا اور اس میں اس کے لئے ہر طرح تصرف کرنا اور انتفاع جائز ہوگا، لیکن اگر بیع مثلی ہے اور بیع کیل اور وزن کی شرط کے ساتھ ہوئی ہے تو محض تخلیہ سے قبل الکیل والوزن قبضہ تام حاصل نہیں ہوگا، لہذا کیل اور وزن سے پہلے اس میں تصرف جائز نہیں ہوگا، علامہ کاسانی کے نزدیک یہ قول راجح ہے اسی لئے اول الذکر حضرات کی دلیل کا ان کی دلیل کے تحت جواب بھی دیا ہے۔

نیز ان عبارتوں سے دوسرا مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ مشائخ کی دونوں جماعتوں کے نزدیک قبضہ تام کے بغیر تصرف جائز نہیں ہے جس طرح اصل قبضہ کے بغیر تصرف جائز نہیں ہے، ہاں ایک جماعت نے تخلیہ کو مطلق قبضہ تام شمار کیا ہے اور دوسری جماعت نے ایک صورت میں تخلیہ کو قبضہ تام نہیں شمار کیا ہے، بلکہ تخلیہ سے محض قبضہ متحقق ہوگا، اور کیل و وزن سے قبضہ تام ہو جائے گا۔

۳- قبضہ کی نوعیت میں اختلاف:

تمام ائمہ کرام کے نزدیک اشیاء کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت میں اختلاف ہوگا،

احناف کے نزدیک بھی اگرچہ تمام اموال میں تخلیہ سے قبضہ حاصل ہو جاتا ہے لیکن بیع کی حالت کے اعتبار سے تخلیہ کی نوعیت مختلف ہوگی، جیسا کہ شامی کے حوالہ سے ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے۔

”و حاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع“۔

(حاصل یہ کہ تخلیہ حکماً قبضہ ہے اگر بلا مشقت و کلفت قبضہ پر قدرت حاصل ہو جائے، لیکن یہ قبضہ حکمی بیع کی حالت کے اعتبار سے مختلف ہوگا)۔

اس کے بعد علامہ شامیؒ نے کچھ امثلہ اور جزئیات اس اختلاف کی وضاحت کیلئے ذکر کی ہیں:

”ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أي بأن تكون في البلد فيما يظهر، وفي نحو بقر في مرعى، فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض، وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مديده تصل إليه قبض، وفي نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض“ (شامی ۴/۴۳)۔

(لہذا گیہوں یا اس طرح کی چیز جو گھر میں ہو کنجی کا دینا جب کہ اس سے بلا مشقت کھولنا ممکن ہو قبضہ ہے، اور دار کے مانند چیز میں اس کے بند کرنے پر قدرت کا ہونا قبضہ ہے، اس طرح کہ وہ اسی شہر میں ہو، اور گائے، بیل وغیرہ جو چراگاہ میں ہوں ان کا اس طرح ہونا کہ وہ نظر آرہے ہوں ان کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہو قبضہ ہے، اور کپڑے وغیرہ میں کپڑے کا اس طرح ہونا کہ اگر ہاتھ بڑھایا جائے تو ہاتھ پہنچ جائے قبضہ ہے، اور گھوڑے یا پرندے وغیرہ میں جو گھر کے اندر ہوں یا کسی مددگار کے گھر سے ان کے پکڑنے کا ممکن ہونا قبضہ ہے)۔

اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عرف کے اختلاف سے قبضہ کی نوعیت مختلف ہوگی، جیسا کہ

ما قبل میں ”المجوع“ اور ”الفقه الاسلامی“ وغیرہ کے حوالہ سے ذکر کیا جا چکا ہے۔
 نیز صاحب ”بذل المجود“ نے خطاب کا قول ذکر کیا ہے:

”قال الخطابی: القبوض يختلف في الأشياء بحسب اختلافها في
 أنفسها، فمنها: ما يكون بأن يوضع المبيع في يد صاحبه، ومنها: ما يكون بأن
 يكتال وذلك فيما بيع من الكيل كيلاً، فأما ما يباع منه جزافاً صبرة مصوبة
 على الأرض فالقبض أن ينقل ويحول من مكانه“ (بذل المجود ۳/۲۸۴)۔

(علامہ خطابی نے فرمایا کہ اشیاء کی ذات میں اختلاف کے اعتبار سے قبضہ بھی مختلف
 ہوتا ہے، قبضہ کی ایک صورت تو یہ ہے کہ بیع مالک کے ہاتھ میں رکھ دی جائے، اور بیع، مشتری کے
 درمیان تخلیہ سے بھی قبضہ ہو جاتا ہے، اور ایک صورت یہ ہے کہ بیع کو اس کی جگہ سے منتقل کر دیا
 جائے، اور ایک چوتھی صورت یہ ہے کہ کیل کرنے سے قبضہ حاصل ہوتا ہے، اور یہ اس صورت میں
 جب کہ کسی مکملی شی کو کیل کی شرط پر بیچا جائے، لیکن اس صورت میں جب جزافاً زمین پر لگے
 ہوئے ڈھیر کے اعتبار سے فروخت کیا جائے تو پھر قبضہ منتقل کرنے سے ہوگا)۔

۴۔ بیع قبل القبض کی ممانعت سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں:

حضرت ابن عباسؓ سے اس نہی کے سبب کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے
 فرمایا کہ اس میں ربا ہے۔

”وسئل عن ابن عباس عن سبب هذا النهي فقال: الدراهم بالدراهم
 والطعام ربا، قال الشوكاني وذلك؛ لأنه إذا اشترى طعاما بمائة دينار ودفعها
 للبايع ولم يقبض منه الطعام ثم باع الطعام إلى آخر فكانه اشترى منه بذهبه ذهباً
 أكثر“ (اعلام السنن ۱۳/۲۲۵)۔

حضرت ابن عباسؓ سے اس نہی کے سبب کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: دراهم
 دراهم کے بدلے ہوئے اور غلہ ربا ہے، شوکانی نے کہا اور وہ اس لئے کہ اس نے (مشتری) جب

سودینار میں غلہ خریدا اور سودینار بائع کو دیدیا، اور غلہ پر قبضہ نہیں کیا پھر غلہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا تو گویا اس مشتری نے بائع سے اپنے سونے کے بدلے زیادہ سونا خریدا۔

علامہ شوکانی اس تعلیل کے بارے میں فرماتے ہیں:

”وهذا التعليل أجود مما علل به النهي؛ لأن الصحابة أعرِف بمقاصد الرسول ﷺ“ (ایضاً)۔

(یہ تعلیل دوسری تمام تعلیلوں سے عمدہ ہے، اس لئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سرکارِ دو عالم ﷺ کے مقاصد سے زیادہ واقف ہیں)۔

مسلم شریف میں حضرت ابن عباسؓ کے اس قول: ”الدراهم بالدراهم والطعام ربا“ کے بجائے ”ألا تراهم أنهم يتبايعون بالذهب والطعام مرجأ“ کے الفاظ ہیں، لیکن ان کا بھی وہی مطلب ہے کہ ”بيع الشيء قبل القبض بيع الذهب بالذهب متفاضلاً“ کو متضمن ہے جو ربا ہے یعنی ”ربا بالتفاضل“ ہے، جیسا کہ صاحب ”فتح الباری“ حافظ ابن حجرؒ نے ذکر کیا ہے (فتح الباری ۵/۲۵۳)۔

صاحب ”ہدایہ“ نے شیخینؒ کے قول ”بيع العقار قبل القبض“ کے جواز کی دلیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

”والغور المنهى عنه غرر انفساخ العقد والحديث معلول به (قال ابن الهمام): والحديث الذي استدل به معلول به أى بغرر الانفساخ“ (فتح القدير ۵/۲۶۶)۔
(جس غرر سے منع کیا گیا ہے وہ عقد کے فسخ ہونے کا غرر ہے، اور حدیث (بيع قبل القبض عدم جواز کی) اسی غرر کے ساتھ معلول ہے، ابن ہمام نے کہا: وہ حدیث جس سے استدلال کیا گیا غرر انفساخ کے ساتھ معلول ہے)۔

یعنی شیخینؒ کے نزدیک ”بيع قبل القبض“ کی نہی سے متعلق احادیث معلول ”بعالة غرر الانفساخ“ ہیں، لہذا عقار کی بیع قبل القبض غرر انفساخ کی علت نہ ہونے کی وجہ سے ان کے

نزدیک جائز ہوگی، اور محمد عتقار کی بیع کو بھی قبل القبض ناجائز قرار دیتے ہیں امام ابو یوسف کا بھی یہی قول اول تھا، کیونکہ عدم جواز کا حکم منقول اور غیر منقول دونوں کو عام ہے اس وجہ سے کہ نبی کی علت ”بیع قبل القبض“ کا ”ربح مالہ یضمن“ کو متضمن ہونا ہے جس کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

صاحب ”اعلاء السنن“ تحریر فرماتے ہیں:

”ثم أبو حنیفۃ قصر الحكم على المنقول وغير المنقول، واحتج أبو حنیفۃ بأن الحكم معلل بغرر انفساخ العقد بهلاك المبيع والهلاك في غير المنقول نادر والنادر كالمعدوم وقال صاحبه، إنه إن لم يكن فيه غرر الانفساخ، ففي بيعه قبل القبض ربح مالہ یضمن وهو منهي عنه“۔

(پھر امام ابو حنیفہ نے حکم کو منقول پر منحصر کیا ہے اور صاحبین منقول اور غیر منقول میں حکم کے عام ہونے کے قائل ہیں، امام ابو حنیفہ نے اس طرح استدلال کیا ہے کہ حکم (عدم جواز بیع قبل القبض) معلل ہے بیع کی ہلاکت کی وجہ سے عقد کے فسخ ہو جانے کے غرر اور اندیشہ کے ساتھ، اور ہلاکت غیر منقول میں نادر ہے اور نادر کا معدوم ہے، اور صاحبین نے فرمایا کہ اگرچہ اس میں غرر انفساخ نہیں ہے لیکن عتقار کے قبل القبض بیع میں ”ربح مالہ یضمن“ ہے، اور اس سے منع کیا گیا ہے۔)

واضح رہے کہ امام ابو یوسف کا یہ قول اول ہے، قول ثانی اور آخر میں امام صاحب کے

ساتھ ہیں، جیسا کہ صاحب فتح القدیر نے ذکر کیا ہے (۲۶۵/۵)۔

بعض حضرات نے شیخین کے نزدیک بھی ”بیع قبل القبض“ کے عدم جواز کی یہی علت ذکر کی ہے کہ یہ ”ربح مالہ یضمن“ کو متضمن ہے، پھر بیع العتقار قبل القبض کے جواز کی یہ وجہ بیان فرماتے ہیں کہ انسان کے ضمان میں صرف وہ چیز آتی ہے جس میں ہلاکت کا اندیشہ ہو جس میں ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو یا نادر ہو وہ چیز مضمون نہیں ہوتی، اس میں بائع اور مشتری دونوں کا ضمان برابر

ہوتا ہے، اور عقار میں ہلاکت کا اندیشہ نادر ہے۔ ہاں اگر عقار دریا کے کنارے ہو یا بیچ بالا خانہ ہو اس کی بیع بھی قبل القبض جائز نہیں اس وجہ سے کہ ہلاکت کا اندیشہ ہے۔
 ”تکملہ فتح الملہم“ میں ہے:

”وبعین هذه الدلائل الثلاثة يستدل أبو حنيفة وأبو يوسف رحمهما الله تعالى، غير أنهما يستثنيان العقار من عموم النهي، لأن علة النهي منفية فيه، فإن الحديث الأخير، حديث عبد الله بن عمرو، دل على أن علة النهي عن بيع المبيع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح ما لم يضمن، وإنما يضمن الإنسان ما يخاف فيه الهلاك، وأما العقار فلا يخشى فيه ذلك إلا نادراً حتى لو كان العقار على شط البحر أو كان المبيع علواً لا يجوز بيعه قبل القبض“ (تکملہ فتح الملہم ۲۵۳/۱)

(بعینہ انہی تینوں دلائل سے) (جن سے امام شافعی اور امام محمدؒ نے استدلال کیا ہے) امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ نے بھی استدلال کیا ہے، مگر ان دونوں نے نبی کے عموم سے عقار کو مستثنیٰ کیا ہے اس لئے کہ نبی کی علت اس میں موجود نہیں ہے، کیونکہ حدیث اخیر یعنی عبد اللہ بن عمروؓ کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نبی کی علت بیع قبل القبض کا ”ربح ما لم يضمن“ کو مستلزم ہونا ہے، اور انسان صرف انہیں چیزوں کا ضامن ہوتا ہے جن میں ہلاکت کا اندیشہ ہو، اور رہا عقار تو اس میں اس کا اندیشہ نہیں ہوتا الا شاذ و نادر، اگر عقار دریا کے کنارے ہے یا بیچ اوپر کی منزل ہے تو اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں) (اس لئے کہ اس میں ہلاکت کا اندیشہ ہے، لہذا یہ مضمون بھی ہوگی)۔

صاحب ”الفقہ الاسلامی وادائتہ“ نے ائمہ کرام کے مذاہب اور ہر ایک کے نزدیک نبی کی جو علت ہے اس کو ذکر کیا ہے:

”والخلاصة، أن العلة عند الحنفية في عدم جواز بيع الشيء قبل قبضه

ہی الغرر والعلہ فی منع بیع الطعام قبل قبضہ عند المالکیہ ہی اُنہ قد یتخذ البیع ذریعۃ للتوصل إلی ربا النسیئۃ فهو شبیه بیع الطعام فالطعام نساء فیحرم سدا للذرائع . فالعلہ فی منع هذا البیع عند الحنابلہ ہی الغرر کالحنفیۃ.

فالعلہ فی منع البیع عند الشافعیۃ ہی الغرر کالحنفیۃ“ (الفقہ الاسلامی وادلتہ

۳۴۰، ۳۴۱، ملخصاً)۔

(خاصہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک بیع اشی قبل القبض کے عدم جواز کی علت غرر ہے، اور بیع الطعام قبل القبض کے ممنوع ہونے کی علت مالکیہ کے نزدیک یہ ہے کہ اس بیع کو کبھی ”ربا بالنسیئۃ“ تک پہنچنے کا ذریعہ بنا لیا جاتا ہے، لہذا یہ ”بیع الطعام بالطعام نساء“ کے مشابہ ہے، لہذا اسد اللذرائع اس کو حرام قرار دیا گیا، اور حنابلہ کے نزدیک اس بیع کے ممنوع ہونے کی علت غرر ہے احناف کی طرح، اور شوافع کے نزدیک بھی احناف کی طرح اس بیع کے ممنوع ہونے کی علت غرر ہی ہے)۔

ان تمام عبارتوں سے معلوم ہوا کہ نبی سے متعلق احادیث معلول ہیں، لیکن علت نبی میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے، اس لئے کہ نبی کی کوئی علت حدیث پاک میں منصوص نہیں ہے، بعض علماء نے ”ربیع مالہم یضمن“ کے مستلزم ہونے کو علت منصوصہ قرار دیا ہے، لیکن یہ صحیح نہیں، کیونکہ بیع قبل القبض کے عدم جواز کی علت کے طور پر اس کی تصریح نہیں ہے، ہاں دوسری حدیث کے اندر اس کی ممانعت ہے، لیکن دوسری حدیث میں اس کی ممانعت ہونے اور بیع قبل القبض کے اس کو مستلزم ہونے کی وجہ سے اس کو علت منصوصہ نہیں قرار دیا جاسکتا، اس لئے کہ پھر تو ”ربا بالنسیئۃ أو التفاضل“ اور ”غرر“ اس کی بھی ممانعت ہے اور ”بیع قبل القبض“ اس کو مستلزم ہے، لہذا یہ بھی علت منصوصہ ہونی چاہئے، لہذا یہ سب اجتہادی اور غیر منصوص علتیں ہیں، اور جہاد م نے اپنی اختیار کردہ علت کے اعتبار سے اس نبی میں استثناء یا تخصیص کی ہے اور دوسروں کے مسلک کے لحاظ سے وارد ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا ہے۔

صاحب ”الفقہ الاسلامی“ اپنے رجحان کو ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت کی علت فقہاء مذاہب کی ذکر کردہ علتوں کا مجموعہ ہے:

”نحن نرجح أن الحكمة في النهي أصلاً عن بيع ما لم يقبض هي أن هذا البيع يشبه الربا إذ أن المشتري إذا دفع دراهمه إلى البائع في سلعة، ثم عمد إليها فباعها قبل أن يقبضها فكأنها دفع دراهمه واستفاد بها ربها بمجرد دفعها إلى البائع دون القيام بعمل ما، وهذا شبهه الربا ثم أن في هذا البيع غرراً ناشئاً عن عدم القدرة على التسليم وبه تكون علة النهي عن بيع الشيء قبل قبضه هو مجموع ما ذكره فقهاء المذاهب“ (۳/۴۵۵-۴۵۶)۔

(ہم راجح سمجھتے ہیں کہ ”بیع ما لم يقبض“ سے نبی کی حکمت یہ ہے کہ یہ ”بیع ربا“ کے مشابہ ہے، اس لئے کہ جب مشتری نے اپنے دراہم بائع کو دیئے کسی سامان کیلئے، پھر اس سامان کا قصد کیا اور قبضہ سے پہلے ہی اس کو فروخت کر دیا تو گویا مشتری نے اپنے دراہم بائع کو دیئے اور محض دینے سے اس سے نفع کمایا، جب کہ اس میں کچھ کیا نہیں، اور یہ ”ربا“ کے مشابہ ہے، پھر اس بیع میں تسلیم پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے غرر بھی پیدا ہونے والا ہے، اور اس کی وجہ سے ”بیع الشيء قبل القبض“ کے عدم جواز کی علت فقہاء مذاہب کی ذکر کردہ علتوں کا مجموعہ ہوگی)۔

مذکورہ تمام عبارتوں سے گرچہ یہ معلوم ہوا کہ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت ”معلول بالعلت“ ہے، لیکن علامہ ابن العربی مالکی، ”عارضۃ الا حوزی شرح ترمذی“ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حکم غیر معلل ہے:

”اصل هذه المسائل أن البيع قبل القبض هل هو معلل أم لا وقد تقدم من كلامنا أنه غير معلل وإنما هو تعبد، وقال أبو حنيفة: لم يجوز ما لم يقبض للغرر؛ لأنه يخشى انفساخ العقد بهلاكه“ (عارضۃ الا حوزی ۲/۴۹۲)۔

(ان مسائل کی اصل یہ ہے کہ بیع قبل القبض (کی ممانعت) کیا معلل بالعلۃ ہے یا نہیں اور ماقبل میں ہمارے کلام کے اندر یہ گزر چکا کہ یہ غیر معلل ہے اور یہ حکم تعبدی ہے، اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ قبضہ سے پہلے بیع جائز نہیں غرر کی وجہ سے، اس لئے کہ بیع کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے عقد کے فسخ ہو جانے کا اندیشہ ہے)۔

ابن اصرار حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عام ائمہ کرام کی رائے یہی ہے کہ یہ حکم معلل بالعلۃ ہے، ہاں تعین علت میں اختلاف ہے۔

بیع قبل القبض کے سلسلہ میں ائمہ کرام کے مذاہب:

۵۔ علامہ نوویؒ نے ”المجموع شرح المہذب“ میں ابن المذہب سے اور ”صاحب بذل المجموع“ نے خطابی سے ”بیع قبل القبض“ کے سلسلہ میں علماء کے مذاہب نقل کئے ہیں، یہاں بذل المجموع سے عبارت نقل کی جا رہی ہے:

”قال الخطابی أجمع أهل العلم على أن الطعام لا يجوز بيعه قبل القبض واختلفوا فيما عداه من الأشياء، فقال أبو حنيفة وأبو يوسف: ما عدا الطعام بمنزلة الطعام إلا الدور والأراضي، فإن بيعها قبل قبضها وغير الطعام من السلعة والدور والعقار سواء لا يجوز بيع شيء منها حتى يقبض وهو قول ابن عباسؓ، وقال مالك ابن انس: ما عدا المأكول والمشروب جائز أن يباع قبل أن يقبض، وقال الأوزاعي وأحمد بن الحنبل وإسحاق: يجوز بيع كل شيء منها خلا المكيل والموزون روى ذلك عن ابن المسيب والحسن بصرى والحكم وحماد، انتهى“ (بذل المجموع ۴/۲۸۳)۔

(علامہ خطابی نے کہا کہ اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ غلہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، غلہ کے علاوہ دوسری اشیاء میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ دار اور اراضی کے علاوہ تمام چیزیں غلہ ہی کے درجہ میں ہیں، دار اور اراضی کی بیع کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

قبل القبض جائز ہے، امام شافعیؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ غلہ اور غلہ کے علاوہ تمام چیزیں، خواہ سامان ہو یا دار ہو یا عقار ہو سب برابر ہیں کسی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے، امام مالکؒ نے فرمایا کہ ماکول اور مشروب کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز ہے، امام اوزاعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاقؒ نے فرمایا کہ مکلی اور موزونی چیز کے علاوہ ان میں سے ہر چیز کی بیع جائز ہے، حضرت ابن المسیب، حسن بصری، حکم اور حمادؒ سے یہی قول مروی ہے۔

یعنی بیع قبل القبض کے سلسلہ میں علماء کے چار مذاہب ہیں:

۱- امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عقار کے علاوہ کسی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں۔

۲- امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کسی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔

۳- امام مالکؒ کے نزدیک ماکول اور مشروب کی بیع جائز نہیں، اس کے علاوہ تمام چیزوں کی جائز ہے۔

۴- امام اوزاعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور اسحاقؒ کے نزدیک مکلی اور موزونی کے علاوہ ہر چیز کی بیع قبل القبض جائز ہے، صرف مکلی اور موزونی چیز کی بیع قبل القبض جائز نہیں، حضرت سعید بن المسیب، حسن بصری، حکم اور حمادؒ سے بھی یہی مروی ہے۔

دلائل:

حضرت امام شافعیؒ اور امام محمدؒ اپنے مسلک پر حضرت حکیم بن حزام اور زید بن ثابتؓ کی روایتوں سے استدلال کرتے ہیں، علامہ نوویؒ "شرح مہذب" میں تحریر فرماتے ہیں:

ہمارے اصحاب (شوافع) نے حضرت حکیم بن حزامؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سرکارِ عالم ﷺ نے فرمایا کہ: نہ فروخت کرو جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کرو، اور یہ حدیث

حسن ہے، جیسا کہ شروع فصل میں بیان گذر چکا اور زید بن ثابتؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے سامانوں کو فروخت کرنے سے خریدنے کے وقت منع فرمایا، جب تک کہ تاجر ان کو اپنے گھروں میں منتقل نہ کر لیں، ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے (شرح مہذب ۲۹۶/۹)۔

امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ روایتیں عام ہیں، لہذا یہ حکم عام ہوگا، اس میں تخصیص نہیں کی جائے گی، امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے بھی انہیں روایتوں سے استدلال کیا ہے، لیکن ان کے نزدیک یہ حکم عام نہیں، بلکہ ”عام لم یخص منه البعض“ ہے، علت نہیں (قبضہ سے پہلے بیع کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے عقد کے فسخ ہو جانے کا اندیشہ) کی وجہ سے یہ حکم منقول کے ساتھ خاص ہوگا، غیر منقول کی بیع قبل القبض جائز ہوگی، شیخینؒ پر یہاں اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ نص تعلیل کے مقابلہ میں ہے، کیونکہ یہ تو نص کے عموم کی تخصیص ہے، لہذا اقیاس اور معنی کو نص پر ترجیح دینا لازم آئے گا، حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔

صاحب ”فتح القدیر“ نے یہ سوال اور اس کا جواب ذکر کیا ہے کہ یہ نص ”عام خص منه البعض“ ہے، لہذا علت کی وجہ سے مزید اس میں تخصیص ہو سکتی ہے، ہاں اگر یہ ”عام لم یخص منه البعض“ ہوتا تو اس میں تخصیص اور تعلیل جائز نہ ہوتی، لہذا علت کی وجہ سے تخصیص کی جاسکتی ہے۔

نیز عتقاری قبل القبض بیع کے جواز پر دلیل وہ روایت بھی ہے جس کو صاحب ”اعلاء السنن“ نے ”شرح مہذب“ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے، لہذا احناف اس روایت کی وجہ سے بھی اس حکم کو منقول کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

امام مالکؒ اور ان کے موافقین حضرت عبد اللہ بن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ، نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہم کی ان روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جن میں طعام کی ”بیع قبل القبض“ سے ممانعت ہے، اس طرح کہ طعام کی تخصیص اور تصریح اس بات کی دلیل ہے کہ طعام

کے علاوہ کا حکم یہ نہیں ہے۔

”قالوا فالتصيص في هذه الأحاديث يدل على أنه غيره بخلافه“ (شرح المذهب ۲۹۶/۹)۔

(انہوں نے کہا کہ ان احادیث میں طعام کی تصریح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ غیر طعام اس کے برخلاف ہے)۔

نیز وراثت یا وصیت کے ذریعہ ملکیت میں آنے والی چیز پر قیاس سے بھی استدلال کرتے ہیں، نیز بیع کے قبل القبض اعتاق اور اجارہ پر دینے کے جواز پر بھی قیاس کرتے ہیں۔
امام مالکؒ کے ان روایتوں سے استدلال کا مطلب یہ ہوگا کہ طعام ان احادیث میں ماکول اور مشروب کے معنی میں ہے۔

بعض علماء نے امام مالکؒ کا مذہب یہ نقل کیا ہے کہ مکلی، موزونی اور معدودی کے علاوہ دوسری چیزوں کی بیع قبل القبض جائز ہے، یعنی امام احمد بن حنبلؒ کا جو مذہب نقل کیا گیا ہے وہی امام مالکؒ کا بھی ہے جیسا کہ تکراراً مفسرین میں ہے:

”قال مالک: إنما يمتنع البيع قبل القبض في المكيل والموزون من الطعام خاصة وقال سحنون وابن حبيب من المالكية، أنه يمتنع في كل مكيل أو موزون أو معدود الخ“ (۳۵۱/۱)۔

اس قول کے اعتبار سے امام مالکؒ کا استدلال اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا اپنے مذہب پر استدلال انہیں روایتوں سے ہوگا جن میں طعام کی قبل القبض بیع سے منع کیا گیا ہے، اس طرح سے کہ طعام سے مکلی یا موزونی چیز لیں گے، اور طعام کی تخصیص یہ دلیل ہے کہ غیر طعام کی بیع قبل القبض جائز ہے، جیسا کہ ”المغنی“ میں ابن قدامہ نے ذکر کیا ہے:

”والذي يمنع من بيعه قبل قبضه هو الطعام وذلك؛ لأن النبي ﷺ

نہی عن بيع الطعام قبل قبضه، ففهم من هذا أن بيع ما سواه قبل قبضه مباح، کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

والمعاجاة فى ذلك الوقت كان مستعملا غالبا فيما يكال ويوزن وقيس عليهما المعدود والمزروع لاحتياجها عن توفيه“ (بحوالہ حاشیہ طایۃ العلماء ۷۸/۴)۔

(وہ چیز جس کی بیع قبل القبض ناجائز ہے وہ طعام ہے اور یہ اس لئے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے طعام کی بیع قبل القبض سے منع فرمایا ہے، لہذا اس سے یہ مفہوم ہو رہا ہے کہ طعام کے ملاوہ کی بیع قبل القبض جائز ہے، اور طعام اس وقت عموماً کیلی اور وزنی چیز کیلئے استعمال کیا جاتا تھا، اور منیلی و موزونی پر معدود اور مزروع کو بھی قیاس کر لیا گیا، اس لئے کہ حق کی ادائیگی کے لئے ان کی ضرورت پڑتی ہے)۔

۶۔ کیا ضمان میں آجانا تصرف کے جواز کیلئے کافی ہے:

قبضہ کی حقیقت کی بحث میں (سوال کے جواب میں) یہ بات گزر چکی ہے کہ قبضہ کے لئے حسی یا نقل کی ضرورت نہیں ہے۔

”ولا يحتاج إني القبض الحسى أو النقل“ (فیض الباری ۲/۲۰۶)۔

یعنی تخلیہ سے قبضہ متحقق ہو جائے گا، حسی قبضہ یا نقل کی ضرورت نہیں ہے۔

لیکن محض ضمان میں آجانے کی وجہ سے انتفاع اور تصرف جائز ہوا یا بھی نہیں ہے، اس لئے کہ ماقبل میں قبضہ ہی کی بحث میں تخلیہ کے قبضہ تام یا ناقص ہونے کی تفصیل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ جس صورت میں تخلیہ سے قبضہ تام حاصل نہ ہو، بلکہ قبضہ ناقص ہی رہے تو بیع مشتری کے ضمان میں تو آجائے گی، لیکن اس میں تصرف کرنا یا اس سے انتفاع قبضہ تام سے پہلے مشتری کیلئے جائز نہیں ہے۔

”وان باع مكالاة أو موزونة فى المكيل أو الموزون وخلقى فلا خلاف

فى أن المبيع يخرج من ضمان البائع ويدخل فى ضمان المشتري ولا خلاف فى أنه لا يجوز للمشتري بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن“ (البدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

(اگر مکملی یا موزونی چیز کو کیل یا وزن کی شرط پر فروخت کیا اور خلیہ پایا گیا تو اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ بیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی، اور اس بات میں بھی اختلاف نہیں کہ مشتری کیلے کیل یا وزن سے پہلے اس کا فروخت کرنا اور انتفاع جائز نہیں)۔

لہذا محض ضمان میں آ جانے کی وجہ سے اس کی خرید و فروخت کو جائز نہیں کہا جاسکتا، نیز محض خریدنے کی وجہ سے شی ضمان میں آ جائے گی یہ بھی محتاج دلیل ہے، جزئیات سے معلوم ہوتا ہے کہ محض خریدنے سے احناف کے نزدیک شی مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوگی۔

لیکن اس کے باوجود یہ خرید و فروخت جائز ہے، اس لئے کہ خریدار نمبر ۱ کے حکم و اجازت سے فیکٹری جب وہ مال کسی ٹرانسپورٹ یا نقل و حمل والی کمپنی کے حوالہ کرے گی تو وہ ٹرانسپورٹ کمپنی یا نقل و حمل والی کمپنی اس خریدار نمبر ۱ کی اجیر یا وکیل قرار پائے گی، اور اجیر یا وکیل کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار ہوتا ہے، لہذا اجیر یا وکیل کے قبضہ میں آتے ہی گویا مشتری کے قبضہ میں آ جائے گی، اس طرح اس خریدار کی فروختنگی دوسرے نمبر کے خریدار سے جائز ہوگی اور اس کے ضمان میں داخل ہونے کی وجہ سے خریدار نمبر ۲ کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر ہلاک ہوگئی تو ہلاکت اس خریدار نمبر ۱ کے مال سے شمار ہوگی۔

”عالمگیری“ میں اس طرح کا ایک مسئلہ مذکور ہے:

”إذا قال المشتري للبائع: ابعت إلی ابني واستأجر البائع رجلاً يحمله إلی ابنه، فهذا ليس بقبض والأجر علی البائع إلا أن يقول استأجر علی من تحمله، فقبض الأجير يكون قبض المشتري الخ“ (عالمگیری ۱۹/۳)۔

(جب مشتری نے بائع سے کہا کہ (بیع میرے بیٹے کے پاس بھیج دو، اور بائع نے ایک آدمی کو اجرت پر لیا جو اس کو مشتری کے بیٹے کے پاس پہنچا دے تو یہ قبضہ نہیں ہے اور اجرت بائع کے ذمہ ہوگی، ہاں اگر مشتری یہ کہے کہ میرے لئے اس شخص کو اجرت پر لے لو جو سامان

پہنچادے تو اجیر کا قبضہ مشتری کا قبضہ ہوگا۔

اسی طرح ایک دوسری عبارت اور ہے:

”فإن قال المشتري للبائع: زن لي في هذا الإناء كذا وكذا وابعث به مع غلامه، أو قال مع غلامي: ففعل فانكسر الإناء في الطريق، قال هو من مال البائع حتى يقول ادفعه الي غلامه أو الي غلامي، فإذا قال ذلك فهو وكيل، فإذا دفعه إليه، فكأنه دفعه إلى المشتري، فيكون الهلاك عليه كذا في المحيط“ (ایضاً)۔

(جب مشتری بائع سے کہے کہ میرے لئے اس برتن میں اتنا اتنا تول دو اور اس کو اپنے غلام کے ساتھ بھیج دو، یا کہا میرے غلام کے ذریعہ، لہذا بائع نے ایسا ہی کیا پھر برتن راستہ میں ٹوٹ گیا تو یہ (نقصان) بائع کے مال سے ہوگا، یہاں تک کہ مشتری یہ کہے کہ وہ بیع میرے غلام یا اپنے غلام کو دیدو، جب مشتری نے یہ کہا ہو تو وہ غلام وکیل ہے جب بائع نے اس کو دیدیا تو گویا مشتری کو دیدیا، لہذا ہلاکت مشتری کے ذمہ ہوگی جیسا کہ محیط میں ہے)۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اگر بائع نے خود مشتری کے حکم کے بغیر کسی کو اجرت پر لے کر بیع مشتری یا اس کے وکیل وغیرہ کے پاس بھیج دیا تو یہ اجیر بائع ہی کا ہوگا، ہاں اگر مشتری کے حکم سے کسی کو اجرت پر لیا ہے تو وہ مشتری کا اجیر ہوگا اور اس کا قبضہ مشتری کا قبضہ ہوگا، یا مشتری نے کوئی ایسی بات کہی جس سے بھیجوانے کی ذمہ داری بائع ہی کے ذمہ ڈال دی تو بائع جس شخص کے ذریعہ بھیجوائے گا، وہ مشتری کا وکیل نہیں ہوگا، لہذا اس سے اگر مال ہلاک ہو جائے گا تو بائع ہی کے مال سے ہلاک شمار کیا جائے گا، اور اگر بائع کے ذمہ نہیں ڈالا ہے تو جس کو دیدینے کا حکم دیا ہے اس کو دے کر بائع بری ہو جائے گا اور اس کا قبضہ مشتری کا قبضہ ہوگا، اگر ہلاک ہو جائے گی تو مشتری کے مال سے ہلاکت شمار ہوگی۔

فیکٹری سے اس طرح خرید کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرنے کو جب کہ بیع پر خود کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

قبضہ نہیں کیا ہے، ”إدارة المباحث الفقهية“ جمعیت علماء ہند کے پانچویں فقہی اجتماع میں مفتیان کرام کی ایک بھاری تعداد نے جائز قرار دیا۔

اس اجتماع میں مفتیان کرام کی متفقہ رائے سے جو تجویز پاس ہوئی، اس کا متن درج ذیل ہے۔

تجویز (۵) قبضہ سے قبل بیع:

کسی دوکاندار کے پاس کوئی خریدار کسی مال کا آرڈر دیتا ہے، وہ دوکاندار کسی بڑی کمپنی سے بذریعہ ٹیلیفون یا فیکس اس کا مطلوبہ مال خریدار کے پاس بھیجوا دیتا ہے تو یہ معاملہ جائز ہے، اس طرح جو مال بازار میں آتا ہے اس کی خرید و فروخت عام مسلمانوں کے لئے درست ہے (بعض صورتوں میں دوکاندار کو کمپنی کا وکیل، بعض صورتوں میں کمپنی کو دوکاندار کا وکیل اور بعض صورتوں میں خود خریدار کو دوکاندار کی طرف سے وکیل بالتبضع مان کر یہ معاملہ حدود جواز میں رہے گا اور دوکاندار جو نفع حاصل کرے گا وہ اسالۃ یا وکالۃ جائز قرار دیا جائے گا) (ماخوذ از تجویز پانچواں فقہی اجتماع منعقدہ ۱۸/۱۹/۲۰۱۶ رجب المرجب ۱۴۳۷ھ)۔

۷۔ سوال ۶ کے جواب سے اتنی بات تو معلوم ہوگئی کہ مشتری مال کے وصول سے پہلے جب کہ مال سمندر میں ہے تیسرے کے ہاتھ فروخت کر سکتا ہے۔ لیکن مال کے ضائع ہونے کی صورت میں تیسرے شخص کا ضامن ہونا یا تیسرے شخص کو ضامن بنانا جائز ہے یا نہیں، یعنی تیسرا شخص جبکہ اس کا قبضہ نہیں پایا گیا محض یہ معاملہ کرنے سے ضامن ہو جائے گا اور مشتری اول کے ضمان سے وہ شئی نکل جائے گی یا نہیں؟ یا تیسرا شخص اس مشتری سے معاملہ کر لینے کی وجہ سے قبضہ کرنے والا شمار ہوگا یا نہیں؟

حنفیہ کے نزدیک محض معاملہ کرنے سے بیع مشتری کے ضمان میں نہیں آئے گی جب تک کہ مشتری یا اس کے وکیل وغیرہ کا قبضہ یا بائع کی طرف سے اس طرح کا تحلیہ جس سے مشتری بلا کلفت قبضہ پر قادر ہو جائے یا کوئی اور ایسا فعل جب تک مشتری کی طرف سے نہ پایا جائے جس

کو قبضہ شمار کیا جاتا ہے۔

لہذا صورت مذکورہ میں مال کے ضائع ہو جانے کی صورت میں تیسرا شخص ضامن نہیں ہوگا، علامہ ابن العربی مالکی صاحب ”عارضۃ الاحوزی شرح ترمذی“ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ مالیہ کے نزدیک نفس عقد ہی سے ضمان حاصل ہو جاتا ہے۔

”وعندنا أن المبيع بنفس العقد دخل في قبضه وحصل في ضمانه“۔
(اور ہمارے نزدیک نفس عقد سے بیع قبضہ میں داخل ہو جائے گی اور ضمان میں آجائے گی)۔
مالیہ کے اس مذہب کے اعتبار سے ان کے نزدیک اس تیسرے شخص سے معاملہ کرنا اور اس کا ضامن ہونا درست ہے، لیکن احناف کے نزدیک محض عقد سے بیع ضمان میں نہیں آئے گی۔

مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا

بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث

مولانا اقبال قادری

۱۔ بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث:

اس سے متعلق احادیث دو قسم کی ہیں: ۱۔ مقید، ۲۔ مطلق

۱۔ مقید یہ وہ احادیث ہیں جن میں غلہ کی بیع کا قبضہ سے پہلے عدم جواز مذکور ہے، اور اس قسم کی احادیث کے راوی چھ صحابہ ہیں، حضرت عمرؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، جابر بن عبداللہ اور حکیم بن حزامؓ، اور اتحاد مفہوم کے ساتھ سب راویوں کے الفاظ حدیث معمولی اختلاف کے ساتھ تقریباً یکساں ہیں، مفہوم یہ ہے کہ جو شخص غلہ خریدے اور اس کو قبضہ کرنے سے پہلے نہ بیچے، اور جو اس قسم کی خرید و فروخت عہد نبوی میں کرتے تھے ان کو حکم دیا جاتا تھا کہ جب تک غلہ کو خرید کر کسی دوسری جگہ اپنے مکان، یا خیمہ میں یا مارکیٹ سے باہر منتقل نہ کر لیں کسی دوسرے کو نہ بیچیں، وہ روایات یہ ہیں:

”من ابتاع أو اشتری طعاماً فلا یبعه حتی یقبضه حتی یتوفیه، حتی یکتالہ، حتی یتوفیه ویقبضہ، أنہم کانوا یضربون علی عہد رسول اللہ ﷺ إذا اشترؤا طعاماً جزافاً أن یبعوه فی مکانہ حتی یحولہ، حتی یوؤوہ الی رحالہم، وفی رواۃ کنا فی زمان رسول اللہ ﷺ نبتاع الطعام فیبعث علینا من یأمرنا بانتقالہ من المکان الذی ابتعناہ فیہ الی مکان سواہ قبل أن ینبعہ“ (مسلم)

☆ مدرسہ اسلامیہ شکر پور بھارہ، درہنہ گڑھ۔

شریف (۵۳)۔

۲۔ مطلق: یہ وہ احادیث ہیں جن میں طعام (غله) کی کوئی قید نہیں ہے، بلکہ مطلقاً سامان اور اشیاء کو قبضہ سے پہلے بیچنے کی ممانعت ہے اور اسی فہرست میں ان صحابہ کے اقوال بھی ہیں جو طعام والی روایت کے راوی ہونے کے باوجود نبی کو تمام اشیاء کے لئے عام خیال کرتے ہیں، اور طعام اور غیر طعام میں کوئی فرق نہیں تصور کرتے ہیں، وہ احادیث یہ ہیں:

۱۔ "يقول زيد بن ثابت: إن رسول الله ﷺ نهانا أن نبيع السلع حيث نتباع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم"۔

(زيد بن ثابت بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں اس جگہ سامان کو فروخت کرنے سے منع فرمایا جہاں اس کو خرید لیا گیا ہے، جب تک تاجر اس کو اپنے مکان میں منتقل نہ کرے)۔

۲۔ "أن حكيم بن حزام قال أخذ النبي ﷺ بیدی فقال إذا ابتعت شيئاً فلا تبعه حتى تقبضه"۔

(حکیم بن حزام نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جب تو کسی چیز کو خریدے تو قبضہ سے پہلے اس کو مت فروخت کر)۔

۳۔ "عن يعلى بن حكيم بن حزام أن أباه سأل النبي ﷺ فقال: إني اشتريت بيوعاً فما يحل لي منها قال: إذا اشتريت بيعاً فلا تبعه حتى تقبضه"۔

(یعلیٰ بن حکیم حضرت حزام سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے باپ نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ میں چند چیزیں خریدتا ہوں تو میرے لئے اس کو کس طرح بیچنا جائز ہے، تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب تو کسی چیز کو خریدے تو اس کو قبضہ سے پہلے مت بیچ)۔

۴۔ "عن ابن عباس قال: أما الذي نهى عنه رسول الله ﷺ فبيع الطعام أن يستوفى قال ابن عباس: برأيه وأحسب كل شيء مثله" (شرح معانی

(حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ کے رسولؐ نے جس چیز سے منع فرمایا ہے وہ غلہ کو قبضہ سے پہلے بیچنا ہے اور خود میرا خیال یہ ہے کہ ہر چیز غلہ ہی کی طرح ہے)۔
یہ وہ روایتیں ہیں جن میں طعام کی قید مذکور نہیں ہے، اور طعام غیر طعام میں کوئی فرق بیان نہیں کیا ہے۔

ائمہ کے مذاہب اور ان کے دلائل:

بیع قبل القبض کی بابت بنیادی طور پر ائمہ کے تین اقوال ہیں۔

۱- کھانے پینے والی چیزوں میں قبضہ سے پہلے بیع جائز نہیں اور بقیہ چیزوں میں بیع جائز ہے، یہ حضرت امام مالکؒ اور اسحاق بن راہویہ کا مذہب ہے۔

۲- مطلقاً ناجائز ہے، چاہے منقولی اشیاء ہو، یا غیر منقولی، مثلاً کیلی، وزنی چیزیں، یا جائداد مکان وغیرہ، یہ امام شافعیؒ، محمد اور زفر کا مذہب ہے۔

۳- منقولی اشیاء، مثلاً غلہ، لوہا، پیتل، سونا، چاندی، کپڑا، خواہ مطعومات ہوں، یا غیر مطعومات ان میں ناجائز اور غیر منقولی اشیاء مثلاً زمین جائداد مکان وغیرہ میں جائز، یہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مختار مسلک ہے۔

ان میں سے ہر ایک کے دلائل بالترتیب یہ ہیں:

پہلی دلیل:

حضرت امام مالکؒ کی دلیل پہلی قسم کی احادیث ہیں، جن میں طعام کی قید لگی ہوئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر غیر طعام کی بیع قبضہ سے پہلے ناجائز ہوتی تو پھر اللہ کے رسول ﷺ طعام کی تخصیص نہ فرماتے گویا ان کے نزدیک یہ احادیث معلول بالعلۃ نہیں ہیں اور بیع کے ناجائز ہونے کا حکم امر تعبدی ہے جس پر دوسری چیز کو قیاس کرنا درست نہیں، یا معلول بالعلۃ القاصرہ ہیں، جو امر تعبدی کے حکم میں ہوتا ہے۔

دوسری دلیل:

حضرت امام شافعی، امام محمد اور امام زفر کی پہلی دلیل دوسری قسم کی احادیث ہے جس میں طعام کی کوئی تخصیص نہیں ہے، اور وہ طعام اور غیر طعام سب کو شامل ہے، چاہے وہ ان چیزوں میں سے جو جن کو منتقل کیا جاسکے، یا نہ کیا جاسکے، جیسے زمین، جائداد، وغیرہ، دوسری دلیل یہ کہ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن جابرؓ طعام والی روایتوں کے راوی ہیں اس کے باوجود ان کے نزدیک طعام اور غیر طعام دونوں کا حکم ایک ہے اور صحابہ حدیث کے منشاء اور مفہوم کو زیادہ سمجھتے ہیں، ”نیل الاوطار“ میں یہ عبارت ہے:

”الصحابۃ أعرِفَ بمقاصد الرسول“ (نیل الاوطار: ۵/۱۶۰)۔

”صحابہ منشاء نبوی کو زیادہ پہچانتے ہیں۔“

باقی احادیث میں طعام کی قید مثلاً ہے تخصیصاً نہیں، اور نصوص میں بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ مقید ذکر کیا جاتا ہے اور مراد مطلق ہوتا ہے، قرآن پاک میں ”سورہ مائدہ“ میں اللہ نے محرم کو حالت احرام میں عملاً شکار کو قتل کرنے سے منع کیا ہے، اور جو آدمی عداً ایسا کرے اس کی سزا یہ بیان کی ہے کہ اسی جیسا جانور، یا پردہ لا کر دینا ہے، ارشاد باری ہے۔ ”ومن قتلہ منکم متعمداً جزاء مثل ما قتل الخ“، حالانکہ بحالت احرام خطا قتل کرنے کا بھی بالاتفاق یہی حکم ہے اور عمد کا ذکر خطا کے منافی نہیں ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں:

”أن ذكره العمد لا ينفي الخطأ فكذا لک ذکرہ الطعام فی النهی عن

بیعه قبل القبض لا ینفی غیر الطعام“ (شرح معانی الآثار: ۲/۲۰۲)۔

تیسری دلیل:

شبہ ۲ کا تحقق ہے، کیونکہ جب مشتری نے خریدی ہوئی چیز کو قبضہ سے پہلے بیچ دیا تو یہ بالکل روپے کو روپے کے بدلے بیچنے کے مشابہ ہو گیا، مثلاً زید نے ایک سامان کو ایک سو دینار میں خرید کر روپے بائع کے حوالہ کر دیا اور ابھی تک زید نے اس سامان پر قبضہ بھی نہیں کیا تھا کہ کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

اتنے میں وہ سامان ایک سو بیس میں کسی دوسرے شخص کو بیچ ڈالا تو یہ بالکل ایک سو دینار کو ایک سو بیس دینار کے بدلے بیچنے کے مشابہ ہے، اور یہ علت طعام اور غیر طعام سب میں جاری ہوتی ہے، لہذا حکم بھی عام ہوگا، اور یہ علت خود حضرت ابن عباس نے حضرت طاؤس سے بیان کی تھی، اور صاحب ”نیل الاوطار“ نے اس علت کو بہت ہی عمدہ کہا ہے۔

”عن ابن عباس أن طاؤساً سألہ عن سبب النهی فأجابہ بأنہا إذا باع المشتري المبيع قبل قبضه وتأخر المبيع فی يد البائع صار كأنه باعه دراهم بدرهم فإذا اشترى طعاماً بمائة دينار مثلاً دفعها إلى البائع ولم يقبض ومنه الطعام ثم باع الطعام من شخص آخر بمائة وعشرين مثلاً صار كأنه اشترى بذهب ذهباً أكثر منه أى اشتراه بمائة وعشرين وهو التعليل أجود ما علل به النهی لأن الصحابة أعرّف بمقاصد الرسول“ (نیل الاوطار: ۱۶۰/۵)۔

چوتھی دلیل:

وہ ہے جس کو امام طحاوی نے بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ طعام کی بیع قبضہ سے پہلے ناجائز ہونے کی علت ”ربح ما لم یضمن“ ہے اور جب قبضہ کر لیا تو اس کے ثمان میں آگیا، لہذا اب نفع حاصل کرنا درست ہوگا اور اس کی خرید و فروخت کا مکمل اختیار ہوگا اور یہ علت بعینہ دوسری چیزوں میں بھی پائی جاتی ہے، کیونکہ کسی بھی خریدی ہوئی چیز کو قبضہ سے پہلے بیچ کر نفع حاصل کرنا مال غیر مضمون سے نفع حاصل کرنا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ نے ”ربح ما لم یضمن“ (ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) سے منع کیا ہے اور اس میں طعام اور غیر طعام سب داخل ہیں اور ضامن بننے سے پہلے کسی بھی شخص کیلئے نفع اٹھانا درست نہیں، لہذا وہ تمام خریدی ہوئی چیزیں جس کا نفع خریدار کیلئے مباح ہو اس کو بیچنا بھی مباح ہوگا اور جن کا نفع جائز نہ ہو ان کو بیچنا بھی خریدار کیلئے جائز نہ ہوگا، امام طحاوی کے الفاظ یہ ہیں:

”وفی ذلک حجة أخرى وذلك أن المعنى الذى حرم به علی

المشتري الطعام بيعه قبل قبضه هو أن لا يطيب له ربح ما في ضمان غيره فإذا قبضه صار في ضمانه فطاب له ربحه فجاز أن يبيعه متى أحب والعروض البيعة هذا المعنى بعينه موجود منها“ (شرح-حاشی: ۲/۲۰۲)۔

حضرت امام ابو حنیفہ، امام یوسفؒ کے دلائل حسب ذیل ہیں:

۱۔ پہلی دلیل آیت باری تعالیٰ: ”أحل الله البيع“ (سورہ بقرہ: ۲۷۵) جو مطلقاً بغیر قبضہ کی قید کے جواز بیع پر دلالت کرتا ہے، لیکن خبر آحاد کی بناء پر منقولی اشیاء میں تخصیص کر لی گئی ہے، اور غیر منقولی اشیاء میں آیت کے عموم کے تحت بیع قبل القبض جائز رہی۔

۲۔ دوسری دلیل: دوسری قسم کی احادیث ہیں جن میں طعام کی قید نہیں ہے، اور اس ممانعت کی علت صرف ”ربح ما لم يضمن“ نہیں بلکہ ”ربح ما لم يضمن“ اور ”غرر“ کا مجموعہ ہے، ”ربح ما لم يضمن“ کی تفصیل گذر چکی ہے اور ”غرر“ کی شرعی تعریف یہ ہے کہ ”غرر“ وہ چیز ہے جس کا انجام معلوم نہ ہو اور اس کے بارے میں یقین کے ساتھ نہ بتایا جاسکتا ہو کہ وہ چیز وجود میں آسکے گی، یا نہیں، بلکہ وجود اور عدم دونوں کا اندیشہ ہو مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں:

”الغرر ما طوى عنك علمه، وفي المبسوط: الغرر ما يكون مستور العاقبة، وفي المغرب: الخطر الذي لا يدري ما يكون أم لا“ (حاشیہ ہدایہ: ۳/۳۳)۔

اور قبل القبض بیع کرنے میں غرر یہ ہے کہ بائع اول نے تو یقینی طور پر اپنے سامان کو بیچا ہے، چاہے خریدار کے قبضہ کے بعد بیع تمام ہو جائے، یا قبضہ سے پہلے بیع ہلاک ہو کر بیع فسخ ہو جائے اور بائع کی ملکیت لوٹ آئے، لیکن خریدار اگر قبضہ سے پہلے کسی دوسرے شخص کو بیچتا ہے تو یہ اندیشہ اور خطرہ ہے کہ وہ اپنی مملوکہ چیز کو بیچ رہا ہے، یا دوسرے کی مملوکہ چیز کو، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ بائع اول کے پاس وہ چیز ہلاک ہو جائے اور اس کا قبضہ نہ ہو سکے، اس صورت میں بیع فسخ ہونے کی وجہ سے وہ بائع کے سامان کو بیچنے والا ہو جائے گا، اور دوسرے کے مملوکہ چیز کو بلا وکالت اور بلا اصلت بیچنا جائز نہیں، اور جس بیع میں ایسا خطرہ اور اندیشہ لگا ہوا ہو اس کی بیع جائز نہیں اور

قبضہ کرنے کے بعد یہ اندیشہ نہیں ہے، حدیث میں ہے: ”نہی رسول اللہ ﷺ عن بیوع الغرر“ (ترمذی شریف: ۲۳۲)۔

صاحب ”ہدایہ“ تحریر فرماتے ہیں:

”ومن اشتری شیئاً مما ینقل و یحول لم یجز بیعہ حتی یقبضہ؛ لأنہ نہی عن بیع ما لم یقبض؛ ولأن فیہ غرر انفساخ العقد علی اعتبار الهلاک“ (ہدایہ ۵۸/۳)۔

چونکہ علت مذکورہ ان ہی چیزوں میں متحقق ہوگی جن کا ہلاک ہونا کثیر الوقوع ہے، جیسے منقولی اشیاء، لہذا اس میں قبضہ سے پہلے بیع ناجائز ہوگی اور جن چیزوں کی ہلاکت نادر الوقوع ہے، جیسے غیر منقولی اشیاء زمین، جائیداد وغیرہ، تو علت مذکورہ کے پائے جانے کی وجہ سے اس کی بیع جائز ہوگی، جیسے زمین، یا مکان دریا سے قریب ہو اور اندیشہ ہو کہ کہیں وہ زمین دریا میں جائے، یا ریت نہ بھر جائے جس کی وجہ سے قابل انتفاع نہ رہے، ہدایہ میں ہے:

”ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفۃ وأبی یوسف ولا غرر فیہ؛ لأن الهلاک فی العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنہی عند غرر انفساخ العقد والحديث معلول به عملاً بدلائل الجواز، وفي الحاشية قوله نادر حتى قال بعض اصحابنا: فی موضع لا یؤمن علیہ ذلک لا یجوز عنده کذا فی المنقول“ (ہدایہ ۵۸/۳)۔

اور جب علت، نئی غرر انفساخ عقد ہے تو جہاں کہیں یہ علت پائی جائے گی وہاں قبضہ سے پہلے تصرف ناجائز ہوگا، جیسے بیع میں بیع اور اجارہ میں اجرت اگر تین ہو تو اجرت میں تصرف کرنا قبضہ سے پہلے ناجائز ہے، اسی طرح اگر دین کی جانب سے مین پر صلح ہوا ہو تو بدل صلح میں قبضہ سے پہلے تصرف ناجائز ہوگا، کیونکہ بیع، اجرت، اور بدل صلح پر قبضہ سے پہلے تصرف کرنے میں عقد کے فسخ ہونے کا اندیشہ ہے اور اگر عوض کے ہلاک ہونے کی صورت میں عقد علی حالہ باقی

رہتا ہے تو پھر اس میں تصرف کرنا قبضہ سے پہلے اس کو بیچنا، بہہ کرنا، اجارہ پر دینا اور اس کے علاوہ ہر قسم کا تصرف جائز ہے، یہاں تک کے امام محمدؒ نے تصریح کی ہے کہ جو تصرف قبضہ کے بغیر تام نہیں ہوتا۔ جیسے بہہ، صدقہ، رہن اور قرض وہ بھی جائز ہے اور جس کو بہہ، صدقہ کیا گیا ہے اس کا قبضہ اہل اہلباب اور مقرض کا نائب بن کر ہوگا، پھر تائیداً وہ اپنے لئے قبضہ کرے گا، اسی کو علامہ شامی "فتح القدیر" کے حوالہ سے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"وقال في الفتح: الأصل أن كل عقد يفسخ بهلاك العوض قبل القبض لم يجز التصرف في ذاك العوض قبل قبضه كالمبيع في البيع والأجرة إذا كانت عينا في الإجارة وبدل الصلح عن الدين إذا كان عينا لا يجوز بيع شيء من ذلك ولا أن يشرك فيه غيره، وأما لا يفسخ بهلاك العوض فالتصرف فيه قبل القبض جائز كالمهر إذا كان عينا وبدل الخلع والعق على مال وبدل الصلح عن دم العمد كل ذلك إذا كان عينا يجوز بيعه وهبته وإجارته قبل قبضه وسائر التصرفات" (درمختار ج ۱ ص ۱۸۱)۔

۳۔ بیع قبل القبض کی احادیث معلول بالعلات ہیں:

فقہاء اصولیین کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ نصوص شرعیہ عملیہ میں اصل تعلیل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمامی احکام شرعیہ فریہ کی بنیاد علتوں پر رکھی ہے، کسی بھی حکم کو بغیر علت کے بیکار شروع نہیں کیا ہے، عبد الوہاب خلاف لکھتے ہیں:

"أن الأحكام الشرعية العلمية جميعها إنما شرعت لمصالح الناس ولعلل بنيت عليها وما شرع حكم منها عبثاً لغير علة" (اصول الفقہ للذخارف ج ۲ ص ۶۲)۔

اب علت نہی کیا ہے؟ تو حضرت امام شافعیؒ، امام محمدؒ کے نزدیک مال غیر مضمون سے نفع حاصل کرنا ہے، اور امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مال غیر مضمون پر نفع اور غرر انفساخ عقد کا ثبوت ہے، جب کہ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک طعام کی بیع کا حکم امر تعبدی ہے

جس پر دوسری چیزوں کو قیاس کر کے عدم جواز بیع کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، علامہ انور شاہ کشمیری تحریر کرتے ہیں:

”وأما الحديث ففيه ذكر الطعام فنقح فيه الشيطان المناط وقررا المناط أن يكون شيئا منقولا وقصر الحجازيون الحكم على الطعام“ (اعرف الفذی علی الترمذی، ۲۴۳)۔

اور ہم صاحب ہدایہ اور امام طحاوی کے حوالہ سے نص کا معلول بالعلیہ ہونا ثابت کر چکے ہیں، لہذا اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

۴۔ بیع قبل القبض باطل ہے یا فاسد؟

قبل اس کے کہ ہم قبضہ سے پہلے بیع کو باطل، یا فاسد ثابت کریں، ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم دونوں کی شرعی تعریف اور حکم بیان کریں تاکہ دونوں کا فرق واضح ہو کر سامنے آجائے اور فاسد، یا باطل کا حکم لگانا ہمارے لئے سہل ہو جائے، چنانچہ مولانا عبدالحی سعادہ لکھنوی ”ہدایہ“ کے حاشیہ میں بہت جامع اور مختصر انداز میں تحریر فرماتے ہیں کہ بیع باطل وہ بیع ہے جو اصل اور وصف دونوں اعتبار سے ناجائز ہو اور اس کی علامت یہ ہے کہ ارکان عقد اور صلب عقد میں کوئی نقص اور خلل ہو، مثلاً ایجاب و قبول میں عدم موافقت، ثمن اور بیع کا مال نہ ہونا، یا بیع کے بعد خریدار کے مالک نہ ہونے کی شرط وغیرہ، اس کا حکم یہ ہے کہ مشتری کی ملکیت فریدی ہوگی چیز پر ثابت نہیں ہوگی، خواہ وہ قبضہ کرے، یا نہ کرے، لہذا اگر مردار کے عوض غلام کو خرید کر آزاد کر دیا تو آزاد نہ ہوگا، اور بیع فاسد وہ بیع ہے جو اصل کے اعتبار سے مشروع ہو اور وصف کے اعتبار سے غیر مشروع اس کی علامت یہ ہے کہ نقص اور خلل ارکان بیع میں نہ ہو، مثلاً ایسے شرائط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں، اور ان سے بیع کی افادیت پر زبرد پڑتی ہو، یا عوضین کے لینے دینے میں بیجا شرط لگانا، اس کا حکم یہ ہے کہ بیع پر جب مشتری قبضہ کر لے گا تو وہ مالک ہو جائے گا، اگرچہ اس قسم کے عقد کو فسخ کرنا باطل اور مشتری کے اختیار میں ہے اور فاسد میں بیع پر قبضہ کر لینے سے

چونکہ ملکیت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے اگر غلام کو شراب کے بدلے خرید کر آزاد کر دیا تو آزاد ہو جائے گا، مولانا عبدالحی صاحب لکھتے ہیں:

”والباطل فلا يصح أصلاً ووصفاً ولا يفيد الملك بوجه
والفاسد ما يصح أصلاً ووصفاً وهو يفيد الملك عند اتصال القبض به
فكل ما أورث خلافاً في ركنه فهو باطل وكل ما ليس كذلك بل أورث خلافاً
في غيره فهو فاسد“ (حاشیہ ہدایہ ۳/۳۲)۔

اس تفصیل کے بعد ہم اصل بحث کو شروع کرتے ہیں کہ قبضہ سے پہلے بیع فاسد ہے، یا باطل؟ ہم جواب دیں گے کہ اس بارے میں کتب فقہیہ میں دونوں طرح کی عبارتیں ملتی ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ باطل ہے، جیسا صاحب درمختار نے جوہرہ کے حوالہ سے لکھا ہے۔

”بخلاف بيعه قبله فإنه باطل مطلقاً، جوہرہ“ (درمختار ۳/۱۸۲)۔

جبکہ زیادہ تر عبارتوں سے اس کے فاسد ہونے کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ خود صاحب ”درمختار“ نے گذشتہ عبارتوں سے متصل ”مواہب“ کے حوالہ سے بیان کیا ہے:

”وفى المواهب وفسد بيع المنقول قبل قبضه“ (ایضاً)۔

علامہ نووی شرح مسلم میں ”كانوا يضربون إذا باعوه“ کے تحت لکھتے ہیں:

”هذا دليل على أن ولي الأمر يغزر من تعاطي بيعاً فاسداً“ (شرح للنووی علی

اسلم ۵/۲)۔

”عہد نبوی میں بیع قبل القبض پر پٹائی ہونا دلیل ہے اس پر کہ حکومت کے ذمہ داران بیع فاسد کرنے والوں کی تعزیر کر سکتے ہیں۔“

صاحب فتاویٰ ہندیہ بیع کی شرائط صحت کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ومنها القبض في بيع المشتري المنقول وفي الدين فيبيع الدين قبل

قبضه فاسد كالمسلم فيه“ (ہندیہ ۳/۳، درمختار ۳/۱۸۲)۔

”خریدار کے لئے منقولی اشیاء اور دین کو بیچنے کی ایک شرط قبضہ کرنا ہے، لہذا دین کو قبضہ سے پہلے بیچنا فاسد ہے، جیسا کہ مسلم فیہ کو بیچنا۔“

اور جن فقہاء نے لا یتصح کالفاظ استعمال کیا ہے وہ اگرچہ فساد اور بطلان دونوں کو جامع ہے لیکن فساد کا معنی مراد لینا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ فساد کی علت ”غرر“ ہے، جو خارجی شئی ہے اور صلب عقد میں داخل نہیں ہے، اور بیع کے تمام ارکان، ایجاب و قبول متعاقدین کی اہلیت اور عوضین کی مالیت اس میں پائے جا رہے ہیں، صرف ایک خارجی چیز قبضہ مفقود ہے اور جس بیع میں تمام ارکان موجود ہوں اور ان کے صلب میں کوئی نقص اور غفل نہ ہو، بلکہ نقص اگر کسی خارجی چیز میں ہو تو وہ بیع فاسد ہوتی ہے، باطل نہیں، لہذا اس کو باطل قرار دینا درست معلوم نہیں ہوتا، علامہ ابن عابدین شامی صاحب ”در مختار“ کے قول ”ونفی الصحة یحتملہ“ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

”قوله ونفی الصحة .. أى الواقع فى المتن یحتملہما أى یحتمل البطلان والفساد والظاهر الثانى؛ لأن العلة الفساد الغرر مع وجود ركنى البيع“ (در المختار ۴/۱۸۲)۔

باقی جن لوگوں نے باطل کہا ہے تو ان کے کلام کو فاسد پر محمول کیا جاسکتا ہے، کیونکہ فساد اور بطلان ایک دوسرے کی جگہ پر بہت کثرت سے مستعمل ہوتے ہیں، صاحب ہدایہ نے فاسد کی تفسیر باطل سے کی ہے۔

”وبیع أم الولد والمدبر والمکاتب فاسد معناه باطل“ (ہدایہ ۳/۳۴)۔
اور ”رد المحتار“ میں اس کی تصریح ہے:

”وکثیرا ما یطلق الباطل علی الفاسد“ (در المختار ۴/۱۸۲)۔

۵۔ قبضہ کی حقیقت:

کسی چیز پر قبضہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہاتھ سے قبضہ کر کے بائع کے یہاں سے کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

تسہا جائے، بلکہ قبضہ کی حقیقت تخلیہ اور تسلیم ہے کہ بائع مبیع کو اپنے مال سے اس طرح خالی کر کے الگ کر دے کہ خریدار جب چاہے اپنی مرضی سے بلا روک ٹوک اس پر تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، نیز مبیع کے ساتھ کسی دوسرے کا حق وابستہ نہ ہو جس کی وجہ سے وہ روک ٹوک کر سکے اور ہر چیز پر قبضہ اور قدرت تسلیم اس کے مناسب حال ہوا کرتی ہے اور اس کی کوئی ایسی تحدید نہیں کی جاسکتی ہے جو تمام چیزوں میں یکساں صادق آئے، چنانچہ مثلی، غیر مثلی، منقولی اور غیر منقولی ان سب پر قبضہ کی الگ الگ شکلیں ہیں، مثلاً بجلی کا کرنٹ اور میٹر، وغیرہ جو خریدار کے گھر میں لگایا جاتا ہے، یہ اس کے مناسب قبضہ اور تسلیم ہے اور مشتری کا زمین میں بیج ڈالنا، سیبچائی کرنا، جوتار، برہسری کرنا، یہ زمین کے مناسب قبضہ ہے، منقولی اشیاء کو اپنے برتن میں ڈالنا، بائع کے مکان سے منتقل کر لینا، اپنے وکیل کو سامان اٹھالینے کا حکم دینا وغیرہ، یہ منقولی اشیاء پر قبضہ ہے۔ بدائع میں ہے:

”ولا يشترط القبض بالبراجم؛ لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وإرتفاع الموانع عرفاً وعادة حقيقة“ (بدائع: ۵/۱۳۸)۔

”انگلی کے پوروں سے قبضہ کرنا شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کی حقیقت قدرت دینا، سامان کو خریدار کے سامنے چھوڑ دینا اور عرفاً، عادتاً حقیقتاً رکاوٹ اور موانع کا دور ہو جانا ہے۔“

درالختار میں ہے:

”وحاصله أن التخلية قبض حکما لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن يختلف بحسب حال المبيع“ (درالختار: ۴/۴۷)۔

”خلاصہ یہ ہے کہ تخلیہ حکماً قبضہ ہے اگر وہ اس پر بغیر مشقت کے قادر ہو، لیکن وہ ہر خریدی ہوئی چیز کے مناسب حال مختلف ہوتا رہے گا۔“

قبضہ سے متعلق بعض اہم مسائل:

۱۔ اگر کسی دکاندار سے کہا کہ یہ تیل کی شیشی میرے گھر بھیج دینا اس نے بھیج دیا، وہ

شیشی راستہ میں گر کر ٹوٹ گئی تو یہ نقصان کس کا شمار ہوگا؟ اس بارے میں شیخ ابو بکر محمد بن فضل نے تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر خریدار نے کہا تھا کہ میرے غلام کے ہاتھ سے بھیج دینا اس نے ایسا ہی کیا تو یہ مشتری کا نقصان ہوا، اور اگر کہا تھا کہ اپنے غلام کے ہاتھ سے بھیج دینا اور اس نے اپنے غلام کے ہاتھ ہی سے بھیجا تو یہ نقصان دوکاندار کا ہوگا، کیونکہ مشتری کا غلام مشتری کے درجہ میں ہے اور بائع کا غلام بائع کے درجہ میں ہے (ہندیہ)۔

۲- خریدار نے دوکاندار سے ایک برتن دے کر کہا کہ اس میں اتنا تیل وزن کر کے اپنے غلام کے ہاتھ، یا میرے غلام کے ہاتھ سے بھیج دینا اس نے حکم کے مطابق تیل بھیج دیا، راستہ میں گر کر برتن ٹوٹ گیا تو یہ نقصان دوکاندار کا ہوا، ہاں اگر مشتری نے یہ کہا کہ میرے غلام کو، یا اپنے غلام کو دیدینا اور اس نے دیدیا تو ٹوٹ جانے کی صورت میں نقصان خریدار کا ہوا، کیونکہ یہ الفاظ وکالت کے ہم معنی ہیں، اور وکیل کو دیدینا منوکل (خریدار) کو دینے کی طرح ہے (ہندیہ)۔

۳- خریدار نے بیچنے والے سے کہا یہ سامان میرے لڑکے کے پاس بھیج دینا بائع نے ایک آدمی کو مزدور رکھ کر اس کے لڑکے کے پاس بھیج دیا تو یہ قبضہ نہیں ہوا اور مزدور کی مزدوری بائع پر لازم ہوگی ہاں اگر یہ کہے کہ میرے لئے ایسے شخص کو مزدوری پر رکھ لینا جو اس کو لے جائے تو مزدور کا قبضہ خود خریدار کا قبضہ شمار ہوگا اگر خریدار نایہ قصدیق کر دے کہ ہاں میں نے اس کو کرایہ پر رکھ کر سامان حوالہ کیا ہے اور اس صورت میں مزدوری خریدار کے ذمہ ہوگی (ہندیہ)۔

۴- ایک شخص نے گائے یا بکری خرید کر بیچنے والے سے کہا کہ اس جانور کو لے کر اپنے گھر چلے جانا میں بعد میں آکر اس کو اپنے گھر لے آؤں گا، بیچنے والا اس کو اپنے گھر لایا اور اس کی موت ہوگئی تو یہ نقصان بیچنے والے کا ہوا اور ایسی صورت میں اگر وہ جانور کو سپرد کر دینے کا دعویدار ہو اور اس کے پاس گواہ نہ ہو تو خریدار کی بات معتبر ہوگی اور اس سے قسم لیا جائے گا (ہندیہ)۔

۵- ایک شخص نے بیچنے والے کے مکان پر بیمار جانور خرید کر کہا کہ رات بھر نہیں رہے گا اور تم مطمئن رہو کہ اس کو بیچ کر اگر جانور کی موت واقع ہوگئی تو میرا جانور مرے گا اس کے بعد وہ

جانور مر گیا تو شرعی اعتبار سے بائع کا جانور مرا ہے مشتری کا نہیں (ہندیہ)۔

۶۔ ایک شخص نے کپڑا خریدا، لیکن نہ قبضہ اور نہ روپے دیا اور کہا کہ مجھے آپ پر اعتماد نہیں کہیں آپ دوسرے کو نہ بیچ دیں اس لئے وہ کپڑا فلاں کو دیدیتے ہیں آکر روپے دے دوں گا، بائع نے وہ کپڑا فلاں کو دیدیا اس کے پاس سے کپڑا ضائع ہو گیا تو وہ کپڑا بائع کا ضائع ہوا، کیونکہ جس شخص کو کپڑا دیا گیا ہے، وہ بائع کی خاطر شمن کو وصول کرنے کیلئے کپڑے کو روکے ہوئے ہے اس لئے اس کا قبضہ خود بائع کا قبضہ شمار ہوگا (ہندیہ)۔

۷۔ بائع نے خریدی ہوئی چیز مشتری کے اہل و عیال کو دے دیا تو ان کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار نہ ہوگا اور ہلاک ہونے کی صورت میں بیع فسخ ہو جائے گی (اور شمن مشتری پر لازم نہ ہوگا) (ہندیہ)۔

۸۔ مشتری نے بائع کو بیع پر قبضہ کرنے کا حکم دے دیا تو بائع کا قبضہ مشتری کا قبضہ شمار نہ ہوگا اسی طرح اگر خرید کر بائع ہی کو و دیعت، عاریت، اجارہ پر دے دیا تو اس کو مشتری کا قبضہ شمار نہیں کریں گے اور اجرت واجب نہیں ہوگی، یہ سب اہم مسائل عالمگیری میں ہیں (فتاویٰ ہندیہ ۱۹۰۳-۲۰)۔

۹۔ ایک چیز کو خریدا لیکن قبضہ نہیں کیا، یہاں تک کہ بائع نے کسی اور شخص کو زیادہ روپے میں بیچ دیا اور مشتری نے اس کی اجازت دے دی تو یہ جائز نہیں، اس لئے کہ یہ قبضہ سے پہلے بیچا ہے (شامی ۱۸۲/۳)۔

۶۔ منقولی اور غیر منقولی اشیاء پر قبضہ کی نوعیت:

حنفیہ کے نزدیک منقولی اور غیر منقولی اشیاء میں قبضہ کے اعتبار سے کوئی ایسا فرق نہیں ہے جس کو حد فاصل قرار دیا جائے، بنیادی چیز تخیلہ اور تسلیم ہے اور اس کی حقیقت کو بیان کرنا معتذر اور مشکل ہے اور ہر چیز کا قبضہ اس کے مناسب حال ہوگا اگر زمین ہو تو اس کا قبضہ زمین کو خالی کر دینا ہوتا، سینچائی کرنا بیج ڈال دینا، اس کے علاوہ ہر وہ تصور جس سے بائع کا قبضہ ختم ہو جائے کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

اور اس زمانے میں رجسٹری کو اصل قبضہ کو تصور کیا جاتا ہے، اور رجسٹری کے بعد گرچہ مشتری نے کسی بھی قسم کا تصرف نہ کیا ہو اس کے قبضہ میں کوئی فرق نہیں پڑتا، حالانکہ شریعت اسلام میں رجسٹری کی کوئی حیثیت نہیں ہے، لیکن عصر حاضر میں احتیاطاً رجسٹری ضرور کروالینی چاہئے، تاکہ بعد میں کسی بھی قسم کا بائع و عویدار نہ ہو سکے اور مفاسد کا سد باب ہو سکے، اور دوکان کا قبضہ یہ ہے کہ بائع اپنے سامان کو خالی کر دے اور چابی مشتری کے حوالہ کر دے، یا گھر روم خالی کر دے اور چابی مشتری کے حوالہ کر دے، یا وہ اپنا کوئی سامان رکھ دے، یا اس کی مرمت قلعی وغیرہ کرادے یہ اس کے مناسب قبضہ ہے، اور کیلی یا وزنی چیزوں کو کیل کر کے، یا وزن کر کے مشتری کے برتن میں ڈال دے، اس کے ہاتھ میں پکڑا دے، یا وہاں سے منتقل کرا لے، یہ کیلی و وزنی چیزوں کا قبضہ ہے، ایک غلام کو خرید کر کہا کہ میرے ساتھ چل وہ اس کے ساتھ چلا قبضہ ہو گیا، اسی طرح دوکاندار نے کپڑا پھاڑ کر دے دیا تو قبضہ ہو گیا ان سب مسائل میں بنیادی چیز بائع کا مشتری کو مکمل قدرت دے دینا ہے۔

البتہ حنابلہ کے نزدیک اگر مجمع دنیا نیر یا دراہم ہوں تو اس کا قبضہ ہاتھ سے لے لینے سے ہوگا اور کپڑے کو منتقل کرنے اور حیوان کو اپنی جگہ سے بنادینے اور چلا دینے سے ہو جائے گا اور زمین و جائیداد کا قبضہ ہر قسم کی رکاوٹ کو ختم کر دینے سے ہوگا۔
۷۔ بیع قبل القبض کی بعض مروجہ شکلیں:

عصر حاضر میں قبضہ سے پہلے بیع عالمی تجارت کا ایک اہم عنصر بن گئی ہے، بلکہ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ اصل جگہ سے روانہ ہو کر منزل مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی مال کی باقاعدہ بیع در بیع ہو جاتی ہے اور درمیان کا ہر بائع اپنا نفع وصول کر لیتا ہے، اس ”بیع قبل القبض“ سے ممانعت فرمائی ہے، بیع قبل القبض کی مروجہ شکلوں میں وہ دو شکلیں بھی بہت عام اور کثیر الوقوع ہیں جو مرسلہ سوالوں میں درج ہیں اور ان کے جواب یہ ہیں: ۱۔ اگر ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر اپنے قبضہ میں لینے سے پہلے کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دے اور معاملہ یہ طے

پائے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر ۲ کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں بلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری خریدار نمبر ۱ پر آئے گی، تو اس صورت کے جواز کی شرعا کوئی گنجائش نظر نہیں آتی ہے، اور یہ بیع فاسد ہوگی، لیکن جب خریدار نمبر ۲ کے قبضہ میں آجائے کی تو شرعا اس کی ملکیت متحقق ہو جائے گی، کیونکہ یہ معاملہ زیادہ سے زیادہ بیع فاسد کا ہے جس میں قبضہ کرنے کے بعد ملکیت آجاتی ہے، لیکن اگر خریدار نمبر ۱ فیکٹری کے مالک سے یہ کہے کہ وہ مال کسی کو مزدور رکھ کر، یا مال بردار کمپنی کے ذریعہ ہمارے پاس بھیج دینا، چنانچہ مالک فیکٹری نے وہ مال کسی شخص کو مزدور رکھ کر اس کی، یا مال بردار کمپنی کی تحویل میں دیدیا اس کے بعد خریدار نمبر ۱ خریدار نمبر ۲ کو بیچ دیتا ہے تو یہ درست ہے، اور اس صورت میں مزدوری، یا مال بردار کمپنی کو کیل یا قبضہ قرار دیں گے۔

”إِذَا قَالَ الْمُشْتَرَى لِلْبَائِعِ ابْعَثْ إِلَيَّ ابْنِي وَاسْتَأْجِرِ الْبَائِعَ رَجُلًا يَحْمِلُهُ إِلَى ابْنِهِ، فِهَذَا لَيْسَ بِقَبْضٍ وَالْأَجْرُ عَلَى الْبَائِعِ إِلَّا أَنْ يَقُولَ اسْتَأْجِرْ عَلِيَّ مِنْ يَحْمِلُهُ فَقَبْضُ الْأَجِيرِ يَكُونُ قَبْضُ الْمُشْتَرَى“ (ہندیہ ۱۹/۳)۔

۲۔ اگر مشتری نے مال خریدنے کے بعد بائع سے یہ کہا کہ میرا مال مال بردار جہاز کے ذریعہ بھیج دینا، اور کسی خاص جہاز کی تعیین بھی نہ کی اور جہاز خرچ اپنے ذمہ لیا اور بائع نے حکم کے مطابق جہاز پر مال چڑھا دیا تو ایسی صورت میں مال کی وصولی سے قبل اور مال بردار جہاز کمپنی کی تحویل میں آجانے کے بعد کسی تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کرنا اور اس کو ضامن بنانا شرعاً جائز اور درست ہے اور مال بردار جہاز کمپنی وکیل یا قبضہ ہوگی، جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ کے حوالہ سے ابھی گذرا۔

۸۔ بیع قبل القبض کی جائز شکلیں:

مال پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں، لہذا وہ منافع بھی حلال نہیں، اس کی

صحیح کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ جہاں مال خریدا ہے وہاں کسی کو، یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنا دے، اس کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے، جیسا کہ ”عالمگیری“ میں ہے:

۲۔ مال پہنچنے سے قبل بیع نہ کرے، بلکہ وعدہ بیع کر لے بیع مال پہنچنے کے بعد کرے اس صورت میں بائین میں سے کوئی انکار کر دے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، بیع پر اسے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

امداد اربعہ میں سے امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ مطعومات کے علاوہ باقی سبھی منقولات، غیر منقولات، میں بیع قبل القبض جائز ہے اور اگر مطعومات کو بھی تول اور وزن کے بجائے انداز سے پیمائے جائے تو ان کی بیع بھی قبل القبض جائز ہے۔

”المالکیۃ قالوا: یصح للمشتري أن يتصرف فی المبيع قبل قبضه بالبيع سواء كان المبيع أعياناً منقولة أو عيناً ثابتة كالأرض والنخيل ونحوهما إلا الطعام كالقمح والفاكهة فإنه لا یصح بیعه قبل قبضه إلا إذا اشتراه جزأفاً بدون كيل أو وزن أو عد“ (فتاویٰ المذاہب الاربعہ: ۲/۲۵۵)۔

امام مالک کے اس قول پر عمل کرنے سے بھی کافی حد تک معاملہ آسان ہو جاتا ہے، اور حضرت امام بخاری کے نزدیک ”بیع قبل القبض“ جائز ہے اور اس میں تحلیل کی بھی ضرورت نہیں ہے، نفس ایجاب وقبول ہی کو وہ قبضہ کے درجہ میں رکھتے ہیں، چنانچہ ”فیض الباری“ میں ہے:

”إذا علمت هذا فاعلم أنه يعلم من تراجم البخاری أن القبض عنده لا یحتاج إلى التخلية ولا إلى النقل وإن تصرف المشتري یصح عنده قبل قبض المبيع“ (فیض الباری: ۲/۲۰۶)۔

فیصلہ کے وقت آج کے حالات کو سامنے رکھ کر حضرت امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کے مذہب کی طرف بھی نگاہ رہنی چاہئے، نیز یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ بیع قبل القبض چونکہ فاسد ہے اور فاسد پر قبضہ کرنے سے ملکیت متحقق ہو جاتی ہے، اس لئے خریدار نمبر ۲۔ قبضہ کے بعد مالک ہو جائے گا اور اس کے بعد اس کے لئے ہر قسم کا تصرف درست رہے گا۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور چند جدید مسائل

مفتی احمد نادر القاسمی

بیع قبل القبض جائز ہے یا ناجائز؟

بیع و شراء کی صحت اور عدم صحت کا مدار اصل میں قبضہ پر ہے، اسی لئے اسلامی شریعت نے قبضہ کو غیر معمولی نگاہ سے دیکھا ہے، ظاہری بات ہے کہ جو چیز انسان کے قبضہ و قدرت میں نہیں اسے فروخت کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے، خواہ اشیاء منقولہ ہوں، یا غیر منقولہ، فرق اتنا ہے کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ حسی ضروری ہے اور غیر منقولہ میں قبضہ حسی ضروری نہیں ہے، بلکہ عام لوگ جس کو قبضہ تصور کرتے ہیں وہ اس کا قبضہ شمار ہوتا ہے، اس لئے یہ بات پوری طرح بے غبار اور میاں ہے کہ بیع قبل القبض نبی پاک ﷺ کے اس ارشاد: ”نہی عن بیع مالہم یقبض“ کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے، رہا اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں علماء کا اختلاف، تو یہ اختلاف بھی احقر کے خیال کے مطابق حقیقتاً جواز اور عدم جواز کا اختلاف نہیں بلکہ قبضہ کے تعین کا اختلاف ہے جو ائمہ مذاہب سے منقولات اور غیر منقولات، مطعومات اور غیر مطعومات کی تفصیلات کے ساتھ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے، حکیم ابن حزام کی روایت جسے بیہقی نے نقل کیا ہے اس طرح ہے:

”عن حکیم بن حزام قال: قلت یا رسول اللہ انی أبتاع هذه البیوع

فما یحل لی منها وما یحرم علی قال: یا ابن اخی لا تبیعن شیئا حتی تقبضه هذا

إسناد حسن متصلاً۔

حکیم ابن حزام سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں مختلف چیزوں کی خرید و فروخت کرتا ہوں ان میں سے کوئی چیز میرے لئے حلال ہے اور کون حرام؟ فرمایا کہ ان میں سے کوئی چیز اس طرح نہیں بیچی جائے گی جب تک اس پر قبضہ نہ ہو جائے، امام بیہقی کہتے ہیں: حدیث کی یہ سند حسن اور متصل ہے (اسنن الکبریٰ للبیہقی ۵/۳۳۳، نیز تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع ۵/۱۸۰، کتاب الاموال محمد بن ادریس الشافعی ۳/۶۹، المغنی ابن قدامہ ۴/۹۱، فتح القدیر ۶/۵۱۱، المجموع شرح المہذب ۶/۲۶۳، شرح زرقانی ۳/۲۸۹، مختصر طحاوی ص ۸۴)۔

البتہ بیع کے اندر جب معاملہ بائع اور مشتری کے درمیان طے پا جاتا ہے تو گویا بیع متحقق ہو جاتی ہے، لیکن چونکہ جب تک سپردگی نہیں ہوتی اس وقت تک اس کا التزام نہیں ہوتا، جس سے یہ معلوم ہوا کہ ثمن ادا کرتے ہی مشتری کا بیع پر معنوی قبضہ ہو جاتا ہے، حسی قبضہ نہیں ہوتا ہے جس کی وجہ سے بیع پوری طرح قضاء بھی ثابت ہو جائے؟ لہذا اس نوعیت سے جبکہ معنوی قبضہ اور معنوی ملکیت ثابت ہو چکی ہے، حسی نہیں ہوئی ہے، اگر مشتری اس مرحلہ میں بیع کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کرتا ہے تو ظاہر ہے عدم قدرت علی التسليم فی الفور کی وجہ سے بیع فاسد ہوگی، باطل نہیں ہوئی، کیونکہ معاملہ بیع فوری بیع کی سپردگی کا تقاضہ کرتا ہے، جو بظاہر موہوم ہے، اس لئے کہ بیع قبل القبض اصل میں بیع غرر ہی سے عبارت ہے، جس میں بائع اول کی طرف سے سپردگی اور عدم سپردگی بیع دونوں کے امکانات رہتے ہیں، جو معاملہ بیع کے منافی ہے، چنانچہ صاحب عنایہ ابن محمود باریتی لکھتے ہیں:

”وتقریرہ فی البیع قبل القبض غرر انفساخ العقد الأول علی تقدیر ہلاک المبیع فی ید البائع والغرر غیر جائز“۔

(اور بیع میں غرر کا تحقق اس طرح ہے کہ عقد اول کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے، بیع کی ہلاکت بائع کے قبضہ میں متحقق ہونے کی صورت میں، اور غرر جائز نہیں) (شرح العنایہ مع الفتح

نیز علامہ عبدالرحمن جزیری لکھتے ہیں:

”قالوا: من البيع الفاسد بيع الأعيان المنقولة قبل قبضها سواء باعها لمن اشتراها منه أو لغيره فإذا اشترى حيوانا أو قطيعا أو ثيابا أو نحو ذلك ثم باعها لمن اشتراها منه أو لغيره كان البيع الثاني فاسدا“۔

(مفتی) کہتے ہیں کہ بیع فاسد میں سے ایک، منقولہ اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت بھی ہے، خواہ مشتری خود بیچنے والے شخص سے اس کو بیچے، یا اس کے علاوہ کسی اور سے، لہذا جب کسی نے جانور خریدا، یا جانوروں کا ریوڑ، یا کپڑا اور اس قسم کی کوئی اور چیز، پھر اس کو اسی سے بیچ دیا جس سے خریدا تھا، یا کسی اور سے فروخت کر دیا تو دوسری بیع فاسد ہوگی) (الفقه علی المذاہب ۲/۲۱۱)۔

علامہ ابن عابدین نے باطل اور فاسد کے احتمال کو ختم کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

”يَحْتَمِلُ الْبَطْلَانُ وَالْفَسَادُ وَالظَّاهِرُ الثَّانِي؛ لِأَنَّ عِلَّةَ الْفَسَادِ الْغَرَرُ“ (رد

المحتار ۳/۱۸۴، المغنی لابن قدامة ۶/۵۱۲)۔

(علامہ شامی کہتے ہیں کہ: مصنف کی پیش کردہ عبارت میں بیع کے بطلان اور فساد

دونوں کا احتمال ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد ثانی یعنی (فساد) ہے اس لئے کہ یہاں فساد کی علت غرر ہے)۔

قبضہ کی حقیقت:

بیع اور شمن پر قبضہ کے سلسلہ میں ایسی کوئی روایت یا نص موجود نہیں ہے جس سے کہ قبضہ کی کوئی خاص نوعیت معلوم کی جاسکے اور اس کو تعین قبضہ کا مقرر کر دیا جائے، ایک روایت ہے بھی تو اس سے قبضہ کی کوئی حد متعین نہیں ہوتی، کتب احادیث اور فقہ کے عمومی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ زمانہ اور حالات کی رفتار اور عادات و محاورات کا تغیر ہر دور میں جداگانہ طور پر وقوع پذیر رہا ہے، اس لئے شریعت نے قبضہ کو لوگوں کے رواج اور تعامل پر چھوڑ دیا ہے، اس لئے

فقہاء نے لکھا ہے کہ حقیقتاً قبضہ کا مدار ارتفاع موانع ہے کہ بیع و شراء کے بعد نہ مشتری کو بیع پر قبضہ کرنے میں رکاوٹ اور دقت ہو، اور نہ بائع کو دشمنی پر، چونکہ ارتفاع موانع امور اضافیہ میں سے ہے، اس لئے ظاہر ہے کہ اس کا مدار عرف و رواج ہی پر ہوگا، مگر اس میں اشیاء کی حقیقتوں کے اعتبار سے ائمہ کے یہاں تھوڑا سا فرق نظر آتا ہے، وہ یہ کہ مالکیہ نے صرف اشیاء منقولہ کے قبضہ کو عرف و رواج پر چھوڑا ہے، چنانچہ مشہور مالکی عالم احمد درویر قطر ازیں:

”وقبض العقار بالتخلية وقبض غيره اى غير العقار من عروض وأنعام و دواب بالعرف الجارى بين الناس“۔

(زمینوں کا قبضہ تخلیہ کے ذریعہ مانا جائے گا اور اس کے علاوہ سامان، جانور، چوپایہ وغیرہ کے قبضہ کی نوعیت وہ ہوگی جو عرف لوگوں کے درمیان رائج ہو) (الشرح الکبیر مع سوقی احمد الدریر ۱۳۵/۲)۔

تاہم حنفیہ اور حنابلہ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قبضہ کا مدار مطلقاً عرف کو قرار دیا ہے، منقولات کے قبیل کی چیز ہو یا غیر منقولات کے، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

”لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي و ارتفاع الموانع عرفاً و عادة حقيقة“۔

(اس لئے کہ قبضہ کا معنی مشتری کو بیع پر قدرت دینا، تخلیہ اور عرفی و حقیقی طریقہ سے حائل رکاوٹوں کو دور کرنا ہے) (بدائع الصنائع ۵/۱۳۸)۔

نیز ابن قدامہ نے اسی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

”لأن القبض مطلق فى الشرع، فيجب الرجوع فيه الى العرف كالإحراز والتميز“۔

(اس لئے کہ قبضہ شریعت میں مطلقاً بیان کیا گیا ہے، لہذا اس سلسلہ میں عرف کی

طرف مراجعت ضروری ہوگی، جیسے کسی چیز کی حفاظت اور علاحدگی کا تصور عرف پر مبنی ہوتا ہے) (انفقی ۱۱، مقدمہ ۹۰/۴)۔

منقولی اور غیر منقولی اشیاء کے قبضہ کی نوعیت:

قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے منقولی اور غیر منقولی اشیاء میں احادیث اور ائمہ کی تشریحات کے مطابق خاصا فرق نظر آتا ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ دونوں میں بنیادی فرق ہے، وہ اس طرح کہ اشیاء غیر منقولہ میں بعد المعاملہ بائع اور بیع کے درمیان اس طرح تخلیہ اور بیع کی حواگی ہو جائے کہ مشتری بیع پر پوری طرح شرعی اور عرفی اعتبار سے بغیر کسی موانع اور دقت کے تصرف پر قادر ہو جائے۔ چنانچہ علامہ کا سانی نے تخلیہ کی حقیقت ان الفاظ میں واضح کی ہے:

”وأما تفسير التسليم والقبض، فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف، فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً له“۔

(رہی سپردگی اور قبضہ کی تفسیر، تو سپردگی اور قبضہ کی نوعیت ہمارے یہاں تخلیہ ہے، اور تخلیہ کہتے ہیں بیع اور بائع کے درمیان حائل رکاوٹوں کے اس طرح ختم ہو جانے کو کہ مشتری پوری طرح بیع میں تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، تو بائع سپرد کرنے والا اور مشتری قابض سمجھا جائے گا) (بدائع ۵، ۲۴۴)۔

نیز ابن قدامہ ضحلی نے غیر منقولی اشیاء، عتقار وغیرہ میں قبضہ کی نوعیت تخلیہ قرار دیتے ہوئے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ تخلیہ کے ذریعہ قبضہ اس وقت متصور ہوگا جب عرف میں لوگ اس کو قبضہ مان لیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

”وإن كان مما لا يتقل ويحول فقبضه التخلية بينه و مشتريه لا حائل دونه لأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف كالإحراز

والتفرق والعادة في قبض هذه الأشياء۔

(اور اگر ایسی چیز ہو جو اپنی جگہ سے منتقل نہیں ہوتی تو اس کا قبضہ بیع اور بائع کے درمیان اس طرح کا تخلیہ ہے کہ بیع اور مشتری کے مابین کوئی چیز حائل اور رکاوٹ نہ ہو، اس لئے کہ شریعت نے قبضہ کو مطلق بیان کیا ہے اس کی کوئی خاص نوعیت ذکر نہیں کی ہے، لہذا اس میں عرف و رواج ہی کی طرف رجوع ضروری ہوگا، جس طرح کسی چیز کی حفاظت اور اس سے علاحدگی کا تصور عرف پر مبنی اور ان اشیاء کے قبضہ کا رواج ہے) (المغنی لابن قدامہ ۹۰/۴)۔

نیز امام شافعیؒ کے یہاں بھی قبضہ کی نوعیت میں غیر منقولی اشیاء میں تخلیہ کو کافی قرار دیا گیا ہے، علامہ نووی قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اپنا مذہب نقل فرماتے ہیں:

”قد ذكرنا أن مذهبنا أن القبض في العقار ونحوه بالتخلية، وفي المنقول بالنقل وفي تناول باليد تناول“۔

(ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ عقار اور اس قسم کی دیگر اشیاء میں قبضہ کا مدار تخلیہ ہے اور منقولی چیزوں میں انتقال اور ہاتھ سے لی جانے والی چیزوں میں دست بدست پیردگی ہے) (المجموع شرح المہذب ۲۸۳/۹)۔

اور منقولی اشیاء کے قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ اگر عددی چیز ہے تو اس کی گنتی کر دے اور کیلی چیز ہے تو اس کی کیل کر دے، اس کے بعد مشتری کو اس میں تصرف پر بغیر کسی رکاوٹ اور موانع کے قدرت حاصل ہو جائے تو اس کو قبضہ تصور کیا جائے گا، البتہ بعض روایات میں انتقال کا تذکرہ بھی آیا ہے، لیکن وہ مجمل اور مطلق ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ وہ عرف پر مبنی ہے اگر صرف کیل اور وزن نیز گنتی کو عرف میں قبضہ تصور کیا جاتا ہو تو اسے ہی قبضہ قرار دیا جائے گا اور انتقال ہی قبضہ تصور ہو تو اسی کو قبضہ مانا جائے گا، جیسا کہ روایات اور ان کی تشریحات سے معلوم ہوتا ہے، تاہم حنفیہ نے اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں کو قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے یکساں گردانتے ہوئے محض تخلیہ کو قبضہ کے لئے کافی شمار کیا ہے اور دست بدست اور انتقال کو ضروری

قرائیں دیا ہے، جیسا کہ بدائع کی عبارت سے معلوم ہوا، نیز علامہ ابن ہمام نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کیا ہے، وہ رقمطراز ہیں:

”لابد من معرفة التسليم والتسلم الموجب للبراءة في التجريد لتسليم المبيع أن يخلو بينه وبين المبيع على وجه يتمكن من قبضه من غير حائل وفي الأجناس يعتبر صحة التسليم ثلاثة معان: أن يقول خليت بينك وبين المبيع وأن يكون المبيع بحضرة المشتري على صفة يتأتى فيه الفعل من غير مانع وأن يكون مفرداً غير مشغول بحق غيره“۔

(کسی چیز کے سپرد کرنے اور سپرد ہونے میں جو بری الذمہ ہونے کا سبب ہے اس کی حقیقت کا جاننا ضروری ہے، چنانچہ تجربہ میں ہے کہ بیع کی سپردگی یہ ہے کہ بیع کا بائع اور مشتری کے درمیان اس طرح تخلیہ ہو جائے کہ مشتری بغیر کسی رکاوٹ کے بیع کے قبضہ کرنے پر قادر ہو، اور اجناس میں سپردگی کی صحت کا اعتبار تین طرح سے ہوتا ہے: پہلی صورت یہ ہے کہ بائع مشتری سے کہے کہ میں بیع اور تمہارے درمیان ملکیت کی بندش سے دستبردار ہوتا ہوں، اور دوسرے بیع مشتری کے سامنے اس ہیئت اور مرحلہ میں ہو کہ مشتری کو بغیر کسی کلفت کے تصرف کا اختیار ہو جائے، تیسرے یہ کہ بیع غیر کے کسی بھی حق سے آزاد ہو) (فتح القدیر ۶/۲۹۷)۔

مگر راقم الحروف کے خیال کے مطابق قطعی اور صحیح بات یہی ہے کہ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ کے قبضہ کی نوعیت میں خاصا فرق ہے، جیسا کہ مذکورہ تشریحات سے معلوم ہوا، نیز روایات و شواہد بھی اسی پہلو کو اجاگر کرتے ہیں، چنانچہ عبد اللہ بن عمر کی روایت جس کو بیہقی نے بھی روایت کیا ہے مؤطا امام مالک میں ہے:

”عن عبد الله بن عمر أنه قال: كنا في زمان رسول الله ﷺ نبتاع الطعام فبيعت علينا من يأمرنا بانتقاله من المكان الذي ابتعناه إلى مكان سواه قبل أن نبيعه“۔

(حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ عہد نبوی میں غلے خریدتے اور بیچتے تھے تو آپ ﷺ نے ہمارے یہاں قاصد بھیجا جس نے ہمیں حکم دیا منتقل کرنے کا دوسری جگہ اس جگہ سے جہاں ہم نے اس کو خریدا ہے، ان غلوں کو بیچنے سے پہلے) (متوفا امام مالک ۲۶۴، صحیح مسلم ۵۲)۔

دوسری روایت جو بخاری میں ہے:

”قال: رأيت الناس في عهد رسول الله ﷺ إذا ابتاعوا طعاما جزأفا يضر بون أن يبيعه في مكانهم حتى يؤروه إلى رحالهم“۔

(ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے عہد نبوی ﷺ میں دیکھا کہ جب غلے تجارت اٹکل سے خریدتے تو ان کی اس بات پر پٹائی اور سرزنش ہوتی کہ وہ اسے اس کی جگہ فروخت کریں جہاں انہوں نے خریدا ہے والا یہ کہ اسے اپنی سواریوں اور کجاوے تک منتقل کر لیں) (بخاری ۸۷-۲۸۶)۔

کیا بیع قبل القبض سے متعلق احادیث معطل بہ ہیں؟

”بیع قبل القبض“ کی روایتوں اور اس بارے میں پیش کردہ علماء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باب کی تمام روایتیں کسی نہ کسی علت پر ضرور مبنی ہیں، مثلاً غرر انفساخ عقد، ربح مالم یضمن، شبہ ربا، ملکیت غیر کی فروختگی وغیرہ، مگر ان میں غرر انفساخ عقد زیادہ ہے، یعنی اس بات کا امکان ہے کہ بائع اول اس کو فتح بھی کر سکتا ہے، یا مبیع ہلاک بھی ہو سکتی ہے جس کی وجہ سے بیع باطل ہو جائے، ظاہر ہے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس سلسلے کی نصوص علت غرر یا خدشہ ہلاکت مبیع پر مبنی ہیں تو جہاں بھی یہ علت پائی جائے گی بیع کی حرمت بھی ثابت ہوگی اور جہاں نہیں پائی جائے گی حلت ثابت ہوگی۔

حدیث کے معطل بالعلت ہونے ہی کی وجہ سے احناف نے منقولات کی بیع قبل القبض کو ناجائز اور غیر منقولات کی بیع کو جائز قرار دیا ہے، اسی طرح حنابلہ نے مطعومات اور دیگر ملکيات اور موزونات کے قبیل کی اشیاء کی بیع کو ناجائز اور مالکیہ نے مطعومات کے علاوہ تمام کی

بیع کو جائز گردانا ہے، البتہ شوافع اس باب کی تمام احادیث کو غیر معطل بہ مان کر تمام ہی اشیاء میں قبل القبض بیع کو ناجائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ مشہور حنفی عالم علامہ شہاب الدین احمد عسکری روایات نبی کے قصص اور معطل ہونے کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”إن القياس أن يجوز بيع المنقول قبل القبض أيضا لدلائل جواز البيع من الكتاب والسنة والإجماع إلا أنه ترك القياس بالحديث فلم يجز بيعه قبل القبض وعلل الحديث بغرر انفساخ العقد بهلاك المبيع لأن العام إذا لم يكن إجراءه على العموم حمل على أحصا الخصوص“۔

(قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ قبل القبض منقولات کی بیع بھی کتاب و سنت اور اجماع سے منقول دلائل جواز بیع کی وجہ سے جائز ہو، مگر احادیث رسول کی وجہ سے قیاس ترک کر دیا گیا ہے، لہذا منقولات کی بیع قبل القبض جائز نہیں، رہی حدیث میں مخالفت تو احادیث عقد بیع کے فساد کے خدشہ سے معطل ہے جو کہ مبیع کی ہلاکت سے متعلق ہے، اس لئے کہ عام جب اپنی عمومیت پر باقی نہ رہے تو اس کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے) (حاشیہ عسکری مع التبین لعثمان الریثی ۸۰۴، فتح القدیر ۵۱۳، المغنی ۸۸۴، المدوۃ الکبریٰ)۔

اور ماضی قریب کے جلیل القدر فقیہ اور حنفی عالم مولانا ظفر احمد تھانوی حنفیہ کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”إلا أن أبا حنيفة وأبا يوسف خصا النصوص بالمنقول لعله النهي وهو غرر انفساخ العقد بالهلاك قبل القبض واحتج أبو حنيفة، بأن الحكم معطل بغرر انفساخ العقد بهلاك المبيع والهلاك في غير المنقول نادر و النادر كالمعدوم“۔

(مگر یہ کہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف نے نصوص کو منقولات کے ساتھ ممانعت کی علت کی وجہ سے خاص کیا ہے، اور وہ قبل القبض مبیع کی ہلاکت کی وجہ سے عقد کے ختم ہونے کا

خدا ہے، اور امام ابو حنیفہؒ نے اس بات سے استدلال کیا ہے کہ (ممانعت) کا حکم بیع کی ہلاکت سے بیع کے ختم ہونے کا خطرہ سے معلل ہے، اور غیر منقول اشیاء میں یہ اندیشہ نادر ہے جو کالعدم ہے) (اعلام السنن ۱۳/۲۲۵)۔

البتہ دور حاضر کے مشہور فقیہ و مبہر زحلی نے بیع قبل القبض سے متعلق احادیث کو معلل بہ قرار نہ دے کر انہوں نے نبی کی علت ”ربا“ کا شبہ قرار دیا ہے، جو اصل میں غرری کا لازمی نتیجہ ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۶۷۳)۔

غرض یہ حدیثیں معلل بہ ہیں اور علت غرر انفساخ عقد (بیع اولی کے دوران معاملہ ختم ہو جانے کا خدشہ) ہے۔

بیع قبل القبض کی ممانعت اور اختلاف ائمہ:

کتب فقہ اور ائمہ کے اقوال، نیز مذاہب اربعہ کی آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض کی ممانعت علی الاطلاق اور عام نہیں ہے، بلکہ ان میں تخصیصات واستثناءات بھی ہیں، بعض ائمہ کے یہاں تو صرف اشیاء خوردنی اور بعض کے یہاں منقولی اور بعض کے یہاں خوردنیوں کی اشیاء میں بھی مکیلی اور موزونی، نیز دوسرے بعض حضرات کے یہاں منقولی اور غیر منقولی دونوں کی ممانعت کی صراحت ملتی ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق ائمہ کی آراء ان کے دلائل اور نقاط نظر علاحدہ علاحدہ ذکر کر دیئے جائیں۔

حنفی نقطہ نظر:

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ نے منقولی اشیاء کے اندر ”بیع قبل القبض“ کو ناجائز اور غیر منقولی میں جائز قرار دیا ہے، اور حنفیہ کے یہاں مختار قول یہی ہے، البتہ امام محمدؒ نے اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں کو ناجائز قرار دیا ہے، چنانچہ ابو جعفر طحاوی مسلک احناف کی ترجمانی کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”ولا يجوز بيع ما لم يقبض من الأشياء المبيعات إلا العقار، فإن أبا
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

حنيفة كان يجيز بيعه قبل قبضه، وأما أبو يوسف و محمد، فكانا لا يجيزان بيع ذلك أيضا حتى يقبض وبه نأخذ، ثم رجع أبو يوسف عن ذلك إلى قول أبي حنيفة ولا يجوز لمن اشترى شيئاً كيلاً وإن قبضه أن يبيعه حتى يكتاله و كذلك حتى يعده إن كان اشتراه عدداً۔

(خریدی اور بیچی جانے والی چیزوں میں سے کسی کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں سوائے زمین کے، امام ابو حنیفہ نے عقار کی بیع قبضہ سے پہلے جائز قرار دی ہے، امام ابو یوسف و محمد نے منقولی اشیاء کی بیع قبل القبض نا درست قرار دی ہے، اور میں اسی کو اختیار کرتا ہوں، پھر امام ابو یوسف نے امام صاحب کی طرف رجوع کر لیا، لہذا کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ کیلی چیز خرید کر لے اور اس کی کیل سے پہلے اس کو فروخت کرے اگرچہ اس پر قابض ہو جائے، اسی طرح عددی چیز کثرت سے قبل فروخت کرے) (مختصر طحاوی ۸۴، بدائع ۵/۲۳۴، فتح القدیر ۶/۵۱۰)۔
دلایل:

حنفیہ نے غیر منقولی اشیاء کی قبل القبض بیع کی ممانعت اور عقارات کے قبیل کی چیزوں کے جواز پر مندرجہ ذیل روایات سے استدلال کیا ہے، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ منقولی اشیاء میں چونکہ فسخ عقد کا احتمال رہتا ہے، اور غیر منقولی اشیاء میں یہ احتمال نہیں رہتا، اس لئے ان کی خرید و فروخت جائز ہے، البتہ اگر غیر منقولی چیزوں میں بھی یہ احتمالات پیدا ہو جائیں تو ان کی بیع بھی قبل القبض جائز نہ ہوگی۔

”فإن هلاك العقار نادر و لا يبنى الفقه باعتباره، فلا يمنع الجواز وهذا؛ لأنه لا يتصور هلاكه إلا صار بحراً أو نحوه حتى قال بعض المشائخ؛ إن جواب أبي حنيفة في موضع لا يخشى عليه أن يصير بحراً أو يغلب عليه الرمال، فأما في موضع لا يؤمن عليه ذلك، فلا يجوز كما في المنقول ذكره المحجوب حتى لو كان على شط البحر أو كان المبيع علواً لا يجوز بيعه قبل

(کیونکہ عقار کا ہلاک ہونا شاذ و نادر ہوتا ہے اور شذوذ پر فقہ کی بنیاد نہیں ہوتی، لہذا یہ جو اذیت کے لئے بھی مانع نہیں ہوگا، اور یہ اس لئے ہے کہ اس کا ہلاک ہونا متصور نہیں ہوتا الا یہ کہ وہ زمین بحر یا نہر بن جائے، یہاں تک کہ بعض مشائخ احناف نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا جواب ان جگہوں کے بارے میں ہے جہاں اس بات کا اندیشہ نہ ہو کہ وہ بحر میں تبدیل ہو جائے گی یا اس پر ریت غالب آ جائے گی، مگر وہ مقام جہاں اس سے مامون نہ ہو تو اس کا فروخت کرنا بھی قبضہ سے قبل منقولی اشیاء کی طرح جائز نہیں، اسی کو مجوبی نے ذکر کیا ہے کہ اگر مجمع بحر کے کنارے ہو یا مکان وغیرہ کا اوپری حصہ ہو تو اس کا قبل القبض بیچنا جائز نہیں) (فتح القدیر ۶/ ۵۱۳)۔

مزید چند روایات جو حنفیہ کے نقطہ نظر کی مؤید ہیں، زیر قسطاس کی جاتی ہیں:

”عن حکیم بن حزام قال: قلت: یا رسول اللہ! ایتنا عہذہ البیوع فما یحل لی منها وما یحرم علی قال: یا ابن اُحیی لا تبیعن شینا حتی تقبضہ، ہذا إسناد حسن متصل“۔

(حکیم بن حزام سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی ﷺ سے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میں مختلف قسم کی چیزوں کی بیع کرتا ہوں اس میں سے میرے لئے کیا حرام اور کیا حلال ہے؟ فرمایا: اے بھتیجے! یہ چیزیں اس طرح نہیں بیچی جائیں گی، جب تک اس پر قبضہ نہ ہو جائے، حدیث کی یہ سند صحیح اور متصل ہے) (اسنن البکری للبیہقی ۵/ ۲۱۳)۔

دوسری روایت جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی ہے جو مسلم اور دیگر صحاح میں ہے:

”عن ابن عباس أن رسول اللہ ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یتوفیہ قال ابن عباس وأحسب کل شیء مثله“۔

(ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص غلہ خریدے اس کو ہر گز نہ بیچے جب تک اس پر قبضہ نہ کر لے، ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس قسم کی تمام اشیاء کے بارے میں مکہ میں یہی گمان کرتا ہوں) (مسلم شریف ۵/ ۲، مؤطا امام محمد ۲/ ۲۲۲)۔

حنفیہ کے یہاں تخصیص منقولات کی وجہ:

اس سے پہلے تفصیل سے یہ بات گذر چکی ہے کہ احناف نے روایات ”نبھی بیع قبل القبض“ کو معطل نہ قرار دیا ہے اور وہ علت بیع کی ہلاکت یا دیگر کسی اور وجہ سے انفساخ منقذ کا خدشہ ہے اور جہاں تک غیر منقولی اشیاء کے جواز کی بات ہے تو اس بنا پر جائز قرار دیا ہے تاکہ کتاب اللہ میں جو بیع کی حلت آئی ہے اس کی عمومیت باقی رہے، اس لئے کہ قرآن کریم کی آیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ منقولی اور غیر منقولی دونوں اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہو، مگر چونکہ احادیث میں بعض اشیاء کی بابت ممانعت آئی ہے اس لئے اس کو معطل نہ مان لیا تاکہ احادیث پر بھی عمل ہو جائے، اور آیت کی عمومیت بھی باقی رہے، کیونکہ غیر منقولی اشیاء میں وہ اندیشہ نہیں ہے جو منقولی میں ہے۔ ”هذا تطبيق جيد للأحناف“۔

چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی شیخین کی رائے کی توجیہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”ولهما عمومات البياعات من الكتاب العزيز من غير تخصيص ولا يجوز تخصيص عموم الكتاب بخبر الواحد عندنا أو نحمله على المنقول تو فيقا بين الدلائل صيانة لها عن التناقض، ولأن الأصل في ركن البيع إذا صدر من الأهل في المحل هو الصحة والامتناع لعارض الغرر وهو غرر انفساخ العقد بهلاك المعقود عليه ولا يتوهم هلاك العقار فلا يتقرر الغرر فبقى بيعه على حكم الأصل“۔

(امام ابو حنیفہ و ابو یوسفؒ کی دلیل بغیر تخصیص کے خرید و فروخت کی اجازت کا عام ہونا ہے، اور ہمارے یہاں اصولی طور پر کتاب اللہ کے عموم کو خبر واحد سے مقید کرنا جائز نہیں ہے، یا یہ کہ اس ممانعت کو ہر منقول چیز پر محمول کریں گے، تاکہ دونوں دلائل میں تطبیق ہو جائے اور تناقض نہ ہو اور اسول یہ ہے کہ جب کوئی رکن اہل بیع و شراء سے صحیح محل میں صادر ہو تو اصل اس کی صحت کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

ہے اور اس کی ممانعت خارجی علت کی بنا پر ہے اور وہ بیع کی ہلاکت کی وجہ سے عقد بیع کے فسخ کا امکان ہے، اور یہ امکان عقارات میں متصور نہیں، لہذا اس میں غرر بھی ثابت نہیں ہوگا، اور بیع اپنے حکم اصلی (جواز) پر باقی رہے گی) (بدائع الصنائع ۵/۸۱)۔

شافعی نقطہ نظر:

بیع قبل القبض کے سلسلہ میں شافعیہ کا نقطہ نظر منقولات اور غیر منقولات دونوں میں عدم جواز کا ہے، البتہ ایسے حقوق جن میں بغیر عوض ملکیت ثابت ہوتی ہے، مثلاً وصیت، میراث، غلام کی آزادی، علی اختلاف الاقوال، تو ان میں قبل القبض تصرف دیگر ائمہ کی طرح شوافع نے بھی جائز قرار دیا ہے، چنانچہ ساتویں صدی ہجری کے مشہور شافعی عالم محی الدین ابن شرف نووی تحریر فرماتے ہیں:

”مذهبنا أنه لا يجوز بيع المبيع قبل قبضه عقارا كان أو منقولاً لا ياذن البائع ولا بغير إذنه لا قبل أداء الثمن ولا بعده“۔

(اس بارے میں ہمارا مذہب یہ ہے کہ خواہ عقار کے قبیل کی چیز ہو یا منقولات کے قبیل کی، قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے، نہ قبایع کی اجازت سے اور نہ بغیر اس کی اجازت کے، اسی طرح نہ اداء ثمن سے قبل اور نہ بعد) (المجموع شرح المہذب ۲/۲۶۳)۔

دلائل:

شافعیہ نے بھی قریب قریب انہیں روایتوں سے استدلال کیا ہے، جن سے دیگر ائمہ مجتہدین نے کیا ہے اور انہوں نے منقولات پر غیر منقولات کو قیاس کیا ہے، وہ اس طرح کہ جب اللہ کے نبی ﷺ نے اشیاء مطعومات جس کی کہ انسان ہر وقت ضرورت محسوس کرتا ہے، کی بیع قبل القبض کو ناجائز قرار دیا تو غیر منقولات کی بیع قبضہ سے قبل بدرجہ اولیٰ ناجائز اور باطل ہوگی، نیز اس لئے بھی باطل ہے کہ کسی چیز کی فروختگی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی سپردگی پر انسان قادر ہو، اور قبل القبض کی صورت میں مشتری اس سے قاصر ہوگا، نیز شافعیہ کے یہاں بھی علت نہی

وہی ہے جو حنیفہ کے یہاں ہے، یعنی غرر انفسان عقد، چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں:

”وأما أصحابنا بحديث حكيم بن حزام أن النبي ﷺ قال: لا تبع ماله تقبضه و بحديث زيد بن ثابت أن النبي ﷺ نهى أن تباع السلع حيث يتبع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم رواه أبو دؤد بإسناد صحيح“۔

(ہمارے اصحاب نے حکیم بن حزام کی روایت سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مت پیو تم کسی چیز کو جب تک اس پر قابض نہ ہو جاؤ، اور دوسری روایت زید بن ثابت کی ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ سامان کو اسی جگہ فروخت کیا جائے جہاں سے اسے خریدا جائے، جب تک اس کو تجارت اپنے کجاوے اور سواری تک منتقل نہ کر دیں) (شرح المہذب ۱۹۰۲)

خوبی نقطہ نظر:

امام احمد کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں بھی ”بیع قبل القبض“، عقار کے علاوہ تمام مطعومات غیر مطعومات، ملکیات و موزونات میں ناجائز ہے۔ اور امام ترمذی کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اشیاء خوردنی کے علاوہ جو کیلی اور وزنی نہ ہوں ان تمام میں جائز ہے، اور ایک دوسری روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صرف اشیاء خوردنی اور مشروبات میں ناجائز، باقی تمام چیزوں میں قبل القبض بیع جائز ہے، ابن عبد البر نے اسی تیسری روایت کو واضح قرار دیا ہے، چنانچہ محقق ابن قدامہ حنبلی (متوفی ۶۲۰ھ) نقل فرماتے ہیں:

”ونقل عن أحمد أن المَطْعوم لا يجوز بيعه قبل قبضه سواء كان مكبلاً أو موزوناً أو لم يكن وهذا يقتضى أن الطعام خاصة لا يدخل فى ضمان المشتري حتى يقبضه، فإن الترمذى روى عن أحمد أنه رخص فى بيع ما لا يكال ولا يوزن مما لا يוכל ولا يشرب قبل قبضه... وما أشبه من مأكول و مشرب فلا بيعه حتى يقبضه قال ابن عبد البر: الأصح عن أحمد بن حنبل أن

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

الذی یمنع من بیعه قبل قبضه هو الطعام۔

(امام احمد سے ایک روایت یہ ہے کہ اشیاء خوردنی کی بیع قبل القبض جائز نہیں، خواہ مکلیں یا موزونی ہو یا نہ ہو، اس روایت کا تقاضا یہ ہے کہ اشیاء خوردنی خاص کر مشتری کے ضمان میں داخل نہ ہوگی جب تک قبضہ نہ کر لیا جائے، امام ترمذی نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ امام موصوف نے غیر مکلی اور موزونی جو اشیاء خورد و نوش نہیں ان کی بیع قبل القبض کے جواز میں رخصت دی ہے، ابن عبد البر کہتے ہیں کہ امام احمد کی صحیح روایت صرف الطعام میں قبل القبض عدم جواز کی ہے) (المغنی ابن قدامہ ۴/۸۸)۔

دلائل:

حنابلہ کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ حنابلہ نے بھی اس باب کی ذکر کردہ روایتوں سے استدلال کیا ہے تاہم مطعومات کی چونکہ احادیث میں صراحت ہے، اس لئے مفہوم مخالف جس کا کہ حنابلہ کے یہاں کلام شارع میں اعتبار ہے۔ اس سے مطعومات کے علاوہ قبل القبض بیع کے جواز پر استدلال کیا ہے، چنانچہ ابن قدامہ کی ایک روایت پیش کر کے اس کے مفہوم مخالف کی تشریح کرتے ہیں:

”لان النبی ﷺ نہی عن بیع الطعام قبل قبضه فمفهومه إباحة بیع ما سواه قبل قبضه۔“

(اس لئے کہ قبضہ سے پہلے غلہ کی بیع جائز نہیں ہے، لہذا اس کا مفہوم مخالف یہ نکلا کہ اس کے علاوہ چیزوں کی بیع قبل القبض جائز ہے) (المغنی ۴/۸۸)۔

”عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من اشترى طعاما فلا بیعه حتی یتوفیه، قال: کنا نشترى الطعام من الرکبان جزافا فنهانا رسول الله ﷺ أن نبیعه حتی ننقله من مکانہ۔“

(حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا جو شخص غلہ خریدے۔۔۔ اس کو نہ بیچے۔۔۔)

جب تک اس کو رسول اور اس پر قبضہ نہ کر لے، ابن عمر کہتے ہیں کہ ہم لوگ سواری سے اٹکل سے غلہ خریدتے تھے، آپ ﷺ نے منع فرمایا اس کے فروخت کرنے سے جب تک اس کو دوسری جگہ منتقل نہ کر دیا جائے“ (صحیح مسلم ۵۲)۔

مالکی نقطہ نظر:

”بیع قبل القبض“ میں مالکیہ نے صرف اشیاء خوردنی، خواہ ربوی ہوں یا غیر ربوی، کو ناجائز قرار دیا ہے، اس کے علاوہ تمام منقولات و غیر منقولات، مکملات و موزونات کی تمام اجناس کو اس نبی سے مستثنیٰ گردانا ہے، چنانچہ مشہور مالکی علامہ حنویٰ بن سعید تنوخی لکھتے ہیں:

”قلت: وما سوى الطعام والشراب مما سلفت فيه كيلا أو وزنا فلا بأس أن أبعه قبل أن أقبضه من الذي باعني أو من غيره قال مالك: لا بأس أن تبع ما سلفت فيه إذا كان من غيره ما يؤكل ويشرب من غير الذي عليه ذلك السلف باقل أو بأكثر“۔

(میں نے پوچھا اشیاء خورد و نوش کے علاوہ وہ تمام چیزیں جو کیلی اور وزنی ہوں ان میں کوئی حرج ہے؟ کہ اس کی بیع قبضہ سے پہلے کی جائے اس شخص سے کہ جس کے ہاتھ سے میں نے خریدا ہے، یا اس کے علاوہ سے، تو امام مالک نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے کہ تم ان چیزوں کو فروخت کرو جس میں ادھار بیع کی جاتی ہے، جبکہ وہ اشیاء خورد و نوش نہ ہوں اس شخص سے جس سے کہ ادھار خریدا ہے خواہ کم میں خریدا ہو یا زیادہ میں) (المدوۃ الکبریٰ ۱۶۵۳، ہدایۃ المجتہد ۱۳۴۲)۔

دلائل:

مالکیہ نے مطعومات اور غیر مطعومات میں، نیز عقارات کے درمیان قبل القبض بیع کی ممانعت میں جو عقلی طور پر فرق کیا ہے، وہ یہ ہے کہ مطعومات قبل القبض ربا کا ذریعہ بن سکتے ہیں اور غیر مطعومات میں چونکہ یہ اندیشہ نہیں ہے، اس لئے سداً للذریعہ غالباً اشیاء خوردنی میں قبضہ کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

سے پہلے بیع ناجائز اور اس کے علاوہ میں جائز قرار دیا ہے، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی مالکیہ کی طرف سے اسی علت کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”والعلة في منع بيع الطعام قبل القبض عند المالكية هي أنه قد يتخذ البيع ذريعة التوصل إلى ربا النسينة فهو يشبه بيع الطعام بالطعام نساء يعني سد الذرائع۔“

(مالکیہ کے یہاں قبل القبض اشیاء خوردنی کی بیع و شراء کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ وہ ربا، نسینہ تک رسائی کا ذریعہ بنتی ہے، جو نسینہ اشیاء خوردنی کی بیع کے مشابہ ہے یعنی مالکیہ نے سد الذرائع (یعنی اس سے روکا ہے) (الفقه المالکی وأصوله ۴/۴۷۷)۔

”عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من اشترى طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه ويقبضه۔“

(حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص طعام خریدے اس کو نہ بیچے جب تک قبضہ نہ کرے) (صحیح مسلم ۵/۲)۔

فیکٹری سے مال خرید کر بغیر قبضہ فروخت کرنا:

مذکورہ بالا بیع و شراء سے متعلق تمام تفصیلات، قیود و شرائط کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ فیکٹری سے مال خرید کر کوئی شخص بغیر اس پر قبضہ کئے کسی دوسرے کے ہاتھوں فروخت کر دیتا ہے تو چونکہ کمپنی سے مال خریدنے اور عقد معاملہ کرنے کی وجہ سے معنوی قبضہ ہو گیا تھا، اگرچہ ظاہری نہیں ہوا اور فیکٹری سے خرید کردہ بیع پر قبضہ آئندہ جب چاہے یقینی ہے، اس لئے محض ضمان کو کسی درجہ میں قبضہ مان کر تعامل ناس کی وجہ سے اس کو فروخت کرنا اور اس سے نفع کمانا ناجائز ہونا چاہئے، بشرطیکہ کسی قسم کا دھوکہ نہ ہو، اس لئے کہ شریعت نے جو ”بیع قبل القبض“ کو ناجائز قرار دیا ہے وہ دو علتوں کی بنا پر، ایک علت غرر ہے، اور دوسری ”ربح الملم بضممن“ ہے، یہ دونوں صورتیں زیر بحث مسئلہ میں نہیں پائی جاتیں، اس بنا پر کہ تعامل ناس کی وجہ سے غرر بھی غرر

بیرے قسم میں ہے، اور بائع اول چونکہ ضمان قبول کر رہا ہے اس لئے ربح مالم بضمن بھی نہیں ہوگا، اس لئے اس صورت کے جواز میں کوئی خاص قباحہ معلوم نہیں ہوتی۔

شیپنگ :

اور شیپنگ کی صورت میں چونکہ بائع اس کا ضامن نہیں ہوتا، اس لئے اس طرح کا معاملہ ”ربح مالم بضمن“ کی وجہ سے شرعاً نادرست ہوگا۔

۴۸۶

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے متعلق مسائل و احکام

مولانا محمد ارشد قادری

۱۔ شرع اسلامی میں جہاں بہت ساری چیزیں ممنوع اور ناجائز ہیں وہیں ایک بیع قبل القبض بھی ہے، چنانچہ بیع قبل القبض کے ناجائز ہونے پر بہت ساری احادیث ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ ”عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه“ (مسلم شریف ۵۰۲)۔

۲۔ ”عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه، قال ابن عباس: وأحسب كل شيء مثله“ (مسلم شریف ۵۰۲)۔

۳۔ ”عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يقبضه قال ابن عباس: وأحسب كل شيء بمنزلة الطعام“ (مسلم شریف ۵۰۲)۔

۴۔ ”عن ابن عباس قال: قال رسول الله: من ابتاع طعاماً، فلا يبعه حتى يكتاله فقلت لابن عباس لم، فقال ألا تراهم يتاعون بالذهب والطعام مرجأ ولم يقل أبو كريب مرجأ“ (مسلم شریف ۵۰۲)۔

۵۔ ”عن نافع عن ابن عمر قال: كنا في زمان رسول الله ﷺ نبتاع الطعام فبيعت علينا من يأمرنا بانتقاله في المكان الذي ابتعناه فيه إلى مكان سواه قبل أن نبيعه“ (مسلم شریف ۵۰۲)۔

۶۔ "عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله قال: من اشترى طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه، قال: وكنا نشترى الطعام من الركبان جزافاً فنهانا رسول الله ﷺ أن نبيعه حتى ننقله من مكانه" (مسلم شریف ۵۰۲)۔

۷۔ "عن نافع عن عبد الله ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من اشترى طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه ويقبضه" (مسلم شریف ۵۰۲)۔

۸۔ "عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال: من اشترى طعاماً فلا يبعه حتى يكتاله ومن رواية أبي بكر من ابتاع" (مسلم شریف ۵۰۲)۔

۹۔ "جابر بن عبد الله يقول: كان رسول الله ﷺ يقول: إذا ابتعت طعاماً فلا تبعه حتى يستوفيه" (مسلم شریف ۱۰۲)۔

۱۰۔ "عن سالم عن ابن عمر أنهم كانوا يضربون على عهد رسول الله ﷺ إذا اشترؤا طعاماً جزافاً أن يبيعوه في مكانه حتى يحولوه" (مسلم شریف ۵۰۲)۔

جب "بیع قبل القبض" ناجائز ہے تو کیا اس کا شمار بیع باطل میں، یا بیع فاسد میں، یا بیع مکروہ میں ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں جاننا چاہئے کہ بیع قبل القبض ایک وصف ہے نہ کہ اصل، اور بیع فاسد وہ ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے شروع ہونے کے وصف کے اعتبار سے، لہذا "بیع قبل القبض" کا شمار بیع فاسد میں ہوگا نہ کہ بیع باطل و مکروہ میں، نیز احادیث میں جو "بیع قبل القبض" کی ممانعت ہے اس کا بھی اقصاض یہی ہے کہ "بیع قبل القبض" کا شمار بیع فاسد میں ہونے کے بیع باطل و مکروہ میں، کیونکہ احادیث میں جو "بیع قبل القبض" کی مخالفت آئی ہے اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ "بیع قبل القبض" اصلاً ناجائز ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں مشتری کو غرر ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ نہ کہتا ہے بیع باطل کے پاس ہلاک ہو جائے، چنانچہ بیع ہلاک ہونے کی وجہ سے بیع ثانی فسخ ہو جائے گی نہ کہ باطل، چنانچہ امام اکمل الدین محمد بن محمود بابر ترقی "عنایہ" میں لکھتے ہیں:

”والنہی یقتضی الفساد، فیکون البیع فاسداً قبل القبض؛ لأنه لم یدخل فی ضمانہ کما فی الإحارة“ (عنایۃ من فتح القدیر ۶/ ۵۱۲)۔

اور نہی فساد کا تقاضا کرتا ہے، پس بیع قبضہ سے پہلے فاسد ہوگی، اس لئے کہ بیع قبضہ سے پہلے مشتری کے ضمان میں داخل نہیں ہوتی، جیسا کہ اجارہ میں ہے۔
وجہ زحلی فرماتے ہیں:

”والنہی یوجب فساد المنہی عنہ، ولأنہ بیع فیہ غرر لتعرضہ الی الانفساخ بہلاک المعقود علیہ، فیطل البیع الأول ویفسخ الثانی“ (الفتاۃ الاسلامیہ وکوالہ ۴/ ۴۱۱)۔

(نہی منہی عنہ کے فساد کو ثابت کرتی ہے، اور اس لئے کہ بیع کے ہلاک ہونے کی وجہ سے اس بیع کا فسخ ہونا ممکن ہے جو باعث غرر ہے، تو بیع اول باطل اور دوسری بیع فسخ ہو جائے گی)۔
۲۔ اسلامی شریعت میں کتاب و سنت نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی ہے، بلکہ اسے لوگوں کے عرف و عادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً قبضہ مانا جائے گا، چنانچہ ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں:

”لأن القبض مطلق فی الشرع، فیجب الرجوع فیہ الی العرف“ (الفتاۃ ۴/ ۹۰)۔
(اس لئے کہ قبضہ شریعت میں مطلق ہے، پس اس میں رجوع واجب ہوگا عرف کی طرف)۔

اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت:

اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت تخلیہ ہے، اور تخلیہ کہتے ہیں کہ بیع اور مشتری کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل نہ ہو جو بیع کیلئے مانع ہو اس طور پر کہ مشتری بیع میں تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، گویا بیع بیع کو سپرد کرنے والا اور مشتری اس کو لینے والا ہو جائے، چنانچہ علامہ کا سانی

لکھتے ہیں:

”وأما تفسير التسليم والقبض، فالتسليم والقبض عندنا هو التخليه والتخلي وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري على التصرف فيه، فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً له وكذا تسليم الثمن من المشتري إلى البائع“ (بدائع ۲۴۴)۔

(سپردگی اور قبضہ کی تفسیر ہمارے یہاں (حنفیہ) سپردگی اور قبضہ و تخلیہ ہے، اور تخلیہ یہ ہے کہ بائع مبیع اور مشتری کے درمیان حائل کو ختم کر دے اس طریقے پر کہ مشتری مبیع میں تصرف کرنے پر قادر ہو جائے، گویا بائع مبیع کو سپرد کرنے والا اور مشتری اس کو قبضہ کرنے والا ہو جائے، اور ایسے ہی ثمن کی سپردگی ہے مشتری سے بائع کی طرف)۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق:

اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے مذاہب مندرجہ ذیل ہیں:

حنفیہ کا مسلک:

حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں تمام چیزوں میں تخلیہ حکماً قبضہ ہے جبکہ مشتری اس پر بغیر مشقت کے قادر ہو، لیکن قبضہ کی نوعیت مبیع کے اعتبار سے مختلف ہوتی رہتی ہے۔

اشیاء غیر منقولہ میں تخلیہ قبضہ ہے اگر قریب ہو، لیکن اگر وہ دور ہے تو اس میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگرچہ اشیاء غیر منقولہ دور ہو پھر بھی تخلیہ قبضہ سمجھا جائے گا، صاحبین کا مذہب اس کے برخلاف ہے، لیکن امام صاحب کے مذہب کو البحر الرائق میں ضعیف کہا گیا ہے۔

اشیاء منقولہ میں قبضہ کی نوعیت ہر چیز کے اعتبار سے مختلف ہے، اگر گہیوں کو گھر میں فروخت کیا گیا تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری کو چاہی دیدے اس طور پر کہ مشتری گھر

کھولنے پر بغیر کسی مشقت کے قادر ہو جائے، اور اگر گھر کو فروخت کیا گیا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری گھر بند کرنے پر قادر ہو جائے، اگر جانور کو چراگاہ میں فروخت کیا گیا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس کو دیکھ لے، یا اس کی طرف اشارہ کر دے، اگر بیع کپڑا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس سے متصل ہو، اگر گھوڑا یا چڑیا کو گھر میں فروخت کیا گیا تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو بغیر کسی مددگار کے لینا ممکن ہو، تیل میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری بائع کو شیشی دے اور بائع مشتری کی موجودگی میں اس میں تیل وزن کر دے، اور اگر بیع مکلی یا موزونی ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری بائع کو برتن دیدے اور بائع اس میں مشتری کے حکم سے کیل یا وزن کر دے، چنانچہ ابن عابدین شامی ”رد المحتار“ میں تحریر کرتے ہیں:

”إن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلاً يدفع المصباح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض أي بأن تكون في البلد فيما يظهر، وفي نحو بقرة في مرعى فكونه بحيث يرى ويشار إليه قبض وفي نحو ثوب فكونه بحيث لو مد يده تصل إليه قبض، وفي نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض“ (رد المحتار ۴/۵۶۲)۔

(بے شک تجلیہ حکماً قبضہ ہے اگر اس پر بغیر مشقت کے قادر ہو، لیکن یہ بیع کی حالت کے اعتبار سے مختلف ہوتا رہتا ہے، پس گیہوں یا اس جیسی چیز اگر گھر میں فروخت کی گئی تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری کو چاہی دیدے جبکہ گھر کا بغیر کسی مشقت کے کھولنا ممکن ہو، اور گھر میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس کو بند کرنے پر قادر ہو جائے، بایں طور کہ وہ شہر میں ہو جس میں وہ ظاہر ہوتا ہو، اور اگر گائے یا اس جیسی چیز چراگاہ میں فروخت کی گئی تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس کو دیکھتا ہو، یا اس کی طرف اشارہ کرتا ہو، اور کپڑا اور اس جیسی چیز میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس سے متصل ہو، اور اگر گھوڑا یا چڑیا یا اس جیسی چیز گھر میں فروخت کی گئی تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری اس کو

گھر سے بغیر مشمت کے لینے پر قادر ہو)۔

”لو اشتری دھنا ودفع قارورة يزنه فيها بحضرة المشتري فهو قبض، وكذا بغيبته في الأصح، وكذا كل مكيل أو موزون إذا دفع له الوعاء فكاله أو وزنه فيه بأمره، ومنه ما لو غصب شيئاً ثم اشتراه صار قابضاً“ (ردالمحتار ۵۶۱/۴)۔

(اگر کسی نے تیل خرید اور شیشی بائع کو دیا اور بائع اس میں تیل مشتری کی موجودگی میں وزن کرتا ہے تو یہ قبضہ ہے اور ایسے ہی مشتری کی غیر موجودگی میں اصح قول کے مطابق قبضہ سمجھا جائے گا، اور ایسے ہی ہر مکیلی یا موزونی چیز کہ جب مشتری بائع کو برتن دیدے اور بائع اس میں مشتری کے حکم سے کیل یا وزن کر دے تو قبضہ سمجھا جائے گا، اسی میں سے یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز غصب کیا پھر اس کو خرید تو وہ قبضہ کرنے والا ہو جائے گا)۔

”و جامع شمس الأئمة أنه بالتخلية يصح القبض وإن كان عقاراً بعيداً غالباً عنهما عند أبي حنيفة خلافاً لهما وهو ضعيف كما في البحر، وفي الخانية والصحيح ما ذكرنا في ظاهر الرواية، لأنه إذا كان قريباً يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التخلية مقام القبض، أما إذا كان بعيداً لا يتصور القبض في الحال فتقام التخلية مقام القبض“ (ردالمحتار ۵۶۲/۴، ۵۶۳)۔

(اور شمس الأئمة کی جامع میں یہ ہے کہ تخلیہ سے قبضہ درست ہو جاتا ہے، اگرچہ زمین دور غائب ہو بائع و مشتری سے، امام اعظمؒ کے نزدیک، اس میں صاحبین کا اختلاف ہے، اور امام صاحب کا یہ قول ضعیف ہے، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے، اور خانہ میں ہے کہ صحیح قول وہ ہے جس کو ہم نے ظاہر الروایہ میں ذکر کیا ہے کہ جب زمین قریب ہو جس میں قبضہ حقیقی فی الحال تصور کیا جائے تو تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہوگا، اور اگر زمین دور ہو تو فی الحال قبضہ تصور نہیں کیا جائے گا، چنانچہ تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا)۔

حنابلہ کا مسلک:

حنابلہ کے یہاں اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت تخلیہ ہے، باقی اشیاء منقولہ میں قبضہ کی نوعیت مختلف ہے، اگر اشیاء منقولہ ان چیزوں میں سے ہے جس کو کیل یا وزن کیا جاتا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو ہاتھ میں لے لیا جائے، اگر کپڑا ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس کی جگہ سے منتقل کر دیا جائے، اور اگر حیوان ہے تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس کی جگہ سے چلا دیا جائے، گویا ہر چیز کا قبضہ اس کی جنس کے ساتھ ہوگا، چنانچہ ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں:

”وقبض كل شئ بجنسه فان كان مكيلاً او موزوناً بيع كميلاً او موزوناً“
 فقبضه بكيله ووزنه وان كان الجميع دراهم او دنانير فقبضها باليد،
 وان كان ثياباً فقبضها نقلها، وان كان حيواناً فقبضه تمشيه من مكانه، وان كان
 مما لا ينقل ويحول فقبضه التخلية بينه وبين مشتريه لا حائل دونه“

(ہر چیز کا قبضہ اس کی جنس کے ساتھ ہے، پس اگر کوئی چیز مکیلی یا موزونی ہو، اور وہ کیل یا وزن کر کے فروخت کی جائے تو اس کا قبضہ اس کے کیل یا وزن کے ساتھ ہے، اور اگر میچ و دنانیر و دنانیر ہے تو اس کا قبضہ ہاتھ سے ہے، اور اگر کپڑا ہے تو اس کا قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس کی جگہ سے منتقل کر دیا جائے، اور اگر حیوان ہے تو اس کا قبضہ اس کی جگہ سے چلا دینا ہے، اور اگر میچ ایسی چیز ہے جس کو منتقل نہیں کیا جاسکتا ہے، تو اس کا قبضہ تخلیہ ہے، اور تخلیہ نام ہے کہ میچ اور مشتری کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو)۔

شافعیہ کا مسلک:

شافعیہ کے یہاں اشیاء غیر منقولہ اور منقولہ میں قبضہ کی تین صورتیں ہیں:

- ۱۔ اشیاء غیر منقولہ میں تخلیہ ہے۔ ۲۔ اگر اشیاء ان چیزوں میں سے ہے جس کو عادیہ منتقل کیا جاتا ہے، مثلاً لکڑی، دانہ اور مچھلی وغیرہ، تو اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو اپنی جگہ سے منتقل کر دیا جائے۔ ۳۔ اور اگر اشیاء منقولہ ان چیزوں میں سے ہے جس کو ہاتھ سے لیا جاتا ہے، مثلاً

در اہم و دنا ئیر، کپڑا اور برتن وغیرہ، اس میں قبضہ یہ ہے کہ اس کو ہاتھ میں لیا جائے، چنانچہ امام نووی کی شرح مہذب میں لکھتے ہیں:

(ہمارے اصحاب نے کہا کہ قبضہ کے سلسلہ میں عرف کی طرف رجوع کرنا ہوگا، احکام فی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ ان میں سے ایک زمین اور درخت پر پھل ہے اس کا قبضہ تخلیک ہے، دوسری قسم وہ چیزیں ہیں جو عادتاً منتقل کی جاتی ہیں، جیسے لکڑی، دانہ اور مچھلی اور اس جیسی دوسری چیزیں، اس کا قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس کی جگہ سے منتقل کر دیا جائے، اس سلسلہ میں بائع کی کوئی تخصیص نہیں ہے، برابر ہے کہ وہ مشتری کی طرف منتقل کی جائے، یا غیر آباد زمین کی طرف، یا سڑک کی طرف، یا مسجد کی طرف، یا اس کے علاوہ کی طرف، تیسری قسم وہ ہے جس کو ہاتھ سے لیا جاتا ہے، جیسے در اہم و دنا ئیر، رومال، کپڑا، وہ برتن جو ہلکا ہو اور کتاب اور اس جیسی دوسری چیزیں، پس اس کا قبضہ ہاتھ سے لینے سے ہے) (شرح المہذب ۲۷۹-۲۸۰)

۴۔ ”بیع قبل القبض“ کی نبی سے متعلق احادیث ”معلول بالعلت“ ہیں، اور علت نبی غرر ہے، چنانچہ علامہ ابن ہمام ”فتح القدیر“ میں تحریر کرتے ہیں:

”ان رسول اللہ ﷺ نہی عن بیع ما لم یقبض۔“

”والحدیث الذی استدلل بہ معلول بہ ای بغرر الانفساخ والدلیل علیہ ان التصرف الذی لا یمتنع بالغرر نافذ فی المبیع قبل القبض وهو العتق والتزوج علیہ۔“ (فتح القدیر ۵۱۳)

(اس سلسلہ کی متادل حدیث معلول ہے جس کی علت عقد کے فسخ ہونے کا غرر و اندیشہ ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ تصرف جس میں غرر مانع نہیں ہے، تو وہ بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے نافذ ہو جاتا ہے، مثلاً آزادی، تزویج وغیرہ)۔

۵۔ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت عام نہیں ہے، بلکہ اس میں استثناءات و تخصیصات ہیں، اس بابت ائمہ کے مذاہب مع دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

حنفیہ کا مسلک:

حنفیہ کے یہاں اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، جائز نہ ہونے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں غرر کا اندیشہ ہے، وہ اس طرح کہ ممکن ہے کہ بیع بائع کے پاس ہلاک ہو جائے جس کی وجہ سے عقد فسخ ہو جائے، بشور دلیل کے یہ پیش کرتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ نے قبل القبض خرید و فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے، اشیاء غیر منقولہ کے سلسلہ میں خود احناف میں اختلاف ہے، امام محمد کا کہنا یہ ہے کہ اشیاء غیر منقولہ کی ”بیع قبل القبض“ جائز نہیں ہے، جس طرح اشیاء منقولہ کی بیع جائز نہیں ہے۔ بیزان کا کہنا یہ ہے کہ حدیث میں جو ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت آئی ہے وہ مطلق ہے، اس میں اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے، اس لئے دونوں کی بیع قبل القبض جائز نہ ہوگی۔

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا کہنا یہ ہے کہ اشیاء غیر منقولہ کی بیع قبل القبض جائز ہے، ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ احادیث میں بیع قبل القبض کی جو ممانعت آئی ہے وہ غرر کی وجہ سے ہے، اور غرر اشیاء منقولہ ہی میں ممکن ہے۔

اشیاء غیر منقولہ میں ممکن نہیں ہے، اور اگر کبھی خدا نخواستہ غرر ہو بھی جائے تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ یہ نادر ہے، اور نادر کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

مشائخ نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اشیاء غیر منقولہ کی بیع کو قبل القبض جائز اس صورت میں قرار دیا ہے، جبکہ اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ نہ ہو، لیکن اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو، مثلاً زمین، دریا، یا نہر کے کنارہ ہے، اور امکان اس بات کا ہے کہ وہ دریا کی نذر ہو جائے، تو پھر اس کو قبل القبض فروخت کرنے کو جائز قرار نہیں دیتے ہیں۔

کسی شخص نے کوئی ایسی چیز خریدی جو منتقل کی جاتی ہے، تو اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے بیع قبل القبض سے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس میں عقد کے فسخ ہونے کا غرر ہے، اس طور پر کہ بیع ہلاک ہو جائے، اور زمین کی بیع قسط سے پہلے شیخین کے

نزدیک جائز ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے حدیث کے مطلق ہونے کی طرف رجوع کرتے ہوئے، اور منقول پر قیاس کرتے ہوئے، گویا یہ اجارہ کی طرح ہو گیا، شیخین کی دلیل یہ ہے کہ بیع کا رکن اس کے اہل (یعنی عاقل بالغ) سے صادر ہوا ہے، اس کے محل میں، اور اس میں کوئی غر نہیں ہے، کیونکہ زمین کی ہلاکت شاذ و نادر ہوتی ہے۔ اور نادر کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اور نہ فقہ کی بنیاد ایسی باتوں پر ہوتی ہے، اس لئے یہ جواز کے منافی نہیں ہے، ہاں اس کا ہلاک ہونا اس وقت متصور ہوتا ہے جب کہ خوف ہو کہ سمندر وغیرہ ہو جائے، اسی وجہ سے بعض مشائخ نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ایسی ہی جگہوں کے بارے میں ہے جو دریا ہونے، یا ریت کے بھر جانے سے مامون ہو، لہذا ایسی جگہ جو مذکورہ باتوں سے مامون نہ ہو تو اس کا حکم شی منقول کی طرح ہے، اس کو محبوبی نے ذکر کیا ہے، اور اختیار میں ہے کہ اگر زمین دریا کے کنارہ ہو، یا بیع اونچائی پر ہو تو اس کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے (بدایہ مع فیح القدیر ۶/ ۵۱۰-۵۱۳)۔

شافعیہ کا مسلک:

شافعیہ کے یہاں اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں سے کسی کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، ناجائز ہونے کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ اشیاء منقولہ میں سے طعام جس کی ضرورت اکثر پیش آتی ہے، اس کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، تو اس کے علاوہ جس کی ضرورت اکثر پیش نہیں آتی ہے، خواہ وہ منقولات میں سے ہو، یا غیر منقولات میں سے، اس کی بیع قبل القبض بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگی، اور دلیل میں ابن عباسؓ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں:

۱۔ "عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه

حتى يستوفيه، قال ابن عباسؓ: وأحسب كل شيء مثله" (مسلم شریف ۵/۲)۔

۲۔ "عن ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ: من ابتاع طعاماً فلا

يبعه حتى يقبضه، قال ابن عباسؓ: وأحسب كل شيء بمنزلة الطعام" (مسلم شریف

قبل القبض کسی چیز کی بیع جائز نہیں ہے، اس سلسلہ میں امام نوویؒ اپنی کتاب شرح مہذب میں تحریر کرتے ہیں:

”لا يجوز بيع شئ قبل قبضه سواء جميع المبيعات كما في الطعام قاله الشافعي ومحمد بن الحسن“ (شرح المہذب ۲۷۰/۹)، ”فإنه إذا نهى عن بيع الطعام مع كثرة الحاجة إليه فغيره أولى“ (شرح المہذب ۲۷۱/۹)۔

کسی بھی چیز کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے، یہ (حکم) ان تمام چیزوں کو عام ہے جو بیچی اور خریدی جاتی ہے، جیسا کہ طعام کا حکم ہے، یہی قول امام شافعی اور محمد بن حسن کا ہے، نیز طعام میں حاجتوں کی کثرت کے باوجود اس کی بیع کو (قبل القبض) ناجائز قرار دیا گیا ہے، تو اس کے علاوہ بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا۔

حنابلہ کا مسلک:

حنابلہ کے یہاں صرف مطعومات کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، اس کے علاوہ جتنی بھی اشیاء ہیں، خواہ وہ منقولات میں سے ہوں، یا غیر منقولات میں سے، اس کی بیع قبل القبض جائز ہے، مطعومات کی بیع کے ناجائز ہونے پر مندرجہ ذیل روایات پیش کرتے ہیں:

۱۔ ”عن ابن عمر“ أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه“ (مسلم شریف ۵/۲)۔

۲۔ ”عن عبد الله بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: من اشتري طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه ويقبضه“ (مسلم شریف ۵/۲)۔

غیر مطعومات کے جائز ہونے پر اس روایت سے استدلال کرتے ہیں، جس میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے جابرؓ سے ان کے اونٹ کو خریدا، پھر اس کو قبضہ کرنے سے پہلے حضرت جابرؓ کو ہبہ کر دیا۔

”واشترى من جابر“ جملة ونقده ثمنه، ثم وهبه إياه قبل قبضه، ولأنه كتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

أحد نوعی المعقود عليه فجاز التصرف فيه قبل قبضه“ (المعنی ۹۱/۳)۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابرؓ سے ان کے اونٹ کو نقد ثمن کے عوض خریدا، پھر اونٹ کو قبضہ کرنے سے پہلے بیہ کر دیا، اور اس لئے کہ یہ معقود غلیہ کے دو قسموں میں سے ایک ہے، پس اس میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے۔

ابن عبد البر امام احمدؒ سے مطعومات کے ناجائز اور غیر مطعومات کے جائز ہونے کے سلسلہ میں روایت کرتے ہیں:

”قال ابن عبد البر: الأصح عن أحمد بن حنبل أن الذي يمنع من بيعه قبل قبضه هو الطعام، وذلك، لأن النبي ﷺ نهى عن بيع الطعام قبل قبضه فمفهومه إباحة بيع ما سواه قبل قبضه“ (المعنی ۸۸/۳)۔

(ابن عبد البرؒ نے کہا کہ احمد بن حنبل سے اصح قول طعام کی بیع کا قبضہ سے پہلے ناجائز ہونا ہے، اور یہ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے قبل القبض طعام کی بیع سے منع فرمایا ہے، پس اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ طعام کے علاوہ کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے)۔

مالکیہ کا مسلک:

مالکیہ کے یہاں مطعومات کے علاوہ جتنی بھی اشیاء ہیں، خواہ وہ اعیان منقولہ میں سے ہو، یا اعیان ثابتہ میں سے، مثلاً زمین، درخت وغیرہ، اس کی بیع قبل القبض جائز ہے، امام مالکؒ کے نزدیک مطعومات ربوی کی بیع کے قبل القبض ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، البتہ مطعومات غیر ربوی کے سلسلہ میں دو روایت ہے، ایک جواز کی، دوسرے عدم جواز کی، لیکن عدم جواز کی روایت ان سے زیادہ مشہور ہے، مطعومات کے ناجائز ہونے پر وہی روایت پیش کرتے ہیں، جس کو امام احمدؒ نے پیش کیا ہے، قبل القبض مطعومات کے ناجائز ہونے اور غیر مطعومات کے جائز ہونے کے سلسلہ میں ابن رشد القرطبی تحریر کرتے ہیں:

”وأما بيع ما سوى الطعام قبل القبض، فلا خلاف في مذهب مالك

فی إجازته، وأما الطعام الربوی فلا خلاف فی مذهبه أن القبض شرط فی بیعه، و أما غیر الربوی من الطعام فعنه فی ذلك روايتان أحدهما المنع وهی الأشهر..... الروایة الأخری الجواز“ (بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۴۴)۔

(طعام کے علاوہ قبضہ سے پہلے جس چیز کو فروخت کیا جائے، امام مالک کے مذہب میں اس کے جائز قرار دینے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور بہر حال طعام ربوی تو اس میں قبضہ شرط ہے، فروخت کرنے سے قبل امام مالکؒ کے مذہب میں اور طعام غیر ربوی کے سلسلہ میں دو روایت ہے، ایک جواز کی، دوسرے عدم جواز کی، لیکن عدم جواز کی روایت زیادہ مشہور ہے)۔
خلاصہ:

ائمہ اربعہ کے مذاہب پر نظر دوڑانے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تمام اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، البتہ غیر طعام کے سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، جیسا کہ معلوم ہوا، بالکل یہی بات ابن منذر نے معنی کے اندر نقل کی ہے:

”وقال ابن المنذر: أجمع أهل العلم أن من اشترى طعاماً فليس له أن يبيعه حتى يستوفيه“ (المعنی ۴/ ۸۸)۔

اور ابن منذر نے کہا کہ تمام اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے طعام کو خریدا اس کے لئے اس کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہ ہوگا۔

۶۔ سوال نمبر چھ کے تحت جو صورت بیان کی گئی ہے، اس میں ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے گا، جیسا کہ ”معنی“ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی چیز مشتری کے ضمان میں آجائے تو اس کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے، جس طرح قبضہ کے بعد فروخت کرنا اور تصرف کرنا جائز ہے، چنانچہ ابن قدامہ تحریر کرتے ہیں:

”ولو دخل في ضمان المشتري جاز له بيعه والتصرف فيه كما بعد

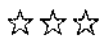
القبض“ (یعنی ۸۸/۴)۔

اگر کوئی چیز مشتری کے عنان میں داخل ہو جائے تو اس کو قبضہ سے پہلے فروخت کرنا اور اس میں تصرف کرنا جائز ہے، جیسا کہ قبضہ کرنے کے بعد جائز ہے۔

نیز حدیث میں ”ربح مالم یضمن“ سے منع کیا گیا ہے، اور مذکورہ صورت میں ”ربح مالم یضمن“ نہیں ہے، بلکہ ”ربح مایضمن“ ہے، اس لئے مذکورہ صورت کو جائز قرار دیا جائے گا۔

۷۔ سوال نمبر سات کے تحت جو صورت بیان کی گئی ہے کہ سامان ابھی جہاز ہی میں رہتا ہے کہ مشتری اول کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، نیز بیع ہلاک ہونے کی صورت میں مشتری اول ضامن بھی نہیں ہوتا ہے، یہ شرعاً ناجائز ہے، اور ناجائز ہونے کی چار وجہیں ہیں:

۱۔ ”ربح مالم یضمن“ اور حدیث میں ”ربح مالم یضمن“ سے منع کیا گیا ہے، ۲۔ ”بیع قبل القبض“ اور حدیث میں ”بیع قبل القبض“ سے منع کیا گیا ہے، ۳۔ غیر مقدور التسليم، ۴۔ جہالت، اگر کسی چیز کی بیع میں ان چار وجہوں میں سے کوئی ایک بھی وجہ پائی جائے تو اس کی بیع درست نہیں ہوتی ہے، اور صورت مسئلہ میں مذکورہ چاروں وجہیں پائی جا رہی ہیں، اس لئے اس کی بیع بدرجہ اولیٰ درست نہ ہوگی۔



خرید و فروخت میں تخلیہ کی حیثیت

مفتی محمد شاہد قاسمی

۲، ۳۔ قبضہ کی حقیقت:

احادیث کے ذخیرے میں کوئی ایسی حدیث نہیں ملتی جس سے قبضہ کی حقیقت واضح ہو جائے، اس لئے اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں:

مسلك حنفی:

احناف کے یہاں تمام اشیاء میں، چاہے منقولہ ہوں، یا غیر منقولہ، تخلیہ کو حکماً قبضہ سمجھا گیا ہے، لیکن ہر تخلیہ قبضہ کے حکم میں نہیں ہے، تخلیہ وہ معتبر ہے جس میں بیع پر قبضہ بلا مشقت ہو سکے، اور بائع بیع کو اس طرح مشتری کے حوالہ کرے کہ اس میں کسی کی شرکت نہ ہو اور مشتری بلا کلفت و مشقت تصرف کر سکے، تو تخلیہ کی نوعیت بیع کے احوال کے اعتبار سے مختلف ہوگی۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں:

”إن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، وفي نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض“ (رد المحتار ۵۶۲/۴)۔

(تخلیہ حکماً قبضہ ہے، اگر اس پر قدرت بلا مشقت ہو، لیکن یہ بیع کے حال کے اعتبار سے مختلف ہوگا، تو گھر میں رکھے ہوئے گیہوں کی بیج میں کنجی دے دینا قبضہ سمجھا جائے گا جب کہ

اس کا کھولنا بلا مشقت ممکن ہو، اور گھر جیسی چیز میں، تو اس کے بند کرنے پر قدرت قبضہ ہے۔

اسی طرح کی بات علامہ کا سائی نے فرمائی ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

مسلمک شافعی:

شافعیہ کے یہاں بھی قبضہ کی نوعیت بیع کے احوال کے اعتبار سے ہے، چنانچہ علامہ

نووی فرماتے ہیں:

”إن القبض في العقار ونحوه بالتخلية وفي المنقول بالنقل وفي

المتناول باليد بالتناول“ (شرح مہذب: ۹/۲۸۳)۔

(زمین اور ان جیسی چیزوں میں قبضہ کا تحقق تخلیہ سے، منقول میں نقل کر کے اور جو ہاتھ

سے لیا دیا جاتا ہو، ہاتھ میں لے کر ہوگا)۔

مسلمک حنبلی:

حنابلہ کے یہاں بھی قبضہ کی نوعیت تقریباً شوافع کی طرح ہے، چنانچہ ابن قدامہ

فرماتے ہیں:

”إن كان المبيع دراهم أو دنانير فقبضها باليد وإن كان ثياباً فقبضها

نقلها، فإن كان حيواناً فقبضه تمشيته من مكانه وإن كان مما لا ينقل ويحول

فقبضه التخلية بينه وبين مشتريه لا حائل دونہ ولأن القبض مطلق في

الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف“ (المغنی: ۴/۹۰)۔

(اگر بیع دراهم، یا دنانیر ہوں تو اس میں قبضہ ہاتھ میں لے کر ہے، اگر بیع کپڑا ہو تو اس

میں قبضہ اس کو منتقل کرنا ہے، اگر حیوان ہو تو اس کا قبضہ اس کو اپنی جگہ سے چلا دینا ہے اور اگر اشیاء

غیر منقولہ میں سے ہو تو اس میں قبضہ مشتری اور اس شی کے درمیان تخلیہ ہے جو بلا واسطہ ہو.....

اس لئے کہ قبضہ شریعت میں مطلق ہے تو اس سلسلہ میں عرف کی طرف لوٹنا واجب ہے)۔

تینوں مسلک میں حنابلہ کا مسلک کچھ زیادہ ہی وسیع ہے، چونکہ ان کے یہاں قبضہ کی

حقیقت عرف پر مبنی ہے۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلہ میں احادیث:

۵۰۴۔ کن اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے اور کن کی جائز ہے، اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کی رائیں مختلف ہیں، پہلے اس سلسلہ کی احادیث نقل کرنے کے بعد فقہاء کرام کے طریقہ استدلال کو پیش کرتے ہیں۔

۱۔ ”سمعت ابن عباسؓ يقول: أما الذي نهى عنه النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض قال ابن عباسؓ: ولا أحسب كل شيء إلا مثله“ (بخاری شریف: ۲۸۶/۱، مسلم شریف: ۵/۲)۔

(ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اشیاء مطعومہ کو قبضہ کرنے سے پہلے فروخت کرنے سے منع فرمایا، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں ہر چیز کو طعام ہی کے مثل سمجھتا ہوں)۔

۲۔ ”من ابتاع طعاماً فلا يبعه حتى يستوفيه“ (بخاری شریف: ۲۸۶/۱، مسلم شریف: ۵/۲، ابوداؤد: ۱۳۵/۲)۔

جوشی مطعوم کو خرید سے تو اس پر قبضہ کرنے سے پہلے فروخت نہ کرے۔

لفظ طعام کے ساتھ بہت سی احادیث مسلم شریف اور دیگر کتب حدیث میں مروی ہیں، جن میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت ہے، طوالت سے بچتے ہوئے اسے ترک کیا جاتا ہے۔

۳۔ ”إن حكيم بن حزام قال: يا رسول الله إني أشتري ببيعاً فما يحل لي منها مما يحرم قال: إذا اشتريت شيئاً فلا تبعه حتى تقبضه“ (نصب الرایۃ: ۳۲/۳ بحوالہ سنن کبریٰ للنسائی و مسند احمد)۔

(حکیم بن حزام نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں مختلف النوع اشیاء کی خرید و فروخت کرتا ہوں تو خرید و فروخت کا کون سا معاملہ میرے لئے حلال ہے اور کون حرام ہے، تو

فرمایا کہ جب تم کسی چیز کو خریدو تو اسے قبضہ کرنے سے پہلے مت بچو)۔

اس قسم کی بھی کئی احادیث ہیں، جن میں طعام کی قید نہیں اور حدیث مطلق ہے، تو بعض ائمہ کرام نے حدیث کے عموم کو باقی رکھتے ہوئے تمام اشیاء میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو ناجائز قرار دیا اور بعض ائمہ نے ممانعت کو مطعومات کے ساتھ مختص کر دیا، اس لئے اب ہم اس سلسلہ میں فقہاء کے مسلک و نظریات کا جائزہ لیتے ہیں۔

مسلک حنفی:

احناف کے یہاں اس سلسلہ میں احادیث ”معلول بالعلۃ“ ہیں، اور علت نہیں غرر انفساخ عقد ہے، یعنی یہ ممکن ہے کہ مبیع بائع کے پاس رہتے ہوئے ہلاک ہو جائے تو مشتری کا دوسرے سے یہ معاملہ (عقد کا) کالعدم ہو جائے گا، جو باعث غرر ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے غرر کی بیع سے منع فرمایا ہے (مسلم شریف: ۲۲۲)، گویا حدیث میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت مذکورہ غرر کی وجہ سے ہے، چونکہ اشیاء غیر منقولہ میں اس غرر کا اندیشہ نہیں ہے، اس لئے احناف کے یہاں اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی اجازت ہے اور منقولہ میں ممانعت، چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

”من اشترى شيئاً مما ينقل ويحول لم يجز له بيعه حتى يقبضه لأنه عليه السلام ”نہی عن بیع الغرر ما لم يقبض“ ولأن فيه غرر إنفساخ العقد علی اعتبار الهلاك فيجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف“ (ہدایہ ۵۸۳)۔

(اگر کسی نے غیر منقول شئی کو خریدی تو قبضہ کرنے سے پہلے اسے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے غیر مقبوض شئی کی بیع سے منع فرمایا ہے، اور اس میں ہلاکت کے ممکن ہونے کی وجہ سے عقد کے فسخ ہونے کا غرر ہے، تو زمین کی بیع شیخین کے نزدیک قبضہ سے پہلے جائز ہوگی)۔

نیز علامہ کا سائی فرماتے ہیں:

”لا يجوز التصرف في المبيع المنقول قبل القبض بالإجماع، وفي العقار اختلاف“ (بدائع الصنائع ۵/۲۳۴)۔

حنفیہ کا اتفاق ہے کہ مبیع منقول میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز نہیں ہے، اور زمین میں اختلاف ہے۔

اس بات پر تو اتفاق ہے کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے بیع کی اجازت نہیں ہے، نیز بعض اشیاء ایسی ہیں جس میں تخلیہ، جو قبضہ کے حکم میں ہے، کو کافی نہیں سمجھا گیا، وہ یہ ہے کہ اگر کسی کیلی، یا وزنی شی کو کیلی، یا وزن کر کے خریدا گیا تو مشتری کو دوبارہ کیل و وزن کئے بغیر بیچنے کی گنجائش نہیں ہے، اگرچہ تخلیہ کے ذریعہ قبضہ ہو گیا ہو (دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/۲۳۴)، چونکہ حدیث شریف میں دوبارہ کیل و وزن کئے بغیر بیع کے عدم جواز کی صراحت ہے۔

”نہی رسول اللہ ﷺ عن بيع الطعام حتى يجرى فيه الصاعان صاع البائع و صاع المشتري“ (مجمع الزوائد ۹۹/۴)۔

”نہی رسول اللہ ﷺ عن بيع الطعام حتى يكال“ (مجمع الزوائد ۹۸/۴)۔
بعض مشائخ نے اس صورت کو غیر معقول امر یعنی تعبدی قرار دیا ہے اور بعض مشائخ نے تخلیہ کو صرف اس مسئلہ میں قبضہ ناقص قرار دیا ہے اور دوبارہ کیل و وزن کو قبضہ تام۔

اب رہی یہ بات کہ مبیع مشتری کے ضمان میں کب آتی ہے، اگر مطلقاً قبضہ کے بعد آتی ہے تو عقار کی بیع بھی قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہونی چاہئے، اس لئے کہ ”رجع مالم يضمن“ میں داخل ہو کر ممنوع قرار پائے گی، تو اس سلسلہ میں یہ تفصیل ہے کہ اگر وہ اشیاء منقولہ میں سے ہے تو قبضہ سے پہلے وہ مشتری کے ضمان میں نہیں آئے گی، یہی وجہ ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع ہلاک ہو جائے تو عقد فسخ ہو جاتا ہے اور مشتری اپنا ثمن واپس لے گا اور اگر ثمن ادا نہیں کیا تھا تو اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہوتا ہے (رد المحتار ۵۶۰/۴)، اور اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ سے پہلے ہی وہ مشتری

کے ضمان میں آجاتی ہے، چونکہ بیع کا ہلاک ہونا تقریباً ممال کے درجہ میں ہوتا ہے تو کسی قسم کا غرر نہ ہونے کی وجہ سے قبضہ سے پہلے تمامیت عقد کے بعد اس کا مضمون ہونا سمجھا گیا۔

مسئلک شافعیہ مع دلائل:

شافعیہ کے یہاں کسی بھی شی کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے، چاہے منقولہ ہو یا غیر منقولہ، چونکہ ممانعت والی حدیث عام ہے اور اس کی علت حنفیہ کی طرح غرر انفساخ عقد ہے، چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:

جس چیز پر ملکیت مستقر نہ ہوئی ہو اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے، اس کی دلیل حکیم بن حزام کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں مختلف اشیاء کی بیع کرتا ہوں، تو ان میں سے کون سی بیع میرے لئے حلال ہے اور کون حرام ہے، تو فرمایا کہ غیر مقبوض شی کی بیع جائز نہیں ہے، اور اس لئے کہ اس کی ملکیت اس پر مستقر نہیں ہوتی ہے، تو ممکن ہے کہ بیع ہلاک ہو جائے اور عقد فسخ ہو جائے اور یہ غرر ہے جو بغیر حاجت کے پیش آئی، لہذا جائز نہیں ہے۔ رہے احکام تو ہمارا ہندوب یہ ہے کہ بیع کی بیع قبضہ سے پہلے جائز نہیں، ہے چاہے غیر منقول ہو، یا منقول (شرح مہذب ۲۶۳/۹)۔

مسئلک حنابلہ مع دلائل:

حنابلہ کے نزدیک مطعومات کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے، جب کہ وہ ملکیتی، موزونی، یا معدودی ہو، اس کے علاوہ دیگر اشیاء میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی گنجائش ہے، چونکہ حدیث شریف مطعومات کے ساتھ خاص ہے، رہا ملکیتی، موزونی اور معدودی کے ساتھ خاص کرنا تو چونکہ ان کے نزدیک یہ تین چیزیں مشتری کے ضمان میں نہیں آتی ہیں، جب تک کہ قبضہ نہ کر لیا جائے اور اس کے علاوہ دیگر اشیاء قبضہ سے پہلے مشتری کے ضمان میں آجاتی ہیں، نیز ان کے یہاں حدیث معلول بالعلۃ ہے اور وہ حنفیہ کی طرح غرر ہے (الفقہ الاسلامی وادلہ ۵۴/۲، المغنی ۴/۱۳-۱۱۰)۔

مسک مالکیہ:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت مطعومات میں ناجائز ہے، اس کے علاوہ میں جائز ہے، چونکہ حدیث شریف مطعومات کے ساتھ خاص ہے، نیز مطعومات میں بھی عدم جواز اس وقت ہے جب کہ کیل، یا وزن کر کے خرید اگیا ہو، اگر جزاف خریدی ہوئی ہو تو قبضہ سے پہلے اس کی خرید و فروخت بھی جائز ہے، چونکہ جزاف کی صورت میں بیع مشتری کے ضمان میں قبضہ سے پہلے ہی آجاتی ہے اور اگر خرید کیل و وزن کے ذریعہ ہوئی ہو تو بغیر قبضہ کئے ہوئے بیع ضمان میں نہیں آتی ہے، لہذا قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی صورت میں ”بیع مالہ بضمن“ لازم آئے گا، جس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، طعام کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہ ہونے کی علت یہ ہے کہ یہ معاملہ ربانسیہ کی طرف پہنچنے کا ذریعہ ہے، اس لئے سد الذرائع اسے ناجائز قرار دیا گیا (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۴/۴۷۷)۔

نیز اثر الدانی میں ہے:

غلہ، چاہے ربوی ہو، یا غیر ربوی، کو خریدنے کے بعد اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے اس لئے کہ نبی علیہ السلام نے اس سے منع فرمایا ہے، اور قبل القبض طعام کی بیع کی ممانعت اس وقت ہے جب کہ مشتری نے وزن، یا کیل، یا شمار کر کے خرید اہو، برخلاف جزاف (کسی چیز کو کیل، یا وزن، یا شمار کئے بغیر فروخت کرنا) کے، چونکہ اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت مشہور قول کے مطابق جائز ہے، اس لئے کہ وہ اس کا مالک عقد کرنے ہی سے ہو گیا، اسی وجہ سے اگر بیع قبضہ سے پہلے تلف ہو جائے تو اس کا ضمان مشتری کی جانب سے ہوگا (اثر الدانی ۴/۱۹)۔

۱۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا حکم:

شافعیہ کے نزدیک مطلقاً، احناف کے نزدیک اشیاء منقولہ، مالکیہ کے نزدیک مطعومات، جب کہ خرید کیل، یا وزن کر کے ہو، اور حنابلہ کے نزدیک مطعومات اگر معدودی،

مکملی، یا موزونی ہو، کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے اور اس کا شمار احناف کے یہاں بیع فاسد میں ہوگا، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک بیع باطل میں۔

علامہ عبد الرحمن جزیری فرماتے ہیں:

”الحنفیۃ قالوا: من البیع الفاسد بیع الأعیان المنقولة قبل قبضها،

سواء باعها لمن اشتراها منه أو لغيره“ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۲۱۱)۔

(حنفیہ کے نزدیک بیع فاسد ہی میں سے اعیان منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ہے، چاہے اس کو اس شخص کے ہاتھ فروخت کرے جس سے خریدا ہے، یا اس کے علاوہ کے ساتھ)۔

اور ڈاکٹر وہبہ الزحلی فرماتے ہیں:

”وعند غیر الحنفیۃ: البیع إما صحیح أو باطل وغیر الصحیح لا یفید

الملک أصلاً“ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۳/۵۴۳)۔

(حنفیہ کے علاوہ کے نزدیک بیع، یا تو صحیح ہے، یا باطل ہے اور غیر صحیح ملک کا بالکل ہی

فائدہ نہیں دیتا ہے)۔

۶۔ بندہ کے علم میں فیکٹری سے بھیجا ہوا مال عموماً تین طریقے سے مشتری کے پاس جاتا ہے، ایک تو یہ ہے کہ مشتری اپنا آدمی گاڑی کے ساتھ خود بھیجے، یا گاڑی نہ ہو، لیکن سامان خریدنے کے بعد کسی کی گاڑی، خواہ بائع ہی کی کیوں نہ ہو، اجرت پر لے ایسی صورت میں گاڑی پر سوار سامان مشتری کے قبضہ میں سمجھا جائے گا تو بیع وغیرہ سے تصرف کرنا درست ہوگا، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مشتری کے آرڈر دینے کے بعد بائع ہی کی ذمہ داری ہے کہ سامان اپنی گاڑی سے مشتری تک پہنچائے، تو گاڑی پر سوار سامان بائع کے ثمن میں سمجھا جائے، اگرچہ مشتری اپنے آپ کو ضامن سمجھتا ہو، لہذا حنفیہ کے مذہب کے مطابق مشتری دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا (رد المحتار مع الدر المختار ۳/۵۶۳)۔

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ فیکٹری والا سامان بک کر دے، جس میں بائع ضامن نہیں ہوتا ہے، بلکہ حکومت ہی اپنے ضمان میں لے لیتی ہے، اس صورت میں حکومت بائع کی وکیل ہوتی ہے، وکیل تو اس لئے ہے کہ وہ سامان کو مشتری تک پہنچانے کی ذمہ داری لیتی ہے، اور بائع کی وکیل اس لئے ہے کہ اگر درمیان سفر بیچ میں کسی قسم کی گڑبڑ پیدا ہو جائے، مثلاً ہلاک ہو جائے تو بائع ہی کا حق ہوتا ہے کہ مقدمہ دائر کر کے حکومت سے ضمان لے، مشتری کو کوئی مطلب نہیں رہتا، رہا یہ اشکال کہ وکیل کے پاس سامان بطور امانت رہتا ہے، تو اس سے ضمان نہیں لینا چاہئے، اس کا جواب یہ ہے کہ حکومت اس امانت کی حفاظت پر اجرت لیتی ہے اور جب مودع حفاظت پر اجرت لے تو ہلاک ہونے پر ضامن ہوتا ہے، چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

”وأما من جرى العرف بأنّه يأخذ في مقابلة حفظه أجره بضمن، لأنه وديع بأجرة لكن الفتوى على عدمه“ (رد المحتار مع الدرر ۵/ ۶۶۳)۔

بہر حال اس عرف کا جاری ہونا کہ سامان کی حفاظت کے مقابلہ میں مودع اجرت لے تو وہ ضامن ہوگا، اس لئے کہ یہ ودیعت بالاجرة ہے، لیکن فتویٰ عدم ضمان پر ہے۔ اگرچہ فتویٰ عدم ضمان پر ہے، تاہم ایک قول یہ بھی ہے کہ مودع کو ضامن ٹھہرایا جائے گا، ساتھ ہی ساتھ حکومت بذات خود اپنے آپ کو ضامن سمجھتی ہے تو اس کا ضامن بننا درست ہوگا۔ اس صورت میں بھی مشتری ضامن نہیں ہو سکتا، اگرچہ اپنے آپ کو ضامن سمجھے، لہذا قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہوگا، یہ تفصیلات احناف کے مسلک کے موافق کی گئیں۔

اگر مسئلہ صورت اس ”ضرورت“ کے تحت داخل ہو گئی ہو جو افتاء علی مذہب الغیر کو جائز قرار دے تو مالکیہ کے مسلک پر جواز کی گنجائش ہے، چونکہ ان کے یہاں اگر بیع غائب ہو تو ایک قول کے مطابق بائع ضامن ہوتا ہے اور دوسرے قول کے مطابق مشتری ضامن ہوتا ہے، اور اگر بائع ضمان کی مشتری پر شرط لگا دے تو بہر صورت مشتری ہی ضامن ہوگا، چنانچہ محمد بن رشد قرطبی مالکی فرماتے ہیں:

”قال أبو حنيفة والشافعي : لا يضمن المشتري إلا بعد القبض أما المبيع الغائب ، فمن مالک فی ذلك ثلاث روايات أن الضمان من البائع إلا أن يشترطه على المبتاع والثانية : أنه من المبتاع إلا أن يشترطه على البائع“ (بدایۃ المجتہد ۲: ۱۸۵)۔

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے فرمایا کہ مشتری قبضہ کرنے کے بعد ہی ضامن ہوتا ہے رہی بات بیع غائب کی تو امام مالکؒ سے اس کے متعلق تین روایات ہیں، پہلی روایت یہ ہے کہ ضمان بائع کی جانب سے ہوگا، سوائے اس کے کہ مشتری پر ضمان کی شرط لگا دے، دوسرا قول یہ ہے کہ ضمان مشتری کی جانب سے ہوگا، مگر یہ کہ بائع پر ضمان کی شرط لگا دے۔ جب بیع مشتری کے ضمان میں آجائے تو قبل القبض بیع کی گنجائش ہے، خواہ وہ طعام بن کے قبیل سے کیوں نہ ہو۔

”بخلاف الجزاف وهو بيع الشيء بلا كيل ولا وزن ولا عدد فان بيعه قبل قبضه جائز على المشهور، لأنه قد ملكه بالعقد، ولذا لو تلف قبل قبضه كان ضمانه من المشتري“ (القر الدانی ۱۹: ۴)۔

برخلاف جزاف کے (اور وہ کیل، وزن اور عدد کے بغیر کسی چیز کو فروخت کرنا ہے) کہ اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت مشہور قول کے مطابق جائز ہے، اس لئے کہ وہ عقد کرنے سے اس کا مالک ہو گیا، اسی وجہ سے اگر بیع قبضہ کرنے سے پہلے تلف ہو جائے تو اس کا ضمان مشتری کی جانب سے ہوتا ہے۔

ان عبارات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ مشتری اول کا ضامن بننا صحیح ہے اور ضامن بننے کی وجہ سے قبل القبض بیع کی گنجائش ہے (اگرچہ ضامن بننے کو قبضہ نہیں سمجھا جائے گا)۔
۷۔ حنفی مسلک کے اعتبار سے مذکورہ صورت کی بیع کا عدم جواز ظاہر ہے، خواہ مشتری اول ضامن ہی کیوں نہ بن جائے، مالکی مسلک کے اعتبار سے اس کی تفصیل کی جاسکتی ہے کہ اگر کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

مشتری اول سرے سے ضامن ہی نہ ہوا ہو یعنی بیع بائع کے ضمان سے نکلنے کے بعد مشتری اول مشتری ثانی کو ضامن ٹھہرائے تو یہ صورت ”ربیع مالہم یضمن“ کے تحت داخل ہو کر ناجائز ہوگی، شاید کہ سوال کا منشاء یہی صورت ہے، اور اگر بیع بائع کے ضمان سے نکلنے کے بعد مشتری اول کے ضمان میں آجائے، لیکن بیع ابھی راستے ہی میں تھی کہ کسی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو مسلک مالکی کے موافق درست ہے، جیسا کہ تفصیل سے چھٹے سوال کے جواب میں گذرا۔

☆☆☆

جمیع فقہی تحقیقات

تیسرا باب مختصر تحریریں

قبضہ سے پہلے بیع کی شرعی حیثیت

مولانا محمد برہان الدین سنہلی

۱- یہ شکل ناجائز ہے اور یہ بیع فاسد ہوگی (جیسا کہ بدائع وغیرہ کی عبارتوں سے مستفاد ہوتا ہے، عبارتیں آگے آرہی ہیں)۔

۲- 'قبضہ' کے بارے میں کتب فقہ کے اندر جو تعریضیں اور شکلیں ملتی ہیں ان سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ قبضہ کا مدار عرف پر ہے، جس چیز کے قبضہ کا جو عرف ہے اس چیز کیلئے شرعاً بھی وہی عمل 'قبضہ' کہلائے گا، چنانچہ "بدائع الصنائع" (۱۳۸/۵) کی عبارت: "معنی القبض هو التمكن و التخلي و ارتفاع الموانع عرفاً و عادة حقيقة" سے یہی مستفاد ہوتا ہے، نیز "درمختار" اور اس کی شرح "رد المحتار" (۴۲/۳، ۱۲۳، ۱۶۳) کے مطالعہ سے 'قبضہ' کی بہت سی صورتیں سامنے آتی ہیں، اسی طرح باب: "بيع الفاسد"، "حبس المبيع لقبض الثمن" کے مطالعہ سے بھی، اسی میں ایک عبارت یہ ہے: "هل التخلية قبض؟ صح في الخانية أنها قبض و طحن البائع الحنطة بأمر المشتري قبض لو أمر البائع بذبح الشاة (المشترأة فذبها) فيصير المشتري قابضاً اقتضاء" (شامی ۱۲۶/۳)۔

قبضہ کی ایک شکل کا ذکر سوال (۷) کے ذیل میں آ رہا ہے۔

۳- اس سوال کا جواب مذکورہ بالا سوال (۲) کے جواب سے نکل آتا ہے۔

۴- "بیع قبل القبض" کی ممانعت کی کئی وجہیں شراح حدیث و فقہاء کے کلام سے معلوم

ہوتی ہیں: (۱) غرر (۲) انفساخ عقد کا احتمال (۳) ملک غیر کی بیع، بغیر اجازت مالک۔

اس پر حسب ذیل کتب کی یہ عبارتیں: ال ہیں:

”ان فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك (غرر انفساخ العقد الاول على تقدير هلاك المبيع في يد البائع) والغرر المنهى عنه غرر انفساخ العقد و الحديث معلول به (أى معلول بغرر انفساخ العقد فيما قبل القبض بهلاك المعقود عليه) ... اشتماله على ربح مالم يضمن و الربح على ما لم يضمن منهي عنه شرعاً“ (بداية التلخيص ماثير ۵۸-۵۹)۔

”والنهي يوجب فساد المنهى عنه و لأنه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه؛ لأنه إذا هلك المعقود عليه قبل القبض يبطل الأول فيفسخ الثاني“ (بدائع ۱۸۰/۵)۔

”بنایہ شرح بدایۃ اللعین“ میں ہے: ”على اعتبار الهلاك“ هلاك المبيع قبل القبض، فتبين أنه باع ملك الغير بغير إذنه و ذلك مفسد العقد“ (۱۳۷/۳)۔

۵۔ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت اکثر فقہاء کے نزدیک عام ہے، البتہ امام ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک غیر منقول اشیاء (جائداد، زمین) اس سے مستثنیٰ ہیں، اور امام مالک کے نزدیک صرف غلہ کی ”بیع قبل القبض“ ممنوع ہے، بقیہ کی جائز ہے، اور امام احمد کے یہاں تمام تکمیل، موزون اور معدود چیزوں کا یہی حکم ہے۔

جیسا کہ حسب ذیل کتب میں ہے:

”بدایۃ“: ”يجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة و أبي يوسف، و قال محمد لا يجوز“ (۵۸/۳)۔

علامہ بیہقی نے اس پر اضافہ کیا ہے: ”و به قال الشافعي و زفر و أحمد و

أبو حنيفة أولاً“ (التبایہ: ۳/۱۳)۔

”فتح القدیر : قال مالک : يجوز جميع التصرفات من بيع و غيره قبل

القبض إلا في طعام“ (۲۶۳/۵)۔

”وقال أحمد: وإن كان المبيع مكبلاً أو موزوناً أو معدوداً لم يجوز

بيعه قبل القبض وفي غيره يجوز“ (یعنی شرح بہایہ ۳/۱۳ طبع ذلکو لہذا)۔

مذکورہ بالا کتب میں ان اقوال کے دلائل بھی مذکور ہیں، تطویل سے بچنے کیلئے یہاں ذکر

نہیں کئے جا رہے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ ممانعت (بیع قبل القبض) کی وجہ، حدیث رسول

ﷺ ہے، چونکہ بعض روایات میں صرف طعام کا ذکر ہے، اس لئے امام مالک ممانعت کو اسی

کے ساتھ مختص کرتے ہیں، لیکن دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ اکثر روایات حدیث میں (بالخصوص

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں، اور ان کا فتویٰ بھی یہی ہے) ”بیع مالہم یقبض“

عام آیا ہے، اس لئے ممانعت عام ہے، جو ائمہ عقار کا استثناء کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ”قبل

القبض“ بیع کی ممانعت کا سبب بیع کے ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہے، جس سے بیع اول ہی فسخ

ہو جائے گی (اور نتیجہ بیع ثانی بھی) لیکن عقار میں یہ خطرہ نادر ہے۔

جنہوں نے اس ممانعت کو مکمل، موزون اور معدود کے ساتھ مخصوص رکھا ہے انہوں

نے، طعام، والی روایت پر قیاس کیا ہے۔

۶۔ دوسرے شخص کے ہاتھ بیع کو ناجائز قرار دیا جائے گا، کیونکہ ”بیع قبل القبض“ کی

ممانعت کی وجہ تنہا ”رجح مالہم یضمن“ نہیں ہے (تفصیل اوپر گزر چکی ہے)، بلکہ اس کی کئی

وجوہ ہیں، مشہور قاعدہ ہے کہ ”کئی وجوہ میں سے صرف ایک وجہ کے مرتفع ہو جانے سے حکم مرتفع

نہیں ہوتا“ (جب تک تمام وجوہ مرتفع نہ ہوں حکم برقرار رہتا ہے)، بلکہ ہلاک بیع سے تو اس

احتمال کا وقوع ہو گیا جس کی وجہ سے یہ عقد (بیع ثانی) ممنوع کیا گیا تھا، مقام غور ہے کہ جس وجہ کا

احتمال موجب فساد تھا تو اس کا وقوع موجب فساد کیوں نہ ہوگا؟

ہاں! ”ردمختار“ اور اس کی شرح ”ردمختار“ کی ایک عبارت: ”منه (من القبض) مالو اشتری (هنا و دفع قارورة یزنه فیها فوزنه فیها بحضرة المشتري فهو قبض و کذا بغیثه فی الأصح و کذا کل موزون إذا دفع له الوعاء فکاله أو وزنه فیها بأمره“ (۴۲/۴) سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگر وہ جہاز جس پر سامان لا دیا گیا ہے (بعد میں سامان ہلاک ہو گیا) مشتری نے اسے مہیا کیا تھا تو اس صورت میں ’بیع‘ پر مشتری کا قبضہ ہو گیا، لہذا اس کا بیع ثانی کرنا شرعاً درست ہوا، لیکن چونکہ بائع ثانی کے قبضہ (یعنی مشتری اول کے قبضہ) میں ہی وہ سامان ہلاک ہو گیا، لہذا اس کا ذمہ دار مشتری اول ہی ہوا، مشتری ثانی یا فیکٹری ذمہ دار نہ ہوگی۔

۷۔ تیسرے شخص کے ہاتھ بیع (تیسری بیع) تو بلاشبہ۔ اور غالباً بلا اختلاف۔ ناجائز ہوگی، بلکہ منعقد ہی نہ ہوگی، دوسری بیع یا دوسرے شخص کے ہاتھ بیع (قبل القبض) کا حکم تو اوپر بالتفصیل مذکور ہی ہو چکا ہے کہ ناجائز ہے، باوجود اس کے اگر بیع کی تو یہ بیع فاسد ہوگی جس کے دلائل اوپر گزر چکے ہیں، مزید ایک عبارت ”ردالمحتار“ کی پیش کی جاتی ہے، جس سے اس بیع کا فاسد ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے: ”ولو اشتری ثوبا أو حنطة فقال للبائع: بعده، قال الإمام الفضلی: إن كان قبل القبض والرؤية كان فسخاً، وإن لم یقل البائع: نعم ... وإن قال: بعده لی أی کن وکیلا فی الفسخ فما لم یقبل البائع لا یکون فسخاً“ (۴۲/۴)۔



اشیاء کی نوعیت کے اعتبار سے قبضہ کا تعین

مفتی محبوب علی دہلوی

۱- منقولات میں قبضہ سے پہلے بیع فاسد ہے، اس لئے کہ منقولات میں قبضہ شرط ہے، بیع کی حقیقت نہیں ہے۔

۲- قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ مشتری کا بیع پر تصرف و قبضہ ہو جائے، خواہ حقیقی ہو یا حکمی، بظاہر شریعت نے قبضہ کی کوئی خاص صورت معین نہیں کی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ بیع کی نوعیتوں میں فرق ہے، اس کے لئے کوئی صورت معین نہیں کی جاسکتی، اس لئے قبضہ کی صورتیں بھی الگ الگ ہیں، زمین بوروں اور مکسوں میں نہیں بھری جاسکتی، اس کا قبضہ یہ ہے کہ بائع مشتری کا اس میں قفل لگوا دے، اپنا سامان اگر اس میں ہو تو نکال لے، اس لئے شریعت مطہرہ نے اس کی کوئی خاص صورت متعین کی اور نہ کوئی ایک طریقہ مقرر فرمایا، بلکہ عرف کے مطابق ایسا عمل جو مشتری کے اس پر غلبہ کو بتائے اور مشتری کو بیع میں تصرف کرنے میں کوئی مانع پیش نہ آئے، بلکہ آزادانہ طور سے مشتری اس میں حسب منشاء تصرف کر سکے اور بائع کے اموال سے اس کو امتیاز حاصل ہو جائے اسی کو قبضہ مان لیا ہے۔

۳- منقول چیزوں میں قبضہ کا طور طریق غیر منقول سے جدا ہے، دونوں کی نوعیت ایک نہیں ہے۔

۴- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی احادیث معلول ہیں، بعض چیزوں میں ربایا شبہ کے

داخل ہونے سے محفوظ رکھنا ہے، اور بعض چیزوں میں غرر اور دھوکہ سے مشتری کو بچانا مقصود ہے۔
۵۔ قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت عام نہیں ہے، اسی لئے اگر مجتہدین اور اکابر علماء کا اس میں اختلاف ہے، ”بدلیۃ المجتہد“ میں علامہ اندلسی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

”أما بيع ما سوى الطعام قبل القبض فلا خلاف في مذهب مالک في إجازته، و أما الطعام الربوي فلا خلاف في مذهبه أن القبض شرط في بيعه، و أما أبو حنيفة: فالقبض عنده شرط في مبيع ما عدا المبيعات التي لا تنتقل ولا تحول من الدور والعقار، وأما الشافعي: فإن القبض عنده شرط في كل مبيع، و بد قال الثوري: “ورأى أني من: “وفال أبو عبيد و إسحاق: كل شيء لا يكال ولا يوزن فلا بأس ببيعه قبل قبضه فيتحصل في اشتراط القبض سبعة أقوال، الأول في الطعام الربوي فقط، الثاني في الطعام بإطلاق، الثالث في الطعام المكيل والموزون، الرابع في كل شيء يقبل، الخامس في كل شيء، السادس في المكيل والموزون، السابع في المكيل والموزون والمعدود“۔

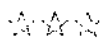
اس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز میں قبضہ شرط نہیں ہے، بلکہ مستثنیات بھی ہیں، اس کے احوال یہ ہیں: ”ألا يحل بيع و سلف و لا ربح في ما لم يضمن ولا بيع ما ليس عندك“، اور عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے: ”أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه“۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو بیع مشتری کی ضمان میں داخل نہیں ہوا اس کو فروخت کر کے نفع کمانا جائز نہیں، جب اس کی ضمان میں داخل ہو جائے تب اس کا قبضہ اور اس کا تصرف صحیح ہوگا، مگر یہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف منقولات میں ہے، اور غیر منقولات میں ضائع ہونے کا خطرہ نہیں ہے، اس لئے خدا مشتری کی ضمان اور قبضہ میں مان لیا جاتا ہے، کیونکہ قبضہ کسی بھی ہوتا ہے اور حکمی بھی، امام صاحب کے نزدیک قبضہ کے لئے تخلیہ کافی ہے، جیسا کہ درمختار میں ہے: ”ثم

التسليم يكون بالتخلية علي وجه يتمكّن من القصد، اور رد المحتار میں ہے: "ولو اشترى حنطة في بيت و دفع البائع المفتاح اليه، وقال: خلّيت بينك وبينها فهو قبض"۔

۶۔ میں نے یہ تحریر کیا ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) حسی (۲) حکمی، ضمان میں بیع کا داخل ہونا قبضہ حکمی کے اندر داخل ہے، اس لئے خریدار نمبر (۲) کے ہاتھ بیع حکماً قبضہ ہو جانے کی وجہ سے صحیح ہے، جیسے بائع بیع کو ایک کوٹھری میں رکھ کر مشتری سے کہے کہ میں نے بیع کو کوٹھری میں رکھ کر بند کر دیا اور میں نے بیع اور تمہارے درمیان تجلّی کر دیا تو مشتری کا حکماً قبضہ ہو جائے گا۔

۷۔ جب ضمان کو ہم نے حکماً قبضہ تسلیم کر لیا تو پہلے بائع نے مال جہاز پر چڑھا دیا اور مال جہاز پر چڑھانے کے بعد یہ مشتری جس کا مال ہے اس کا ضمان ہو گیا تو حکماً اس مال پر اس کا قبضہ ہو گیا، اور جب اس کا قبضہ ہو گیا تو اس کے فروخت کرنے کا بھی حق اس کو حاصل ہو گیا، اور جب اس نے دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تو اس کی ضمان سے نکل کر اس کی ضمان میں داخل ہو گیا، اور ضمان میں داخل ہونے کے ساتھ قبضہ بھی حکماً تسلیم کر لیا گیا، لہذا یہ بیع درست ہو گئی اور یہ صورت شرعاً درست ہو گئی۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا شرعی حکم

مولانا زبیر احمد قاسمی ☆

عنوان بالا کے تحت سوالوں کے جوابات علی الترتیب حسب ذیل ہیں:

۱- کسی بیع پر قبضہ کئے بغیر اس میں ہبہ، صدقہ، اجارہ اور بیع وغیرہ جیسا کوئی بھی تحلیلکی تصرف کرنا شرعاً ناجائز ہے، گویہ عاقد ثانی جو مشتری اول ہے سابق شرائط صحیح کے سبب اس بیع کا مالک ہو چکا ہے، مگر قبضہ القبض اس کیلئے وہ بیع غیر مقدور تسلیم ہے، اس لئے اس کا یہ دوسرا تصرف بیع وغیرہ تصرف فاسد کہلائے گا ”لفوات شرط من شرائط الصحة“۔ باطل نہیں ہوگا، لوجود شرائط انعقاد العقد من الأهلية والمحلية۔

۲- ”لا يشترط القبض بالبراجم؛ لأن معنى القبض هو التمكين و التخلي وارتفاع الموانع عرفاً و عادة و حقيقة“ (بدائع ۵/۱۳۸، پاکستان) و قوله: (بلا مانع) بأن يكون مفروضاً غير مشغول بحق غيره، و في الملتقط: ولو باع داراً وسلمها إلى المشتري وله فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليمها حتى يسلمها فارغة و كذا لو باع أرضاً و فيها زرع“ (شامی ۴/۴۳، بیروت)۔

مذکورہ بالا فقہی نصوص سے واضح ہے کہ قبضہ کے تحقق کے لئے ہاتھ میں لینا کوئی ضروری شرط نہیں صرف بیع و مشتری کے درمیان تجلیہ اور تمام موانع کو اس طرح اٹھا دینا کافی ہے جس کے بعد ہاتھ میں لینے سے کوئی چیز، یا کوئی شخص اسے روک نہ سکے، اگر بلا ہاتھ میں لئے کسی خاص قسم

ماظہ، اشرف العلوم، جہواں، سیتا مڑھی۔

کے استیلاء اور عمل و دخل اور عہد و معاہدہ کے سبب وہ شی مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے، چنانچہ ہلاکت بیع کے بعد بوجہ معاہدہ اس کا ضمان مشتری پر لازم آتا ہے، اور عرفاً، عادۃً اس طرح کے داخل فی الضمان ہونے کو قبضہ سمجھا جاتا ہے تو ”الثابت بالعرف كالثابت بالنص“ کے مد نظر اسے شرعاً قبضہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

۳۔ اشیاء مبیعہ، خواہ منقولہ ہوں، یا غیر منقولہ دونوں میں اس طرح کا تحلیہ کہ وہ حق غیر میں مشغول بھی نہ ہوں اور بلا تکلف بلا کسی کی مدد و تعاون کے اس پر قبضہ بالبراجم ممکن ہو جائے تو بس شرعاً قبضہ کا تحقق ہو جائے گا۔

”لو باع داراً وسلمها إلى المشتري وفيها متاع لا يكون تسليماً حتى يسلمها فارغة، وكذا لو باع أرضاً وفيها زرع“ (شای ۴/۴۳)، ولو اشترى طيراً وفرساً في بيت وأمره البائع بقبضه ففتح الباب فذهب إن أمكنه أخذه بلا عون كان قبضاً، وتمامه في البحر وحاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة“ (ایضاً)۔

۴۔ ”بیع قبل القبض“ کی نہیں سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں، اور وہ علت غرر و خطر ہے، کیونکہ اگر بیع ہلاک ہو گئی تو پہلا ہی عقد بیع فسخ ہو جائے گا اور نتیجتاً اس پر مبنی دوسرا عقد بھی فسخ ہوگا، اس طرح قبل القبض بیع ثانی جب ہوگی تو مشتری ثانی کیلئے غرر بھی ہوگا اور اس کی ملکیت متردد بین القرار والازوال بھی ہوگی۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں: ”فلا يصح بيعه قبل القبض قد نهى رسول الله ﷺ عن بيع ما لم يقبض لأنه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه وقد نهى عنه الخ“ (بدائع ۵/۱۸۰)۔

۵۔ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی چیز پر کسی شخص کی ملکیت کا ثبوت مختلف عقود و تصرفات اور متعدد اسباب کے نتیجے میں ہوا کرتا ہے، مثلاً بیع، شراء، ہدیہ، صدقہ، قرض، نکاح، خلع، وصیت وراثت

وغیرہ، یہ سارے اسباب ملک ہیں، اب اگر سوال کا اصل مقصد صرف اتنا ہے کہ محض عقد بیع و شراء کے ذریعہ جو چیز کسی کی ملکیت میں داخل ہوتی ہے، اس کی بیع قبل القبض، یا اس میں دیگر تملیکی تصرف بھی، مثلاً ہدیہ، بیہ، قرض، رہن وغیرہ جو شرعاً قبل القبض ممنوع ہیں تو یہ ممانعت عام ہے، یا اس میں استثناءات و تخصیصات بھی ہیں؟ تو اس کا جواب بڑا مختصر ہو سکتا ہے کہ یہ ممانعت خاص ہے اشیاء منقولہ کے ساتھ عند الشیخین، باقی غیر منقولہ میں یہ سارے تصرفات قبل القبض بھی جائز ہیں اور ممانعت سے مستثنیٰ ہیں، اعدم امکان الغرر۔

لیکن امام محمد، زفر اور امام شافعی علیہم الرحمۃ اس ممانعت کو عام ہی رکھتے ہیں، چونکہ احادیث نبوی میں ”ما لم یقبض“ مطلق و عام ہے، اس مسئلے سے متعلق فریقین کے تفصیلی دلائل اور جوابات کیئے و یکھا جائے (بدائع ۵/۱۸۱) اور دیگر کتب متداولہ۔

پھر حضرات شیخین تو صرف معقود علیہ کے منقول و غیر منقول ہونے پر نظر رکھتے ہوئے حکم ممانعت میں تخصیص پیدا کرتے ہیں جبکہ امام محمد علیہ الرحمۃ تصرف ثانی کی نوعیت پر بعض وقت نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ معقود علیہ، خواہ منقول ہو، یا غیر منقول اگر قبل القبض ایسے تصرفات کئے جائیں جو ”لا تم بدون القبض“ کے قبیل سے ہوں، مثلاً بیہ، صدقہ، قرض، رہن وغیرہ تو پھر یہ سارے تصرفات تملیکی جائز ہوں گے اور یہ حکم ممانعت سے مستثنیٰ ہی ہوں (تفصیلات کیلئے دیکھا جائے دسٹائی ۱۶۲-۱۶۳)۔

لیکن اگر سوال کا مقصد اس سے وسیع تر ہے تو ظاہر ہے کہ پھر مستثنیات کی حدیں اور تعداد اس سے زائد بھی ہو سکتی ہے، کیونکہ تصرفات قبل القبض کی ممانعت اور اس کے اندر استثناء و تنصیف میں ابھی اسباب ملک کے تنوع و اختیاف کو دخل ہوتا ہے، تو کبھی خود تصرف کی نوعیت کو اور کبھی عوض و معقود علیہ کی نوعیت کو، کافی الحاق و غیر الحاق جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(الف) مثلاً اسباب ملک میں سے بعض عقد معاوضہ بلا کت عوض کے وقت قابل فسخ و انفساخ ہوتے ہیں، جیسے بیع و شراء ہے، اس عقد کے ذریعہ جو عاقدین عوضین کے مالک بنتے ہیں

ان عوض پر قبل القبض تصرف کی ممانعت اور ان میں استثناء و تخصیص کی تفصیلات مع اختلاف ائمہ احناف اور مع دلائل ابھی اوپر مذکور ہوا ہے کہ حضرات شیخین سارے تصرفات کو (بیع، ہبہ، ہدیہ، صدقہ، رهن، قرض وغیرہ) کو ناجائز کہتے ہیں، استثناء صرف غیر منقولہ کا کرتے ہیں، جبکہ امام زفر اور امام شافعی غیر منقولہ کا بھی استثناء نہیں کرتے، ہاں امام محمد عظم ممانعت سے ان تصرفات کا ضرور استثناء کرتے ہیں جو بدون القبض تام ہی نہیں ہوا کرتے، مگر مر (ایضاً)۔

(ب) بعض اسباب ملک ایسے عقد معاوضہ ہوتے ہیں جو بلاکت عوض کے باوجود بیع و انفساخ کو قبول نہیں کیا کرتے، مثلاً نکاح، خلع، عتق علی المال، صلح عن دم العبد، ان عقود میں عورت مہر کی، شوہر بدل خلع کا، مولی بدل عتق کا، اور منقول کا وارث بدل صلح کا مالک بنا کرتا ہے، اور یہ ایسے عقود ہیں کہ بلاکت عوض (مہر، بدل خلع، بدل عتق، بدل صلح) کے باوجود فسخ نہیں ہوا کرتے، اب یہ سارے عوض اگر از قبیل اعیان ہوں، نہ کہ از دیون، تو ان عوضوں پر قبضہ کئے بغیر سارے تصرفات تملیکی (بیع، ہبہ، صدقہ، قرض، رهن وغیرہ) جائز ہیں، گوانعتاً تصرف اور صحت تصرف ہی کی حد تک، نہ کہ نفاذ و لزوم تصرف کی حد تک، گویا اس صورت میں یہ کبھی تصرفات با اتفاق ابی یوسف و محمد حکم ممانعت سے مستثنیٰ ہیں۔

(ج) اسی طرح بعض سبب ملک ایسے ہوتے ہیں جو عقد معاوضہ کے قبیل سے نہیں، بلکہ مالک اول کی نیابت و خلافت کے طور پر اس کا کوئی مالک بن جاتا ہے، جیسے ارث و وصیت، کہ وارث نیابت و خلافت عن المورث ترکہ میں سے بقدر حق شرعی مال کا مالک ہو جاتا ہے، اور موصیٰ بقدر وصیت موصیٰ کے مال موصیٰ بہ کا مالک ہو جاتا ہے، اب یہ وارث و موصیٰ لہ اپنے میراث اور مال موصیٰ بہ میں قبل القبض سارا تصرف کر سکتا ہے "لأن معنى الغرر لا يتقرر فيه؛ لأن الوارث خلف الميت في ملك المورث الخ" (برائع ۵/۱۸۱)۔

شق الف و ب میں درج تفصیلات کے دلائل (شامی ۳/۱۶۲-۱۶۳) میں دیکھے جائیں۔

(د) اسی طرح بعض تصرفات جو قبل القبض کئے جاتے ہیں وہ خود تصرف ہی ناقابل فسخ ہوتے ہیں، مثلاً اعتاق و تدبیر وغیرہ، ایسے تصرفات بھی باتفاق علماء احناف حکم ممانعت سے مستثنیٰ ہیں، چنانچہ اگر کوئی شخص کسی غلام کا مالک بنے، خواہ اس عقد کے ذریعہ جو قابل فسخ ہوتے ہیں، (بیع و شرا)، یا اس عقد کے ذریعہ جو قابل فسخ ہی نہیں ہوا کرتے (مثلاً نکاح، جلع وغیرہ) تمام صورتوں میں قبل القبض اس غلام کے اندر مالک کا تصرف اعتاق و تدبیر جائز ہی ہو جاتا ہے، (شامی، ایضاً) واضح ہو کہ تصرفات قبل القبض کی اجازت و ممانعت کے متعلق ائمہ احناف کے علاوہ دیگر حضرات ائمہ رحمہم اللہ کے مذہب و مسلک کی تفصیلات کی ہمیں کوئی تحقیق اور علم نہیں۔

۶۔ حرم الربوا، الخراج بالضمان، اور ”الغنم بالغرم“، جیسے نصوص قطعیہ و شرعیہ اور قواعد فقہیہ کی روشنی میں میرا ایک عرصہ سے یہی خیال ہے کہ دراصل شریعت اسلامیہ ان منافع و فوائد کو جائز نہیں کہتی جو بلا کسی ادنیٰ رسک کے اور کسی بھی نقصان کی کوئی ذمہ داری قبول کئے بغیر حاصل کئے جائیں۔

بعد القبض بیع سے منافع حاصل کرنا اسی لئے شرعاً جائز ہوتا ہے کہ وہ بیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جاتی ہے، گویا قبضہ کر کے وہ مشتری قابض ایک رسک لے لیتا ہے، اسی طرح بظاہر قبضہ حسی نہ ہو، مگر بائع و مشتری کے درمیان یہ معاہدہ ہو جائے کہ بیع کے حمل و نقل اور ارسال کے بعد وہ مشتری کے ضمان میں داخل سمجھی جائے گی تو یہ مشتری مال کی ہلاکت کے نقصان کا رسک لے لیتا ہے تو اسے حکماً مقبوضہ ہی کہنا چاہئے، کیونکہ اصل مقصد قبضہ حسی کا وہی دخول فی الضمان ہی ہے، جو بیع کے ارسال و تحلیہ اور حمل و نقل کے بعد اس معاہدہ سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

اس لئے ایسی صورت میں اس کی بیع و شرا کو بعد القبض ہی قرار دینا چاہئے اور منافع کو جائز ہی ہونا چاہئے، کیونکہ یہ رخ مال مضمون ہوگا، نہ کہ رخ مال مضمون۔

اس کے علاوہ عرصہ سے میرا یہ بھی خیال ہے کہ بیع غیر مقبوضہ کی بیع و شرا کا حکم جو فساد عقد سے بیان کیا جاتا ہے، یہ حکم محض قضاء ہے جو کسی بھی سبب سے باہمی نزاع کے ”مرافعہ الی

القاضی“ کے نتیجے میں اس بیع غیر مقبوضہ کے متعلق قاضی شریعت کا حکم و فیصلہ ہوگا۔

لیکن اگر ”بیع قبل القبض“ کے باوجود عاقدین میں کوئی نزاع نہیں ہوا، دونوں اپنی اپنی جگہ معاملہ کی اس نوعیت پر راضی و مطمئن رہے اور بالآخر اپنے اپنے حق تک پہنچ گئے تو ایسے معاملہ کے جواز و صحت اور نفاذ و لزوم ہی کا فتویٰ دیا جائے دیا جانا چاہئے۔

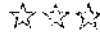
ساتھ ہی ساتھ کتب فقہ میں جو عموماً احکام قضاء ہی پر مشتمل ہیں، جب بعض عقود کے متعلق بعض صورتوں میں اولاً فساد، پھر وجوہ فساد کے زوال کے بعد صحت و جواز کا حکم لگاتے ہوئے یوں بھی لکھا ہوا ملتا ہے کہ: ”انعقد فاسداً وانقلب جائزاً“ تو اس سے بھی ہمارے خیال کی تائید ہو رہی ہے۔

بہر حال مذکورہ بالا اقراء و شواہد پر ہماری رائے یہی ہے کہ اگر کوئی شخص بذریعہ فون و فیکس، یا بالمشاہدہ کسی فیکٹری سے مال کی خریداری کرے اور یہ معاہدہ ہو جائے، جب فیکٹری مال کے نقل و حمل اور روانگی کا کام انجام دیدے گی تو اس کے بعد وہ مال مشتری کے ضمان میں داخل سمجھا جائے گا، پھر اس کے بعد وہی مال براہ راست فیکٹری سے خریدار (۲) کے پاس بھجواتا ہے تو اس معاملہ کو بھی جائز اور خریدار (۱) کے منافع کو بھی حلال ہونا چاہئے، کیونکہ مال کی روانگی کے بعد ہی وہ خریدار (۱) کے ضمان میں داخل ہو گیا اور بجائے خریدار (۱) کے خریدار (۲) کے پاس اس کے پتے اور راستے سے بھیجنا یہ فیکٹری کا عمل من جانب خریدار (۱) تو کیا یا تبرعاً ہوا۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت کا معروف اصول و ضابطہ، یا تاجروں کے درمیان مشروط معاہدہ یہی ہو کہ جہاز پر مال چڑھا دینے کے بعد وہ مال بائع کے قبضہ و ضمان سے نکل کر مشتری کے قبضہ و ضمان میں داخل سمجھا جائے گا، تو یہ مال حکماً خریدار اول کا مقبوضہ بن گیا، اس کا کسی دوسرے خریدار کے ہاتھ فروخت کرنا تو صحیح ہوگا، لیکن مال سمندر ہی میں اگر ضائع ہو جائے تو اسے خریدار (۱) ہی کے ضمان میں ہلاک شدہ سمجھا جائے گا۔

خریدار (۲) کے ضمان میں داخل ماننے کی کوئی وجہ اور بنیاد نہیں، اگر زبانی معاہدہ کو

تسلیم بھی کرایا جائے، تاہم اس معاہدہ کے بعد خریدار (۱) کی طرف سے مال کے حمل و نقل تخلیہ و رفع موانع وغیرہ کے قبیل کا کوئی عمل صادر نہیں ہوا ہے، اس طرح اس مال کو جہاز کے اندر رکھتے ہوئے خریدار (۲) کے ضمان میں داخل کرنا جائز نہیں ہوگا۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی شرعی حیثیت

مولانا شمس میر زادہ

۱- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت شرعی اعتبار سے:

ترمذی کی حدیث ہے، حکیم بن حزام کہتے ہیں:

”سألت رسول الله ﷺ فقلت يأتيني الرجل فيسألني من البيع ما

ليس عندي، أبتاع له من السوق ثم أبيع له قال: لا تبع ما ليس عندك“ (ترمذی

أبواب البيوع)۔

(میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ میرے پاس کوئی شخص آتا ہے اور ایسی چیز کا

سودا طلب کرتا ہے جو میرے پاس نہیں ہوتی، کیا میں اس کے لئے بازار سے خریدوں اور پھر اس کو

فروخت کروں؟ فرمایا: جو چیز تمہارے پاس نہیں ہے وہ نہ بیجو)۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قبضہ سے پہلے مال فروخت کرنا جائز نہیں، فقہاء بھی

عام طور سے اس کو جائز نہیں قرار دیتے، ”بدائع الصنائع“ میں ہے:

ومنها القبض في بيع المشتري المنقول فلا يصح بيعه قبل القبض

(بدائع الصنائع ۱۸۰/۵)۔

(اور منقولہ مال کی بیع میں قبضہ ضروری ہے، قبضہ سے پہلے اس کی بیع صحیح نہیں)۔

اور ”فقہ السنہ“ میں ہے:

☆ سابق بانی و مؤسس ادارۃ دعوت القرآن، ممبئی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

”اما التصرف بالنبيع قبل القبض، فإيه لا يجوز، إذ يحتمل أن يكون هلك عند البيع الأول. فيكون بيع غرر، وبيع الغرر غير صحيح سواء أكان عقارا أم منقولا، وسواء أكان مقدرا أم جرافا“ (نور اللبید سابق ۶۷۳)۔

(قبضہ سے پہلے بیع میں تصرف جائز نہیں، کیونکہ اس میں بائع اولیٰ کے پاس مال کے ہلاک ہونے کا احتمال ہے اور ایسی صورت میں یہ بیع غرر ہوگی اور بیع غرر صحیح نہیں، خواہ وہ غیر منقولہ کی بیع ہو یا منقولہ چیز، کی اور خواہ اس کی مقدار معلوم ہو یا تخمینہ سے ہو)۔ بعض فقہاء نے منقولہ اور غیر منقولہ میں تفریق کی ہے، اور غیر منقولہ کی فروخت قبضہ سے پہلے جائز قرار دی ہے:

”وأما بيع المسترد. العقار قبل القبض فجائز عند أبي حنيفة و أبي يوسف استحسانا“ (رائع البصر ۱۹۱)۔

(رہن خریدی ہوئی غیر منقولہ کی قبضہ سے پہلے بیع تو وہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اختیار مانا جائز ہے)۔

اور اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ غیر منقولہ میں اس کے ہلاک ہونے کا خطرہ نہیں ہوتا، اس لئے اس میں غرر بھی نہیں ہوتا۔

اور مالکی مسلک میں تو اس سے زیادہ وسعت ہے:

”وأما بيع ما سوى الطعام قبل القبض فلا خلاف في مذهب مالک في إجازته“ (بدایۃ المجتہد ۱۳۳/۲)۔

(جہاں تک غذائی اشیاء کے ماسوا کی قبضہ سے پہلے بیع کا تعلق ہے تو امام مالک کے مسلک میں اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے)۔

حدیث میں بیع مسلم کو جائز قرار دیا گیا ہے، جبکہ مال کی صفات معلوم ہوں، حالانکہ بیع مسلم میں فروخت کیا جانے والا مال بائع کے پاس موجود نہیں ہوتا، مگر ضرورت اور تعامل کے

پیش نظر اس کی اجازت دی گئی ہے۔

خلاصہ یہ کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے، لیکن اس میں کچھ استثنائی صورتیں بھی ہیں، جبکہ اس میں کوئی غرر نہ ہو، اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مروجہ کاروباری طور طریقوں میں جہاں ضرورت متقاضی ہے اور غرر کا اندیشہ نہ ہونے کے برابر ہے اور بائع کی طرف سے ضمانت بھی ہے تو ایسی صورت میں بیع قبل القبض کی اجازت ہوگی، مگر اس بیع کو ناجائز سمجھا جائے تو اس کا شمار بیع فاسد میں ہوگا، لیکن مالکیہ کے ہاں بعض صورتوں میں اس پر صحت کا حکم لگانے کی بھی گنجائش ہے:

”وربما صح عنده بعض البيوع الفاسدة بالقبض لئحة الكراهة عنده في ذلك“ (بدایۃ المجتہد ۲/۱۸۲)۔

(اور بعض صورتوں میں امام مالک کے نزدیک فاسد بیع قبضہ کے بعد صحیح ہو جاتی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک اس میں کراہت بلکی ہے)۔

۲۔ شریعت میں قبضہ کی حقیقت:

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

”فالقبض مرجعه إلى عرف الناس حيث لم يكن له حد في اللغة ولا في الشرع“ (فتاویٰ ابن تیمیہ ۲/۵۷۳۰)۔

(قبضہ کا مرجع عرف ہے، اس کی حد نہ لغت میں متعین ہے اور نہ شرع میں)۔

لہذا عرف و عادات کے مطابق قبضہ کا جو تصور ہوگا اس کو شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا، الا یہ کہ کوئی بات کسی نصی حکم کے خلاف ہو۔

جدہ کی ”مظلمۃ المؤمنین الاسلامی“ کی مجلس ”مجمع الفقہ الاسلامی“ منعقدہ مارچ ۱۹۹۰ء نے قبضہ کے سلسلہ میں نئی صورت حال کے پیش نظر جو قرار و مقررہ کیے اس میں کہا ہے کہ:

”قبض الأموال كما يكون حسياً في حالة الأخذ باليد أو الكيل أو

الوزن فی الطعام ، أو النقل و التحويل إلى حوزة القابض ، يتحقق اعتباراً و حكماً بالنحلية مع التمكن من التصرف ولو لم يوجد القبض حساً و تختلف كيفية قبض الأشياء بحسب حالها و اختلاف الأعراف فيما يكون قبضاً لها“۔

(مال کا قبضہ جس طرح حسی ہوتا ہے غذائی اشیاء میں ہاتھ سے لینے یا ناپ کر یا تول کر لینے میں یا نقل و تحویل کے ذریعہ قابض کے اختیار میں آجانے سے، اسی طرح تصرف کے اختیار کے ساتھ تخلیکہ کر دینے سے اعتباراً و حکماً متحقق ہوتا ہے، اگرچہ حسی قبضہ نہ پایا جاتا ہو، اور اشیاء کے قبضہ کی کیفیت مختلف ہوتی ہے ان کے حال کی مناسبت سے قبضہ کے تعلق سے عرف کے مختلف ہونے کی بنا پر)۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت:

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک غیر منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے، ”بدائع“ میں ہے:

”بيع المشتري العقار قبل القبض فجائز عند أبي حنيفة و أبي يوسف استحساناً“۔

(خرید شدہ غیر منقولہ امور کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک استحساناً)۔

اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب ”بدائع“ لکھتے ہیں:

”ولأن الأصل في ركن البيع إذا صدر من الأصل في المحل هو الصحة والامتناع لعرض غرر انفساخ العقد بهلاك المعقود عليه و لا يتوهم هلاك العقار فلا يتقرر الغرر فبقى بيعه على حكم الأصل“ (بدائع الصنائع ۵/۱۸۱)۔

(یہ اس لئے کہ بیع کے رکن کی اصل صحت ہے، جبکہ وہ اصل بیع سے صحیح مقام پر صادر ہو، اور ممانعت اس بنا پر ہے کہ مال کے تلف ہو جانے سے عقد کے فسخ ہو جانے کا غرر (خطرہ)

ہے، لیکن غیر منقولہ اشیاء کے تلف ہو جانے کا اندیشہ نہیں ہوتا، اس لئے اس میں غرر (خطرہ) نہیں ہے، لہذا ان کی بیع اصل حکم پر برقرار ہے۔

اور مالکیہ کے مسلک میں بہت وسعت ہے:

”یصح للمشتري أن يتصرف في المبيع قبل قبضه بالبيع سواء كان المبيع أعيانا منقولة أو أعيانا ثابتة كالأرض و النخيل و نحوهما إلا الطعام كالقمح والفاكهة فإنه لا يصح بيعه قبل قبضه“ (کتاب الفقہ علی المذاهب الأربعہ ۲/۲۳۵)

(خریدنے والے کیلئے جائز ہے کہ وہ قبضہ سے پہلے خریدے ہوئے مال میں تصرف کرے خواہ مال منقولہ اشیاء میں سے ہو یا غیر منقولہ ہو جیسے زمین اور کھجور کے درخت وغیرہ، بجز غذائی اشیاء کے، مثلاً گیہوں اور پھل، کہ ایسی چیزوں کی بیع قبضہ سے پہلے صحیح نہیں)۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں:

”لأنها بمجرد العقد تكون في ضمان المشتري فهي في حكم المقبوضة“ (حوالہ مذکور)۔

کیونکہ مجرد عقد سے یہ چیز خریدار کی ضمانت میں آ جاتی ہے اس لئے وہ قابض شدہ کے حکم میں ہے۔

راقم سطور کی رائے میں موجودہ زمانہ کے کاروباری عرف کو سامنے رکھنے اور قبضہ کے تصور میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں اور ان کی علت غرر (خطرہ) ہے، اور خاص طور سے یہ بات کہ خریدار جب مال کا ضامن نہیں ہے تو اس پر نفع کمانے کا اس کو کیا حق ہے، چنانچہ ترمذی کی حدیث میں ہے:

”ولا ربح مالہ یضمن“ (ترمذی أبواب البیوع)۔

(میں مال کی ضمانت نہیں لی تھی اس پر نفع حاصل کرنا درست نہیں)۔

لیکن اگر موجودہ تجارتی سسٹم میں خریدار مال کا قبضہ سے پہلے ضامن بنتا ہے اور غرکار اندیشہ نہ ہونے کے برابر رہتا ہے اور ضرورت بھی اس طرح کے معاملہ کی متقاضی ہے تو قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔

۵۔ ممانعت عام ہے یا اس میں کچھ استثناءات ہیں:

اس کا جواب اوپر گناہ پکا، مزید یہ کہ فقہ السنہ میں ہے:

”و یستثنی من هذه القاعدة جواز بيع أحد النقدين بالأخر قبل القبض

فقد سأل ابن عمر رسول الله ﷺ عن بيع الإبل بالدنانير و أخذ الدراهم بدلا منها فأذن له“ (فقہ السنہ سابقہ ص ۲۸۳)۔

(اس قاعدہ سے مستثنی ایک نقدی کی دوسری نقدی کے ساتھ قبضہ سے پہلے بیع ہے،

چنانچہ حضرت ابن عمر نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اونٹ کو دینار کے عوض بیچنے سے اور ان کے بدل کے طور پر درہم لینے سے متعلق، تو آپ نے ان کو اس کی اجازت دی۔ معلوم ہوا کہ کچھ مستثنی صورتیں بھی ہیں)۔

۶۔ بائع اس کے ضامن ہونے کی صورت میں قبضہ سے پہلے بیچنا:

ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے

لیکن فیکٹری سے خرید ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر (۲) کو روانہ کر دیتا ہے اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر

(۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ

فیکٹری پر آتی ہے نہ خریدار نمبر (۲) پر بلکہ یہ اسی شخص (خریدار نمبر (۱)) کا نقصان قرار پاتا ہے،

اس صورت معاملہ میں اگرچہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر جسی قبضہ نہیں ہوا

لیکن وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہنچنے سے پہلے اس کی ضمانت میں رہا، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے ”ریج مالہ مضمون“ (ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضمانت نہ ہوا ہو) حاصل کیا، بلکہ اس نے مال مضمون پر نفع حاصل کیا ہے، لہذا ضمانت کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے گا۔

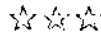
جب ملکیت ہی کی حقیقت یہ ہے کہ اس کا مادی ہونا ضروری نہیں تو قبضہ کا مادی یا حسی ہونا کیوں ضروری ہو، مصطفیٰ احمد الزرقا، ملکیت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وبذلك يتبين أن الملكية ليست مادياً، وإنما هي حق من الحقوق والحق نوع من الاعتبار الشرعي“ (المدخل المتی، المجلد ۲، ص ۲۳۷)۔

(اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ ملکیت کوئی مادی چیز نہیں ہے، بلکہ حقیقی میں سے ایک حق ہے، اور حق ایک ایسی نوع ہے جس کا شرعیات نے اعتبار کیا ہے)۔

۷۔ مشتری کا جہاز پر چڑھائے ہوئے مال کو وصول کرنے سے پہلے فروخت کرنا: بین الاقوامی تجارت میں جہاز پر مال بیڑ خانے کے بعد اصل بائع کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا ذمہ ضامن نہیں ہوتا، ایسی صورت میں مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کر دیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا، بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے تو یہ صورت شرعاً جائز نہیں قرار دی جاسکتی، اگرچہ رائے طریقتہ کے مطابق مشتری کی ہدایت کے مطابق بائع مال جہاز کے ذریعہ بھیجتا ہے، لہذا اس کی ذمہ داری جہاز پر مال چڑھانے کے بعد ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح مشتری دوسرے خریدار کو یہ مال وصول کرنے سے پہلے فروخت کرتا ہے تو یہ بات معہود (Understood) ہوتی ہے کہ یہ دوسرا خریدار جہاز پر چڑھائے ہوئے مال کی ذمہ داری کو قبول کرتا ہے اس لئے اول الذکر مشتری ضمانت سے بری ہے۔

خلاصہ یہ کہ مال کی ترسیل کے سلسلہ میں مشتری کی ہدایت کے مطابق مال جہاز وغیرہ کی تحویل میں دینے سے بائع اپنی ذمہ داری سے بری ہو جاتا ہے، اس کے بعد اگر مال تلف ہو جاتا ہے تو بائع پر اس کی کوئی ذمہ داری ناکند نہیں ہوتی، البتہ مال کی تلافی کی صورت میں معاوضہ کے لئے قانون نے انشورنس کا طریقہ رائج کیا ہے، اور یہ اسی طرح جائز ہے جس طرح پوسٹل انشورنس۔



بیع قبل القبض فی ضوء الكتاب والسنة

مولانا ذوالقرنین محمد امجد علی

معنی القبض فی اللغة:

القبض فی اللغة بمعنی الأخذ ، قال الجوهري: قبضت الشيء قبضا أخذته ، وقال ابن منظور: والقبض تناول للشيء بيدك ملامسة. وبمعنی الجمع : ومنه قبض الطائر جناحه ، جمعه ، وقال ابن منظور: والقبض تحويلك المتاع إلى حيزك، وبمعنی التملك قال الجوهري: يقال صار الشيء في قبضتك أي في ملكك ، وقال ابن الاعرابي: القبض قبولك المتاع وإن لم تحوله.

والقبض خلاف البسط، ومنه قوله تعالى: (والله يقبض ويبسط) (سورة البقرة / ۲۴۵) ، الصراح ، لسان العرب).

معنی القبض فی الاصطلاح:

”اتفق العلماء على أن القبض في الأشياء غير المنقولة يكون بالتخلية بينها وبين من ينتقل إليه الملك بحيث يتمكن من الانتفاع به“ (بدائع الصنائع ۲۳۴/۵، المجموع ۲۸۳/۹).

أما في المنقولة فاختلوا فيه إلى قولين:

☆ جامع دار السلام، عریک کالج، عمر آباد، ضل ناٹور۔

از ذهب الحنفية إلى أن القبض في كل شيء يكون بالتخلية . ثم فرقوا بين القبض التام والقبض الناقص ، قال الكاساني : لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال واختلفوا في أنها هل هي قبض تام فيها أو لا ؟ وحملوا الكلام فيه أن السبيع لا يحلر إما أن يكون مما له مثل ، وإما أن يكون مما لا مثل له ، فإن كان مما لا مثل له من المذروعات والمعدومات المتداولة بالتخلية فيها قبض تام بلا خلاف ، وإن كان مما له مثل حتى لو اشترى مائة مذروعات أو معدودا معاددة ووحدت التخلية يخرج عن ضمان البائع ويجوز له بيعه والانتفاع به قبل الذرع والعد بلا خلاف . وإن كان مما له مثل فإن باع مائة مذروعات فكذا لك لأنه لا يعتبر معرفة القدر في بيع المتداورات ، وإن باع مكابلة أو موازنة في السكيل والوزن وغلب فلا خلاف في أن السبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل في ضمان المشتري ، حتى لو هلك بعد التخلية قبل الكيل والوزن يهلك على المشتري . وكذا لا خلاف في أنه لا يجوز للمشتري بيعه والانتفاع به قبل الكيل والوزن (مدافع المصانع ۲۴۳، ۵)

والخلاصة أن المشتري يملك جميع أنواع التصرف في القبض التام ، بخلاف القبض الناقص فإنه يصير ضامنا فيه ، ولكن لا يصح له التصرف فيه .

والقول بأن القبض في جميع الأشياء التخلية . نقله النووي عن الإمام مالك (المجروح ۲۸۳۲۹) وهو رواية عن الإمام أحمد ، قال ابن قدامة : ” وقد روى أبو الخيثاب عن أحمد رواية أخرى أن القبض في كل شيء بالتخلية مع التمييز ” (المعبر ۱۱۵۲) .

۲۔ وذهب الشافعية والحابلة إلى أن التخلية في المنقول لا تكون قبضا ، وإنما القبض في المنقول بالنقل ، وفي المتناول باليد بالتناول ، وفي المكيل والموزون بالكيل والوزن ، قال الإمام الشافعي : ومن ابتاع طعاما كيلا فقبضه أن يكتاله ، ومن ابتاع جزاء فقبضه أن ينقله عن مواضعه إذا كان مثله ينقل “ (الام ۴۰۳)۔

وقال النووي : ” قال أصحابنا الرجوع في القبض إلى العرف ، وهو ثلاثة أقسام ، أحدها : العقار والثمر على الشجرة فقبضه بالتخلية ، والثاني : ما ينقل في العادة كالأحشاب والحبوب والحبان ونحوها فقبضه بالنقل إلى مكان لا اختصاص للبائع به ، والثالث : ما يتناول باليد كتأجيرهم والدنانير فقبضه بالتناول بلا خلاف (المجموع ۲: ۳۵۹) وقال ابن شداد : ” وقبض كل شيء بحسبه فإن كان مكيلا أو موزونا فقبضه بكيله ووزنه “ (المصنف ۲: ۲۵۴) وقال البهوتي : ” ويحصل القبض فيما يبيع بكيل أو وزن أو عدد أو موزن بذلك ، أي بالكيل أو الوزن أو العدد أو الميزان . . . ويحصل القبض في سيرة بنقلها ، ويحصل القبض فيما ينقل كالأشياء والحيوان بنقله كالصبرة . . . ويحصل فيما يتناول كالأثمان والجزائر يتناولها ، إذا عرف فيه ذلك ، كما قال القناع ۲/۳: ۲۳۶۔“

الأدلة :

الذين قالوا: إن القبض في جميع الأشياء بالتخلية استدلوا بما يأتي :

- ۱۔ عن ابن عمر قال كنا مع النبي ﷺ في سفر فكنت على بكر صعب لعمر فكان يغلبني فيتقدم أمام القوم ، فيزجره عمر ويرده ، ثم يتقدم فيؤجره عمر ويرده فقال النبي ﷺ لعمر بعني ، قال : هو لك يا رسول الله .

قال رسول الله ﷺ: بعينه، فباعه من رسول الله ﷺ، فقال النبي ﷺ: هو لك يا عبد الله بن عمر تصنع به ما شئت“ (البخارى ۳۳۲/۳ مع الفتح).

قال ابن حجر: وقد احتجت به المالكية والحنفية في أن القبض في جميع الأشياء بالتخلية، وإليه مال البخارى كما يقدم له في ”باب شراء الدواب والحمير إذا اشترى ذابة وهو عليها هل يكون ذلك قبضا؟“

وأجاب عنه ابن حجر بأنه ”يحتمل أن يكون ابن عمر كان وكيلا في القبض قبل الهبة، وهو اختيار البغوى“ قال: إذا أذن المشتري للموهوب له في قبض المبيع كفى وتم البيع وحصلت الهبة بعده (فتح البارى ۳۳۵/۴) ويمكن أن يقال: بأن ما ثبت فيه عن النبي ﷺ هو التصرف بالهبة وهذا لا يدل على وجود القبض، بل يدل على أن الهبة يصح قبل القبض.

۲. ”ان التسليم فى اللغة عبارة عن جعله سالما خالصا، يقال: سلم فلان لفلان أى خلص له، وقال الله تعالى: (ورجلا سلما لرجل) أى سالما خالصا لا يشركه فيه أحد، فتسليم المبيع إلى المشتري هو جعل المبيع سالما للمشتري أى خالصا له بحيث لا ينازعه فيه غيره، وهذا يحصل بالتخلية، وكانت التخلية تسليما من البائع، والتخلي قبضا من المشتري، وكذا هذا فى تسليم الثمن إلى البائع، لأن التسليم واجب، ومن عليه الواجب لا بد أن يكون له سبيل الخروج عن عهده ما وجب عليه، والذي فى وسعه هو التخلية ورفع الموانع، فأما الإقباض فليس فى وسعه، لأن القبض بالبراجم فعل اختياري للقابض، فلو تعلق وجوب التسليم به لتعذر عليه الوفاء بالواجب، وهذا لا يجوز“ (بدائع الصنائع ۴۳۴/۵).

ويمكن أن يقال: إن التسليم والقبض أمران مختلفان، فتسليم المبيع

یكون من البائع ، وقبضه يكون من المشتري ، فالبائع يعتبر مسلماً بالتخلية ، فلا يكون ضامناً بهلاك المبيع بعد التخلية ، وإن لم يقبضه المشتري فعلاً ، لأن البائع قد أدى ما وجب عليه وهو التسليم بالتخلية .

۳. القياس على العقار ، قالوا كما أن القبض يحصل بالتخلية في العقار كذلك يحصل في غيره (أخرجه أبو داود ، انظر المغنی ۱/۲۵۵) واجیب بأن فی العقار لا يمكن القبض بالحمل والنقل ، فاعتبر التخلية قبضاً له ، بخلاف غيره من المنقول .

دلیل القول الثانی :

أما الذين فرقوا في القبض بين المنقول وبين غيره فاستدلوا بما يأتي .

۱. عن زيد بن ثابت أن النبي ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم (أبو داود كتاب البيوع ۳/۷۱۵ ، فتح الباری ۳/۳۵۰) .

استدل به الشيرازي ، وقال النووي : ” رواه أبو داود بإسناد صحيح إلا أنه من رواية محمد ابن إسحاق بن يسار عن أبي الزناد ، وابن إسحاق مختلف في الاحتجاج به وهو مدلس ، وقد قال عن أبي الزناد : والمدلس إذا قال عن : لا يحتج به ، لكن لم يضعف أبو داود هذا الحديث ، وقد سبق أن ما لم يضعفه فهو حجة عنده ، فلعله إعتضد عنده أو ثبت عنده بسماع ابن إسحاق له من أبي الزناد “ (۲/۷۹) .

۲. ” عن عثمان أن النبي ﷺ قال : إذا بعث فكل وإذا ابتعت فاكتل “ (البخاری ۳/۳۳۳ ، فتح الباری ۳/۳۳۵) .

۳. ” عن جابر قال : نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام حتى يجري

ابن عباس، صاحب الباع و صناع الممشوی (ابن عیاض کتاب التجارات ۲/ ۵۵۰ بسند
ضعیف)

ابن عباس، یحییٰ بن قدامة، تم قال: هذا فیما بیع کیلا وإن بیع جزافا
فیفسد بطلان لأن ابن عمر قال: كانوا یضربون علی عهد رسول الله ﷺ إذا
استروا طعاما جزافا أن یبیعوه فی مکانه حتی یحولوه (البخاری رقم الحدیث ۲۱۳۷
کتاب البیوع)

۴. العرف، قال الشیرازی: لأن القبض ورد به الشرع وأطلقه،
فحسب علی العرف، والعرف فیما یقل الثقل و فیما لا ینقل التخلية، (المذهب
۵۵۵ بیع المسجوع) ونوقش بأن الأحادیث المذكورة تدل علی منع البیع قبل
النقل، لا أن حقیقة القبض هو النقل. أما العرف فیستغیر بالزمان والمكان فلا
یکون عرف بلد وزمن حجة لبلد وزمن آخر.

البیع قبل القبض:

اختلف العلماء فی البیع قبل القبض إلى خمسة أقوال:

۱. لا یجوز بیع أى شیء قبل قبضه، وإليه ذهب ابن عباس والشافعی
ومحمد بن الحسن.

۲. یجوز بیع کل شیء قبل قبضه إلا المکیل والموزون، وإليه ذهب
عثمان بن عفان وسعيد بن المسیب والحسن والحکم وحماد والأوزاعی
وأحمد وإسحق.

۳. لا یجوز بیع مبیع قبل قبضه إلا الدور والأرض، وبه قال أبو حنیفة
وأبو یوسف.

۴. یجوز بیع کل مبیع قبل قبضه إلا المأكول والمشروب، وإليه

ذهب مالک و ابو ثور و احمد في رواية ، قال : ابن المنذر وهو اصح المذاهب۔

۵۔ يجوز بيع كل شيء قبل قبضه ، وهو مروي عن عثمان بن البتي (صاع الصانع ۱/۱۱۵، السنن ۱/۲۱۲، المجموع ۱/۲۰۹، قبل الاوطار ۵/۱۷۱، الكافي ۲/۲۶۱)۔

الأدلة :

استدل أصحاب القول الأول بما يأتي :

۱۔ عن حكيمة بن حزام قال : قلت يا رسول الله اني اشتري بيعاً فما يحل لي منها وما يحرم علي . قال ما اذا اشتريت شيئاً فلا تأخذه حتى تقبضه (مسند الإمام أحمد ۴/۲۰۲، قبل الاوطار ۵/۱۷۱، المجموع ۱/۲۰۹)۔

۲۔ عن زيد بن ثابت أن النبي ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تتباع حتى يحوزها التجار إلى رحلتهم (أرداو في البيع ۲/۲۵۲، اندر قطبي ۱/۱۳۸)۔

وجه الاستدلال أن لفظ "شيء" "السلع" عام فيحمل على العموم ، أما ذكر الطعام في بعض الأحاديث فلا يخص به ، لأنه من قبيل التنبيه من الأعلى إلى الأدنى ، فإنه إذا نهى عن بيع الطعام قبل القبض مع كثرة الحاجة إليه فغيره أولى (المجموع ۲/۲۷۱)۔

وهذا الذي فهمه ابن عباس ، فإنه روى عن طاووس أنه قال سمعت ابن عباس أنه يقول ، أما الذي نهى عن النبي ﷺ فهو الطعام أن يباع حتى يقبض ، قال ابن عباس : ولا أحسب كل شيء إلا مثله (البخاري، البيع ۳/۲۰۹)۔

دليل القول الثاني :

۱۔ "عن ابن عمر قال : قال رسول الله ﷺ من اشترى طعاماً بكليل

او وزن فلا بیعه حتی یقبضه“ (أخرجه أحمد فی مسنده ۱/۱۱۱)۔

۲۔ وعنه: أن رسول الله ﷺ نهى أن يبيع أحد طعاما إشتراه بكيل

حتى يستوفيه (أبو داؤد كتاب البيوع رقم الحديث ۳۴۹۵، الترمذی ۲۸۶/۷)۔

۳۔ وعن عثمان أن النبي ﷺ قال: له إذا بعث فكل وإذا ابتعت فاكتل

(الدارقطني فی البيوع ۸/۳، أحمد ۲۲/۱، البخاری ۳۴۳/۳ مع الفتح)۔

دلیل القول الثالث :

دلیل منع المنقول ہی الأحادیث السابقة ، أما دلیل استثناء الدور

فاستدلوا بعموم الكتاب وهو قوله تعالى: (وأحل الله البيع) (البقرة ۲۷۵)۔

” ولأن الأصل في ركن البيع إذا صدر من الأهل في المحل هو

الصحة ، والامتناع لعارض الغرر ، وهو غرر إنفساخ العقد بهلاك المعقود

عليه ، ولا يتوهم هلاك العقار فلا يتقرر الغرر فبقى بيعه على حكم الأصل “

(بدائع الصنائع ۱۸۱/۵)۔

دلیل القول الرابع :

عن ابن عمر أن النبي ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه“

(البخاری ۳۴۳/۳، مسلم ۳۲۵/۱) وعنه قال: لقد رأيت الناس في عهد رسول الله

ﷺ يتبايعون جزافا یعنی الطعام يضرّبون أن يبيعوه في مكانهم حتى يؤوه إلى

رحالهم (البخاری ۳۵۰/۳، مسلم ۳۲۸/۱) وعن جابر قال: قال رسول الله ﷺ:

إذا ابتعت طعاما فلا يبعه حتى تستوفيه (مسلم ۷۳۲۸/۱)۔

قالوا فالتنصيص في هذه الأحاديث على الطعام يدل على أن غيره

بخلافه ، واستدلوا أيضا بالقياس على الإعتاق والإجارة قبل القبض ، وأجاب

النورى عن الأحاديث بجوابين:

الأول : أن هذا استدلال يداخل الخطاب والتنبيه مقدم عليه ، فإنه إذا نهى عن بيع الطعام مع كثرة الحاجة إليه فغيره أولى .

والثاني : أن النطق الخاص مقدم عليه وهو حديث حكيم ، وحديث زيد ، وأجاب عن القياس على الميراث والوصية بأن الملك فيهما مستقر بخلاف المبيع ، وأما القياس على الإعتاق فلا يصح ، لأن للإعتاق قوة وسراية لا يوجد في غيره ، ولأن العتق إنلاف للمالبة والإنلاف قبض ، وأما الإجارة فلا يصح قبل القبض على الصحيح ، لأنها بيع (المجموع ۹/ ۲۲۵-۲۲۶) .

دليل القول الخامس :

عموم قوله تعالى (وأحل الله البيع) (البقرة ۲۷۵) .

ويجاب بأن الحديث قد خصصه ، فلا يصح الاستدلال به .

علة منع بيع الإنسان ما اشتراه قبل قبضه :

اختلف العلماء في أن الأحاديث المتعلقة ، بالنهاي قبل القبض معللة أم غير معللة إلى قولين ، فمنهم من يرى أن الأحاديث غير معللة ، وإليه ذهب الحنفية ، قال كاساني : "قال بعض مشايخنا : أنها ، أي حرمة التصرف قبل الكيل أو الوزن ، تثبت شرعا غير معقول المعنى" (بدائع الصانع ۵/ ۲۲۳) .

ومنهم من يرى أنها معللة ، وهؤلاء اختلفوا في بيان العلة إلى عدة أقوال ، فمنهم من يرى أن علة غرر انفساخ العقد بهلاك المعقود عليه ، وإليه ذهب أكثر الحنفية والشافعية والحنابلة (بدائع الصانع ۵/ ۱۸۰) المذهب مع المجموع ۹/ ۲۶۳ ، المعنى ۲/ ۱۲۸) ومنهم من يرى أن علته انعدام القبض التام ومنهم من يرى أن علته كونه من قبيل "ربح مالم يضمن" ، وإليه ذهب الشافعية (الأم ۳/ ۷۰) ومنهم من يرى أن علته عجز المشتري عن تسليمه ، لأن البائع قد

یسلمہ، وقد لا یسلمہ ۔

لا سیما إذا رأى المشتري قد ربح ، فيسعى في رد البيع إما بحد أو باحتيال في الفسخ ، وبه قال ابن تيمية (الاختيارات الفقهية / ۱۲۶)۔
ومنهم من يرى أن علته الربا، وإليه ذهب ابن عباسؓ فعن طاووس عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ نهى أن يبيع الرجل طعاما حتى يستوفيه ، قلت لابن عباس : كيف ذاك؟ قال : أراهم بدراهم والطعام مرجأ (صحيح البخاري كتاب البيوع ۳/۳۴۷ مع الفتح)۔

الترجيح :

بالنظر إلى الأدلة والعلل التي بينها العلماء يبدو لي أن القول الأول وهو منع بيع أى شئ اشتراه قبل قبضه هو الراجح ، والمنع خاص بالبيع ، أما ما سواه من التصرف مثل العتق والهبة فهو جائز كما يدل عليه هبة النبي ﷺ لابن عمر البكر الصعب قبل القبض ۔

☆☆☆

خرید و فروخت میں قبضہ کی حقیقت اور عرف

مولانا محمد رضوان القاسمی

۱۔ قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت مختلف احادیث سے ثابت ہے، بعض ان میں سے مطلق ہیں، مثلاً:

”عن حکیم بن حزام قال: قلت: یا رسول اللہ ﷺ! انی ابتاع ہذہ البیوع فما یحل لی منها وما یحرم علی؟ قال: یا ابن اخی لا تبعین شیئا حتی تقبضہ، ہذا إسناد حسن متصل“ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۵/۳۱۳، وکذا فی معنی ابن ابی شیبہ: ۶/۳۶۶)۔

اور ان میں سے بعض طعام یعنی خوردنی اشیاء کے ساتھ مقید ہیں، مثلاً:

”عن ابن عمر رضی اللہ عنہما أن النبی ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا یبعہ حتی یقبضہ“ (بخاری مع فتح الباری ۴/۴۳۹، نیز دیکھئے: مجمع الزوائد ۴/۹۸)۔

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اشیاء خوردنی خریدے، وہ اس کو اس وقت تک فروخت نہ کرے جب تک کہ اس پر قبضہ نہ کر لے۔

یہ دو حدیثیں بطور مثال کے پیش کی گئی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی احادیث ہیں جن کی بنیاد پر فقہاء مجتہدین میں اختلاف بھی ہوا ہے، لیکن جمہور فقہاء فی الجملہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے ناجائز ہونے پر متفق ہیں (شرح المہذب ۹/۲۶۴، بدیع المجہد ۲/۱۳۴، الروض

درم ۲۲۳، یعنی ۸۸/۳، الحرائق ۱۶/۶، بدائع الصنائع ۵/۵، الہدایہ مع الفتح ۵۱۰/۶، بزازیہ مع البندیہ (۳۹۶/۳)۔

غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت بیع فاسد ہے، اس لئے کہ رکن بیع اور اصل بیع میں کوئی خلل نہیں ہے، البتہ غرر اور دھوکہ ہے، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

”وفی المواہب: وفسد بیع المنقول قبل قبضہ انتہی، ونفی الصحۃ یحتملہما..... ای یحتمل البطال والفساد والظاهر الثانی: لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركنی العقد“ (رد المحتار ۴/۱۸۲)۔

۲۔ تمام دوستان فقہ کی کتابوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ شرع اسلامی میں کتاب و سنت نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی ہے، بلکہ اسے لوگوں کے عرف و عادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے گا وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا (بدائع الصنائع ۵/۳۸، ۳۳، یعنی ۹۰/۳، الشرح الکبیر بہامش ناشیۃ الدہوتی ۳/۱۳۵، شرح المبدیہ ۲/۲۷۵)۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی یکساں صورت نہ ہوگی، بلکہ تمام مکتبہ فکر کے فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ اشیاء غیر منقولہ میں تو تخلیہ کو قبضہ کا درجہ حاصل ہوگا، البتہ اشیاء منقولہ میں قدرے اختلاف ہے، ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اشیاء منقولہ میں قبضہ کا دار و مدار لوگوں کا عرف و رواج ہے، یعنی جن اشیاء میں جس کیفیت کو عوام قبضہ تصور کریں وہ شرعاً بھی قبضہ شمار کیا جائے گا، اور جس کو قبضہ نہ مانیں وہ قبضہ متصور نہ ہوگا، چنانچہ علامہ درر دیر ماکفی فرماتے ہیں:

”قبض العقار وهو الأرض وما اتصل بها..... التخلية وقبض غيره ای غیر العقار من عروض وأنعام ودواب بالعرف الجاری بین الناس“ (الشرح الکبیر بہامش ناشیۃ الدہوتی ۳/۱۳۵)۔

عقار یعنی زمین اور جو زمین سے متصل ہوں، ان میں تخلیہ کے ذریعہ قبضہ ہوگا اور عقار کے علاوہ مثلاً سامان، جانور اور چوپائے میں قبضہ اس عرف کے مطابق ہوگا جو لوگوں میں جاری ہو۔

یہی کچھ امام نووی نے لکھا ہے (شرح المذہب ۲/۵۷۹)۔

اس سلسلہ میں حنفیہ کا کہنا ہے کہ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ دونوں میں تخلیہ کو قبضہ گردانا جائے گا، البتہ بیع کے احوال کے اعتبار سے تخلیہ کی نوعیت میں فرق ہوگا، چنانچہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

”و حاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع“ (رد المحتار ۳/۴۷۸، نیز ملاحظہ ہو: فقہ الاسلامی وادبہ ۴/۴۱۸-۴۱۹)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ تخلیہ کو حکماً اس وقت قبضہ تصور کیا جائے گا، جبکہ بغیر مشقت کے اس پر تصرف کرنا ممکن ہو، لیکن قبضہ کی نوعیت بیع کی حالت کے اعتبار سے بدلتی رہے گی۔

۴- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں، ان کے بارے میں تقریباً تمام ہی فقہاء اور شراح حدیث کا اتفاق ہے کہ یہ احادیث معلول بالحلۃ ہیں، چنانچہ علامہ برہان الدین مرغینانی فرماتے ہیں:

”والحدیث معلول بعلة عملاً بدلائل الجواز“ (ہدایہ مع الفتح ۶/۵۱۳)۔

فقہاء حنفیہ نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ یہاں پر بیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں بیع کے فسخ ہونے کا غرر اور دھوکہ ہے، چنانچہ علامہ عبدالحی لکھنوی فرماتے ہیں:

”لأن النهی معلول بغرر انفساخ العقد لخوف الهلاك“ (التعین

المجد ۳/۱۹۹، نیز دیکھئے: مجمع الزہد ۲/۷۹، فتح القدیر ۶/۵۱۳)۔

۵- بعض فقہاء، کے یہاں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت بالکل عام ہے، جب

کہ دوسرے فقہاء اس میں استثناءات اور تخصیصات کے قائل ہیں، ذیل میں ائمہ کی آراء اور ان کے وجوہ و دلائل قاصد کئے جاتے ہیں:

شافعی نقطہ نظر:

یہ ہے کہ ”بیع قبل القبض“ کی نہیں بالکل عام ہے، اس میں کوئی استثناء اور تخصیص نہیں، خواہ بیع منقولی اشیاء ہو، یا غیر منقولی، چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں:

”أما الأحكام فمذهبننا أنه لا يجوز بيع المبيع قبل قبضه عقاراً كان أو منقولاً لا ياذن البائع ولا بغير إذنه لا قبل أداء الثمن ولا بعده (شرح المہذب ۲/۲۶۳-۲۶۵)۔“

ان حضرات کی بنیادی دلیل حضرت حکیم بن حزام کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت حکیم بن حزام سے فرمایا تھا کہ ”بھیجتے کسی چیز کو قبضہ کے بغیر فروخت نہ کرو“ (دیکھئے: السنن الکبریٰ ۵/۳۱۳، ترمذی مع التلخیص ۳۳۹، مجمع الزوائد ۹۸/۴)۔

حنفی نقطہ نظر:

یہ ہے کہ منقول اشیاء کو بغیر قبضہ کے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، البتہ غیر منقول، مثلاً زمین، گھر وغیرہ کو بغیر قبضہ کئے ہوئے بھی فروخت کر سکتے ہیں (دیکھئے: البحر الرائق ۱۱۶/۲ مختصر الطحاوی ۹۵۰، ارشاد النوری ۴/۵۷)۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ممانعت کی اصل علت غرر اور دھوکہ ہے، وہ اس طرح کہ ہلاک ہونے کی صورت میں عقد کے فسخ ہونے کا اندیشہ ہے، اور یہ غرر صرف منقولی اشیاء میں متوقع ہے، نہ کہ غیر منقولی میں، اس لئے کہ غیر منقولی شے میں ہلاک ہونے کا اندیشہ بہت کم ہے (دیکھئے: الفقہ الاسلامی ۱۰/۳۳۷، البحر الرائق ۱۱۶/۲، فتح القدیر ۵۱۳/۲) چنانچہ اگر عقار وغیرہ کے اندر بھی ہلاک ہونے کا خطرہ ہو تو وہاں بھی قبل القبض فروخت کرنا جائز نہ ہوگا، مثلاً وہ زمین یا گھر وغیرہ جو دریا وغیرہ کے کنارے پر واقع ہو اور اس کے دریا میں ضم ہو جانے کا خدشہ ہو (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح القدیر ۶/۵۱۳)۔

مالکی نقطہ نظر:

اس سلسلہ میں یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت صرف خوردنی اشیاء کے ساتھ خاص ہے، جبکہ ان کو کیل یا وزن کے ساتھ فروخت کیا جائے، اور خوردنی اشیاء کے علاوہ یا خوردنی اشیاء کو ”تھوک“ فروخت کیا جائے تو ان میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے، (دیکھئے: ہدایہ المجدد ۲/۱۳۴، المغنی ۳/۸۸، فقہ اسلامی واولیہ ۴/۴۷۴) ان لوگوں نے ان احادیث کو اپنا مستدل بنایا ہے، جن میں قبضہ سے پہلے طعام کی بیع کو منع کیا گیا ہے۔
حنبلۃ نقطہ نظر:

یہ ہے کہ خوردنی اشیاء جو کیل، وزن یا عدد سے فروخت کی جاتی ہیں، ان میں قبل القبض تصرف کرنا درست نہیں ہے، ان کے علاوہ تمام اشیاء قبل القبض فروخت کی جاسکتی ہیں، حتیٰ کہ اگر خوردنی اشیاء، جو مجازف، یعنی بلا کیل و وزن بیچی گئی ہوں، ان کو بھی قبل القبض فروخت کرنا درست ہے، چنانچہ ابن قدامہ نقل فرماتے ہیں:

”قال ابن عبد البر: الأصح عن أحمد بن حنبل أن الذي يمنع من بيعه قبل قبضه هو الطعام“ (المغنی ۳/۸۸)۔

ان کا استدلال حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، عبد اللہ بن عمرؓ، ابو ہریرہؓ اور بابرؓ کی روایات سے ہے، جن میں صراحت موجود ہے کہ ممانعت خوردنی اشیاء کے ساتھ مخصوص ہے، مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت یوں منقول ہے:

”من اشترى طعاماً بكيل أو وزن فلا يبيعه حتى يقبضه“ (مسند احمد)۔

۶۔ اگر کوئی شخص فیکٹری وغیرہ سے مال خرید کر اس پر قبضہ کئے بغیر دوسرے خریدار کے ہاتھوں اس شرط پر فروخت کر دیتا ہے کہ اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر عائد ہوگی اور نہ خریدار (۲) پر، بلکہ یہ میرا (خریدار (۱) کا) نقصان قرار پائے گا، ایسا معاملہ کرنا جائز نہ ہوگا، اس لئے کہ یہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں داخل ہے، یہاں تک عثمان

کے قبول کرنے کا تعلق ہے، تو یہ قبضہ کے پائے جانے کے لئے کافی نہیں۔
 ۷۔ بین الاقوامی تجارت میں شیپنگ کی جو صورت رائج ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ جہاز پر مال چڑھانے کے بعد اصل مالک کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے، جبکہ مال سمندر میں ہے، تیسرے شخص کے ہاتھوں فروخت کر دیتا ہے، اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا، بلکہ تیسرا شخص ضامن ہوتا ہے، یہ صورت بھی جائز نہیں ہے، اس لئے کہ یہ ”بیع قبل القبض“ کے قبیل سے ہے۔ واللہ اعلم

☆ ☆ ☆

خرید و فروخت میں قبضہ اور تخلیہ کا شرعی معیار

مفتی محمد ارجمند قادری

- ۱- شرع میں قبل القبض بیع فاسد ہے۔ ”یحتمل البطلان والفساد والظاهر الثاني لأن علة الفساد الغرر كما مر مع وجود ركني البيع“ (شامی ۲/ ۱۶۳)۔
- ۲- شریعت نے قبضہ کی حقیقت کو کسی خاص کیفیت کے ساتھ متعین نہیں کیا ہے، بائع کی جانب سے سپردگی تسلیط اور تخلیہ اور مشتری کا تسلط و استیلاء، قدرت و غلبہ جس طرح بھی ہو فقہاء نے اپنے اپنے زمانہ کے عرف و عادت کے مطابق اس کی مختلف صورتوں پر قبضہ کے احکام مرتب کئے ہیں، دارمیہ کے تالے کی چابی سپرد کرنے کو گھر کی سپردگی کے مترادف قرار دیا ہے ”دفع المفتاح في بيع الدار تسليم إذا تهيأ له بلا كلفة“ تخلیہ کو بھی بعض شرائط کے ساتھ قبضہ کے قائم مقام مانا ہے، ”البائع إذا خلى بين المبيع وبين المشتري بحيث يتمكن المشتري من قبضه بصير المشتري قابضاً للمبيع حتى لو هلك قبل أن يقبضه حقيقة يهلك عليه“ (خانية علی هامش الہندیۃ) (۲/ ۲۵۶)۔
- ۳- منقولات میں ظاہری تسلط کی زیادہ اہمیت ہے فقہاء نے ملاطعات میں کیل کو، موزونات میں وزن کو، معدودات میں عدد کو، قبضہ کا تتر بتلایا ہے، نیز عقد کے وقت مرغی میں موجود جانور کی تعین پر قبضہ کا حکم لگا کر اس میں توسع ظاہر فرمایا ہے۔ ”والصحيح أن البقرة

إن كانت بقر بهما بحيث يتمكن المشتري من قبضها لو أراد فهو قابض لها“
(فتاویٰ ہندیہ ۱۸۰۲)۔

۴۔ عقار پر ظاہری قبضہ سے پہلے مشتری کے بیع اور بیہ جیسے تصرفات کو صحیح قرار دینے اور اس کی طرف سے موهوب لہ، یا مشتری ثانی کے قبضے کو کافی سمجھے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اشیاء غیر منقولہ میں حکمی قبضہ یا اکتفا کیا جاسکتا ہے، ”صح بیع عقار، إلی قولہ: لحصول القبض بقبض الموهوب لہ“ (شامی ۱۶۲/۳)۔

عقار عائدین کی نظروں سے غائب اور دور ہونے کے باوجود تخلیہ اور اس تک پہنچنے کے لئے مناسب وقت گزر جائے کو بھی قبضہ تصور کیا گیا ہے۔ ”أنه بالتخلية يصح القبض وإن كان العقار بعيدا غالبا عنهما عند أبي حنيفة خلافا لهما... إلی قولہ: ”إنه متى مضى مدة يتمكن من الذهاب إليها والدخول فيها كان قابضا“ (رد المحتار ۴/۴۳)۔ اگرچہ یہ ظاہر الروایۃ نہیں، لیکن مذکورہ عبارت سے کم از کم یہ تو واضح ہوتا ہے کہ اشیاء منقولہ کے مقابلہ میں عقار پر قبضہ کی نوعیت میں وسعت اختیار کی گئی ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے نبی کی احادیث ”معلول بالعلۃ“ ہیں اور معقود علیہ ضائع ہو کر عقد فسخ ہو جانے کا غرر علت ہے۔ ”والغرر المنهی عنه غرر إنفساخ العقد والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز“ (بدایہ ۵۸/۳)۔

۵۔ مشتری کا قبل القبض عقار کو بیٹنا شیخین کے نزدیک استحسانا جائز ہے، اور امام محمد و زفر و شافعی کے نزدیک قیاسا ناجائز ہے، مانعین نے روایت نبی کے عموم سے استدلال کیا ہے، شیخین کے مستندات قرآن پاک میں بیع کے عمومی احکام ہیں اور قرآن کے عمومی حکم کی تخصیص خبر واحد سے ہمارے یہاں درست نہیں، باسلوب دیگر یوں بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ دلائل کو تاقض سے بچانے اور تطبیق کیلئے ہم نبی کی روایت کو منقول پر محمول کرتے، ہیں اور بیع اہل سے محل پر صادر ہو تو اس کا بیع ہونا اصل ہے، معقود علیہ کے ضائع ہونے سے عقد فسخ ہو جانے کی بناء پر غرر لاحق

ہو جانے کے خطرہ کی وجہ سے ممانعت عارضی تھی اور عقار کے ضائع ہونے کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔
لہذا اس کا حکم اصل پر برقرار رہے گا (خلاصہ بدائع الصنائع ۱/۵۸۱)۔

بالفاظ دیگر یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے، امام مالکؒ طعام کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی کو مخصوص مذکور تک ہی محدود رکھتے ہیں، حالانکہ خود راوی حدیث حضرت عبداللہ بن عباسؓ ”و احسب کل شیء مثله“ فرماتے ہیں اور حضرت امام اعظمؒ حدیث نبیؐ ”عن بیع الم یقبض“ سے استدلال فرماتے ہیں، حضرت غیاث ابن اسدؒ کو مکہ کا قاضی بنا کر روانہ کرتے وقت حضور ﷺ نے ان کو ہدایت فرمائی تھی کہ لوگوں کو قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے منع کر دیں۔

امام شافعیؒ اس ممانعت میں منقولات و عقار وغیرہ سب کو شامل فرماتے ہیں، امام اعظمؒ کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ نے بیع غرر سے منع فرمایا ہے اور قبل القبض منقول کی ملکیت میں غرر ہے، کیونکہ اس کے ضائع ہو جانے کی بناء پر بیع میں نقص ہو سکتا ہے اور مشتری کی ملکیت باطل ہو سکتی ہے، اس کے قبضہ سے یہ غرر منسکی ہو جائے گا، اب استحقاق کے ظہور سے صرف معنوی غرر کا اندیشہ باقی رہا جس سے احتراز ناممکن ہے، لیکن عقار قبل القبض کی ملکیت میں اس کے ضائع ہونے اور بیع فسخ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، صرف استحقاق کی حیثیت سے غرر متصور ہو سکتا ہے جس سے احتراز ممکن نہیں، نیز اجماع نے ثمن و صدقہ میں تصرف کے جواز کو عام حدیث میں سے خاص کر دیا ہے، تو اس قسم کے عام کو قیاس کے ذریعہ بھی مخصوص کرنے کی گنجائش ہے، لہذا قبل القبض حق شفعہ ثابت ہونے کی بناء پر قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی کو منقول پر محمول کیا جاسکتا ہے (خلاصہ مسودہ نمبر ۸-۹-۱۰-۱۳)۔

۶، ۷- فیکلری سے خرید ہوا مال ہو، یا شپنگ کا جہاز پر چڑھایا ہوا مال جو راستے میں ہو مشتری اول قبضہ سے پہلے اس کو فروخت کر دے تو ”بیع الکالی بالکالی“ میں شامل ہونے کی بناء پر اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز معلوم ہوتی ہے۔

شریعت میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا حکم

مولانا مفتوح الرحمن شاہین بنیالی رحمہ اللہ

شریعت اسلامی میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے، حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے:

”اما الذی نہی عنہ النبی ﷺ فهو الطعام ان یباع حتی یقبض قال: ابن عباسؓ ”ولا أحسب کل شیء إلا مثله“ (صحیح بخاری: ۲۸۶۱)۔

وہ چیز جس سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ ایسی کھانے کی چیزیں ہیں جنہیں قبضہ سے پہلے بیچا جائے۔ تا آنکہ ان پر قبضہ ہو۔ ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے:

”ان النبی ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یستوفیہ، زاد اسماعیل من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یقبضہ“ (بخاری: ۲۸۶۱)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کھانے کی اشیاء بیچنا چاہے تو اسے اس وقت تک نہ بیچے جب تک پوری طرح قبضہ میں نہ لے لے، اسماعیل نے اپنی روایت میں ”حتی یستوفیہ“ کی جگہ ”حتی یقبضہ“ کا اضافہ کیا ہے۔ علامہ عینی نے فرمایا ہے:

”والقبض والا ستیفاء سواء والذی یستفاد من الحدیث أنه ﷺ نہی

عن بيع الطعام إلا بعد القبض۔

اور قبضہ اور استیفاء دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور جو کچھ حدیث سے مستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بیع طعام سے منع فرمایا ہے، مگر یہ کہ قبضہ کے بعد ہو (تو درست ہے) (عمدة القاری: ۵/۸۷۲)۔

ترمذی کی روایت میں مزید وضاحت ہے:

”عن حکیم بن حزام قال سألت رسول الله ﷺ فقلت یا تینی الرجل فیسأ لنی من البیع ما لیس عندی۔ ابتاع له من السوق ثم أبعده۔ قال: لا بیع ما لیس عندک“ (ترمذی ۱۳۸۱)۔

(حکیم بن حزام کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ایک شخص ایسی چیز کے بیع کا مجھ سے سوال کرتا ہے جو میرے پاس موجود نہیں ہوتی۔ میں اس کے لئے بازار سے خرید کر لاتا ہوں پھر اسے فروخت کرتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز تمہارے پاس موجود نہ ہو اسے مت فروخت کرو)۔

قبل القبض کا حکم:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت فقہی نقطہ نظر سے بیع فاسد میں داخل ہے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

”وقيد بالقبض؛ لأن العقد في ذاته صحيح غير أنه لا يجب على المشتري دفع الثمن لعدم القبض“ (شامی ۴/۲۳)۔

قبضہ کی قید اس لئے لگائی ہے کہ معاملہ بیع ذاتی اعتبار سے صحیح ہے، البتہ قبضہ نہ ہونے کے سبب خریدار پر ثمن کی ادائیگی واجب نہیں۔ ابن نجیم حنفی فرماتے ہیں:

”و- حکم الفاسد مالا يفيد به بمجرد، بل بالقبض۔“

(بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ محض معاملہ بیع سے ملک کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ قبضہ سے ملک حاصل ہوتی ہے) (البحر الرائق ۶/۶۹)۔

فہم کی حقیقت:

قرآن وحدیث میں قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی گئی ہے، البتہ اشارۃً البص
سے وفاقاً ظاہر ہوتا ہے جو فقہاء کی عبارتوں سے واضح ہوتا ہے اور وہ یہ کہ کچھ خاص قسم کے عمل دخل کو
بوزنوں کے عرف و عادت کے مطابق قبضہ تصور کیا جاتا ہے۔ قبضہ مانا جائے گا۔ علامہ شامی نے
قبضہ کی دو قسمیں قرار دی ہیں:

- (۱) قبضہ حقیقی: جو شے مقبوض پر قابض کے عملی تصرف کو ظاہر کرتا ہو۔
- (۲) قبضہ حکمی: جو قابض کو صرف اس درجہ میں حاصل ہو کہ وہ قبضہ کر سکنے کی پوزیشن میں ہو
یا اس کو عرف میں قبضہ مانا جاتا ہو۔

”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا

حائل“ (ردنقار ۳/۲۶۳)۔

پھر سپردگی خریدار اور سامان کے درمیان ایسی تنہائی پیدا کر دینے سے ہوتی ہے جس
میں سامان پر قبضہ کرنے کی صورت ممکن ہو اور کوئی روکاؤ یا آڑ نہ ہو، یعنی بیع خریدار کے سامنے
ہو اور بائع اس کو اپنی ملک سے اس طرح علیحدہ کر دے کہ حق غیر کے ساتھ مشغول نہ ہو۔
علامہ شامی لکھتے ہیں:

”و حاصله أن التخلية قبض حکماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن

ذالك يختلف بحسب حال المبيع“ (شامی ۴/۴۳)۔

خلاصہ یہ کہ تخلیہ قبضہ حکمی ہے، بشرطیکہ بلا مشقت سامان پر قدرت حاصل ہو، لیکن بیع
کے حسب حال یہ مختلف ہوا کرتا ہے۔ چنانچہ گھر میں گیسوں ہو تو اس کا قبضہ یہ ہے کہ بائع کمرے
کی کنجی خریدار کو دے دے۔ اور خریدار بلا مشقت اس کو کھول سکے۔ اور گھر پر قبضہ یہ ہے کہ خریدار
اس کا تالا لگا سکتا ہو، جبکہ وہ گھر شہر میں ہو۔ اور چراگاہ میں قبضہ گائے کا یہ ہے کہ اس کو دیکھا جاسکے
اور اس کی طرف اشارہ ہو سکے اور کپڑے میں قبضہ یہ ہے کہ مشتری ادھر ہاتھ پھیلائے تو کپڑے
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

تک پہنچ جائے اور گھوڑے یا پرندے پر جو کسی گھر میں ہوں قبضہ یہ ہے کہ اس مکان سے بلا کسی مددگار کے خریدار کا ان کو پکڑ لینا ممکن ہو۔
اشیائے منقولہ وغیرہ منقولہ کا حکم:

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اشیائے منقولہ وغیرہ منقولہ میں باعتبار حکم فرق ہے۔ اشیائے غیر منقولہ میں ان حضرات کے یہاں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں:

”ولكن أبو حنيفة قال: لا بأس ببيع الدور والأرضين قبل القبض؛ لأنها لا تنتقل ولا تحول“ (عمدة القاری ۵: ۹۷۷)۔

لیکن امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ گھر اور زمین کو قبل القبض بیچنے میں کوئی حرج نہیں۔
علامہ ابن نجیم نے امام ابو یوسف کو اس مسئلہ میں امام صاحب کے ساتھ بتایا ہے۔
”صح بيع العقار قبل قبضته أي عند أبي حنيفة وأبي يوسف“ (المحرر اراق)

۔ (۱۱۶/۶)

زمین کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت صحیح ہے، امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک، البتہ امام مالک اور ابن المنذر کے نزدیک طعام کی قسم کی جملہ اشیاء میں جواز قسم مکمل و موزون ہوں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے، مگر طعام کے علاوہ چیزوں میں جائز ہے۔
لیکن امام مالک اور امام احمد کی ایک روایت اور امام شافعی کے قول جہید کے مطابق ہر چیز میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے، یہی مذہب حضرت ابن عباس، عطاء بن ابی رباح اور ثوری، ابن عیینہ، ابو یوسف و محمد سے منقول ہے (عمدة القاری ۵: ۹۷۷)۔

علتِ نہی:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعللہ ہیں اور علتِ نہی

غیر ہے۔

ابن نجیم لکھتے ہیں:

”لا بیع المنقول اى لا یصح لنهیہ ﷺ عن بیع مالہ یقبض ولأن فیہ غرر انفساخ العقد علی اعتبار الهلاک“ (المحرر الرائق: ۱۱۶/۶)۔

(منقول شے کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے قبل القبض بیع کو منع فرمادینے کی وجہ سے اور اس لئے بھی کہ اس میں غیر متبوض سامان کی ہلاکت کے اعتبار سے عقد بیع ٹوٹ جانے کا غرر (خطرہ) ہے)۔

ممانعت عام ہے یا خاص:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عام نہیں ہے بلکہ اس سے کچھ چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ ائمہ اربعہ اور فقہاء کے مسالک کی تفصیل پیچھے بیان کی جا چکی ہے۔ بہرہ، صدق، قرضہ، غلام اور باندی کا نکاح اور وصیت وغیرہ امور قبل القبض درست ہیں (المحرر الرائق: ۱۱۷/۶)۔

ایک مخصوص صورت مسئلہ:

ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا ہے۔ بلکہ براہ راست فیکٹری سے مال خرید کر خریدار نمبر ۲۔ کو روانہ کر دیتا ہے اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر ۲۔ کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ضائع ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری فیکٹری پر آتی ہے نہ خریدار نمبر ۲ پر بلکہ یہ اسی شخص (خریدار نمبر ۱) کا نقصان قرار پاتا ہے۔ اس صورت معاملہ میں اگرچہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر حسی قبضہ نہیں ہوا۔ لیکن وہ مال خریدار نمبر ۲۔ تک پہنچنے سے پہلے اس کے ضمان میں رہا، اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس نے ”ربح مالہ یضمن“ (اس چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) حاصل کیا، بلکہ اس نے مال مضمون پر نفع حاصل کیا ہے۔

تو اس صورت معاملہ کا شرعی حکم یہ ہے کہ چونکہ خریدار اول نے اگرچہ فیکٹری کے مال پر

حسی قبضہ نہیں کیا ہے، لیکن چونکہ فیکٹری کے مالک، یا اس کے وکیل نے وہ مال اپنی ملک سے بحق مشتری فارغ کر دیا اور خریدار اول کے لئے بلا مشقت اس پر قبضہ کر لینا ممکن ہے، بنا بریں اس پر قبضہ حکمی متحقق ہے۔ اور اس بنیاد پر خریدار اول کو یہ سامان خریدار نمبر ۲ سے بیچنا جائز ہے۔

فیکٹری کے مال کا خریدار اول کے ضمان میں رہنا بھی قبضہ حکمی کے معنی میں ہے، اس لئے اس کی بیع صحیح ہے۔

ایک فقہی جزیئہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

”ومن القبض مالو أودعه المشتري عند أجنبي أو أعاره وأمر البائع بالتسليم إليه“ (ثانی ۴/۴۲)۔

(اور یہ بھی قبضہ کی صورت ہے کہ خریدار نے مال کو کسی اجنبی کے پاس امانت رکھنے یا اس کو ادھار دینے کو کہا اور بائع کو حکم دیا کہ یہ بیچ اس کے حوالے کر دے)۔

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا صورت میں جب خریدار اول فیکٹری سے خریدار نمبر ۲ کو مال روانہ کر دیتا ہے تو گویا وہ بائع کو اپنی طرف سے خریدار نمبر ۲ کو سپرد کرنے کا پابند کر رہا ہے، اس صورت میں خریدار اول بیچ پر حکماً قابض ہو جاتا ہے۔ مال کا خود روانہ کرنا یا فیکٹری کے ذرائع سے روانہ کرنا اس کی دلیل ہے۔

اور ایسی شکل میں اس کا کسی دوسرے خریدار سے مال بیچنا اور اس پر نفع کمانا جائز ہے۔ مال کا اس کی ضمان میں ہونا قبضہ حکمی کے درجہ میں ہے۔

شیپنگ کا حکم:

وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت میں شیپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جبکہ مال سمندر میں ہو تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کر دیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا، بلکہ

تیسرا خریدار ضمانت ہوتا ہے۔

اس کا حکم شرعی یہ ہے کہ شپنگ مشتری کے لئے اس شیشی یا بوری کی طرح ہے جسے بائع کے حوالے کر کے مشتری نے یہ کہہ دیا ہو کہ اس میں تیل، یا غلہ وزن کر کے بھر دے۔

اب خواہ تیل وزن کرتے وقت یا غلہ بھرنے کے وقت مشتری وہاں موجود ہو یا نہ ہو، ہر دو صورت میں یہ بیع و شراء درست ہے، کیونکہ تیل یا غلہ کے لئے مشتری کا اپنی شیشی یا بوری پیش کر دینا ہی اس کے قبضہ کے قائم مقام ہے۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

”ومنہ مالو اشتری دھنا ودفع قارورة یزنہ فیہا فوزنہ فیہا بحضرة المشتري فهو قبض و کذا بغیثہ فی الاصح“ (شامی ۴/۴۲۲)۔

(اور قبضہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مشتری نے تیل خرید کر شیشی بائع کے سپرد کر دی کہ اس میں تیل وزن کر دے۔ پس اس نے اس میں مشتری کی موجودگی میں تیل وزن کر دیا تو یہ قبضہ مانا جائے گا، اور یہ حکم صحیح قول کے مطابق اس کی غیر موجودگی میں بھی ہے)۔

یہاں مشتری اول نے بائع کو شپ کے ذریعہ مال بھیجنے کا آرڈر دے کر صورت حال اسی قسم کی بنا دی ہے جس میں کوئی خریدار اپنی خرید کردہ چیز کو قبضہ میں لینے کے لئے بوری یا شیشی پیش کر دیتا ہے، اگرچہ شپ بوری یا شیشی کی طرح اس کی ملک نہیں ہے، لیکن اگر مشتری کسی دوسرے سے لے کر بائع کو بیع بوری میں بھر دینے کا حکم دے دے تب بھی قبضہ حکمی معتبر مانا جائے گا، اسی طرح جب شپ کو مشتری نے اپنی خرید کردہ اشیاء کی منتقلی کا ذریعہ بنایا اور بائع کو ایسا کرنے کو کہا تو یہ قبضہ حکمی کے معنی میں ہو گیا، لہذا بائع اول اور مشتری اول کے حق میں اس بیع و شراء کو جائز قرار دیا جانا چاہئے۔

البتہ بائع ثانی اور مشتری ثانی کے حق میں بیع و شراء کو درست قرار دینا مشکل ہے، کیونکہ مال جب تک سمندر میں ہے بائع ثانی کے لئے غیر مقدور تسلیم اور مشتری ثانی کے حق میں غیر معتبر ہے۔ اسی بیع و شراء کے فعل جانے والے ہو۔ جو مسلمان طلب اسلامی میں ممنوع ہے۔ لہذا مال

ضائع ہو جانے کی شکل میں مشتری ثانی یعنی دوسرے نمبر کے خریدار پر ثمن کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی۔

”لا یجب علی مشتری دفع الثمن لعدم القبض“ (شامی ۴/۴۲)۔

مشتری پر ثمن کی ادائیگی لازم نہیں۔ قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے۔

خلاصہ بحث:

- ۱- بیع قبل القبض احادیث نبویہ اور تصریحات فقہیہ کے مطابق ناجائز ہے۔
- ۲- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ممنوع بیع کی فاسد قسم میں داخل ہے۔
- ۳- اشیاء غیر منقولہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے۔ امام مالکؒ کے مسلک میں کھانے کی قسم کے علاوہ اشیاء میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے۔ باقی ائمہ کے نزدیک ناجائز ہے۔
- ۴- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں اور علت نہیں غرر انفساخ العقد ہے۔
- ۵- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عام نہیں ہے، بلکہ بعض چیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسے امام اعظمؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اشیاء غیر منقولہ۔ اور ہبہ، صدقہ، قرضہ، وصیت، اور غلام و باندی کا نکاح۔
- ۶- فیکٹری سے مال خرید کر روانہ کر دینا خریدار اول کے ضمان میں داخل ہے جو قبضہ حکمی کی طرح ہے۔ اس پر خریدار اول کا کسی دوسرے شخص کے ہاتھ مال بیچ دینا اور اس پر نفع حاصل کرنا جائز ہے۔
- ۷- شپنگ کی رائج الوقت صورت معاملہ میں خریدار اول اور بائع کے درمیان کا معاملہ بیع و شرائء درست ہے۔ البتہ خریدار اول کا دوسرے خریدار کو مال بیچنا، جب کہ مال سمندر میں ہو غیر مقدور تسلیم اور مقبوض ہونے کی بنا پر جائز نہیں ہے۔ اگر یہ معاملہ کر لیا گیا تو خریدار ثانی پر ثمن کی ادائیگی لازم نہیں۔

☆ مفتی محمد ثناء الہدی قاسمی

قبضہ کی حقیقت:

قبضہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع بیع کو اس طرح الگ کر کے رکھ دے اور موانع کو اٹھا دے کہ مشتری جب چاہے اس میں تصرف کر سکے۔ ”بدائع“ میں ہے: ”فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين المشتري من التصرف فيه، فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً له“ (بدائع ۲۴۴/۵) تخیلہ اور تمام موانع کے ارتقاع کے باوجود اگر مشتری بیع نہیں لے گیا تو بھی اسی کا قبضہ سمجھا جائے گا، کیونکہ قبضہ کے لئے حسی طور پر ہاتھ میں لینا اور بائع کے یہاں سے اسے منتقل کر لینا لازم نہیں ہے، بدائع میں ہے:

”ثم لا خلاف بين أصحابنا أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال“ (بدائع ٥/٢٣٣)۔

اسی طرح ہر چیز میں قبضہ کے لئے جو تخیلی اور ارتقاع موانع مطلوب ہے، اس کا مدار شریعت نے عرف و عادت پر چھوڑ دیا ہے، چنانچہ جس درجہ کا استیلاء، اور عمل دخل لوگوں کے عرف و عادت میں قبضہ مانا جاتا ہے، اسی درجہ کا استیلاء، اور عمل دخل ضروری ہوگا، بدائع میں ہے:

”ولا يشترط القبض بالبراجم؛ لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي

وارتفاع الموانع عرفا و عادة حقيقة“ (بدائع ۱۳۸/۵)۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں ائمہ کے مذاہب:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلے میں ائمہ کی آرا مختلف ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک غیر منقولہ اشیاء کے علاوہ تمام چیزوں میں تصرف کیلئے قبضہ شرط ہے، امام مالکؒ کے یہاں طعام ربوی کے علاوہ میں قبضہ شرط نہیں ہے، جب کہ امام شافعیؒ تمام منجنج میں قبضہ کو ضروری قرار دیتے ہیں، یہی رائے صاحبین، عبد اللہ ابن عباس اور ثوری کی ہے، ایک رائے ابو عبید اور اسحاقؒ کی بھی ہے کہ جو اشیاء کیلی اور وزنی نہیں ہیں، ان کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت درست ہے، ابن حبیب عبد العزیز بن ابوسلمہ اور ربیعہ، کیلی اور وزنی کے ساتھ عددی کا بھی اضافہ کرتے ہیں، امام احمدؒ، ابو ثورؒ اور امام مالکؒ کی مشہور روایت یہ ہے کہ طعام ربوی ہوں، یا غیر ربوی، دونوں میں قبضہ شرط ہے، ابن رشد نے لکھا ہے:

”وأما بيع ما سوى الطعام قبل القبض فلا خلاف في مذهب مالك في إجازته، وأما الطعام الربوي فلا خلاف في مذهبه أن القبض شرط في بيعه، وأما غير الربوي من الطعام فعنه في ذلك روايتان: إحداهما: لامنع، وهي الأشهر، وبه قال أحمد وأبو ثور، إلا أنهما اشترطا مع الطعم الكيل والوزن، والرواية الأخرى الجواز، وأما أبو حنيفة فالقبض عنده شرط في كل مبيع ما عد المبيعات التي لا تنتقل ولا تحول من الدور والعقار، وأما الشافعي فإن القبض عنده شرط في كل مبيع، وبه قال الثوري، وهو مروي عن جابر بن عبد الله وابن عباس وقال أبو عبید وإسحاق: كل شيء لا يكال ولا يوزن فلا بأس ببيعه قبل قبضه واشترط هؤلاء القبض في المكيل والموزون، وبه قال ابن حبيب وعبد العزيز بن أبي سلمة وربيعه، وزاد هؤلاء مع الكيل والوزن والمعدود“ (بدائع المجتهد ۱۰۸/۲)۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا حکم:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت شرعاً ممنوع ہے، اور یہ ممانعت معلول بعلت ہے، علامہ کاسانی نے لکھا ہے:

”لأنه بيع فيه غرر الإنفساخ بهلاك المعقود عليه“ (بدائع ۵/۱۸۰)، اور جو بیع غرر کی وجہ سے ممنوع ہو، وہ بیع فاسد ہوتی ہے باطل نہیں، موطا امام محمد میں ہے: ”قال محمد: وبهذا كله نأخذ بيع الغرر كله فاسد وهو قول أبي حنيفة والعمامة“ (موطا امام محمد: باب بیع الغرر)۔

غیر منقولہ اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت:

ممانعت کے معلول بعلت ہونے کی وجہ سے ہی غیر منقولہ اشیاء میں قبضہ سے پہلے تصرف درست ہے، کیونکہ اس میں معقود علیہ کی ہلاکت کا خطرہ نہیں ہوتا۔ ”الفقہ علی المذاهب الأربعة“ میں ہے:

”وأما بيع الأعيان غير المنقولة قبل قبضها كبيع الأرض والضياح والنخيل والدور، ونحو ذلك من الأشياء الثابتة التي لا يخشى هلاكها، فإنه يصح“ (الفقہ علی المذاهب الأربعة ۲/۲۳۴)۔

البتہ جابر بن عبد اللہ، ابن عباسؓ، امام محمدؒ، امام زفر اور امام شافعیؒ ممانعت کو معلول بعلت نہیں قرار دیتے، اس لئے ان کے نزدیک اشیاء منقول ہوں، یا غیر منقول، قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عام ہے اور سب کو شامل ہے، لہذا ان حضرات کے نزدیک غیر منقولہ اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت درست نہیں ہوگی۔

ضمان - قبضہ کی ایک شکل:

قبضہ کی ایک شکل ضمان بھی ہے، اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے مال فیکٹری سے خرید کر دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور فیکٹری نے خریدار اول کے کہنے پر اس پر قبضہ کئے

بغیر خریدار نمبر دو کے پاس روانہ کر دیا، اور خریدار اول نے یہ ذمہ داری لی کہ اگر مال درمیان میں ہلاک ہو جائے اور خریدار نمبر دو تک نہ پہنچے تو وہ اس کا ضامن ہے، اس صورت میں جو نقصان ہوا وہ مشتری اول کا ہوگا، تو منقولہ اشیاء ہونے کے باوجود اس طرح کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت درست ہوگی، اور ضمان قبضہ حسی کے قائم مقام ہوگا۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ جن حضرات نے کیلی اور روزنی چیزوں میں قبضہ کو ضروری قرار دیا ہے، انکے یہاں کیل و وزن کرنے سے ہی بیع مشتری کے ضمان میں چلی جاتی ہے، ہدایۃ المجتہد میں ہے:

”وأما من اعتبر الكيل والوزن ، فلا تفاقهم أن المكيل والموزون لا يخرج من ضمان البائع إلى ضمان المشتري إلا بالكيل أو الوزن“ (ہدایۃ المجتہد ۲/۱۰۹)۔

لہذا جس وقت بائع نے مشتری کے لئے اس کو الگ کیا، بیع مشتری کے ضمان میں چلی گئی اور اس نے جو فروختگی کا معاملہ کیا، وہ رسک لے کے کیا، اس لئے اسے ”بیع مالم یضمن“ قرار نہیں دیا جاسکتا، رہ گیا فیکٹری کا ڈائرکٹ مشتری ثانی کو مال روانہ کرنا تو یہ مشتری اول کے وکیل کی حیثیت سے ہے، جو شرعاً درست ہے۔

اس کے برعکس جب مال جہاز پر چڑھا دیا گیا، اور مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ہلاکت کا ذمہ بائع نے نہیں لیا، نیز مشتری نے بھی کوئی ذمہ داری نہیں لی، بلکہ مشتری ثانی کے سرسار رسک ڈال دیا، ایسے میں مشتری اول کا قبضہ سے پہلے فروخت کرنا درست نہیں ہوگا۔ بلکہ ”بیع مالم یضمن“ کی ممانعت کی وجہ سے ایسی بیع ممنوع اور فاسد ہوگی۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور ائمہ کا موقف

مفتی احمد دیوبندی ☆

۱۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف:

حنفیہ: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اشیاء منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں اور غیر منقولہ جائیداد وغیرہ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے۔

شافعیہ: استقرا (قبضہ) سے پہلے بیع درست نہیں، خواہ اشیاء منقولہ ہوں یا غیر منقولہ، امام محمد کا بھی یہی مسلک ہے۔

مالکیہ: صرف طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں، اس کے علاوہ میں جائز ہے۔

حنابلہ: ملکیتی و موزونی اور معدودی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہیں، اس کے علاوہ میں جائز ہے۔ مولانا ظفر احمد تھانویؒ شرح مہذب کے حوالے سے اختلاف ائمہ ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”قد ذکرنا أن مذهبنا بطلانه مطلقا سواء كان طعاما أو غيره وبه قال

ابن عباس، وثبت ذلك عنه ومحمد بن الحسن۔

قال ابن المنذر: أجمع العلماء على أن من اشترى طعاما فليس له بيعه

حتى أن يقبضه قال: اختلفوا في غير الطعام على أربعة مذاهب:

أحدها: لا يجوز بيع شئ قبل قبضه سواء جميع المبيعات كما في

بانی ومنتہم جامع علوم القرآن، جمہور، بھروج، گجرات۔

۱۸

الطعام قاله الشافعی و محمد بن الحسن۔

والثانی: يجوز بيع كل مبيع قبل قبضه إلا المكيل والموزون قاله عثمان بن عفان وسعيد بن المسيب والحسن والحكم وحماد والأوزاعي وأحمد وإسحاق۔

والثالث: لا يجوز بيع مبيع قبل قبضه إلا الدور والأرض قاله أبو حنيفة وأبو يوسف۔

والرابع: يجوز بيع كل مبيع قبل قبضه إلا المأكول والمشروب قاله مالك وأبو ثور“ (اعلاء السنن ۱۳/۲۲۷، الفقه علی مذاہب الأربوہ ۲/۲۳۳)۔

شوافع کے نزدیک یہ بیع باطل ہے جیسے کہ امام نوویؒ کی عبارت ”قد ذکرنا أن مذهبنا بطلانه مطلقاً“ کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ ”الفقه علی المذاہب الأربعة“ میں بھی باطل کا ہی لفظ ہے: ”فإذا اشترى شيئاً منقولاً كان أو غيره ولم يسلمه، ثم باعه وقع البيع باطلاً“ (۲/۲۳۳)۔

حنفیہ نے اسے بیع فاسد میں سے شمار کیا ہے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت:

فقہائے حنفیہ کے نزدیک قبضہ کا مفہوم وسیع ہے۔ عندنا احناف قبضہ کا حاصل صرف تخلیک ہے، اور تخلیک کا حاصل ہے کہ بائع اور مشتری کے درمیان باعتبار حقیقت یا باعتبار عرف و عادت کے ایسا کوئی مانع اور حائل نہ ہو جو عرفی قبضہ اور تصرف کرنے سے مانع ہو، بلکہ بیع اس حال میں ہو کہ مشتری اگر اس میں تصرف کرنا چاہے تو آزادی کے ساتھ تصرف کر سکے گو بیع ابھی بائع کے پاس موجود ہو۔

”وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهوان يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما

علی وجہ يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً“ (بدائع ۵/۲۴۳)۔

دوسری جگہ ہے: ”لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة حقيقة“ (بدائع ۵/۱۳۸)۔

”ولهذا كانت التولية تسليماً وقبضاً فيما لا مثل له“ (بدائع ۵/۲۴۳)۔

ایک شئی کے بائع کے پاس ہونے کے باوجود مشتری کا قبضہ شمار کیا جاتا ہے، جبکہ معاملہ ہو چکا ہو۔ بدائع میں ایک مسئلہ ہے: ”ولو اشترى من إنسان كراً بعينه و دفع غرائره وأمره بأن يوكل فيها ففعل فصار قابضاً سواء كان المشتري حاضراً أو غائباً لأن المعقود عليه معين وقد ملكه المشتري بنفس العقد فصح أمر المشتري لأنه يتناول عيناً هو ملكه فصح أمره وصار البائع وكيلاً له وصارت يده يد المشتري وكذلك الطحن إذا طحنه البائع بأمر المشتري صار قابضاً“ (بدائع ۵/۲۴۷)۔

”بحر الرائق“ میں ہے: ”وذكر في الذخيرة إذا اشترى ما هو أمانة في يده من ودعة أو عارية فإنه لا يكون قابضاً إلا إذا ذهب المودع أو المستعير إلى العين وانتهى إلى مكان يتمكن من قبضها فيصير الآن قابضاً بالتولية“ (بحر الرائق ۲: ۸۷، المختار ۳/۱۱۲)۔

شوافع کے یہاں قبضہ کی تفسیر بیع کو منتقل کر کے اپنے مقام تک پہنچانے کی ہے۔

”وقال الشافعي: القبض في الدار والعقار والشجر بالتولية، وأما في الدراهم والدينار فتناولها بالبراجم وفي الثياب بالنقل“ (بدائع ۵/۱۳۸)۔

مولانا ظفر احمد تھانوی فرماتے ہیں: ”قال الموفق في ”المغنى“: وقبض كل شئ بحسبه فإن كان مكيلاً أو موزوناً قبضه بكيلاه ووزنه وبهذا قال الشافعي،

وقال أبو حنيفة: التخلية في ذلك قبض وقد روى أبو الخطاب عن أحمد رواية أخرى إن القبض في كل شئ بالتخلية مع التمييز: لأنه خلى بينه وبين المبيع من غير حائل فكان قبضاً له“ (اعلاء ۱۳/۱۵۳)۔

۳۔ منقول اور غیر منقول اشیاء میں فرق:

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض جائز نہیں، البتہ غیر منقولی اشیاء کی بیع جائز ہے۔ امام محمدؒ کے نزدیک دونوں کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، شیخین کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جائداد وغیرہ میں ہلاکت شاذ و نادر ہوتی ہے، اس کے برخلاف منقولی اشیاء میں ہلاکت کا خطرہ زیادہ ہوتا ہے۔

”ہدایہ“ میں ہے: ”ولا غرر فيه؛ لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنهى عنه غرر انفساخ العقد“۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر منقول اشیاء میں قبل القبض جواز کی علت ہلاکت کے خطرہ کا کم ہونا اور عقد کو فسخ کرنے والے عذر کا نہ ہونا ہے۔

ما قبل میں قبضہ کی حقیقت بیان کرتے ہوئے واضح کیا گیا کہ عند الاحناف قبضہ کی تعریف میں بہت وسعت ہے، لہذا بظاہر دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، البتہ منقول اشیاء کے قبضہ میں ہلاکت کا خطرہ اور فسخ کی شکل کا امکان ہے، لہذا ان میں اس پہلو کا لحاظ کرتے ہوئے قبضہ کی تعیین کی جائے گی، جبکہ غیر منقولی اشیاء میں وسعت کا پہلو زیادہ ہوگا۔ ان اسباب مذکورہ کے نہ ہونے کی وجہ سے علامہ ابن ہمامؒ غیر منقولی اشیاء کو بھی منقولی کی طرح (ہلاکت کے خطرہ کی شکل میں) قبل القبض فروخت کرنے سے منع فرمایا۔ ”وهذا؛ لأنه لا يتصور هلاكه إلا إذا صار بحراً ونحوه حتى قال بعض المشائخ: إن جواب أبي حنيفة في موضع لا يخشى عليه أن يصير بحراً لو يغلب عليه الرمال، فأما في موضع لا يؤمن عليه ذلك فلا يجوز كما في المنقول ذكره المحبوبي، وفي الاختيار: حتى لو كان

على شط البحر أو كان المبيع علوًّا لا يجوز بيعه قبل القبض۔

لہذا منقول اور غیر منقول اشیاء میں تنوع اور کیفیات کے بدلنے سے حکم میں تبدیلی آ سکتی ہے، اگرچہ عام حالات میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

۴- احادیث کا معلول بالعلۃ ہونا:

صاحب ”ہدایہ“ نے بیع العقار میں شیخین کے دلائل ذکر کرتے ہوئے امام محمد کے جواب میں فرمایا کہ حدیث ”معلول بالعلۃ“ ہے۔ ”والحدیث معلول بہ عملاً بدلائل الجواز“۔

علامہ ابن ہمامؒ نے اسکی علت میں فرمایا: ”(معلول بہ) ای بغرر الانفساخ والدلیل علیہ أن التصرف الذی لا یمتنع بالغرر نافذ فی المبیع قبل القبض وهو العتق والتزوج علیہ“ (فتح القدیر ۶/۵۱۳)۔

صاحب ”عنایہ“ نے وضاحت کے ساتھ علت (غرر) کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب زمین وغیرہ میں ہلاکت نادر ہے تو عقد کے فسخ ہونے کا غرر جس سے روکا گیا وہ منقہ ہو جائیگا، اور حدیث شریف معلول بانفساخ ہے لہذا جائداد اس میں داخل ہوگی اور اسکی بیع قبل القبض جائز ہوگی، کتاب وسنت واجماع کی دلیل جواز پر عمل کرتے ہوئے آگے فرماتے ہیں: ”وإذا كان الحديث معلولاً بغير الانفساخ لا يحتمل تناول مایس فیہ ذلك“ (عنایہ الخ ۶/۵۱۳)۔

۵- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت:

اس سلسلہ میں احادیث مبارکہ کے الفاظ مختلف ہیں، اور فقہاء کرام نے اس میں تخصیص کر کے بہت سی اشیاء کو حکم سے خارج کیا ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں نقل مذاہب کے سلسلہ میں نذر چکا۔

امام مالکؒ صرف غنہ میں ناجائز اور بقیہ تمام چیزوں میں جائز قرار دیتے ہیں: ”کل

ما اشتریت من العروض کلها الحيوان والعقار والشیاب و غیر ذلک ما خلا المبیع من الطعام علی الکیل، فلا بأس عند مالک أن تبیع ذلک کله قبل أن تقبضه۔

مگر اس میں عجلت کرنی چاہئے تاخیر نہ کرے۔ ”إذا تعجلت ذلک ولم تؤخره“ (کتاب الکافی ۲/۲۴۲)۔

امام مالک کی دلیل حضرت ابن عمر کی وہ حدیث ہے جو اپنی کتاب ”موطا“ میں بیان کی ہے: آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کوئی اناج خریدا تو وہ اسے فروخت نہ کرے جب تک وہ اس پر پوری طرح قابض نہ ہو جائے۔ ”عن عبد اللہ بن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال: من ابتاع طعاماً، فلا یبعه حتی یستوفیه“ (موطا امام مالک کتاب البیوع ۲/۲۶۳)۔

”عن حکیم بن حزام قال قلت یا رسول اللہ انی رجل مبتاع هذه البیوع وأبیعها فما یحل لی منها وما یحرم؟ قال: لا تبیعن شیئاً حتی تقبضه“ (القدیر ۲/۵۱۱، اعلام السنن ۱۳/۲۲۳)۔

اس میں تمام چیزوں کی بیع قبل القبض ناجائز و حرام فرمایا، نیز حضرت ابن عباس کا اجتہادی قول بھی یہی ہے کہ غیر طعام کو بھی طعام کی طرح قبل القبض بیچنا جائز نہیں ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں: ”قلنا: قد رواه ابن عباس ایضاً قال: وأحسب کل شیء مثل الطعام أخرجه عنه أئمة الكتب الستة“ (فتح القدیر ۶/۵۱۱)۔ امام اعظم اور امام ابو یوسف منقولی اشیاء کو بھی عن بیع الم القبض کی وجہ سے ناجائز فرماتے ہیں اور غیر منقولی کو علت عدم غرر کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں۔

امام صاحب کی دلیل حضرت عثمان بن عفان کی روایت ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے اپنی کوفہ کی زمین بغیر دیکھے فروخت کی، یہ دلیل ہے کہ آپ نے قبل القبض بیچ کر کیونکہ بے دروایت کو مستلزم ہے۔

مولانا ظفر احمد صاحب اعتراض نقل کرتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عثمانؓ نے وکیل کے واسطے سے قبضہ کیا ہو؟ تو ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ وکیل کی روایت بھی مؤکل کی ہی روایت ہے اور جبکہ روایت میں خود اس احتمال کو دور کرنے والا لفظ ہے، حضرت عثمانؓ نے فرمایا: ”بعثک ما لم أرہ فبطل احتمال رویتہ بواسطۃ الوکیل وقبضہ بقبضہ“۔ حضرت عثمانؓ کی روایت امام نووی ”شرح مہذب“ میں ”مسلم شریف“ کے حوالے سے نقل کر کے اس میں ایک راوی کے مجہول اور مختلف الاحتجاج ہونے کو ذکر کیا ہے۔ مولانا ظفر احمد صاحب اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ”قلت: و مسلم لا یروی عن مجہول، ولا لمجہول فالحدیث حسن حجة“ (اعلاء ۱۳/۲۲۹)۔

اسی طرح کی روایت ابو داؤد میں بھی حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے جس میں ”نہی عن بیع مالہ یقبض“ کے الفاظ ہیں..... (نصب الراية ۳۲۱۹/۴)، شوافع کی مستدل روایت حدیث حکیم بن حزم پر محدثین نے کلام کیا ہے، لیکن ابن ہمام نے رجال پر گفتگو کرتے ہوئے حدیث بالا کو حجت قرار دیا ہے، ”والحق أن الحدیث حجة والذی قبلہ كذلك“۔ پھر اس کی تخصیص کی دلیل کو ذکر کیا ہے: ”والحاجة بعد ذلك إلى دلیل التخصیص بغير العقار لأبی حنیفة بذكر هناك والأحادیث كثيرة فی هذا المعنی“ (فتح القدیر ۲/۵۱۲)۔

۶- قبضہ ضمان:

فقہائے کرام نے قبضہ کی جو تشریح کی ہے اور اس سلسلہ میں بہت سے جزئیات ذکر فرمائے ہیں ان سے بخوبی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبضہ حسی کا ہونا ضروری نہیں ہے (غامی ۳۷۴-۳۸۸)۔

قبضہ کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے فقہاء کرام نے اس کی مختلف قسمیں بیان فرمائی ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قبضہ کی دو قسمیں ہیں: ۱- قبضہ امانت، ۲- قبضہ ضمان۔

پھر قبضہ ضمان کی دو قسمیں ہیں: ضمان بنفسہ، ضمان بغيرہ۔ اور ہر ایک کا حکم بھی جدا گانہ

ہے۔

(۱) مشتری کو اگر بیع پر پہلے سے قبضہ حاصل ہے اور وہ قبضہ ضمان بنفسہ کا ہے، مثلاً غاصب کا قبضہ شیء منسوب پر۔ اس کا حکم یہ ہے کہ بیع موجود ہو یا نہیں بہر حال سابق قبضہ جدید قبضہ کے لئے کافی ہوگا اور تجدید قبضہ کی ضرورت نہ ہوگی، کیونکہ غاصب کا قبضہ ضمان بنفسہ ہے، اور منسوب شیء بہر صورت مضمون بنفسہ ہے۔

(۲) اگر بیع پر مشتری کا قبضہ ضمان بغيرہ کا ہے، مثلاً شیء مرہون پر راہن کا قبضہ تو رہن امانت ہوتا ہے، البتہ مضمون بالغیر (قرض کی وجہ سے) ہوتا ہے گویا یہ مضمون بنفسہ نہیں، بلکہ بالغیر ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر شیء مرہون موجود ہو تب تو یہ قبضہ جدید قبضہ کی طرف سے کافی ہوگا، ورنہ نہیں۔

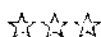
(۳) اگر بیع پر مشتری کا قبضہ قبضہ امانت ہو مثلاً عاریت، ودیعت، وکالت، اجارہ کا قبضہ، کہ یہ سارے قبضے قبضہ امانت کہلاتے ہیں۔ ان کا حکم یہ ہے کہ یہ امانت والے قبضے ضمان والے قبضے (بیع کے لئے) کافی نہ ہوں گے، بلکہ تجدید قبضہ شرط ہے (بدائع الصنائع، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰)۔

ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اگر بائع نے حسی قبضہ نہ کیا ہو، لیکن ضامن ہو گیا تو اسکو قبضہ ضمان کے درجہ میں شمار کر کے خرید و فروخت جائز قرار دیا جائے گا۔

۷۔ صورت مسئلہ میں جب مشتری کا کسی قسم کا قبضہ پایا نہیں جاتا اس سے پہلے ہی بائع اپنے ضمان سے بری ہو جاتا ہے تو یہ جائز نہیں ہے، لہذا بائع کے لئے ایسا سودا کرنا جائز نہیں ہے، اور جب مشتری اسکا مالک نہیں ہوتا تو بیع معدوم "مالیس عندک" اور "مالم یقبض" کے درجہ میں رکھتے ہوئے اس کے لئے بھی تیسرے کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

شامی میں ہے: "اشتری بقرۃ مریضۃ و خلاھا فی منزل البائع قاتلا ان

هلكت فمني وماتت فمن البائع لعدم القبض، وكذا لو قال للبائع: سقها إلى منزلك فاذهب فاستلمها فهلكت حال سوق البائع، فإن ادعى البائع التسليم فالقول للمشتري۔ اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے: "اشتری وعاء لبن خائر في السوق فأمر البائع بنقله إلى منزله فسقط في الطريق فعلى البائع إن لم يقبضه المشتري" (۴۸/۴) ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اصل بائع کا ذمہ مشتری کے قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا، اور ہلاکت کی نسبت بائع کی طرف ہوتی ہے نہ کہ مشتری کی طرف، اور تیسرا خریدار کیسے ضامن ہو سکتا ہے، جبکہ بائع اور مشتری کے درمیان ہی بیع صحیح نہ ہوئی، لہذا اس قسم کی خرید و فروخت شرعاً ناجائز ہوگی۔



خرید و فروخت میں وثیقہ اور دستاویزات کی حیثیت

ڈاکٹر عبدالحکیم اصلاحی ☆

۱۔ ”بیع قبل القبض“ ناجائز ہے، ”ربا الفضل“ و ”ربا النسیئہ“ کے تحت آنے والے مبادلات میں فوری قبضہ نہ ہونے کی شکل میں یہ بیع یا مبادلہ باطل ہوگا، دیگر اشیاء میں قبضہ کی نوعیت کے مطابق بیع فاسد یا مکروہ ہوگی۔

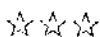
۲۔ کتاب اللہ اس سلسلہ میں بالکل خاموش ہے۔ اور سنت میں طعام کو ناپ لینے یا وزن کر لینے یا خرید کی جگہ سے منتقل کر لینے کو قبضہ ہونے کی طرف اشارہ ہے، بقیہ اشیاء کے سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں ہے، اس لئے اسے عرف و عادت پر چھوڑ دینا چاہئے، اور یہ صحیح ہوگا کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے۔

۳۔ مذکورہ بالا اصل کے مطابق نہ صرف اشیاء منقولہ و غیر منقولہ بلکہ ہر چیز کی نوعیت و مزاج کے مطابق قبضہ کی شکل میں فرق ہوگا۔

۴۔ ”بیع قبل القبض“ کی نہی کی بہت سی حکمتیں ہو سکتی ہیں، جہاں تک علت کا سوال ہے جن لوگوں نے اسے مطعومات تک محدود کیا ہے ان کے نزدیک علت ”طعام“ ہونا ہے، کچھ کے نزدیک کیلی، وزنی یا عددی ہونا ہے، بیع قبل القبض کی نہی کا عموم اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ نفس بیع یا مبادلہ بالمال ہی کو علت مانا جائے۔

☆ گنگ عبدالحزیز یونیورسٹی، جدہ، سعودی عرب۔

- ۵۔ ”بیع قبل القبض“ کے متعلق ائمہ مجتہدین سے سات طرح کے اقوال منقول ہیں۔ (۱) یہ نہیں صرف مطعومات ربوہ تک محدود ہے (۲) مطلق مطعومات میں ہے (۳) ان مطعومات میں ہے جو کیلی یا وزنی ہیں (۴) ہر اس چیز میں جو قابل انتقال ہو (۵) بلا قید ہر چیز میں قبضہ شرط ہے (۶) ہر اس چیز میں جو کیلی یا وزنی، (۷) ہر اس چیز میں جو کیلی، وزنی یا عددی ہو (ازبدایہ ابن رشد)۔
- اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ خود روایات اس سلسلہ میں مختلف یا مجمل ہیں۔
- ۶۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی کمرشیل رول (تجارتی قانون) نہیں ہے تو عرف و عادت کے مطابق ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے۔
- ۷۔ یہ شکل مذکورہ بالا سے متناقض ہے، لیکن چونکہ برکے بجائے بحر کا معاملہ ہے اس وجہ سے دستاویزات کے تبادلے کو قبضہ کا قائم مقام سمجھا جاسکتا ہے پھر بھی چونکہ اس میں تلقی جلب کی صورت پائی جاتی ہے اس لئے کراہیت سے خالی نہیں۔



شریعت میں قبضہ کا مفہوم و مصداق

مولانا محمد ابراہیم گیلانی

قبضہ کی حقیقت؟

اس سلسلہ میں ایضاح المسائل میں ”بدائع“ کے حوالہ سے بہت ہی اچھی وضاحت فرمائی گئی ہے، ایضاح کی عبارت ملاحظہ ہو: کسی شی پر قبضہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہاتھ سے قبضہ کر کے لایا جائے، یا بائع کے یہاں سے حقیقی طور پر منتقل کر دیا جائے، بلکہ قبضہ کے مفہوم میں داخل ہونے کیلئے صرف اتنی بات کافی ہے کہ بائع مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کر کے رکھ دے کہ خریدار جب چاہے اپنی مرضی سے اپنی چیز اٹھا کر لیجا سکے، اور اس طرح اٹھا کر کر لیجانے میں اس پر کوئی رکاوٹ اور پابندی پیش نہ آئے، لہذا اگر بائع نے مبیع کو اپنے مال سے اس طرح الگ کر دیا ہے کہ خریدار جب چاہے لے جاسکتا ہے، اور اس درمیان اگر مبیع بائع کی طرف سے بغیر کسی تعدی کے ہلاک ہو جائے، یا ضائع ہو جائے تو بائع پر کوئی تاوان نہ ہوگا، بلکہ خریدار کی ملکیت میں سے اس کے گھر میں ہلاک ہو جانے کے حکم میں ہوگا۔

”بدائع“ کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

”ولا يشترط القبض بالبراجم ، لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادة وحقيقة الخ۔“

قبضہ حاصل ہونے کے لئے ہاتھ سے قبضہ کر کے لانا شرط نہیں ہے، اس لئے کہ قبضہ کا

معنی صرف قبضہ کرنے پر قادر ہونا ہے، اور بائع کا مشتری کے سامنے سامان چھوڑ دینا ہے، اور لوگوں کے عرف میں قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ صحیح معنی میں قبضہ رکاوٹ دور ہو جانے کو کہتے ہیں۔

صاحب ”بائع“ نے آگے چل کر مزید وضاحت فرمائی ہے:

”ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال“۔

حضرات فقہاء احناف کے مابین اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اصل قبضہ تمام اموال میں بائع کی طرف سے محض اختیار دینے اور سامنے رکھ دینے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

آگے صاحب ”بائع“ کی اور وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

”تفسير التسليم والقبض ، فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلى البائع بين المبيع وبين المشتري من التصرف فيه ، فيجعل البائع مسلما للمبيع ، والمشتري قابضا له“۔

خریدار کو مال مبیع سوچنے اور اس کے قبضہ کرنے کی تفصیلی وضاحت ہمارے علماء احناف کے نزدیک یہ یہی ہے کہ خریدار کے لئے تخلیہ کر لیا جائے اور تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع مبیع کو خریدار کے لئے اس طرح پیش کر دے کہ درمیان سے رکاوٹ اس طرح دور ہو جائے کہ مشتری کو اس پر تصرف کرنے کی پوری طرح قدرت حاصل ہو جائے تو کہا جائے گا بائع نے مبیع کو سونپ دیا اور مشتری نے قبضہ کر لیا۔

اشیاء منقولہ میں قبضہ کی حقیقت:

جو اشیاء منتقل کی جاسکتی ہیں اس کی کل چار قسمیں ہیں:

۱۔ کیلی اشیاء:

جیسے دودھ، تیل وغیرہ جو کہ اکثر ممالک میں کیل کر کے فروخت کیا جاتا ہے، ایسی اشیاء کو کیل کر کے الگ کر دینے سے مشتری کا قبضہ ثابت ہو جاتا ہے۔

۲- وزنی اشیاء:

جیسے دھات، سونا، چاندی وغیرہ، اور اس زمانہ میں چاول وغیرہ بھی وزن کر کے فروخت کیا جاتا ہے، ایسی اشیاء کو وزن کر کے علاحدہ کر دینے سے قبضہ ثابت ہو جاتا ہے۔

۳- ذریعی اور پیمائشی اشیاء:

جیسے کپڑے وغیرہ جو پیمائش سے فروخت کیا جاتا ہے، لہذا ایسی اشیاء کو پیمائش کر کے الگ کر دینے سے قبضہ ثابت ہو جائے گا۔

۴- عددی اشیاء:

جس کو گنتی اور شمار سے فروخت کیا جاتا ہے، جیسے انڈے، جانور، گاڑی وغیرہ، تو ایسی اشیاء کو شمار کر کے الگ کر دینے سے قبضہ ثابت ہو جاتا ہے۔

اور ان چاروں اقسام کی اشیاء کو الگ کر دینے کے بعد قبضہ کیلئے آزادانہ قدرت حاصل ہونا بھی شرط ہے، علامہ کاسانی علیہ الرحمہ نے بدائع میں ان مسائل کو اس طرح نقل فرمایا ہے۔

”وإن باع مكايلة أو موزونة في المكييل والموزون فلا خلاف في أن

المبيع يخرج عن ضمان البائع ويدخل في ضمان المشتري“ (بدائع الصنائع)۔

(اور اگر کیلی چیز کو کیل کر کے اور وزنی چیز کو وزن کر کے الگ کر دیا ہے تو اس بات میں

کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ شی بائع کے قبضہ سے نکل کر خریدار کے ذمہ میں داخل ہو جاتی ہے)۔

”فإن كان مما لا مثل له من المذروعات والمعدودات المتقاربة

فالتحلية فيها قبض تام بلا خلاف“ (حوالہ سابق)۔

(اگر اشیاء مثلی نہ ہوں، بلکہ ذریعی اور عددی ہوں تو انہیں الگ کر کے اختیار دینے سے

بالاتفاق مکمل قبضہ حاصل ہو جاتا ہے)۔

غیر منقولہ اشیاء کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت:

غیر منقولہ اشیاء، جیسے زمین، مکان، پلاٹ وغیرہ جائیداد کا صرف سودا اور معاملہ طے

ہو جانے کے بعد خریدار کیلئے دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا جائز اور درست ہے۔

صاحب ”ہدایہ“ فرماتے ہیں:

”ويجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة وأبي يوسف“۔

اور ”الفقه على المذاهب الاربعہ“ میں ہے:

”أما بيع الأعيان غير المنقولة قبل القبض كبيع الأرض والنخيل

والدور ونحو ذلك“۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہیں سے متعلق احادیث کا معلول بالعلتہ ہونا:

شامی میں ہے:

”(ولعدم الغرر) أي غرر انفساخ العقد على تقرير الهلاك ، وعلة

بقوله لندرة هلاك العقار حتى لو كان علواً او على شط نهر ونحوه كان

كمنقول فلا يصح اتفاقاً“۔

معلوم ہوا کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت والی حدیث کی نص کی علت ”غرر انفساخ

العقد على تقرير الهلاك“ ہے۔

کیونکہ جب بیع قبضہ سے پہلے ہلاک ہو جائے گی تو بیع فسخ ہو کر اصل مالک بائع کی

طرف عود کرے گی، اور گویا کہ مشتری بائع کی ملکیت کو فروخت کرنے والا اشارہ ہوگا۔

”تخریج زیلعی علی احادیث الہدایہ“ میں ہے:

”عن حکیم بن حزام قال قلت: یا رسول اللہ ان رجلاً ابتاع هذه

البیوع و أبيعها فما يحل لی منها وما یحرم ، قال لا تبعن شیئاً حتی تقبضه“۔

”وَأما تأییدہ بالمعقول کما فی الہدایۃ غرر انفساخ العقد علی اعتبار

الهلاك : لأنه إذا هلك قبل القبض يفسخ البيع وعاد إلى قديم ملك البائع ،

فيكون المشتري بائعاً ملك غيره“۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی جو ممانعت ہے اس کے عام ہونے نہ ہونے میں ائمہ فقہ کے مختلف اقوال ہیں، علامہ عبدالحئی صاحب فرنگی نعلی علیہ الرحمہ نے اپنے ”موطأ امام محمد“ کے حاشیہ میں اس اختلاف کو تحریر فرمایا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

”اختلفوا فی هذه المسئلة فقال مالک: يجوز جميع التصرفات فی غیر الطعام قبل القبض، لورود التخصیص فی الأحادیث بالطعام، وقال أحمد: إن كان المبیع مکیلاً أو موزوناً أو معدوداً لم یجز بیعه قبل القبض، وفی غیره یجوز، وقال زفر ومحمد والشافعی: لا یجوز بیع شیء قبل القبض طعاماً کان أو غیره، لإطلاق الأحادیث وذهب أبو حنیفة وأبو یوسف إلى جواز بیع غیر المنقول قبل القبض، لأن النہی معلول بغرر انفساخ العقد بخوف الهلاک، وهو فی العقار وغیره نادر، وفی المنقولات غیر نادر کذا فی البناية (التعلیق الممجد)۔“

(اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام مالک علیہ الرحمہ کے نزدیک احادیث میں طعام کی قید کی وجہ سے طعام کے علاوہ میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز رہے گی، اور حضرت امام احمد علیہ الرحمہ کے یہاں مکیلات، موزونات اور معدودات میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے، اور امام محمد، امام شافعی، امام زفر کے نزدیک طعام اور غیر طعام ہر ایک میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے، کیونکہ احادیث میں نہ طعام کی قید ہے نہ غیر طعام کی، اور شیخین علیہما الرحمہ کے نزدیک عقار میں جائز ہے، کیونکہ عقار میں ”غرر انفساخ العقد“ نادر ہے، اور منقولات میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے، کیونکہ اس میں ”غرر انفساخ العقد“ نادر نہیں ہے۔“

۷۔ وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت میں شیپنگ کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا، اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے جب کہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال

فروخت کر دے، اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں دوسرا شخص اس کا ضامن نہیں ہوگا، بلکہ تیسرا شخص ضامن ہوگا تو اس صورت کے جواز کی ایک شکل یہ ہے جس کو مفتی العصر صاحب ”احسن الفتاویٰ“ نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر مال پہنچانے کا کرایہ خریدار نمبر ایک ادا کرتا ہے تو اس کے اذن سے بائع کا کسی بھی مال بردار کمپنی کی تحویل میں مال دیدینا مشتری کا قبضہ شمار ہوگا، اگرچہ مشتری نے کسی خاص کمپنی کی تعیین نہ کی ہو، کمپنی کی تحویل میں آ جانے کے بعد بیع جائز ہے۔



خرید و فروخت میں استیلاء اور قبضہ کا مفہوم

مولانا سلطان احمد اسلامی ؒ

۱- فقہ اسلامی میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے سلسلہ میں تقسیم ہے، حضرات حنفیہ کے یہاں ہر وہ چیز جسے ایک جگہ سے ہٹایا اور منتقل کیا جاسکتا ہو، کسی خریدنے والے کیلئے ایسی چیز کا بیچنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک وہ اس کے قبضہ میں نہ آجائے، حدیث میں اس کی ممانعت کے علاوہ اس کی دوسری وجہ اس کے ہلاک یا ضائع ہو جانے پر اس عقد کے ختم ہونے کا دھوکہ ہے، ”وَمَنْ اشْتَرَى شَيْئًا مِمَّا يَنْقُلُ وَيَحُولُ لَهُ يَجْزِيهِ بَيْعُهُ حَتَّى يَقْبِضَهُ لِأَنَّهُ نَهَى عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يَقْبِضْ وَلَٰئِنْ فِيهِ غُرُورٌ انْفُسَاخُ الْعَقْدِ عَلَىٰ اعْتِبَارِ الْهَلَاكِ“ (ہدایہ ۵۸/۳)، البتہ مکان اور دکان جیسی غیر منقولہ چیزوں (عقار) کی بیع قبضہ سے پہلے حضرات شیخین امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، امام محمد کے نزدیک البتہ یہ بھی جائز نہیں ہے (حوالہ سابق)، دیگر فقہاء کے مسالک کی تفصیل میں حضرات مالکیہ کے یہاں کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ دوسری تمام چیزوں کی قبضہ سے پہلے بیع جائز ہے، اس میں ان کے یہاں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

”وَأَمَّا بَيْعُ مَا سَوَى الطَّعَامِ قَبْلَ الْقَبْضِ فَلَا خِلَافَ فِي مَذْهَبِ مَالِكٍ فِي إِجَازَتِهِ“ (ہدایہ المجدد ۱۳۴/۲)، کھانے پینے کی چیزوں کی ممانعت میں ان حضرات کی بنائے استدلال آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ: جو کوئی کھانے پینے کی چیز خریدے تو اسے اس وقت تک

نہ پہنچے جب تک کہ اس پر اس کا قبضہ نہ ہو جائے: ”من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه“ (حوالہ سابق)، البتہ حضرت امام شافعی کے نزدیک کسی فرق کے بغیر جو چیز بھی پہنچی جائے اس سے پہلے قبضہ اس کیلئے شرط ہے، یہی رائے امام ثوری کی ہے، حضرات صحابہ میں اس کی روایت حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی کی گئی ہے، ہاں ابو عبیدہ اور اسحاق کا یہ ضرور کہنا ہے کہ تمام وہ چیزیں جنہیں ناپ کر کے یا تول کر کے نہ بیچا جاتا، تو قبضہ ہونے سے پہلے ان کے بیچنے میں کوئی حرج نہیں ہے (حوالہ مذکور)، قبضہ سے پہلے بیع کی ممانعت کے سلسلہ میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں: ”لا يحل بيع وسلف ولا ربح ما لم يضمن ولا بيع ماليس عندك“ (بدایہ المجتہد ۱۳۵/۲)، حضرت حکیم بن حزام کی روایت میں آپ ﷺ کا ارشاد: ”يا ابن أخي إذا اشتريت بيعا فلا تبعه حتى يقبضه“ (حوالہ سابق)، اوپر حضرات شیخین کی مکان اور دوکان وغیرہ کے سلسلہ میں جو اس سے ہٹ کر رائے ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ احادیث مطلق نہیں، بلکہ ”معلول بالعلۃ“ ہیں، یعنی کہ سامان کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں عقد کے فتح ہو جانے کا دھوکہ، لیکن چونکہ اشیاء غیر منقولہ میں اس کا امکان نادر ہے اس لئے ان حضرات کے یہاں اس کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے (بدایہ ۵۸/۲)۔

دوسری توجیہ کے مطابق دریں صورت حضرت امام اعظم کے نزدیک مکان و دوکان کا خالی ہو جانا ہی قبضہ کے قائم مقام ہے، ”لان ما لا ينقل القبض عنده فيه التخلية“ (بدایہ المجتہد ۱۳۵/۲)۔

(مسئلہ کی اس تفصیل سے جبکہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا مطلق عدم جواز ہی کل نظر ہو، اس کے باطل، فاسد یا مکروہ ہونے کی بحث کوئی خاص معنویت نہیں رکھتی، تاہم مآخذ میں اس کو فاسد اور باطل دونوں (نیل الاوطار ۱۵۶/۳، ۱۵۸، ۱۸۰)، نیز مکروہ (المغنی ابن قدامہ ۲۲۳/۳، بحوالہ ۱۱۱) اسی طرح اس کے دوسرے نظائر کو بھی فاسد اور باطل کہا گیا ہے (نیل الاوطار ۱۷۳/۳، ۱۷۴، بدایہ ۳/۳۳، المغنی ۲۴۸/۳-۲۵۰) بنا بریں بالخصوص حضرات حنفیہ کے مطابق اشیاء غیر منقولہ کی قبل القبض

بیع میں معاملہ کی نوعیت اور اس کی خفت اور غلطی کے پہلو سے اس میں باطل، فاسد اور بیع مکروہ تینوں کے احکام وارد کئے جاسکتے ہیں۔

۲۔ اشیاء غیر منقولہ میں قبضہ کی حقیقت تو یہی ہے کہ چیز خریدنے والے کی تحویل میں اس طرح آجائے کہ کسی اور سے معاملہ کرنے کی صورت میں اسے اس کو حوالہ کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے، لیکن مسئلہ کی تمام تفصیلات اور اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر حال میں اس قبضہ کا یہ مطلب نہیں کہ چیز لازماً آدمی کے ہاتھ اور اس کے دکان میں آجائے، عرف کا اس میں دخل ہونا چاہئے، اور جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو عرف میں قبضہ تصور کیا جائے شریعت اسلامی کی رو سے بھی اسے ہی جائز قبضہ تصور کیا جائے گا۔

۳۔ اشیاء منقولہ و غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق ہے جس کی تفصیل جواب (۱) میں آچکی ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نبی سے متعلق احادیث ”معلول بالعلۃ“ ہیں، اور علت نبی یہی ہے کہ چیز کے ہلاک ہو جانے کی صورت میں عقد کا فسخ کرنا لازم آئے گا جس سے اس میں دھوکہ پیدا ہو جائے گا، جبکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے، جواب (۱) میں اس کی تفصیل بھی آچکی ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عام نہیں، بلکہ اس میں استثناءات اور تخصیصات ہیں، اس کی تفصیل بھی جواب نمبر (۱) میں کی جا چکی ہے۔

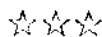
۶۔ فیکٹری سے مال خریدنے والے خریدار نمبر (۱) کی ضمان کو قبضہ حسی کے قائم مقام مان کر اس کیلئے خریدار نمبر (۲) کے لئے اس مال کا فروخت کرنا جائز ہوگا، ضمان کو نظر انداز کر کے صرف قبضہ حسی پر اصرار کرنا درست نہ ہوگا۔

۷۔ جہاز پر مال چڑھ جانے کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جانے سے جو مشتری اس مال کا ضامن ہو جاتا ہے، اس کیلئے حسی قبضہ کے بجائے اسی ضمان کی بنیاد پر اس مال کا تیسرے

شخص کیلئے بیچنا جائز ہوگا، گوکہ اس سودے کے بعد اس کا ضمان تیسرے خریدار کا ہو جائے اور بیچ کے دوسرے خریدار کا کوئی ضمان باقی نہ رہے، دراصل اس مسئلہ کی تھوڑی سی مزید تفصیل کی ضرورت ہے۔

آج کی بین الاقوامی تجارت میں اشیاء غیر منقولہ میں بیع کی صحت کیلئے اگر ہر حال میں قبضہ حسی کو شرط قرار دیا جائے تو یہ چیز عام الناس کیلئے زحمت اور تنگی کا باعث ہوگی، آج کے بڑھتے ہوئے ذرائع ابلاغ کی قوت سے اپنے کارندوں کے ذریعہ سفر کی کسی بھی منزل میں مال کی نوعیت اور کیفیت کا اطمینان کر لینا دشوار نہیں، جہاں تک نقصان اور دھوکے کا سوال ہے وہ سامنے کی تھوک خریداری کی صورت میں بھی اسی طرح برابر بنا رہتا ہے، ایک ہزار کو بھٹل گے ہوں / چاول کا سودا کرنے والا کاروباری اس کی ہر بوری اور اس کے ایک ایک دانے کو پرکھنے کا اطمینان نہیں کر سکتا، جس درجہ کا اطمینان آدمی سامنے کی اس طرح کی تھوک خریداری میں کرتا ہے، اس سے کم اطمینان وہ اپنے معتبر پیشہ ور کارندوں کے ذریعہ شیپنگ کے سامان کا نہیں کرتا، اس کے باوجود ہر حال میں یہ اصرار کہ سامان اتر کر پہلے خریدار کے گودام میں آجائے، اس کے بعد ہی اس کیلئے دوسرے خریدار سے اس کا سودا کرنا ممکن ہو سکے جو وہ دشواری اور نقصان کا موجب ہے، اس میں خواہ مخواہ کی مشقت کا مالی خسارہ اور کام کا پھیلاؤ ہوگا، اسلامی شریعت جو مصلحتوں کی محافظ اور نقصان اور ضرر کے سخت خلاف ہے، بدلتے حالات میں ان نصوص میں اس کا رویہ سخت گیر اور بالکل بے پلک نہیں ہو سکتا۔

پس غیر ضروری توسع سے بچتے ہوئے جدید شیپنگ کی اس طرح کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہوگی۔



کتاب وسنت کی روشنی میں قبضہ کی حقیقت

مفتی انور علی اعظمی

۱۔ بیع قبل القبض:

شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض درست نہیں، امام شافعیؒ کے نزدیک باطل ہے اور احناف کے نزدیک فاسد ہے، نتیجہ اور مال ایک ہے، اس لئے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک فساد اور بطلان ایک ہی معنی میں مستعمل ہے۔

۲۔ قبضہ کی حقیقت:

صاحب ”بدائع“ نے اس مسئلہ پر مبسوط کلام کیا ہے، ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ تسلیم اور قبض کی تفسیر تخلیہ اور تحلی ہے اور تخلیہ کا مطلب یہ ہے کہ بائع میع اور مشتری کے درمیان موانع دور کرنے اور مشتری کو میع میں تصرف کا پورا موقع فراہم کر دے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک گھر، زمین اور درخت میں قبضہ تخلیہ سے ہوگا اور درہم و دنانیر میں ہاتھ میں لینے سے ہوگا، اور کپڑا وغیرہ میں منتقل کرنے سے اور ایسے ہی قبضہ غلہ میں ہوگا، جبکہ وہ اندازہ سے بیچا گیا ہو اور اگر ناپ تول کر بیچا گیا ہے تو قبضہ ناپنے اور تولنے سے ہوگا، اور غلام و جانور میں ان کی جگہ سے منتقل کر دینے سے ہوگا، الغرض کتاب وسنت نے اصل قبضہ کی حقیقت متعین کر دی ہے، اور وہ تخلیہ ہے، لیکن تخلیہ کی نوعیت عرف و عادت پر چھوڑ دی گئی ہے، چنانچہ جہاں جس چیز کے بارے میں جس طرح استیلاء لوگوں کے عرف میں قبضہ متصور ہوتا ہو، وہی

تحریر قبضہ ہونا جائے گا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۵/۲۴۴)۔

”قال فی الشامی (۵۹/۲) و تمامہ فی البحر وحاصلہ أن التخلية قبض حکماً، لو مع القدرة علیہ بلا کلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع ففي نحو حنطة في بيت، مثلاً فدفع المفتاح إذا أمكنه الفتح بلا كلفة قبض، و في نحو دار فالقدرة على إغلاقها قبض، أى بأن تكون في البلد في ما يطهر، و في نحو بقر في مرعى، فكونه بحيث يرى و يشار إليه قبض، و في نحو ثوب، فكونه بحيث لو مديده تصل إليه قبض، و في نحو فرس أو طير في بيت إمكان أخذه منه بلا معين قبض، و قال في موضع آخر: لو اشترى دهنًا و دفع قارورة يزنه فيها فوزنه فيها بحضرة المشتري فهو قبض، و كذا بغيته في الأنصح و كذا كل مكيل و موزون إذا دفع له الوعاء فكاله أو وزنه فيه بأمره“ (شامی ۵۸/۳)۔

ان ساری مثالوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ قبضہ کی نوعیت کا مدار عرف و عادت ہی پر ہے۔

”وقال ابن قدامة: في ”المغنی“ ولأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف“ (مغنی ۲۰۰/۳)۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت:

اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں احناف کے یہاں کوئی فرق نہیں، اس لئے کہ اصل قبضہ تمام اموال میں تخلیہ سے حاصل ہوتا ہے۔

”قال فی البدائع : ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال“ (۲۴۴/۵)۔

البتہ قبضہ کی تکمیل میں مقولات میں تفصیل الگ ہے اور غیر منقولہ اشیاء کی الگ۔

منقولات کی دو قسمیں ہیں: ایک مثلی، دوسرے غیر مثلی، منقولات میں تخلیہ سے ہی قبضہ تام ہو جاتا ہے، اسی طرح مثلیات میں اگر بیع مجازفہ ہو تو تخلیہ سے قبضہ تام ہو جائے گا، اس لئے کہ بیع مجازفہ میں مقدار کی جانکاری کا اعتبار ملحوظ نہیں ہوتا ہے، اور اگر ان کی بیع ناپ تول کے ذریعہ سے ہو تو بائع کی ناپ تول اور تخلیہ سے مشتری کا قبضہ تام ہوگا، کیونکہ یہ بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں داخل ہوگی، غیر منقولہ اشیاء میں بھی قبضہ کی بنیاد تخلیہ ہی ہے۔

اگر وہ زمین و جائداد قریب ہے تو نفس تخلیہ سے قبضہ مکمل ہو جائیگا، اور اگر دور ہے تو تخلیہ کے ساتھ اتنی مدت گزرنا بھی ضروری ہوگا جس مدت میں وہ مکان بیع تک پہنچ سکے۔

”فی الخانیة: إذا كان قریباً (العقار) يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال فتقام التخلية مقام القبض أما إذا كان بعيداً لا يتصور القبض في الحال، فتقام التخلية مقام القبض“ (شامی ۵۹/۴)۔

۴۔ بیع قبل القبض سے متعلق نہیں کی احادیث معلول بعلت ہیں یا نہیں؟
بیع قبل القبض سے متعلق نہیں کی احادیث معلول بعلت ہیں۔

احناف کے نزدیک علت غرر انفساخ عقد ہے، ہدایہ (۵۸/۳) میں ہے: ”ومن اشتری شیئاً مما ينقل و يحول لم يجز بيعه حتى يقبضه؛ لأنه نهى عن بيع ما لم يقبض ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك، والغرر منهى عنه غرر انفساخ العقد والحديث محمول به عملاً بدلائل الجواز“ (۵۹/۳)۔

امام مالکؒ کے نزدیک منفعت عمال کا ضیاع ہے۔

”وقد قيل في علة النهي: إن في قبضه منفعة للعمال إذ ينتفعون بكيهه و حمله و وزنه وغير ذلك بخلاف ما إذا بيع وهو عند صاحبه، فإن ذلك يضيع تلك النفعة، وقيل إنه أمر تعبدی“ (الفتاویٰ المذاہب ۲/۲۳۵)۔

مالکیہ کے نزدیک ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ ”بیع قبل القبض“ سے متعلق نہیں امر

تعبدی ہے (علت معلوم نہیں)۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت کے عموم و خصوص کے بارے میں ائمہ کی آراء:

جمہور احناف کے نزدیک شی منقول کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں، اور عقار کی بیع قبضہ سے پہلے امام ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک ناجائز ہے (الفتاویٰ المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۳، ہدایہ ۳/۵۸)۔

مالکیہ کے نزدیک اس نئی کا تعلق مطعومات کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ ان کے یہاں غلہ اور پھل کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں ہے (الفتاویٰ المذاہب الاربعہ ۲/۳۵)۔
شافعیہ کے نزدیک نبی عام ہے، قبضہ سے پہلے ان کے یہاں منقول اور غیر منقول سب کی بیع ناجائز ہے، البتہ تین صورتیں استثناء ہیں

۱۔ أن يبيعه قبل قبضه لمن اشتراه بنفس الثمن الذي اشتراه بدون زيادة۔

۲۔ أن يتلف المبيع عند البائع فإن للمشتري أن يبيعه له بمثله بأن يعطى البائع للمشتري ثمنًا مثل التألف۔

۳۔ أن يشتري شيئًا يقبضه وكأن ثمنًا دينا في ذمته كان يشتري جملاً بعشرة ولم يقبضه ولم يدفع ثمنه، فإنه يصح في هذه الحالة أن يبيعه لمن اشتراه منه بعشرة في ذمة البائع الأول أو يشتري الجمل بعشرة ويدفعها للبائع ولم يقبض الجمل، فإنه يصح أن يبيعه بعشرة في ذمة البائع۔

والبيع في أحوال الثلاثة يكون إقالة بلفظ البيع، فليس بيعاً حقيقة (الفتاویٰ المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۳)۔

حنابلہ کے نزدیک:

جب بیع مکمل، موزون، یا معدود، یا ندروع نہ ہو تو قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز ہے،

اور اگر بیع مذکورہ بالا انواع سے ہو تو قبضہ سے پہلے اس میں بیع کے ذریعہ تصرف درست نہیں (معنی ۲۱۷/۳ حوالہ الفقہ علی المذاہب الأربعة ۲۳۶)۔

اور معنی میں ابن عبد اللہ سے منقول ہے کہ امام احمد کے اصح قول میں نبی کا تعلق صرف طعام سے ہے (معنی ۲۱۸/۳)۔
مالکیہ کی دلیل:

- (۱) قوله ﷺ "من ابتاع طعاما فلا بيعه حتى يستوفيه، فمفهوماه إباحة بيع ما سواه قبل قبضه"۔
- (۲) "وقول ابن عمر رأيت الذين يشترون الطعام مجازفة يضربون على عهد رسول الله ﷺ أن يبيعه حتى يؤوه إلى رحالهم"۔
دلیل حنابلہ: احادیث مذکورہ۔

"ووجه قول الخرقی أن الطعام المنهى عنه عن بيعه قبل قبضه لا يكاد يخلو من كونه مكيلا أو موزونا أو معدودا متعلق الحكم بذلك" (معنی ۲۱۸/۳)۔
حنفیہ وشافعیہ کی دلیل:

عن حکیم ابن حزام: "لا تبع ما ليس عندك" (ترمذی)۔

"قال: سألت رسول الله ﷺ فقلت يأتيني الرجل فيسألني من البيع ما ليس عندي أبتاع له من السوق ثم أبيعه قال لا تبع ما ليس عندك" (ترمذی ۱۳۸۱)۔
مارواه أبو داود: "أن النبي ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم، وماروى ابن ماجه: أن النبي ﷺ نهى عن شراء الصدقات حتى تقبض، وروى: أن النبي ﷺ لما بعث عتاب بن أسيد إلى مكة قال: إنهم عن بيع ما لم يقبضوه و عن ربح ما لم يضمّنوه" (معنی ۲۱۳/۳)۔

احناف نے منقول اور غیر منقول کے درمیان جو تفریق کی ہے اس کی بنیاد احادیث

مذکورہ میں نبی کی علت کو بتانا ہے، اور وہ علت: ”غرر انفساخ عقد علی اعتبار الہلاک“ ہے، یہ علت منقولات میں قبضہ سے پہلے موجود ہوا کرتی ہے، اور غیر منقولات میں ہلاکت نادر ہے، اسی لئے ایسی زمین جو دریا اور سمندر کے کنارے پر ہے ان کی بیع بھی قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہوگی، اسلئے کہ وہاں ہلاکت کا خطرہ موجود ہے (یعنی ۱۳/۷۳)۔

امام احمد کے نزدیک غیر منقول کی بیع بھی قبضہ سے پہلے ناجائز ہے، اس کی دلیل حکیم ابن حزام کی مذکورہ روایت ہے، اس میں کلمہ ”ما“ مذکور ہے اور وہ تعیم پر دال ہے۔

امام محمد نے بیع کو اجارہ پر قیاس کیا ہے، چونکہ عقار کا اجارہ قبل القبض درست نہیں، اس لئے بیع بھی درست نہیں ہوگی ”والجامع اشتمالہما علی ربح مالہ یضمن فان المقصود من المبیع الربح، والربح مالہ یضمن منہی عنہ شرعا“ (یعنی ۱۳/۷۳)۔

۶۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ مال فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار (۲) کو روانہ کر دیتا ہے اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آتی ہے نہ خریدار (۲) پر، بلکہ یہ اسی شخص خریدار (۱) کا نقصان قرار پاتا ہے، اس صورت معاملہ میں فیکٹری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ حسی نہ پائے جانے کے باوجود ضمان کو قبضہ حسی کے قائم مقام مان کر اس خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے گا، لیکن اس صورت میں خریدار (۱) کیلئے ضروری ہوگا کہ پہلے فیکٹری سے معاملہ طے کرے پھر اس کے بعد میں خریدار (۲) سے معاملہ کرے تاکہ ”لاتبع مالیس عندک“ کا مصداق نہ بنے۔

مذکورہ صورت معاملہ کے درست ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خریدار (۱) کا بیع پر اصل قبضہ ثابت ہے اور وہ تکلیف ہے اور قبضہ تام بھی ہے۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت میں شیپنگ:

(جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو بائع ضامن نہیں ہوگا، اس صورت حال میں مشتری اور بائع کے درمیان بیع و شراء درست ہے، لیکن مال کے سمندر میں رہتے ہوئے مشتری اول کا دوسرے کے ہاتھ بیچنا درست نہیں، جبکہ وہ مال کے اپنے پاس پہنچنے تک کا ضمان قبول نہیں کرتا، اسلئے کہ وہ بیع کر نفع تو لینا چاہتا ہے، لیکن مال کے مشتری ثانی کے پاس پہنچنے تک نقصان کی ذمہ داری نہیں لینا چاہتا، لہذا اس صورت میں اس کا نفع غیر مضمون شی سے نفع ہے، اور غیر مضمون شی کا ربح منہی عنہ ہے، اور حدیث میں اس کی صراحت انہی موجود ہے: ”ذکر عبد اللہ بن عمر أن رسول الله ﷺ قال: لا یحل سلف و بیع و لا شرطان فی بیع و لا ربح مالہ یضمن و لا تبع ما لیس عندک“ (ترمذی ۱۳۸)۔

اور یہی فساد عقد کی مقتضی ہے، علامہ عینی ہدایہ کی شرح میں فرماتے ہیں: ”و ربح مالہ یضمن منہی عنہ شرعاً و النہی یقتضی الفساد، فیکون البیع فاسداً قبل القبض لأنه لم یدخل فی ضمانہ“ (عینی ۱۳۷)۔

لہذا جہاز پر مال کے رہتے ہوئے مشتری اول کا ضمان لئے بغیر کسی دوسرے کے ہاتھ بیچنا درست نہیں ہوگا۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور اس کے چند احکام

مفتی عزیز الرحمن بجنوری

- ۱۔ بیوانات فاسدہ میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت بھی ہے جو حدیث شریف سے ثابت ہے، اور جو بحر الرائق کی عبارت کے مطابق ”العجز عن التسليم إلا بضرر“ اور ”عدم القدرة على التسليم“ میں داخل ہے، اس لئے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت بیع مکروہ میں داخل ہے، اور بیع مکروہ کو بھی بیع فاسد میں شمار کیا ہے۔
- ۲۔ قبضہ کے بارے میں ہمارے فقہاء نے لکھا ہے:

”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل الخ“ (درمختار ۴/۳۷۷)، ”وقال الشامي: و حاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع“ (۴/۳۷۷)۔

علامہ شامی نے حال بیع کی قید سے حنفی مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے، ہمارے ائمہ قبضہ کی یہ تشریح صرف اشیائے منقولہ کے لئے خاص کرتے ہیں، لیکن اشیائے غیر منقولہ مثلاً زمین، مکانات وغیرہ کے بارے میں یہ شرط نہیں ہے۔

”وذهب أبو حنيفة و أبو يوسف إلى جواز بيع غير المنقول قبل

القبض، لأن النهی معلول بغرر انفساخ العقد لخوف الهلاك، وهو في العقار نادر وفي غيره غير نادر“ (اوجز ۵/۷۶)۔

قبضہ کی تعریف میں حال بیع کی قید سے یہ دلالت ہے کہ عرف اور حالات کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت بدل جاتی ہے جس کو قبضہ حکی کہنا چاہئے، لہذا کمپنیوں کی شرائط چونکہ واضح ہوتی ہیں کہ مال کو ٹرانسپورٹ کے سپرد کرنے کے بعد اور سامان کا انشورنس ہونے کے بعد کمپنی کا ذمہ ساقط ہو جاتا ہے اور مشتری کا قبضہ ثابت ہو جاتا ہے جبکہ ٹرانسپورٹ بیچ میں انشورنس کی وجہ سے ضامن ہوتا ہے، اس لئے مشتری اول کا مشتری ثانی کو مال فروخت کرنا جائز ہے، البتہ مشتری ثانی ثالث کو فروخت نہیں کر سکتا، کیونکہ مال ابھی مشتری اول کے قبضہ اور اسی کی ضمانت میں ہے بتوسط ٹرانسپورٹ۔

۴- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت والی حدیث معلول بعلت ”انفساخ العقد لخوف الهلاك“ ہے، جیسا کہ اوپر گذرا جس کا مطلب یہ ہے کہ حتی الامکان ”بیع قبل القبض“ نہیں ہونا چاہئے، بعض خصوصی حالات ضرر اور منازعت کی وجہ سے جائز ہے۔

۵- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو حضرت ابن عباسؓ کے قول کی بنا پر امام شافعی، امام مالک اور امام احمد نے عام رکھا ہے، صرف احناف نے علت انفساخ لخوف الهلاك کی وجہ سے جو مفقذی الی المنازعت ہے زمین اور مکانات کو مستثنیٰ کیا ہے۔

۶- جواب نمبر (۴) میں آچکا ہے۔



اسلام میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا اعتبار

مولانا خورشید احمد اعظمی مدظلہ

۱- شرع اسلامی کے اعتبار سے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت فی الجملہ ناجائز ہے ان تفصیلات کے ساتھ جو آئندہ ائمہ کے اقوال سے نقل کی جائیں گی بسبب ان احادیث کے جو اس سلسلہ میں حضور ﷺ سے منقول و ثابت ہیں۔

اور بصورت عدم جواز اس کا شمار بیع فاسد میں ہوگا کیونکہ حقیقت بیع کا وجود پایا جا رہا ہے، اور جو نقص ہے وہ وصف کی جہت سے ہے لہذا اس پر بطلان کا حکم نہیں لگایا جائے گا، شامی میں ہے:

”وهو (أى البيع الفاسد) ما كان مشروعاً بأصله لا بوصفه و مرادهم من مشروعية أصله كونه مالا متقوماً، لا جوازه و صحته؛ لأن فساداً يمنع صحته أو أطلقوا المشروعية عليه نظراً إلى أنه لو خلا عن الوصف لكان مشروعاً“ (شامی ۹۹/۴، نیز البحر الرائق ۲/۲۸۰)۔

۲- اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت:

قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع بیع اور مشتری کے درمیان موانع کو دور کر دے اور مشتری کو بیع میں تصرف کا پورا موقع فراہم کر دے، اسی چیز کو احناف نے تخلیہ سے تعبیر کیا ہے:

”فالتسليم و القبض عندنا هو التخلية و التخلي وهو أن يخلي البائع

ملاءً رخصاً ثم يهره. (یو پی)۔

بین المبیع و بین المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه، فيجعل البائع مسلماً للمبيع و المشتري قابضاً له، و كذا تسليم الثمن من المشتري إلى البائع“ (البدائع ۵/۲۴۴)۔

درمختار میں ہے: ”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل“ (درمختار ۴/۴۲)۔

اس سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں ہوگا: ”قال كنا مع النبي ﷺ في سفر فكنت على بكر صعب لعمر، فكان يغلبني فيتقدم أمام القوم فيزجره عمر و يردده ثم يتقدم فيزجره عمر و يردده، فقال النبي ﷺ لعمر: بعنيه قال: هو لك يا رسول الله قال رسول الله ﷺ: بعنيه، فباعه من رسول الله ﷺ، فقال النبي ﷺ: هو لك يا عبد الله بن عمر تصنع به ما شئت“۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کے تحت فرمایا: ”وقد احتج به للمالكية و الحنفية في أن القبض في جميع الأشياء بالتخلية و إليه مال البخاري“ (فتح الباری ۴/۳۳۴)۔

البتہ تخلیہ کی نوعیت بیع کے اعتبار سے مختلف ہو سکتی ہے، اور اس کا مدار عرف و عادت کے اوپر ہو سکتا ہے، کما فی الشامی نقلاً عن البحر :
”وحاصله أن التخلية قبض حكماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع“ (شامی ۴/۵۳)۔

ابن قدامہ نے مفتی ۱۲۵/۴ میں اس کے متعلق تفصیلات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:
”ولأن القبض مطلق في الشرع فيجب الرجوع فيه إلى العرف“۔
امام شافعیؒ کے نزدیک بھی قبض کا اعتبار تقریباً عرف کے اوپر ہی ہے، چنانچہ حافظ ابن

حجر نے ”فتح الباری“ میں ذکر کیا ہے:

”وفى صفة القبض عن الشافعى تفصيل، فما يتناول باليد كالدرهم و الدنانير و الثوب، فقبضه بالتناول، وما لا ينقل كالعقار و الثمر على الشجر فقبضه بالتخلية، وما ينقل فى العادة كالأخشاب و الحبوب و الحيوان فقبضه بالنقل إلى مكان لا اختصاص للبائع به، و فيه قول: أنه يكفى فيه التخلية“ (فتح الباری ۳/۳۵۰)۔

مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہوا کہ کتاب و سنت نے قبضہ کی کوئی خاص نوعیت متعین نہیں کی ہے، البتہ قبضہ کی جو صورتیں مذکور ہیں وہ فی الجملہ تخلیہ کو متضمن ہیں، اسلئے تقریباً تمام ہی اشیاء میں اس کی حقیقت تخلیہ ہے، نوعیت کا مدار عرف اور عادت پر ہے، جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی شرعاً اس کے حق میں قبضہ ہوگا بشرطیکہ وہ صورت تخلیہ کو متضمن ہو۔

۳- اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت:

جیسا کہ پچھلی میں گذر چکا ہے کہ احناف کے نزدیک قبضہ کی حقیقت تخلیہ سے حاصل ہو جاتی ہے اور اس میں منقولہ و غیر منقولہ اشیاء کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے: ”ثم لا خلاف بين أصحابنا فى أن أصل القبض يحصل بالتخلية فى سائر الأموال“ (البدائع ۲/۲۴۵)۔

البتہ قبضہ کے تمام ہونے کے اعتبار سے منقولات و غیر منقولات میں تفصیل ہے، ایسی اشیاء منقولہ جو غیر مثلی ہیں یا مثلی ہوں اور انہیں مجازاً بیچا گیا ہو تو ان دونوں صورتوں میں محض تخلیہ سے ہی قبضہ تام ہو جائے گا، البتہ اگر اشیاء منقولہ مثلیہ کو کیل یا وزن کے ذریعہ بیچا گیا ہو تو اس میں قبضہ کی تکمیل کیل یا وزن کے بعد ہی ہوگی، ”ولهذا كانت التخلية تسليما و قبضا فيما لا مثل له و فيما له مثل إذا بيع مجازفة“ (البدائع ۵/۲۴۴)۔

اشتری طعاماً بمائة دينار مثلاً و دفعها للبائع ولم يقبض منه الطعام، ثم باع الطعام لآخر بمائة و عشرين ديناراً و قبضها و الطعام في يد البائع فكأنه باع مائة دينار بمائة و عشرين ديناراً“ (فتح الباری ۴/۳۹۹)۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں بھی اس کی علت کا ذکر موجود ہے، انہوں نے حضرت مروانؓ سے کہا: ”أحللت بيع الربا فقال: ما فعلت؟ فقال أبو هريرة: أحللت بيع الصكاك، و قد نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام حتى يستوفي“ (صحیح مسلم ۱۰/۱۷۲)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ان احادیث میں نہیں کی علت ”ربح مالہ یضمن“ کا لازم آتا ہے، واحتج الشافعي بحديث عبد الله بن عمر قال: نهى رسول الله ﷺ عن ربح مالہ یضمن أخرجه الترمذی“ (فتح الباری ۴/۳۵۰)۔

امام مالکؒ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ ان احادیث میں نہیں عن البيع قبل القبض کی علت منفعت عمال کا ضیاع ہے، کیونکہ قبضہ کی صورت میں ناپنے، تولنے یا منتقل کرنے کی اجرت عمال کو ملے گی اگر قبضہ سے قبل بیع جائز قرار دی جائے تو اس میں ان کا نقصان ہوگا، ”وقد قيل في علة النهي أن في قبضه منفعة للعمال إذ ينتفعون بكيله و حملة و وزنه و غير ذلك بخلاف ما إذا بيع وهو عند صاحبه فإن ذلك يضيع تلك المنفعة“ (فتاویٰ المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

احناف کے نزدیک ان احادیث کی علت غرر انفساخ عقد ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ”ہدایہ“ اور اس کی شرح ”فتح القدیر“ میں اس طرح ہے:

”ومن اشترى شيئاً مما ينقل و يحول لم يجز له بيعه حتى يقبضه؛ لأنه عليه السلام نهى عن بيع ما لم يقبض، و لأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك“

اشتری طعاماً بمائة دينار مثلاً و دفعها للبائع ولم يقبض منه الطعام، ثم باع الطعام لآخر بمائة و عشرين ديناراً و قبضها و الطعام في يد البائع فكأنه باع مائة دينار بمائة و عشرين ديناراً“ (فتح الباری ۴/۳۹۹)۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں بھی اس کی علت کا ذکر موجود ہے، انہوں نے حضرت مروانؓ سے کہا: ”أحللت بيع الربا فقال: ما فعلت؟ فقال أبو هريرة: أحللت بيع الصكاك، و قد نهى رسول الله ﷺ عن بيع الطعام حتى يستوفى“ (صحیح مسلم ۱۰/۱۷۲)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ان احادیث میں نہیں کی علت ”ربح مالہ یضمن“ کا لازم آتا ہے، واحتج الشافعي بحديث عبد الله بن عمر قال: نهى رسول الله ﷺ عن ربح مالہ یضمن أخرجه الترمذی“ (فتح الباری ۴/۳۵۰)۔

امام مالکؒ سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ ان احادیث میں نہیں عن البيع قبل القبض کی علت منفعت عمال کا ضیاع ہے، کیونکہ قبضہ کی صورت میں ناپنے، تولنے یا منتقل کرنے کی اجرت عمال کو ملے گی اگر قبضہ سے قبل بیع جائز قرار دی جائے تو اس میں ان کا نقصان ہوگا، ”وقد قيل في علة النهي أن في قبضه منفعة للعمال إذ ينتفعون بكيله و حملة و وزنه و غير ذلك بخلاف ما إذا بيع وهو عند صاحبه فإن ذلك يضيع تلك المنفعة“ (فتاویٰ المذاہب الاربعہ ۲/۲۳۵)۔

احناف کے نزدیک ان احادیث کی علت غرر انفساخ عقد ہے جیسا کہ اس کی تفصیل ”ہدایہ“ اور اس کی شرح ”فتح القدیر“ میں اس طرح ہے:

”ومن اشترى شيئاً مما ينقل و يحول لم يجز له بيعه حتى يقبضه؛ لأنه عليه السلام نهى عن بيع ما لم يقبض، و لأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك“

اس کی شرح میں علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں:

”ثم علل الحديث (لأن فيه غرر انفساخ العقد) الأول (على اعتبار هلاك المبيع) قبل القبض فيتبين حينئذ أنه باع ملك الغير غير إذنه: و ذلك مفسد للعقد، و في الصحاح أنه عليه السلام نهى عن بيع الغرر“ (فتح القدیر ۱۳۵/۶)۔

نیز ”البحر الرائق“ میں ہے:

”والغرر المنهى غرر انفساخ العقد ، والحديث معلول به عملا بدلائل الجواز“ (البحر الرائق ۱۱۶/۶)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے عموم و خصوص کے متعلق ائمہ کی آراء:

۱۔ امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ نہیں خاص ہے مکئیات و موزونات کے ساتھ اور وہ اشیاء جو مکمل یا موزون نہیں ہیں ان کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہے۔

”يجوز مطلقا إلا المكيل والموزون وهو قول الأوزاعي وأحمد وإسحق“ (فتح الباری ۳/۳۳۲)۔

نیز الفقہ علی المذاہب الاربعہ میں مذروعات و معدودات بھی مکئیات و موزونات کے ساتھ مذکور ہیں (۲۳۶/۲)۔

دلیل: ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں طعام کا ذکر موجود ہے اور اس کی وضاحت بقول صاحب مغنی اس طرح ہے کہ وہ طعام جن کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے منع کیا گیا ہے یا تو مکمل و موزون ہوں گے یا معدود و مذروع، اس لئے یہ نہیں انہیں میں منحصر ہوگی اور ان کے علاوہ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت درست ہوگی۔

”إن الطعام المنهى عنه عن بيعه قبل قبضه لا يكاد يخلو من كونه مكيلاً أو موزوناً أو معدوداً فيتعلق الحكم بذلك“ (المغنی ۴/۲۱۸)۔

۲۔ امام شافعیؒ کے نزدیک قبضہ سے پہلے بیع سے ممانعت عام ہے، خواہ اشیاء منقولہ

ہوں یا غیر منقولہ۔

”لا يجوز بيع شيء قبل قبضه مطلقا وهو قول الشافعيؒ و محمد بن

الحسن“ (فتح الباری ۳/۲۳۵) ”وقال الشافعيؒ: لا يصح بيع المبيع قبل قبضه سواء

كان طعاما أو عقارا أو منقولاً أو نقداً أو غيره“ (امام النووی فی شرح صحیح مسلم ۱۰/۱۶۹)۔

دلیل: امام شافعیؒ نے تمام ان احادیث سے استدلال کیا ہے جو نبی عن البیع قبل القبض

سے متعلق ہیں، نیز عبداللہ بن عباسؓ کے قول و أحسب كل شيء مثل الطعام سے، اور ان

احادیث سے جو ”بیع مالیس عندک“ اور ”ربح مالم یضمن“ کے متعلق ہیں، ”وأما

عمدة الشافعيؒ فی تعمیم ذلك فی كل مبيع فعموم قوله عليه السلام: لا يحل

بيع ولا سلف ولا ربح مالم یضمن ولا بيع مالیس عندک وهذا من باب بيع

مالم یضمن وهذا مبني على مذهبه من أن القبض شرط فی دخول المبيع فی

ضمان المشتري“ (بدایۃ المجتہد ۲/۱۸۳)۔

امام شافعیؒ نے اس حکم سے تین صورتوں کا استثناء کیا ہے جو حقیقۃً بیع نہیں ہیں، بلکہ ان

کی صورت اقالہ کی ہے (تفصیل تیلے دیکھئے: الفتاویٰ علی المذاهب الاربعہ ۲/۲۳۴)۔

۳۔ امام مالکؒ کے نزدیک یہ نبی صرف مطعومات کے ساتھ خاص ہے، لہذا ان کے

زودیک غیر مطعومات کو قبضہ سے پہلے بیچنا درست ہے۔

”يجوز مطلقا إلا المأكول والمشروب وهو قول مالکؒ وأبي ثور و

اختیار ابن المنذر“ (فتح الباری ۳/۳۳۵)۔

”وقال في البداية: وأما بيع ما سوى الطعام قبل القبض فلا خلاف في

مذهب مالک فی إجازته“ (بدایۃ المجتہد ۲/۱۸۲)۔

دلیل: امام مالکؒ نے انہیں احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں نبی عن بیع الطعام

قبل الاستیفاء والقبض وارد ہے، اور جن کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ وہ اشیاء جو طعام کی جنس سے نہ ہوں، حکم نبی ان سے متعلق نہ ہو، اور ان کا قبل القبض بیچنا درست ہو۔

”أما عمدة مالک فی منعه ما عدا المنصوص علیہ فدلیل الخطاب فی الحدیث المتقدم“ (بدایۃ المجتہد ۲/۱۸۳)۔

۳۔ احناف کے نزدیک قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں تفصیل ہے، ان کے یہاں اشیاء منقولہ کی بیع قبضہ سے پہلے درست نہیں، بلکہ امام محمدؒ کے نزدیک غیر منقول کی بیع بھی قبضہ سے پہلے جائز نہیں ہے، لیکن امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اشیاء غیر منقولہ کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہے، ”و أما أبو حنیفہ فالقبض عنده شرط فی کل مبیع ما عدا المبیعات التی لا تنقل ولا تحول من الدور والعقار“ (بدایۃ المجتہد ۲/۱۸۲-۱۸۳)۔

”وقال فی الكنز : صح بیع العقار قبل قبضہ لا بیع المنقول“ (کنز)

شرح البحر ۲/۱۱۶)۔

دلیل: احناف کا استدلال بھی وہی احادیث ہیں جن میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے نہی وارد ہے یا جن میں ”نہی عن بیع مالیس عندک“ یا ”نہی عن بیع الغرر“ وارد ہے۔

”قال فی البحر : (صح بیع العقار قبل قبضہ) أي عند أبی حنیفہ وأبی یوسف و قال محمد لا یجوز لإطلاق الحدیث وهو النهی عن بیع مال یمقبض و قیاسا علی المنقول و علی الإجارة ، و لهما أن رکن البیع صدر من أهله فی محله ولا غرر فیہ لأن الهلاک فی العقار نادر بخلاف المنقول ، والغرر المنہی غرر انفساخ العقد والحدیث معلول بدلائل الجواز . . . إلى أن قال : (لا بیع المنقول) أي لا یصح لنهیہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البیع مال یمقبض ولأن فیہ غرر انفساخ العقد علی : اعتبار الهلاک“ (البحر الرائق ۲/۱۱۶)۔

یعنی احناف نے جو اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں فرق کیا ہے اس کی وجہ علت احادیث ہے، یعنی غرر انفساخ عقد کا اندیشہ، اور یہ علت منقولات میں موجود ہے، جبکہ اشیاء غیر منقولہ میں اس علت کا وجود نا در ہے۔

اس لئے جہاں اشیاء غیر منقولہ میں بھی اس علت کا احتمال ہوگا، جیسے ایسی زمینیں جو دریا یا تالاب کے کنارے اور کٹاؤ پر ہوں ان زمینوں کا قبضہ سے پہلے بیچنا درست نہیں ہوگا (تفصیل سے دیکھئے: الہنایہ فی شرح الہدایۃ للنعیمی ۱۳/۷۳)۔

۶۔ ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے لیکن فیکٹری سے خریدا ہوا مال بظاہر اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر (۲) کو روانہ کر دیتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری نہ فیکٹری پر آئے گی اور نہ خریدار نمبر (۲) پر بلکہ یہ خریدار نمبر (۱) کا نقصان قرار پائے گا۔ اس صورت میں اگرچہ خریدار نمبر (۱) کا حسی قبضہ اس مال پر نہیں پایا گیا، لیکن چونکہ وہ مال کے نقصان کی ذمہ داری قبول کر رہا ہے، اسلئے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے ایسی چیز سے فائدہ اٹھایا جس کا وہ ضامن نہیں ہوا، اور نہ ہی یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ایسی چیز بیچ رہا ہے جس کا وہ مالک نہیں ہے کیونکہ جب بائع کی طرف سے تحلیہ ہو گیا اور اس کے نقصان کا ضامن یہ ہو گیا تو یہ خریدار نمبر (۱) اس فیکٹری کے مال پر قابض مانا جائے گا اور اب اس کے بعد خریدار نمبر (۲) کو بیچنا درست ہوگا، کیونکہ اس بیع کا عاقد خود خریدار نمبر (۱) ہے نہ کہ فیکٹری کا مالک، بلکہ فیکٹری کا مالک اس کے امر سے اس مال کو خریدار نمبر (۲) کے پاس بھیج رہا ہے، گویا خود خریدار نمبر (۱) اس مال کا بھیجے والا ہوا۔

”و کذلک لو فعل البائع شینا من ذلک بأمر المشتري؛ لأن فعله

بأمر المشتري بمنزلة فعل المشتري بنفسه“ (البدائع ۲۴۶/۵)۔

”قال محمد: كل تصرف يجوز من غير قبض إذا فعله المشتري قبل القبض لا يجوز وكل ما لا يجوز إلا بالقبض كالهبة إذا فعله المشتري قبل القبض جاز ويصير المشتري قابضاً“ (شای ۳۲/۳)۔

اور چونکہ صرف تحلیہ سے ہی قبضہ کا وجود ہو جاتا ہے اور بیع مشتری کی ضمان میں داخل ہو جاتی ہے اسلئے ضامن ہونے کے بعد اس شخص کا خریدار نمبر (۲) کو پہنچنا درست ہوگا (بدائع اصناف ۵/۲۴۴)۔

۷۔ ایسی صورت میں جبکہ جہاز پہ مال چڑھانے کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو بائع اس کا ضامن نہیں ہوتا، اور پھر یہ مشتری مال کی وصولی سے پہلے، جبکہ مال سمندر میں ہے تیسرے شخص کے ہاتھ مال فروخت کر دیتا ہے اور مال کے ضائع ہونے کی صورت میں اس کا ضامن نہیں ہوتا، بلکہ تیسرا خریدار ضامن ہوتا ہے۔

اس صورت میں یہ بیع درست نہیں ہے کیونکہ مشتری اول کا قبضہ نہیں پایا جا رہا ہے، مال ابھی راستہ میں ہے اور اس کی بیع ایک تیسرے شخص کے ہاتھ ہو رہی ہے اور مشتری اول مال کی ہلاکت کی صورت میں اس کا ضمان بھی نہیں قبول کرتا، اس لئے علت نہی عن البیع قبل القبض، نیز احتمال غرر کی بنیاد پر یہ درست نہیں ہوگی۔

نیز اس صورت میں بیع میں ایک اور خرابی بھی موجود ہے جس کا ذکر مولانا تقی عثمانی صاحب نے ”تکملة فتح الملہم شرح مسلم“ (۱/۳۵۴) میں کیا ہے کہ اس طرح سے معمولی قیمتوں کا سامان راستے میں مختلف بیوع اور کئی منافع کی وجہ سے عوام تک سیکڑوں روپے کی قیمت تک گراں ہو کر عوام تک پہنچتا ہے، ”لأن كل تاجر يشتريها قبل الوصول يبيعها بربح إلى غيره و تصير الأرباح كلها بأیدی تجرة معدودین و يصير الغلاء نصيب العامة“ لہذا ان مذکورہ بالا خرابیوں کے پیش نظر بیع کی یہ صورت درست نہیں ہے۔

مبیع پر قبضہ سے پہلے اس کی فروختگی کا حکم

مفتی اسماعیل بھدکوری راجہ

عام طور پر جو چیزیں خرید و فروخت کے معاملہ میں مبیع بنتی ہیں وہ دو قسم کی ہوتی ہیں: پہلی قسم اشیاء منقولہ ہیں، یعنی ایسی چیزیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کی جاسکتی ہیں اور کی جاتی ہیں، جیسے جانور، غلہ، کپڑا اور گھریلو استعمال کی چیزیں وغیرہ۔ دوسری قسم کی اشیاء غیر منقولہ یعنی وہ چیزیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہیں کی جاتیں بلکہ استعمال کرنے والا ان چیزوں کو کسی دوسری جگہ منتقل کئے بغیر ان کو استعمال کرتا ہے، اور انکا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا مشکل بھی ہوتا ہے، جیسے کھیت، دوکان، مکان وغیرہ۔

جو شخص کسی غیر منقول چیز کو خریدتا ہے تو خریدار کے لیے اس چیز پر قبضہ کرنے سے قبل اس کا بیچنا امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک جائز ہے، اور امام شافعی و امام محمد کے نزدیک خریدار کے مبیع پر قبضہ کرنے سے پہلے اس کا بیچنا ناجائز ہے۔

اور جو شخص کسی منقول چیز کو خریدتا ہے تو امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک خریدار کے لئے اس مبیع منقول کو قبل القبض بیچنا ناجائز اور عقد فاسد ہے، چاہے وہ مبیع منقول از قبیل طعام وغیر طعام ہو، یا مکمل و موزون و معدود ہو، یا اسکے علاوہ، اور یہی مسلک امام محمد و امام شافعی کا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر مبیع منقول از قبیل طعام ہو تو اس کی قبل القبض بیع ناجائز ہے، اور اگر مبیع منقول از قبیل غیر طعام ہو تو اس کی بیع خریدار کے لئے قبل القبض بھی جائز ہے امام

مالکؒ فرماتے ہیں کہ بیع منقول اگر مکمل یا موزون طعام ہو تو خریدار کے لئے قبل القبض اسکی بیع ناجائز ہے اور اگر بیع منقول کیلی یا وزن طعام نہ ہو تو قبل القبض اسکی بیع جائز ہے، اگر بیع منقول غیر طعام ہو تو بھی قبل القبض جائز ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں حضرات ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے اقوال مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی شرح مسلم کی عبارت ذیل سے ماخوذ ہیں:

و فی المسئلة أقوال تالية :

الأول : قال عثمان البتي : يجوز بيع كل شيء قبل قبضه ' و قال ابن عبد البر : هذا قول مردود بالسنة و الحجة المجمعة على الطعام ' وأظنه لم يبلغه هذا الحديث ' و مثل هذا لا يلتفت إليه ، كذا في المغني لابن قدامة (۱۱۳/۴)

الثاني : قال الشافعيّ و محمد بن الحسن من الحنفية : يحرم بيع كل شيء قبل قبضه ' طعاما كان أو غيره ، منقولا كان أو غير منقول و هو ظاهر قول ابن عباس رضي الله عنهما و هو رواية ابن عقيل عن أحمد كما في المغني .

الثالث : قال أحمد بن حنبل في أظهر روايته : إنما يختص النهي بالطعام ' فلا يجوز بيعه قبل قبضه و يجوز فيما سواه كما حققه ابن قدامة .

الرابع : قال مالك رحمه الله : إنما يمتنع البيع قبل القبض في المكيل و الموزون، من الطعام خاصة وقال سحنون وابن حبيب من المالكية: إنه ممتنع في كل مكيل أو موزون أو معدود ثم هل يختص بالطعام أو بالربويات ؟ فيه قولان حكاهما الأبي .

الخامس : قال أبو حنيفةؒ و أبو يوسفؒ يمتنع البيع قبل القبض في سائر

المنقولات و يجوز في العقار الذي لا يخشى هلاكه (کافی فتح القدیر ۲۶۶/۵ و تلمذ فتح الملہم ۳۵۰/۱)۔

بیع قبل القبض کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلت ہیں، اور وہ علت معقود علیہ کے ہلاک ہونے کے احتمال کی وجہ سے عقد اول کے فسخ کا غرر ہے، جیسا کہ ”الفقہ الاسلامی“ میں یہ علت مذکور ہے جس میں حنفیہ کا مسلک ذکر کیا گیا ہے اور اس علت کو صاحب ہدایہ نے بھی مندرجہ ذیل عبارت میں ذکر کیا ہے:

”و يجوز بيع العقار قبل القبض عند أبي حنيفة و أبي يوسف و قال محمد: لا يجوز رجوعا إلى إطلاق الحديث و اعتباراً بالمنقول و صار كالإجارة ولهما أن ركن البيع صدر من أهله في محله ولا غرر فيه؛ لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول و الغرر المنهى عنه غرر انفساخ العقد و الحديث معلول به عملاً بدلائل الجواز“ (ہدایہ اخیرین ۷۳)۔

یہاں پر قبل القبض بیع کی نہی کی حکمتوں کا ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے، لہذا ان حکمتوں کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) بیع کے قبل القبض پہنچنے کی صورت میں اگر عقد ثانی مشتری کے حق میں زیادہ نفع بخش ثابت ہو تو بائع اول عقد اول کو فسخ کرنے کی طمع نہ کرنے لگے اور بیع کو سپرد کرنے میں ٹال مٹول نہ کرے۔

(۲) اگر اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے تو عام بازار میں بہت سی اشیاء کی قیمتیں حد سے بڑھ جائیں گی۔ لہذا جو چیزیں ایک ملک سے دوسرے ملک میں بین الاقوامی تجارت کی صورت میں برآمد درآمد ہوتی ہیں وہ ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچنے سے پہلے اس پر مختلف اور متعدد تاجروں کے سودے واقع ہوتے ہیں اور ہر تاجر دوسرے تاجر کو اپنا نفع چڑھا کر بیچتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ابتداءً چند روپیوں میں کئی ہوئی چیز عام

بازار میں سیکڑوں کی بن کر پہنچتی ہے، اگر نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق ایسی چیزوں کے بیچنے میں بائع کا قبضہ شرط قرار دیا جائے گا تو عام بازار میں اشیاء کی قیمتیں سستی اور معتدل رہیں گی (دیکھئے: عملہ فتح الہام، ۱/۳۵۴)۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ نے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو بیع صرف کے مشابہ قرار دیکر اسکے نفع کو ربوا کے مشابہ قرار دیا ہے۔

”عن ابن طاؤس عن أبيه عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ نهى أن يبيع الرجل طعاما حتى يستوفيه قلت لابن عباس: كيف ذاك؟ قال: ذاك دراهم بدر احم والطعام مرجأ“ (بخاری شریف، ۱/۲۸۶)۔

بیع پر قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع بیع سے اپنے مالکانہ تعلقات ختم کر دے اور مشتری کو اس میں ہر طرح کے تصرف کرنے کی قدرت دیدے، ہر قسم کی بیع کے مذکورہ حالت میں ہونے کو قبضہ کہتے ہیں، قبضہ بیع کی مختلف جزئیات جو فقہاء کرامؒ نے کتب فقہ میں ذکر فرمائی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلیہ بیع کی کوئی ایک شکل اور نوعیت متعین نہیں ہے اور اس کا مدار عرف و عادت پر ہے۔

”وأما تفسير التسليم والقبض فالتسليم والقبض عندنا هو التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري برفع الحائل بينهما على وجه يتمكن المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلما للمبيع والمشتري قابضا له، وكذا تسليم الثمن من المشتري إلى البائع وقال الشافعي: القبض في الدار والعقار والشجر بالتخلية، وأما في الدراهم والدنانير فتناولهما بالبراجم وفي الثياب بالنقل وكذا في الطعام إذا اشتراه مجازفة فإذا اشتراه مكايلة فبالكيل وفي العبد والبهيمة بالسير من مكانه“ (بدائع الصنائع، ۲/۲۴۳)۔

۶۔ خریدار اول کے لئے بیع منقول کو دوسرے کے ہاتھ بیع کے جواز کے لئے بائع کی جانب سے خریدار اول کے سامنے یا اسکے نائب کے سامنے بیع کا ایسا تخیلہ کہ وہ اس میں اصلۃً، یا نیابتاً ہر قسم کے تصرف پر قادر ہو یہ ضروری ہے، لہذا صورت مسئلہ میں خریدار اول کا مال فیکٹری سے لے کر خریدار ثانی تک پہنچانے والا اگر خریدار اول کا اجیر و وکیل ہے، تو خریدار اول کی جانب سے مال مذکور کی فروختگی کو بعد القبض ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیا جائیگا، اور اگر خریدار ثانی تک مال پہنچانے والا شخص فیکٹری کا ملازم و اجیر ہے تو اس صورت میں خریدار اول کے محض ضمان قبول کر لینے کو اس کا قبضہ نہیں سمجھا جائے گا، اور یہ عقد ثانی قبل القبض ہونے کی وجہ سے ناجائز شمار ہوگا اور خریدار اول کے قبضہ سے پہلے بیع کے نقصان کی ذمہ داری خریدار اول پر ڈالنے کی شرط طے کرنا بھی جائز نہ ہوگا، بلکہ فیکٹری کے خریدار تک مال پہنچنے سے پہلے ہونے والے نقصان کا ذمہ دار فیکٹری کے مال کا بائع شمار ہوگا، جیسا کہ مشتری کے قبضہ سے پہلے بیع کے ہلاک ہونے کی صورت میں بائع کے ذمہ ضمان عائد ہونے کے جزئیات سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے (فتاویٰ ہندیہ جلد ۳)۔

۷۔ اگر خریدار اول نے اصل بائع کو مال بردار کمپنی کے ذریعہ خرید کر وہ مال بھیجنے کے لئے کہا اور مال برداری کا کرایہ خریدار اول کے ذمہ طے ہوا تو خریدار اول کا مال مذکور کو خریدار ثانی کے ہاتھ فروخت کرنا تو جائز ہے، مگر مال کے ضائع ہونے کی صورت میں خریدار ثانی کو ضامن بنانا شرعاً جائز نہیں ہے، اور خریدار ثانی تک مال پہنچنے سے پہلے مال کے ضائع ہونے کی صورت میں خریدار اول ہی ضامن رہے گا، کیونکہ مال اس کے وکیل کے ضمان میں ضائع ہوا ہے، ابھی اس مال پر خریدار ثانی کا قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کے ضمان میں داخل نہیں ہوا، لہذا اس کو ضامن بنانا جائز نہیں ہے (عامگیری ۱۹/۳، احسن الفتاویٰ ۶/۵۲۶)۔



قبضہ سے پہلے بیع و شراء کا شرعی حکم

مولانا عبدالقیوم پالپوری

۱- امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مشتری کا قبل القبض بیع منقول کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اور یہ بیع فاسد ہے، اور بیع غیر منقول کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے۔ "قال أبو حنیفہ و أبو یوسف: یمتنع البیع قبل القبض فی سائر المنقولات ویجوز فی العقار الذی لا یخشی ہلاکہ کما فی" (فتح القدیر ۲/۲۶۵، تلمذ فتح البہیم ۳۵۱/۱) "صح بیع عقار لا یخشی ہلاکہ قبل قبضہ لعدم الغرر لندرة ہلاک العقار بخلاف بیعہ (المنقول) قبلہ فإنه باطل مطلقاً قلت فی المواہب وفسد بیع المنقول قبل قبضہ انتہی، و نفی الصحة یحتملہما "الدر المختار" (قوله نفی الصحة) أى الواقع فی المتن یحتملہما أى یحتمل البطلان و الفساد، و الظاہر الثانی لأن علة الفساد الغرر کما مر مع وجود رکنی البیع، و کثیراً ما یطلق الباطل علی الفاسد، أفادہ" (رد المحتار مع الدر ۴/۲۲۵-۲۲۶)۔

۲، ۳- قبضہ دو طرح کا ہوتا ہے ایک حسی اور دوسرا حکمی، اشیاء منقولہ و غیر منقولہ میں حسی قبضہ ہی ضروری نہیں ہے، بلکہ حکمی قبضہ بھی کافی ہے، جس کی صورت یہ ہے کہ بیع کرنے کے بعد بیع کے سامنے، یا قریب ہونے کی حالت میں بائع مشتری کو کہہ دے کہ اس کو لے لو، پھر چاہے مشتری اس بیع کو اٹھائے، یا نہ اٹھائے (یا تصرف میں لائے، یا نہ لائے) حکمی قبضہ ہو جائے گا اور بیع

مشری کے ضمان میں داخل ہو جائے گی، اشیاء منقولہ یا غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ درمختار اور رد المحتار میں ہے۔

ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف سے متعین ہوتا ہے، یعنی عرف میں جس کو قبضہ تصور کیا جائے گا وہی شرعاً قبضہ مانا جائے گا بشرطیکہ بیع مقدوراً للتسلیم ہو اور دور نہ ہو، حضرت مولانا فتح محمد صاحب تائب لکھنویؒ لکھتے ہیں: ”پھر اس امر میں کہ قبضہ معتبر کس طور کا ہے، فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، جن سب کا مرجع عرف پر ہے اور ہے بھی یہی بات کہ قبضہ کوئی شرعی ایجاد نہیں، جسے لوگ قبضہ سمجھتے آئے وہی شرع میں بھی قبضہ سمجھا گیا ہے، خصوصاً اس زمانہ میں اعتبار قبض کو وسعت دینے کی سخت ضرورت ہے، مثلاً چھکڑے مالوں سے بھرے آتے ہیں اور کھڑے کھڑے کئی بار پک کر آخر کار مال اتارا جاتا ہے، تو ہر بار کسی قسم کی نقل و حرکت میں غالباً مصارف اصل کے قریب، یا زیادہ بڑھ جائیں گے، پس ضروری ہے (۱) بلٹی (۲) قول قبضہ، سمجھ لیا جائے، مثلاً مال کی بلٹی پر دستخط کر کے حوالے کر دے، یا بیچ کر کہہ دیا کہ تم لے لو، یہ قبضہ ہے، کیونکہ عرف موجودہ میں یہ تمام امور قبضہ جائز متصور ہوتے ہیں، اور ان سے مشتری کو باقاعدہ تصرف کا اختیار ہو جاتا ہے“ (عطر البدایہ ۲۸)۔

اور مفتی محمد تقی صاحب عثمانی لکھتے ہیں: ”ہر چیز کے قبضہ کا طریقہ عرف سے متعین ہوتا ہے“ (اسلام اور جدید معیشت و تجارت ۹۲)۔

۴- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نبی سے متعلق احادیث ”معلول بالعلۃ“ ہیں، اور اس بیع کی ممانعت کا مدار دو علتوں پر ہے، ایک یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع مقدوراً للتسلیم نہیں ہوتی، لہذا یہ بات یقیناً نہیں کہ وہ مشتری کو ضرور قبضہ کر دے گا، یہ غرر ہے جس کی وجہ سے جائز نہیں، اور دوسری علت ممانعت یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی، اور ”ربح ما لم یضمن“ جائز نہیں ہے، جیسا کہ مفتی تقی صاحب عثمانی تحریر فرماتے ہیں:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کا مدار دو وجہوں پر ہے (۱) قبضہ سے پہلے بیع

مقدور التسلیم نہیں ہوتی۔

لہذا یہ بات یقینی نہیں کہ وہ مشتری کو ضرور قبضہ کرادے گا، یہ غرر ہے جس کی بناء پر جائز نہیں، بیع کی بہت سی صورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ ان میں یہ غرر کی وجہ نہیں پائی جاتی، باوجود اس کے بیع حاسم مقبوض نہیں، لیکن حکماء وہ مشتری کے تصرف میں آ جاتی ہے، لہذا ایسی صورتوں میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت نہیں پائی جائے گی۔

(۲) قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ قبضے سے پہلے بیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی اور ”ربح مالم یضمن“ جائز نہیں (اسلام اور حدید معیشت و تجارت ۹۱)۔ اور حضور ﷺ کی احادیث: ”لا یحل سلف و بیع و لا شرطان فی بیع و لا ربح مالم یضمن و لا بیع مالم یضمن عندک“ (أخرجہ الترمذی) اور ”إن النبی ﷺ نہی عن بیع الحصة و عن بیع الغرر“ رواہ الجماعة إلا البخاری (إعلاء السنن ۱۱۶/۱۳)۔

دلائل کرتی ہیں کہ قبل القبض بیع کی نہی علت یہ ہے کہ یہ بیع غرر، یا ”ربح مالم یضمن“ کو مستلزم ہے، ”وإنما العلة المنصوصة فی ذلک ما رویناہ فی حدیث عبد اللہ بن عمرو و هو أن البیع قبل القبض یتضمن ربح مالم یضمن“ (مسند فتح البہم ۱/۳۵۳)۔

”وقال ابن الہمام: والحديث معلول به أى بغير الانفساخ، والدلیل علیہ أن التصرف الذی لا یمتنع بالغرر نافذ فی البیع قبل القبض وهو العتق و النزوج علیہ“ (فتح ۲۶۶/۵ عن تلمذ فتح البہم ج ۱/۳۵۳)۔

۵۔ (۱) امام احمد کی اظہر روایت یہ ہے کہ نبی صرف طعام کے ساتھ خاص ہے، لہذا طعام کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے، اور اس کے علاوہ جائز ہے، (۲) اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صرف طعام میں سے مکیلات و موزونات میں قبل القبض ناجائز ہے، مالکیہ میں

سے بخون و ابن حبیب فرماتے ہیں کہ ہر ملک میں و موزونی اور عددی میں ناجائز ہے، پھر کیا وہ طعام کے ساتھ خاص ہے ان کے یہاں یا ربویات کے ساتھ؟ تو اس میں دو قول ہیں جن کو ابی نے بیان کیا ہے (عکلمد ۱/۳۵۰-۳۵۱)۔

ان حضرات نے حضور ﷺ کے ارشاد: ”من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یتوفیہ“ (رواہ مسلم) سے استدلال کیا ہے کہ اس میں ممانعت طعام ہی پر منحصر ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے اس میں طعام کی صراحت کی ہے (عکلمد ۱/۳۵۱)۔

(۳) امام شافعی اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر چیز کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت (خواہ وہ طعام ہو، یا غیر طعام، منقول ہو، یا غیر منقول) حرام ہے اور یہی امام احمدؒ کی ایک روایت ہے۔

ان حضرات نے حضور ﷺ کی حدیث: ”فان رسول اللہ ﷺ نہی أن تباع السلع حیث تباع ، حتی یحوزها التجار إلی رحالهم“ (رواہ ابو داؤد) اور حکیم ابن حزام کے جواب میں منقول حضور ﷺ کا ارشاد ”یا ابن اخی ، لا تبیعن شیئا حتی تقبضہ“ ”وفی رواۃ أبان : إذا اشتريت بیعا فلا تبعه حتی تقبضہ“ (رواہ البیہقی ، وابن حیان و احمد فی مسندہ) سے استدلال کیا ہے، کہ ان دونوں حدیثوں میں حکم، طعام اور منقول کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ ہر چیز میں حکم عام ہے اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث: ”لا یحل سلف و بیع و لا شرطان فی بیع و لا ربح مالہم یضمن و لا بیع مالیس عندک“ سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اس میں حضور ﷺ نے اس میں ”ربح مالہم یضمن“ سے منع کیا ہے اور قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اس کو مضمن ہے، اور یہ علت طعام اور غیر طعام کو عام ہے (عکلمد ۱/۳۵۲)۔

(۴) امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ تمام منقولات میں قبل القبض منع ناجائز ہے، اور اس عقار میں جس میں ہلاکت کا اندیشہ نہیں ہے جائز ہے (فتح القدیر ۲/۲۶۶)۔

شیخین انہی تین احادیث سے استدلال کرتے ہیں (جن سے امام شافعی اور امام محمد استدلال کرتے ہیں)، لیکن عقار وغیرہ منقول کو عموماً منہی سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، اسلئے کہ منہی کی علت اس میں مٹتی ہے، اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ قبل القبض بیع کی بیع سے منہی میں علت یہ ہے کہ یہ بیع ”ربح ما لم یضمن“ کو مستلزم ہے، اور انسان صرف اس چیز کا ضامن ہوتا ہے جس میں ہلاکت کا خوف ہو اور عقار میں اس کا خوف نہیں ہے مگر نادرتی، کہ اگر اس میں ہلاک ہونے کا خوف ہو تو قبل القبض بیع جائز نہیں، جیسے سمندر کے کنارے پر جو عقار ہو اس میں قبل القبض بیع جائز نہیں، جیسا کہ ”فتح القدیر“ میں ہے (تملک فتح المہم ۲۵۰/۱-۲۵۳ للشیخ محمد تقی عثمانی)۔

۶- ایک شخص کسی فیکٹری سے فون، یا فیکس کے ذریعہ مال خرید کر اپنے قبضہ میں لئے بغیر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے اور مال براہ راست فیکٹری سے مشتری ثانی کے یہاں روانہ کر دیتا ہے، اس صورت میں اس شخص کا دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دینا قبل القبض جائز نہیں ہے (۱)، چاہے تجارتی اصول کے مطابق وہ مال اس شخص کے ضمان میں سمجھا جاتا ہو، اس لئے کہ اس صورت میں قبضہ حسی اور حکمی، یعنی تخلیہ سے قبل پہنچتا ہے، کیونکہ قبضہ حکمی کیلئے بھی بیع کا مآخذین سے اتنا قریب ہونا ضروری ہے کہ قبضہ حسی کا تحقق ہو سکے، جیسا کہ علامہ شامیؒ اور حنفی کی ان عبارات سے ظاہر ہوتا ہے، جو سوال (۲، ۳) کے جواب میں تحریر کی جا چکی ہیں، ”فی البحر والخانیة: ... لأن إذا كان قريباً يتصور فيه القبض الحقيقي في الحال، فتقام التخلية مقام القبض، أما إذا كان بعيداً لا يتصور فيه القبض في الحال فلا تقام التخلية مقام القبض اه؛ لأن المعتبر فيها القرب الذى يتصور معه حقيقة القبض كما علمته من كلام الخانية“ (رد المحتار ۵۹۳/۲-۶۰)۔

۷- یہ صورت بھی سوال نمبر (۶) میں مذکور صورت کی طرح ناجائز ہے، مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نے اس جیسی صورتوں کے جواز کی دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں، چنانچہ تحریر

فرماتے ہیں:

(۱) جہاں مال خریدا ہے، وہاں کسی کو، یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنادے، اس کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے (۲) (جس شخص کے یہاں مال پہنچ رہا ہے اس کو وکیل بالقبض بنادے اور مال پہنچنے سے پہلے بیع نہ کرے، بلکہ وعدہ بیع کرے، بیع مال پہنچنے کے بعد کرے، اس صورت میں جانتین سے کوئی انکار کر دے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، اگرچہ مشتری نے کسی خاص کمپنی کی تعیین نہ کی ہو، کمپنی کی تحویل میں آ جانے کے بعد بیع جائز ہوگی۔

”قال فی الہندیۃ : إذا قال المشتري للبائع: ابعت لی ابنی واستاجر البائع رجلاً یحملہ إلی ابنہ، فہذا لیس بقبض، و الأجر علی البائع، إلا أن یقول: استأجر من یحملہ، فقبض الأجير یكون قبض المشتري، إن صدقہ أنه استأجرہ و دفع إلیہ وإن أنکر استیجارہ و الدفع إلیہ، فالقول قولہ، کذا فی التتارخانیۃ“ (عائگیریہ ۱۹/۳، احسن الفتاویٰ ۶/۵۲۶)۔

☆☆☆

اشیاء منقولہ کی بیع قبضہ سے پہلے

مولانا منظور احمد قاسمی

۱، ۲- قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنے کی ممانعت کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو مختلف احادیث مروی ہیں، ان کے پیش نظر جمہور فقہاء کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض ناجائز تو ضرور ہے، لیکن آیا اس کا شمار بیع باطل میں ہے یا بیع فاسد میں یا بیع مکروہ میں؟ اس سلسلہ میں بعض فقہی عبارات سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اشیاء منقولہ میں ”بیع قبل القبض“ باطل ہے، جیسا کہ ”فتح القدیر“ میں ہے: ”وقبل القبض فی المنقول لا ینعقد أصلاً“ (۲۲/۶) کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے بیع اصلاً منعقد ہوتی ہی نہیں۔ چنانچہ بیع باطل کی تعریف فقہاء بھی یہی کرتے ہیں کہ جو بیع اصل و وصف کے اعتبار سے درست نہ ہو۔ ”الباطل هو ما لا یکون صحیحاً أصلاً ووصفاً“ (عناہ علی الفتح ۲۲/۶)، اور صاحب ”البحر الرائق“ لکھتے ہیں: ”هو ما لا یکون مشروعاً لا بأصله ولا بوصفه“ (۶۹/۶)، اور کفایۃ میں ہے: ”وقبل القبض لا یدری أتم البیع فیصیر بائعاً ملک نفسه أم ینفسخ بائعاً ملک غیره، فلا یصح فتمکن فیہ غرر فکان باطلاً“ (کفایۃ علی الفتح ۱۳۶/۶)، کفایۃ کی عبارت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض باطل ہے۔

نیز یہ تو مسلم بات ہے کہ جن کے نزدیک اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض درست نہیں ہے وہ انفساخ عقد کے غرر کی وجہ سے ہے یعنی اشیاء منقولہ کی بیع قبل القبض میں یہ اندیشہ ہے کہ بیع کے ہلاک ہو جانے کی وجہ سے اول عقد بیع ہی فسخ ہو جائے، گویا ”بیع قبل القبض“ غرر ہے۔ اور

جس طرح سے آپ ﷺ سے ”بیع قبل القبض“ کے متعلق نہی وارد ہے، اسی طرح سے بیع غرر کے متعلق بھی نہی وارد ہے اور التعریفات الفقہیہ میں بیع غرر کی تعریف کرتے ہوئے بہت سے معاملے کو بیع غرر میں شمار کیا ہے، مثلاً آبق کی بیع، مجہول و معدوم کی بیع، غیر مقدور التسلیم کی بیع اور اس چیز کی بیع جس پر ابھی بائع کی ملکیت تام نہ ہوئی ہو، پھر اس کے بعد صراحت ہے کہ ”فکل هذا بیعہ باطل“ (قواعد الفقہ ۲/۲۱۳)، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیع قبل القبض بیع باطل میں شمار ہوتی ہے۔

رہی بات اشیاء غیر منقولہ میں بیع قبل القبض کی تو یہ ائمہ احناف میں سے امام صاحبؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک درست نہیں ہے۔ دراصل امام محمدؒ ”نہی مالہم یقبض“ والی حدیث کو اپنے اطلاق پر رکھتے ہیں، اور وہ فرماتے ہیں کہ غیر مقبوضہ کی بیع مطلقاً ممنوع ہے خواہ وہ اشیاء منقولہ میں ہو یا غیر منقولہ میں... اور شیخینؒ ”بیع قبل القبض“ کی نہی سے متعلق احادیث کو ”معلول بالعلۃ“ کہتے ہیں کہ اصل میں ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت بیع کے ہلاک ہو جانے سے عقد اول کے فسخ ہو جانے کے اندیشے اور غرر کی وجہ سے ہے اور اشیاء منقولہ کی ہلاکت بہت ممکن ہے، اس لئے انفساخ عقد اور غرر کی علت کی وجہ سے اس میں ”بیع قبل القبض“ ممنوع ہے۔ اور چونکہ غیر منقولہ کی ہلاکت نادر ہے اور انادار کا معدوم ہے، اس لئے اس میں انفساخ عقد اور غرر کی علت معدوم ہونے کی وجہ سے ”بیع قبل القبض“ درست ہے۔ چنانچہ کتب فقہ میں اس کی صراحت ہے: ”ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفۃ و أبی یوسف“ (ہدایہ ۵۸/۳)۔

”وصح بیع العقار لا یخشی ہلاکہ قبل قبضہ من بانعہ لعدم الغرر و لندرة ہلاک العقار“ (در مختار علی الشانی ۵/۱۳)۔

۵۔ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک عام ہے، اس ممانعت میں اشیاء منقولہ و غیر منقولہ سب داخل ہیں اس دلیل کی بنیاد پر جو اوپر مذکور ہوئی ہے، یعنی اطلاق

حدیث اور وہ حدیث یہ ہے، جس کو صاحب فتح القدیر نے بیان کیا ہے: ”لا تبیعن شیتنا حتی تقبضہ“۔

اور شیخین کے نزدیک ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت میں صرف اشیاء منقولہ داخل ہیں، ان حضرات کی دلیل بھی گذشتہ صفحہ پر مذکور ہو چکی ہے۔

اس باب میں امام مالکؒ کا مذہب صاحب ”فتح القدیر“ نے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک صرف کھانے کی اشیاء میں ”بیع قبل القبض“ جائز نہیں ہے، بقیہ تمام اشیاء میں خواہ وہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ ہر طرح کا تصرف قبل القبض درست ہے۔ اور امام مالکؒ کی دلیل صاحب ”فتح القدیر“ نے یہ ذکر کی ہے کہ: ”لانه رحمہ اللہ حص الطعام بالنهی فی حدیث رواہ مالک عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال: من ابتاع طعاما فلا یبعه حتی یتوفیه، اخرجه الشیخان وفي لفظ حتی یقبضہ“ (۱۳۶/۶)۔

شریعت اسلامی میں قبضہ کی کیا حقیقت ہے؟ اس سلسلہ میں کتاب وسنت نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین کی ہے یا نہیں؟ بندہ کو ایسی کوئی صراحت کتاب وسنت میں نہیں مل سکی ہے، البتہ فقہاء کی عبارات اس سلسلہ میں خصوصاً علامہ شامیؒ کی تفصیل سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قبضہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں ہے، بلکہ مختلف چیزوں کے قبضہ کی مختلف صورتیں ہیں، لیکن اتنی بات تو ضرور ہر چیز کے قبضہ کی حقیقت میں قدرے مشترک ہے کہ بائع بیع کو ایسے طور پر فارغ کر دے اور بیع کو ایسی پوزیشن میں کر دے کہ مشتری کو اس پر قبضہ کرنا بغیر کسی اڑچن و تردد کے ممکن ہو اور وہ بیع بائع کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، جیسا کہ ”در مختار علی الشامی“ (۵۶۱/۴) میں ہے:

’ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل“۔

چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس عبارت کی شرح میں کئی چیزوں پر قبضہ کے تحقق کی مختلف

تیں لکھی ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قبضہ کی کوئی خاص صورت متعین نہیں ہے اور نہ ہی ہر چیز میں قبضہ حسی شرط ہے، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے۔ البتہ اتنی بات تو بہر حال ہر شی کے قبضہ کے سلسلہ میں ملحوظ رہے گی کہ بیع کے بعد وہ شی ایسی حالت میں ہو کہ مشتری اس پر قبضہ بغیر کسی تکلف کے کر لے اور وہ بیع بالغ کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، کیونکہ اگر قبضہ کی بابت اتنی بات بھی ملحوظ نہ ہو تو قبضہ و تسلیم کا معنی ہی متحقق نہ ہوگا۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ خواہ اشیاء منقولہ ہوں یا غیر منقولہ دونوں میں ایک معنی مشترک ہوگا جو قبضہ و تسلیم کی تعریف ہے۔ اب اس قبضہ کا تحقق اشیاء منقولہ میں کب ہوگا، اور اشیاء غیر منقولہ میں کب ہوگا؟ تو اس کا تعلق عرف سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا جس کے بارے میں عرف ہوگا اسی کو اس شی کے متعلق قبضہ شمار کریں گے، اتنی بات بدیہی ہے کہ ساری چیزوں میں قبضہ حسی شرط نہیں ہے۔

۶- مذکورہ صورت میں جبکہ خریدار (۱) فیکٹری سے مال خرید کر اس پر قبضہ حسی کرنے سے پہلے خریدار (۲) کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو اگر بیع خریدار (۲) کے ہاتھ فروخت کرنے سے پہلے خریدار (۱) کے ضمان میں آ جاتی ہے تو گویا اس نے مال مضمون کی بیع خریدار (۲) سے کی ہے، اور مال مضمون پر نفع لیا ہے۔ اب یہاں پر گو کہ مال بیع پر خریدار (۱) کا قبضہ حسی نہیں ہوا ہے لیکن آج کل تجارت کے درمیان یہ عرف ہے کہ یہ بیع خریدار (۱) کے ضمان میں پہنچ جاتی ہے، اس لئے ضمان کو قبضہ حسی سمجھ کر اس خرید و فروخت کو جائز قرار دینا چاہئے۔ چنانچہ خرید و فروخت کے سلسلہ میں تجارت کے درمیان کوئی عرف ہو تو اس کا اعتبار بھی ہوتا ہے، جیسا کہ عرف خاص کی مثال دیتے ہوئے صاحب ”المدخل“ نے لکھا ہے: ”و ذلک كعرف التجار فما يعد عيباً ينقص الثمن فى البضاعة المبيعة أولاً يعد عيباً“ (۸۳۹/۲)۔

تجار کے درمیان کا عرف گو کہ عرف خاص ہے عرف عام نہیں ہے، پھر بھی آج کل

مذکورہ صورت میں عرف خاص کا دائرہ بہت وسیع ہے اور دن بدن وسیع تر ہوتا جا رہا ہے، اس لئے اس عرف خاص پر قیاس کرنا درست ہے، جیسا کہ آٹھویں فقہی سمینار میں یہ بات علماء کے درمیان تجویز ہو چکی ہے کہ اگر عرف خاص کا دائرہ بہت وسیع ہے تو اس کی بنا پر قیاس درست ہے۔ مزید یہ کہ اس صورت کو اگر جائز نہ قرار دیا جائے تو امت مسلمہ کو ضرر لاحق ہوگا، کیونکہ آج کل خرید و فروخت کی کچھ صورت حال ایسی ہوتی جا رہی ہے کہ اس میں قبضہ حسی کو لازم قرار دینا ضرر کے مرادف ہے، مثلاً آج کل بھاری اور بڑی تجارتیں اور معاقدین کے درمیان بہت دور دراز کا فاصلہ ہوتا۔ اس لئے ”الضرر یزال“ اور ”الضرورات تبیح المحظورات“ کے پیش نظر بھی یہ صورت جائز ہونی چاہئے۔

۷۔ وہ صورت جس میں بین الاقوامی تجارت شیپنگ (جہاز پر مال چڑھانے) کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے اور مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو اس کا وہ ضامن نہیں ہوتا ہے تو اگر یہ مال بیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے ضمان میں آ جاتا ہے تجارت کے عرف میں، تو پھر اس مال مضمون کی فروخت مشتری کے لئے جائز ہونی چاہئے، اس دلیل کی وجہ سے جو چھ نمبر کے سوال کے جواب میں گزری۔ اور اگر اس مشتری نے جبکہ مال ابھی سمندر میں ہو تیسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا تو یہ فروخت کرنا تو درست ہے، لیکن چونکہ تیسرے شخص کے ضمان میں اس مال کے پہنچنے کی کوئی علامت نہیں ہے، اس لئے اس مال کے ضائع ہو جانے پر تیسرے شخص کا ضامن ہونا درست نہیں معلوم ہوتا... البتہ اگر وہ مال بیع بائع کے ضمان سے نکل کر مشتری کے

ضمان میں نہیں آیا ہے تو ایسی صورت میں مشتری اول نے مشتری ثانی کو بیع دیا ہے تو یہ بیع درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس نے گویا قبضہ سے پہلے بیع کو فروخت کر دیا ہے اور ایسی چیز سے نفع حاصل کیا ہے جس کا ضامن نہیں ہوا تھا، اور حدیث میں ربح الم بضمن کی ممانعت ہے۔



قبضہ سے پہلے کسی چیز کا فروخت کرنا

مولانا احمد حسن ☆

- ۱- رسول اللہ ﷺ نے بیع پر قبضہ کئے بغیر فروخت کرنے سے روکا اور منع فرمایا ہے:
 - ”کنا نشترى الطعام من الرکبان جزافا فنہانا رسول اللہ ﷺ أن نیبعه حتی ننقله من مکانه (أى نقبضه)“ (ابن ماجہ/ ۱۶۲)۔
 - ”لا تبع قبل أن تستوفیه“
 - ”بعث علینا (رسول اللہ ﷺ) من یأمرنا بالنقله من المکان الذی نبتاعه فیہ إلی مکان سواہ قبل أن نیبعه“ (موطا امام محمد/ ۳۳۲)۔
 - ”لا تبع ما لیس عندک“ (ترمذی/ ۲۱۰)۔
 - ”نہاہم عن بیعه فی مکانہ حتی ینقلوه“ (ابوداؤد و ترمذی عن مشکوٰۃ/ ۲۳۷)۔
 بیع منقول قبل القبض باطل بیع ہے، بعض فقہاء نے اسی کیلئے فاسد بیع کے الفاظ لکھے ہیں، ”بخلاف بیعه قبله (أى قبل قبضه) فإنه باطل مطلقاً (جوہرۃ)“ قلت: وفی المواہب وفسد بیع المنقول قبل قبضه انتہی، ونفی الصحۃ فی قوله لم یصح یحتملہا فتنبہ، ترمذی میں ”باب ما جاء فی کراہۃ بیع ما لیس عندک“ کے الفاظ سے ”ترجمۃ الباب“ لکھ کر قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے مکروہ ہونے کو بتایا ہے۔
- ۲- اسلام نے جب کسی چیز کی حقیقت واضح اور متعین فرمادی ہو تو اسے لوگوں کے عرف

وعادت پر نہیں چھوڑا جاسکتا، رسول اللہ ﷺ کے ارشاد ”حتی ننقله من مكانه“ سے کسی حقیقی قبضہ ہی متعین ہوتا ہے۔

۳- اشیاء منقولہ کا قبضہ تو وہی ہے جو حدیث رسول اللہ ﷺ سے واضح ہوتا ہے، لیکن اشیاء غیر منقولہ (مکان وغیرہ) کا قبضہ بیع کے مشتری کی تحویل میں آ جانے، یا وثیقہ تحریر، یا تکمیل شہادت بیع سے تسلیم کیا جائے گا۔

۴- منع قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی علت ہلاکت و تلف بیع کا خطرہ اور غرر و خدع ہے (درمختار ۲/۷۹۲)۔

۵- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت سے اشیاء غیر منقولہ (بقول مفتی بہ) مستثنیٰ ہیں۔
حق عبد و امہ، تدبیر، ہبہ، تصدق، رہن، عاریت کو بھی قبل القبض جائز لکھا ہے (الابواب و التراجم للشیخ زکریا ۳/۲۳۶)۔

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے متعلق ائمہ مجتہدین اور حنفیہ کی آراء:
- امام مالکؒ نے غیر طعام میں ہر چیز کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی اجازت دی ہے۔

- امام احمد بن حنبلؒ نے مکمل، موزون اور معدودشی کے علاوہ ہر چیز کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو جائز فرمایا ہے۔

- امام شافعیؒ نے طعام ہو، یا غیر طعام کسی بھی شے کے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو جائز قرار نہیں دیا ہے۔

- امام اعظم ابوحنیفہؒ نے غیر منقولہ اشیاء کی بیع ”من غیر قبض“ کے جواز کا فتویٰ صادر فرمایا ہے، اور منقولات کی بیع کو قبضہ سے پہلے منع کیا ہے، امام ابو یوسفؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے (بنایہ فقہ من التعلیق مجید ۳/۳۱)۔

حنفیہ کے مسلک میں امام صاحبؒ کا ارشاد ہی مفتی بہ ہے: ”صح بیع عقار لا

یخشى هلاكه قبل قبضه، فلا يصح اتفاقا ككتابة وإجارة وبيع قبل قبضه“ (شرح تنویر الابصار ملقط ۲۵۰)۔

”لا يصح بيع منقول قبل قبضه“ (فتاویٰ حامد ۲۳۶)۔

- امام مالک کے مسلک کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا غیر طعام میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کو جائز فرمادینا ہے، لفظ طعام کا خصوصی طور پر منع میں ذکر غیر طعام کی اجازت کو واضح کرتا ہے۔

- امام شافعی کی دلیل ارشاد رسول علیہ السلام میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے منع فرمادینا ہے۔

- امام اعظم کے فتویٰ کی دلیل غیر منقولہ اشیاء کے تلف و ہلاک ہونے کا امکان، بلکہ ضائع ہونے کا وقوع ہے اور غیر منقولہ جائداد میں بالعموم ایسا نہیں ہوتا ہے (تعلیق مجدد ۳۳۱)۔
بیع کا معاملہ اس شخص کی جانب سے ہو رہا ہے جسے بیع کی شرعاً اجازت ہے (لغات بر حاشیہ مشکوٰۃ ۲۳۷)۔

۶- جب منقولہ اشیاء میں قول مفتی بہ کے پیش نظر ”من غیر قبض“ فروختگی جائز ہی نہیں ہے، تو درمیان کے یہ معاملات اور ضمان کی حیثیت ہی کیا رہ جاتی ہے۔

۷- منقولہ اشیاء میں کیا جانے والا یہ معاملہ (بیع من غیر قبض) بھی جائز نہیں، تیسرے خریدار کا ضمان و ذمہ دار ہونا بھی صحیح نہیں۔

(نوٹ) ان ہر دو سوال کے دلائل اوپر کے نمبرات میں درج ہیں۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے متعلق مسائل

مولانا عبداللطیف پالپوری ☆

۱- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت شرعاً ناجائز ہے اور یہ بیع فاسد ہوگی، ”ومن اشترى شيئاً ما ينقل ويحول لم يجز له بيعه حتى يقبضه لأنه عليه السلام نهى عن بيع مالم يقبض (هداية) والنهي يقتضى الفساد، فيكون البيع فاسداً قبل القبض“ (عنایہ علی باش لفتح ۲۶۵/۵)۔

۲- قبضہ کی دو قسمیں ہیں (۱) حسی (۲) حکمی، حسی قبضہ یہ ہے کہ بیع حقیقہ مشتری کے قبضہ و تصرف میں آجائے، اور حکمی قبضہ کی صورت تخلیہ ہے، اور ”تخلیہ“ یہ ہے کہ بائع مشتری کو بیع اس طرح سپرد کرے کہ مشتری اس کے قبضہ پر بغیر کسی حائل و مانع کے قادر ہو، یعنی بیع سامنے حاضر ہو اور غیر کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو، اور بائع مشتری کو اس کے قبضہ کی اجازت دیدے، پس اگر مشتری کو قبضہ کی اجازت نہیں دی، یا اجازت دی لیکن وہ بیع دور تھی تو بھی قبضہ صحیح نہ ہوگا۔

”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل وشرط في الأجناس شرطاً ثالثاً وهو أن يقول: خليت بينك وبين المبيع فلو لم يقله أو كان بعيداً لم يصير قابضاً، والناس عنه غافلون، فإنهم يشترون

قرية و يقرون بالتسليم والقبض وهو لا يصح به القبض على الصحيح“ (در مختار علی رد المحتار ۴/۳۳)۔

شریعت میں قبضہ کی کوئی صورت متعین نہیں، بلکہ قبضہ کا مدار عرف پر ہے، لیکن یہ عرفی قبضہ اس وقت معتبر ہوگا جب کہ قبضہ حسی، یا حکمی کے دائرے میں آتا ہو، بیع کا صرف مشتری کے ضمان میں آجانا قبضہ کیلئے کافی نہیں ہے، الا یہ کہ کوئی ایسی چیز ہو کہ اس میں حسی یا حکمی قبضہ ممکن نہ ہو تو ضمان میں آنے سے بھی قبضہ شمار کیا جائے گا۔

۳۔ اشیاء منقولہ و غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہ ہوگا، دونوں میں حسی اور حکمی قبضہ معتبر ہوگا۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث ”معلول بالعلۃ“ ہیں، اور نہی کی دو علتیں ہیں، (۱) قبضہ سے پہلے بیع کا مقدور التسليم نہ ہونا، کیونکہ ممکن ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع ہلاک ہو جائے جس کی بناء پر بائع مشتری کو قبضہ نہ کر سکے اور یہ غرر ہے جس کی بنا پر بیع جائز نہیں ہے (۲) دوسری علت یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی اور ”ربح مالم یضمن“ جائز نہیں، ”والغرر المنہی عنہ غرر انفساخ العقد، والحديث معلول به (ہدایہ) فان الحديث الأخير حديث عبدالله بن عمرو دل على أن العلة في النهي عن بيع البیع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح مالم یضمن“ (تکملہ فتح الملہم ۱/۲۵۲)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کے بارے میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں (۱) امام احمد کی ظاہر روایت یہ ہے کہ طعام (غلہ) کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ممنوع ہے، اور اس کے علاوہ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے (۲) امام مالک فرماتے ہیں کہ طعام (غلہ) میں سے مکئی اور موزونی چیزوں کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ممنوع ہے (۳) امام شافعی اور حنفیہ میں سے امام محمد فرماتے ہیں کہ طعام اور غیر طعام، منقول اور غیر منقول ہر ایک کی قبضہ سے

پہلے خرید و فروخت حرام ہے (۴) امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ تمام مقولات کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ممنوع ہے، اور وہ عقار جس کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو اس کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز ہے، اور اگر عقار کی ہلاکت کا اندیشہ ہو، مثلاً سمندر کے کنارے ہو تو اس کی بیع بھی قبل القبض جائز نہیں ہے (عملہ فتح الہم ۱/۳۵۰)۔

دلائل:

امام احمدؒ کی دلیل: ”عن ابن عباسؓ أن رسول الله ﷺ قال: من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه“ (عملہ فتح الہم ۱/۳۵۰)۔

امام مالکؒ کی دلیل: ”ابن عباسؓ قال: قال رسول الله ﷺ من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يكتاله“ (عملہ فتح الہم ۱/۳۵۲)۔

امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کی دلیل:

(۱) ”أخرج أبو داود“ عن ابن عمرؓ قال: فإن رسول الله ﷺ نهى أن تباع السلع حيث تباع حتى يحوزها التجار إلى رحالهم“ فقد عمم هذا الحديث الحكم في سائر السلع“۔

(۲) ”عن حكيم بن حزام قال: قلت: يا رسول الله إني أبتاع هذه البيوع، فما يحل لي منها وما يحرم علي؟ قال: يا ابن أخي لا تبعن شيئا حتى تقبضه“۔

(۳) ”عن عبد الله بن عمرو أن رسول الله ﷺ قال: ”لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع ولا ربح مالم يضمن ولا بيع مالم يضمن“ فنهى فيه رسول الله ﷺ عن ربح مالم يضمن، والبيع قبل القبض يتضمنه؛ لأن المبيع لا يأتي في ضمان المشتري حتى تقبضه فإن باعه قبل ذلك بالربح كان ذلك ربحا لم يضمنه“ (عملہ فتح الہم ۱/۳۵۲)۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل: ”وبعین هذه الدلائل الثلاثة يستدل أبو حنيفة وأبو يوسف غير أنهما يستثنيان العقار من عموم النهي؛ لأن علة النهي منتفية فيه، فإن الحديث الأخير، حديث عبد الله بن عمرو، دل على أن العلة في النهي عن بيع المبيع قبل القبض هي أنه يستلزم ربح مالم يضمن وإنما يضمن الإنسان ما يخاف فيه الهلاك، وأما العقار فلا يخشى فيه ذلك إلا نادراً حتى لو كان العقار على شط البحر أو كان المبيع علواً لا يجوز بيعه قبل القبض كما في فتح القدير؛ لأن الهلاك فيه غير نادر“ (عمدة فتح الميم، ۱/ ۳۵۳)۔

۶۔ فیکٹری سے خرید کردہ مال براہ راست دوسرے خریدار کے ہاتھ پہنچنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ مال پر حسی، یا حکمی قبضہ سے پہلے اس کی بیع جائز نہیں ہے، جب حسی یا حکمی قبضہ ممکن ہو تو ضمان کو قبضہ کے قائم مقام نہیں سمجھا جائے گا، البتہ اس بیع کے جواز کی دو صورتیں ہیں (۱) مال پہنچنے سے پہلے بیع نہ کرے، بلکہ وعدہ بیع کرے اور بیع مال پہنچنے کے بعد کرے، اس صورت میں جائین میں سے کوئی انکار کر دے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، بیع پر اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جہاں مال خریدایا ہے وہاں کسی مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنا دے اس کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے، اسی طرح اگر مال پہنچانے کا کرایہ خریدار ادا کرتا ہے تو اس کی اجازت سے بائع کا کسی بھی مال بردار کمپنی کی تحویل میں مال دیدینا مشتری کا قبضہ شمار ہوگا، اگرچہ کسی خاص کمپنی کی تعین نہ کی ہو، کمپنی کی تحویل میں آ جانے کے بعد بیع جائز ہے۔

”قال في الهندية : إذا قال المشتري للبائع ابعث إلي ابني واستأجر البائع رجلاً يحمله إلي ابنه فهذا ليس بقبض والأجر على البائع إلا أن يقول استأجر من يحمله فقبض الأجير يكون قبض المشتري إن صدقه أنه استأجره ودفع إليه وإن أنكر استيجاره والدفع إليه، فالقول قوله كذا في التتارخانية“

(عائلیہ ۱۹/۳، حسن الفتاویٰ ۶/۵۲۶)۔

۷۔ اس صورت میں بھی چونکہ قبل القبض بیع کرنا پایا جاتا ہے اس لئے جائز نہیں ہے،
 ”قال العبد الضعیف عفا الله عنه: وقد ظهرت فی زماننا حکمة أخرى لهذا
 الحكم وهي أن البيع قبل القبض فی زماننا يحدث غلاءً فی السوق وكثيراً ما
 يفعله تجار زماننا فی التجارة الدولية فنشاهد اليوم أن الباخرة تجرى بالبضائع
 من اليابان، مثلاً فبيعه الذي يصدره إلى غيره ثم هو إلى ثان والثاني إلى ثالث
 وهكذا فتجری على البضاعة الواحدة بیاعات ربما تجاوز عشرة وكل ذلك
 قبل وصول الباخرة إلى الميناء وينتج ذلك أن البضاعة التي كانت قيمتها
 بضع ربيات فی اليابان لا تصل إلى سوق بلادنا إلا بعد ما تصير قيمته مائة أو
 أكثر؛ لأن كل تاجر يشتريها قبل الوصول يبيعها بربح إلى غيره وتصير الأرباح
 كلها بأيدي تجرة معدودين ويصير الغلاء نصيب العامة ولا حول ولا قوة إلا
 بالله“ (مکمل فتح المسلم ۱/۳۵۳)۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت

مفتی شکیل احمد سیٹا پوری

”عن زید بن ثابت أن النبی ﷺ نہی أن تباع السلع حیث یبتاع حتی یحوذها التجار إلى رحالهم“ (ابوداؤد، الدارقطنی)۔

”عن ابن عباس أن النبی ﷺ قال: من ابتاع طعاماً فلا یبعه حتی یتوفیه قال ابن عباس: ولا أحسب کل شیء إلا مثله“ (رداء الجماعۃ، إمام الترمذی، نیل الأوطار جلد ۵)۔

(حضرت زید بن ثابت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا کہ سامان جس جگہ خریداجائے اسی جگہ بیچ لیا جائے، تاوقتیکہ خریدار اس کو اپنی قیام گاہ تک نہ لائے)۔
(حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کھانے کی چیز یا غلہ خریدے تو جب تک اس پر قبضہ نہ کر لے اس کو فروخت نہ کرے، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ میرے خیال میں قبضہ کا حکم طعام کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ ہر چیز کیلئے یہی حکم ہے)۔
نبی بیع کی علت:

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ اس میں ربا لازم آتا ہے، اس لئے کہ بیع پر قبضہ ہونے سے پہلے جب اس کو دوسرے کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے تو یہ درپردہ بیع الاثمان بالاثمان تفاضلاً ہے، یعنی جب بیع قبضہ میں نہیں آئی ہے اور وہ فروخت کر دی گئی ہے تو گویا بایع ثانی نے بیع کے بجائے اپنے شمن کو مشتری ثانی کے ہاتھ زیادہ شمن کے بدلے

فروخت کر دیا، امام شوکانی لکھتے ہیں:

”أخرج البخاری عن طاؤس قال: قلت لابن عباس: کیف ذاک؟ قال: دراهم بدرهم والطعام مرجأ، استفهمه عن سبب النهی فأجابہ فإنه إذا باعه المشتري قبل القبض وتأخر المبيع في يد البائع فكأنه باع دراهم بدرهم ويبين ذلك ما أخرجه مسلم عن ابن عباس أنه قال: لما سألہ طاؤس ألا تراهم يتاعون بالذهب والطعام مرجأ، وذلك لأنه إذا اشترى طعاماً بمائة دينار ودفعها للبائع ولم يقبض منه الطعام، ثم باع الطعام إلى آخر بمائة وعشرين مثلاً فكأنه اشترى بذهبه ذهباً أكثر منه“ (نیل الاوطار ۵/۱۶۰)۔

امام سرخسی نے حنفی کی جو ترجمانی کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بیع پر جب تک قبضہ نہ کر لیا جائے نہ اس کی بیع کی جائے نہ اس میں شرکت کا عقد کیا جائے، نہ عقد تولیہ کیا جائے، نیز امام سرخسی اس جانب مائل نظر آتے ہیں کہ حنفیہ منقول اور غیر منقول کسی بھی شے کی ”بیع قبل القبض“ کے قائل نہیں ہیں، جس طرح منقول کی بیع کیلئے اس پر قبضہ ضروری ہے اسی طرح غیر منقول کیلئے بھی قبضہ ضروری ہے۔

ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ منقول پر قبضہ یہ ہے کہ اس کو اس جگہ سے منتقل کر کے اپنی جگہ اور اپنی حفاظت میں لے لیا جائے، اور غیر منقول پر قبضہ یہ ہے کہ بائع اول اس کا تخلیہ کر دے، ”ومن اشترى شيئاً فلا يجوز له أن يبيعه قبل أن يقبضه ولا يوليّه أحدًا ولا يشرك فيه“ (المبسوط ۸/۱۳)۔

ابن رشد کہتے ہیں کہ اشتراط قبضہ اور عدم اشتراط قبضہ میں سات مسلک سامنے آتے ہیں: ”الأول في الطعام الربوي فقط، والثاني في الطعام باطلاق، الثالث في الطعام المكيل والموزون، الرابع في كل شئ ينقل، الخامس في كل شئ، السادس في المكيل والموزون، السابع في المكيل والموزون والمعدود“۔

پہلا مسلک یہ ہے کہ ان مطعومات و ماکولات کی بیع میں قبضہ شرط ہے جن کے باہم تبادلہ میں ربا کا تحقق ممکن ہے، دوسرا مسلک یہ ہے کہ ہر مطعوم و ماکول کی بیع کیلئے قبضہ شرط ہے خواہ ربوی ہو خواہ غیر ربوی، تیسرا مسلک یہ ہے کہ طعام مکمل اور طعام موزون کیلئے قبضہ ضروری ہے، چوتھا مسلک یہ ہے کہ اشیاء منقولہ میں قبضہ شرط ہے، پانچواں مسلک یہ ہے کہ ہر شے میں قبضہ ضروری ہے، چھٹا مسلک یہ ہے کہ مکلیات و موزونات میں قبضہ ضروری ہے، ساتواں مسلک یہ ہے کہ مکلیات و موزونات اور معدودات میں قبضہ ضروری ہے۔ ابن رشد نے یہ بھی لکھا ہے کہ امام شافعی کے نزدیک بیع مشتری کے ضمان میں اسی وقت آتی ہے جب پہلے اس پر قبضہ ہو جائے (بدایہ المجتہد ۱۳۵)۔

بعض اسلاف کا مسلک:

سوالنامے میں اٹھائے گئے سوالات، یعنی فیکٹریوں سے نکلے ہوئے مال کی بیع اور سامان سے لدے ہوئے بحری جہاز کی اشیاء طریق میں فروختگی، امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے مسلک کے مطابق درست نہیں معلوم ہوتی، اس لئے کہ وہ بیع غیر مقبوض بھی ہے اور بیع غیر مضمون بھی، اور یہ کہنا کہ فیکٹری کا مال یا جہاز کا سامان مشتری کے ضمان میں ہوتا ہے، خواہ وہ قبضہ نہ کرے، شریعت میں معتبر نہیں، اس لئے کہ شریعت میں ضمان قبضہ کے بعد ہوتا ہے خواہ لوگوں کا معمول اس کے خلاف ہو اور خواہ لوگ کوئی نئی اصطلاح قائم کر لیں، امام مالک اور امام احمد کے یہاں مطعومات مکملہ و موزونہ کے علاوہ کی بیع قبضہ سے پہلے درست ہے، بیع غیر مقبوض اور بیع غیر مضمون کے سلسلہ میں احادیث اور ان کی شروح، نیز ائمہ اعلام کے مسالک اور ان کے استدلالات کا مطالعہ کرنے کے بعد تاثر عموماً عدم جواز ہی کا پیدا ہوتا ہے، لیکن موجودہ حالات میں اگر اس سے کاروبار کی راہیں مسدود ہو رہی ہیں اور امت مسلمہ حرج میں پڑ رہی ہے تو امام مالک اور امام احمد کے مسلک پر عمل کرنے میں غور کیا جاسکتا ہے، ان کے نزدیک قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت اشیاء خوردنی کے ساتھ مخصوص ہے، اور ابن قدامہ کے مطابق اشیاء

خوردنی بھی اگر کیل اور وزن کے عنوان سے نہیں فروخت کی گئی ہیں تو ان کی بیع بھی قبضہ سے پہلے جائز ہے، چنانچہ بائع نے اگر غلہ کا پورا ڈھیر یا پوری گاڑی ناپ اور تول متعین کئے بغیر فروخت کر دی اور مشتری نے خرید لی تو وہ پورا ڈھیر اور پوری گاڑی قبضہ کے بغیر مشتری کے ضمان میں آگئی، ابن قدامہ نے امام احمد کے حوالہ سے دو جزئیے نقل کئے ہیں: ”رجل اشتری طعاماً فطلب من یحملہ فرجع وقد احترق الطعام فهو من مال المشتري“، ایک شخص نے غلہ خریدا، اور حامل کو ڈھونڈنے نکلا اور جب واپس ہوا تو غلہ جل کر خاک ہو چکا تھا تو یہ احتراق مشتری کے ضمان میں ہوا۔ ”من اشتری ما فی السفینة صبرة ولم یسم کیلاً فلا باس ان یشترک فیها ویبیع ما شاء“، جس نے پوری کشتی کا اناج خرید لیا اور ناپ اور تول کا کوئی ذکر نہیں آیا تو کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ بغیر قبضہ کئے دوسرے کو فروخت کر دے (معنی ابن قدامہ ۱۲۱/۳)۔

امام احمد کی ترجمانی کرتے ہوئے ابن قدامہ نے کہا ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت ان اشیاء خوردنی کے ساتھ خاص ہے جو کیلا یا وزنا فروخت کی گئی ہوں، کیونکہ اس ممانعت کا پس منظر یہ ہے کہ لوگ اندازہ اور تخمینہ لگا کر انکل سے غلہ اور اناج کی بیع کر دیتے تھے، جب رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے اس سے منع فرمایا اور حکم فرمایا کہ اس کو ناپ تول لیا کرو اور بغیر ناپے تو لے دوسرے سے اس کی بیع نہ کرو، لہذا دیگر اشیاء کی بیع بغیر قبضہ کے ہو سکتی ہے، بلکہ اشیاء خوردنی بھی اگر کیل و وزن کے عنوان سے نہیں خریدی گئی ہیں تو قبل القبض ان کی بیع بھی درست ہے، ابن قدامہ کی تحقیق کے مطابق یہی مسلک حضرت عثمان بن عفانؓ، حسن بصریؒ، سعید بن مسیبؒ اور حماد بن ابی سلیمانؒ کا بھی ہے۔

قبضہ کے معنی:

”وقبض کل شیء بحسبہ فان کان مکيلاً وموزوناً فقبضہ بکیلہ ووزنہ وبهذا قال الشافعی، وقال أبو حنیفة: التخلية فی ذلک قبض وروی عن احمد

أَن الْقَبْضُ فِي كُلِّ شَيْءٍ بِالتَّخْلِيَةِ مَعَ التَّمْيِيزِ؛ لِأَنَّهُ خَلَّتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَبِيعِ مِنْ غَيْرِ حَائِلٍ فَكَانَ قَبْضاً لَهُ كَالْعَقَارِ“ (المغنی ۴/۱۲۵)۔ ہر چیز کا قبضہ اس کے حسب حال ہوتا ہے، مکمل و موزون کا قبضہ امام شافعی کے نزدیک یہ ہے کہ اس کا کیل اور وزن کر لیا جائے، اور امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک تخلیہ اور تمییز ہے یعنی بیع کو الگ ممتاز کر کے رکھ لینا اور بائع کے تصرف سے اس کو علیحدہ کر لینا۔

اگر قبضہ کے ان معانی پر نظر مرکوز کی جائے تو فیکٹری سے حاصل کئے ہوئے مال اور بحری جہاز کے مال پر اس طرح کا قبضہ متحقق ہو جاتا ہے، الغرض اس ملک میں جہاں اقتدار اور وسائل معاش پر غیر مسلموں کا قبضہ ہے، اگر دو برحق اماموں کے مسلک پر غور و خوض کر کے مسلمانوں کیلئے کوئی راہ نکال لی جائے تو امید ہے کہ منشاء شرع کے خلاف نہ ہوگا۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور اس کا حکم

مولانا عبدالرحمن پالپوری

۱- اشیاء منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے اور اس کا شمار بیع فاسد میں ہوگا۔ اور اشیاء غیر منقولہ کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت شیخین کے نزدیک جائز ہے، بشرطیکہ بیع کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو، ”مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر“ میں ہے: ”لا یصح بیع المنقول قبل قبضه لنهیہ علیہ الصلوۃ والسلام عن بیع ما لم یقبض، ولأن فیہ غرر انفساخ العقد علی اعتبار الهلاک و یصح فی العقار ای یصح بیع عقار لا یخشی هلاکہ قبل قبضه عند الشیخین، خلافاً لمحمد و هو قول زفر والشافعی عملاً بإطلاق الحدیث، ولهما أن رکن البیع صدر عن أهله فی محله ولا غرر فیہ؛ لأن الهلاک بالعقار نادر حتی إذا تصور هلاکہ قبل القبض لا یجوز بیعہ“ (۷۹-۸۰)۔

اور ”رد المحتار“ میں ہے: ”(قوله ونفی الصحة) أى الواقع فی المتن یحتملہما أى یحتمل البطلان و الفساد والظاهر الثانی، لأن علة الفساد الغرر کما مر مع وجود رکنی البیع، و کثیراً ما یطلق الباطل علی الفاسد، أفاده“ (شامی مصری ۱۳۸/۵)۔

۲- قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بیع قریب میں ہو اور بائع مشتری اور بیع کے درمیان اس طرح

تکلیف کر دے کہ بغیر کسی مانع و حائل کے مشتری کیلئے بیع پر قبضہ کرنا ممکن ہو اور بائع مشتری کو بیع لے لینے کا حکم دیدے، تو بیع مشتری کے قبضہ میں شمار ہوگی، چاہے مشتری بیع کو اپنے تصرف و عمل دخل میں نہ لے، درمختار میں ہے: ”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع ولا حائل و شرط في الأجناس شرطا ثالثا: وهو أن يقول: خلعت بينك وبين المبيع فلو لم يقله أو كان بعيدا لم يصرف قبضا“ (۵۶۱/۴۰-۵۶۲)۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، دونوں میں قبضہ کی ایک ہی صورت ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہیں سے متعلق احادیث ”معلول بالعلۃ“ ہیں، قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہیں کا مدار دو وجہوں پر ہے، (۱) قبضہ سے پہلے بیع مقدور التسلیم نہیں ہوتی، لہذا یہ بات یقینی نہیں کہ وہ مشتری کو ضرور قبضہ کرا دے گا، یہ غرر ہے جس کی بناء پر جائز نہیں (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے بیع بائع کے ضمان میں نہیں آتی اور ”ربح مالم یضمن“ جائز نہیں (مستقدا از اسلام اور جدید معیشت و تجارت ۹۱)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عام ہے یا خاص اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی آراء درج ذیل ہیں: طعام کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت پر علماء کا اجماع ہے، طعام کے علاوہ میں چار مذاہب ہیں (۱) امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کسی چیز کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں ہے (۲) اور امام احمد بن حنبلؒ کی زیادہ ظاہر روایت میں صرف طعام کو قبل القبض بیچنا جائز نہیں، طعام کے علاوہ جائز ہے، (۳) امام مالکؒ کے نزدیک صرف طعام میں سے مکملات و موزونات میں قبل القبض بیع ناجائز ہے اور (۴) امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تمام منقولات میں قبل القبض بیع ناجائز اور غیر منقولات میں سے جس میں ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو ان میں قبل القبض بیع جائز ہے (إعلاء السنن ۱۳/۳۵۰، بحوالہ فتح الملہم ۱/۳۵۱)۔

امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ کے دلائل: حدیث ابن عمرؓ، أن النبی ﷺ قال:

”من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يقبضه“ رواه البخاری“ و مسلم، اور حدیث جابر: ”عن جابر قال: قال رسول الله ﷺ: إذا ابتعت طعاما فلا تبعه حتى تستوفيه“ رواه مسلم، اور حضرت ابن عباسؓ کا فرمان: ”أما الذي نهى عنه النبي عليه الصلوة والسلام فهو الطعام أن يباع حتى يقبض“ (إعلاء السنن ۱۳/۲۲۷-۲۲۸) وغیرہ مذکورہ احادیث ہے، جن میں نبی طعام ہی پر مقصور ہے، لہذا امام احمد بن حنبلؒ اور امام مالکؒ نے نبی کو طعام کے ساتھ خاص فرمایا ہے۔

اور امام شافعیؒ اور امام محمدؒ کے دلائل: حضرت ابن عمرؓ کی حدیث: ”فإن رسول الله ﷺ نهى أن تباع السلع حيث يتباع، حتى يحوزها التجار إلى رحالهم“ رواه ابو داؤد، اور حکیم ابن حزامؒ کو حضور ﷺ کا ارشاد: ”يا ابن أختي، لا تبعن شيئا حتى تقبضه“، اور ابان کی روایت میں ہے: ”إذا اشتريت بئعا فلا تبعه حتى تقبضه“ ان احادیث میں نبی کا حکم طعام و منقول کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ نبی کا حکم ہر چیز میں عام ہے، اور امام شافعیؒ و امام محمدؒ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت کردہ حضور ﷺ کا ارشاد: ”لا ربح ما لم يضمن“ سے استدلال کرتے ہیں، وجہ استدلال اس طرح ہے کہ حضور ﷺ نے ”ربح ما لم يضمن“ سے منع فرمایا ہے، اور: ”بيع قبل القبض ربح ما لم يضمن“ کو مضمن ہے، اس لئے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت مشتری کے ضمان میں آتی ہی نہیں، پس اگر قبل القبض بالربح بیچے گا تو وہ ”ربح ما لم يضمن“ ہوگا اور یہ علت طعام وغیرہ طعام ہر ایک کو عام ہے، لہذا اتمام اشیاء طعام، یا غیر طعام، منقول، یا غیر منقول سب کی قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہوگی (المستفاد من تكملة فتح المليم ۱۱/۳۵۲-۳۵۳)۔

امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ مذکورہ امام شافعیؒ و امام محمدؒ کے متدلالات ہی سے استدلال کرتے ہیں، مگر عقار، غیر منقول کو عموم نبی سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ نبی کی علت عقار میں منعمی ہے، اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید

وفروخت کی نہیں کی علت ”ربح مالم یضمن“ کا لزوم ہے، اور انسان صرف اسی چیز کا ضامن ہوتا ہے جس میں ہلاکت کا اندیشہ ہو اور عقار میں ہلاکت کا خوف نہیں ہے مگر نادر، حتیٰ کہ اگر عقار میں ہلاکت کا خوف ہو تو شیخین کے نزدیک قبل القبض اس کی بیع جائز نہیں ہے، جیسے سمندر کے کنارے پر جو عقار ہو اس میں قبل القبض بیع جائز نہیں ہے (اعلاء السنن ۱۳/۲۲۷-۲۳۱ وکملہ فتح السہم ۲۵۰/۱-۲۵۳)۔

۶- صورت مسئلہ میں بیع خریدار سے قریب نہ ہونے کی وجہ سے خریدار کا نہ حسی قبضہ پایا گیا اور نہ حکمی قبضہ، اس لئے خریدار اول کے لئے دوسرے خریدار کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے، شامی میں ہے:

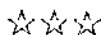
”لأن إذا كان قريبا يتصور فيه القبض الحقيقي فتقام التخلية مقام القبض ، أما إذا كان بعيدا لا يتصور فيه القبض في الحال فلا تقام التخلية مقام القبض لان الاعتبار فيها القرب الذي يتصور معه حقيقة القبض كما علمته من كلام“ (الکافی ۵۶۲/۳-۵۶۳)۔

۷- اس صورت میں بھی قبل القبض بیع کرنا ہے، لہذا یہ صورت شرعا جائز نہیں ہے (حوالہ سابق)۔

سوال (۶) اور (۷) میں مذکور دونوں صورتوں کے جواز کیلئے وہ صورتیں اختیار کی جائیں جو حضرت مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی نے ”احسن الفتاویٰ“ میں تحریر فرمائی ہیں کہ (۱) جہاں مال خریدا ہے وہاں کسی کو، یا مال بردار کمپنی کو وکیل بالقبض بنادے، اس کے قبضہ کے بعد بیع جائز ہے (۲) خریدار کو وکیل بالقبض بنادے اور مال پہنچنے سے پہلے بیع نہ کرے، بلکہ وعدہ بیع کرے، بیع مال پہنچنے کے بعد کرے، اس صورت میں جانبدار میں سے کوئی انکار کر دے تو صرف وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا، بیع پر اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا، اگر خریدار (اول) مال پہنچانے کا کرایہ ادا کرتا ہے تو اس کے اذن سے بائع کا کسی بھی مال بردار کمپنی کی تحویل میں مال دیدینا مشتری کا قبضہ

شمار ہوگا، اگرچہ مشتری نے کسی خاص کمپنی کی تعیین نہ کی ہو، کمپنی کی تحویل میں آ جانے کے بعد بیع جائز ہوگی۔

”قال فی الہندیۃ : إذا قال المشتري للبائع: أبعث ابني واستأجر البائع رجلا يحمله إلى ابنه ، فهذا ليس بقبض والأجر على البائع، إلا أن يقول: استأجر من يحمله ، فقبض الأجير يكون قبض المشتري إن صدقه أنه استأجره و دفع إليه، وإن أنكر استيجاره والدفع إليه ، فالقول قوله ، كذا في التارخانية“
(مائلگیریہ ۱۹۸۳ء، حسن الفتاویٰ ۶/۵۲۶)۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور فقہاء کی تشریحات

مواہنا عبد الرشید قاسمی

۱- شریعت اسلامیہ اور حضرات فقہاء وائمہ کی تشریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ”بیع قبل القبض“ ناجائز ہے اور شریعت نے اس کا شاربیع فاسد میں کیا ہے۔

”صح بیع عقار لا یخشی ہلاکہ قبل قبضہ ولا یصح قبل قبضہ بیع

منقول افسد بیع المنقول قبل قبضہ“ (درمختار ۴/۱۶۲-۱۶۳)۔

۲- اسلامی شریعت میں قبضہ کی بنیاد عرف اور عادت پر ہے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ نے قبضہ کی کوئی خاص شکل متعین نہیں کی ہے، بلکہ اسے لوگوں کے عرف اور عادت پر چھوڑ دیا ہے کہ جس چیز کے بارے میں جس درجہ کے استیلاء اور عمل دخل کو لوگوں کے عرف میں قبضہ تصور کیا جائے وہی اس کے حق میں شرعاً بھی قبضہ مانا جائے گا، کیونکہ قبضہ کا مقصود کسی چیز کا ضمان میں آنا اور ضمان سے ٹکلتا ہے یعنی کسی شے پر مشتری کا قبضہ ہو جائے تو بائع کے ضمان سے وہ چیز نکل جائے اور مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے، بہر حال کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ نے قبضہ کی کوئی خاص حقیقت متعین نہیں کی ہے، بلکہ لوگوں کے تعامل پر چھوڑ دیا ہے، اسی لئے حضرات علماء، فقہاء اور ائمہ میں قبضہ کی حقیقت کے سلسلہ میں اختلاف ہوا ہے ورنہ اختلاف کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔

۳- بالاتفاق جمہور علماء کے نزدیک اشیاء غیر منقولہ میں صرف تخلیہ قبضہ ہے اور حضرات علماء کے نزدیک اشیاء منقولہ میں قبضہ کی حقیقت کے سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے، حضرات خفیہ کے نزدیک بالاتفاق کل چیزوں میں صرف تخلیہ قبضہ ہے یعنی بائع مشتری اور بیع کے درمیان سے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

اپنا کنٹرول ختم کر دے اور بیع پر مشتری کا کنٹرول ہو جائے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں ارتفاع موانع سے تعبیر کیا جاتا ہے، البتہ حضرات حنفیہ اشیاء مثلیہ مشتری بالکلیل والوزن میں صرف تخلیہ کو قبضہ ناقص مانتے ہیں، اور حضرات شوافع کے یہاں قبضہ کیلئے قبضہ بالید کی شرط ہے جس کی تفصیل مع دلائل بیان ہو چکی ہے، حنفیہ اشیاء مثلیہ مشتری بالکلیل والوزن اور عددیہ متقار بہ مختلف فیہا کے علاوہ تمام منقولات اور غیر منقولات میں تخلیہ کو قبضہ مانتے ہیں، البتہ عددیات متقار بہ میں صاحبین اور امام اعظم کا اختلاف ہے۔

۴۔ ”بیع قبل القبض“ کی نہی سے متعلق احادیث ”معلول بعلتہ“ ہیں، یہ اور بات ہے کہ حضرات ائمہ نے الگ الگ علتیں نکالی ہیں، حضرات شیخین فرماتے ہیں کہ بیع قبل القبض کی علت نہی غرر انفساخ عقد ثانی ہے، ”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال نہی رسول اللہ ﷺ عن بیع الحصاة وعن بیع الغرد“ (مسلم شریف ترمذی ج ۱ ص ۲۵۰)۔

یہی حدیث حضرات شیخین کے نزدیک علت نہی ہے، اور حضرت امام محمد اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ علت نہی ربح مالم یضمن ہے، ”نہی رسول اللہ ﷺ عن ربح مالم یضمن والبیع مالیس عندک“، ان ائمہ کے نزدیک یہی حدیث علت نہی ہے۔

۵۔ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت حضرات شیخین کے نزدیک منقولات کے ساتھ خاص ہے اور ان مجتہدین کے نزدیک غیر منقولات اس سے مستثنیٰ ہیں۔

”بیع قبل القبض“ کی علت نہی دو ہو سکتی ہیں: ایک ”ربح مالم یضمن“، دوسرے غرر انفساخ عقد۔ اور دونوں علتیں حدیث سے مستنبط ہیں، یہ اور بات ہے کہ حضرات ائمہ نے دونوں حدیثوں کی ترجیح میں اختلاف کیا ہے، حضرات شیخین نے ”نہی عن بیع الغرد“ والی روایت سے ”ربح مالم یضمن“ میں تخصیص پیدا کی ہے، اور غرر انفساخ عقد والی حدیث کو مخصوص نہ ہونے کی بنا پر ترجیح دی ہے، چونکہ ”ربح مالم یضمن“ والی روایت میں تخصیص بالاتفاق جائز ہے، مثلاً اخذ شفعہ قبل قبض المبیع اور تصرف فی المہر وبدل الخلع وغیرہ سے، اور

حضرت امام محمد اور امام شافعی نے علت نہی حدیث ”ربح ما لم یضمن“ صرف منقولات کے ساتھ مخصوص نہیں کیا، بلکہ غیر منقولات کو بھی لفظ شامل ہونے کی بنا پر اسی معنی میں داخل کر لیا، اور ان ائمہ کے نزدیک منقولات اور غیر منقولات دونوں میں ”بیع قبل القبض“ ناجائز ہے۔

۶۔ واضح رہے کہ قبضہ کی اسلامی شریعت میں کوئی خاص حقیقت متعین نہیں ہے، بلکہ قبضہ لوگوں کے عرف اور تعامل پر محمول کیا جائے گا اور قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع کے ضمان سے نکل کر بیع مشتری کے ضمان میں داخل ہو جائے، لہذا جب مشتری کا ضمان پالیا جاتا ہے اس کی بیع کرنا جائز ہے اور اس سے حاصل شدہ منافع حلال ہے۔

۷۔ یہ بات واضح ہے کہ مشتری کے ضمان میں بیع داخل ہی نہیں ہوتی ہے، اس لئے بغیر قبضہ کے اس کا فروخت کرنا جائز نہیں ہے، بیع فاسد ہوگی، اسی لئے اس کا فسخ واجب ہے اور اس سے حاصل ہونے والے نفع کا صدقہ کرنا واجب ہے ”وقال مشائخنا: لا یطیب لہ بکل حال وهو المختار وإطلاق الجواب یدل علی ذلک“ (البحر الرائق ۸/۱۱۳)۔



اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کا حکم

مفتی محمد ارشد فاروقی قاسمی ☆

۱- شرع اسلامی کے اعتبار سے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے۔ اور کبھی باطل ہوتی ہے تو کبھی فاسد۔

بیع باطل:

اگر بیع ملکیت میں نہ ہو اور بیع کی جائے تو بیع باطل ہوگی۔ ”بیع مالیس فی ملکہ باطل“ (رد المحتار ۱۱۹/۳)، قول رسول ﷺ ہے: ”لا تبع مالیس عندک“ (مرقاۃ النکاح ۸۱/۴)۔

بیع فاسد:

اگر بیع ملکیت میں ہو، لیکن قبضہ میں نہ ہو تو بیع فاسد ہوگی۔ ”وفی معنی مالیس عنده فی الفساد بیع العبد الابق و بیع المبیع قبل القبض“ (حوالہ سابق)۔

۲- فقہاء کی عبارتوں کو بہ نظر غائر پڑھنے سے حاصل مطالعہ یہ ہے کہ ”قبضہ“ جو ”عرف“ میں تسلیم کیا جائے وہی معتبر ہے۔ امام کاسائی کی ایک جامع عبارت بطور ذکر رقم ہے:

”فالتسلیم والقبض عندنا هو التخلية والتخلی وهو أن یخلی البائع بین المبیع والمشتري برفع الحائل بینهما علی وجه یتمكن المشتري من التصرف فيه فیجعل البائع مسلما للمبیع والمشتري قابضا له، وكذا تسلیم

جامعہ معہد امام انور، دیوبند، سہارنپور (یو پی)۔

التمكين والتخلي وارتفاع الموانع عرفاً وعادةً حقيقة“ (بدائع الصنائع ۲/۲۴۸، ۲۴۴)۔

۳۔ اشیاء منقولہ وغیر منقولہ میں قبضہ وہی معتبر ہوگا جو ”عرف“ میں قبضہ تسلیم کیا جائے۔ علامہ کاسانی کی عبارت بالا سے یہی واضح ہوتا ہے (ایضاً)۔ اشیاء غیر منقولہ قبضہ سے پہلے امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے یہاں جائز ہے۔ امام محمدؒ کے یہاں ناجائز ہے۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی سے متعلق احادیث معلول بالعلۃ ہیں۔ ”علت نہی“ غرر و دھوکہ ہے۔

”والغرر المنہی عنہ غرر انفساخ العقد والحديث معلول بہ“ (ہدایہ ۵۸/۴)، قبضہ سے قبل بیع کا ضائع ہونا ممکن ہے، یہ ہے ”غرر انفساخ“، یہی علت نہی ہے۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت امام محمدؒ کے نزدیک عام ہے۔ اور حضرات شیخین (امام ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ) کے یہاں اشیاء غیر منقولہ کا استثناء ہے:

”ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفہ وعند أبی یوسف، وقال محمد: لا یجوز رجوعاً إلى إطلاق الحديث واعتباراً بالمنقول“۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں اس سلسلہ میں احادیث مطلق ہیں اس لئے اطلاق کو باقی رکھتے ہوئے نسل ہوگا۔

”ولہما أن رکن البیع صدر من أهله ولا غرر فیہ؛ لأن الهلاک فی العقار نادر“ (حوالہ سابق)۔

شیخین فرماتے ہیں کہ بیع کا رکن، بیع کا اہل موجود ہے، اس لئے عقار میں بیع ہو جائے گی قبضہ سے پہلے، اور ”غرر“ ہی حدیث میں علت ہے۔ اور شیخین فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ سے ثابت شدہ بیع کو جز واحد سے خاص نہیں کیا جاتا۔ ”ولہما عموم البیاعات من

الكتاب العزيز ولا يجوز تخصيص بيع الكتاب بخبر واحد عندنا“ (بدائع الصنائع ۱۸۱/۳)۔

لیکن اگر اشیاء غیر منقولہ میں ”غرر انفساخ“ پایا جائے تو شیخین کے یہاں بھی قبضہ سے پہلے بیع ناجائز ہوگی، مثلاً عقار سمندر کے کنارے ہو، یا ریتی زمین ہو۔ ”قال بعض المشائخ ان جواب ابي حنيفة في موضع لا يخشى عليه ان يصير بحرا او يغلب عليه الرمال“ (فتح القدیر ۶/۱۳۷)۔

۶۔ بیع کی صورت مسؤلہ جائز ہوگی، البتہ بائع اول کی دو حیثیت تسلیم کی جائیگی۔ پہلی حیثیت بائع کی اور دوسری حیثیت خریدار نمبر ایک کے وکیل کی، اب خریدار نمبر ۲ کے بدست بیع بحیثیت وکیل کے بائع نمبر اکرا لے گا، اس لئے بیع جائز ہوگی۔ اور یہ بیع اقتضاء جائز ہوگی، اصول فقہ کی کتابوں میں اس صورت کی نظیر موجود ہے:

”وإذا قال أعتق عبدك عني بألف درهم، فقال: أعتقت، يقع العتق عن الأمر؛ لأن قوله أعتقه عني بألف درهم يقتضي معنى قوله بعه بألف ثم كن وكيلى بالإعتاق، فأعتقه عني فيثبت البيع بطريق الاقتضاء و يثبت القبول كذلك“ (اسول الشافعی ۳۲ نور الانوار، حسامی وغیرہ)۔

۷۔ بیع کی یہ صورت ناجائز ہوگی اور یہ بیع فاسد ہوگی۔ حدیث ہے: ”ولا ربح مالا يضمن“ حدیث بالا کی تشریح بایں الفاظ کی گئی ہے: ”يريد به الربح الحاصل من بيع ما اشتراه قبل أن يقبضه وينتقل من ضمان البائع إلى ضمانه فإن بيعه فاسد“ (مرقاۃ المفاتیح)۔

صورت مسؤلہ میں مشتری کے قبضہ سے پہلے بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اس لئے یہ صورت ناجائز ہوگی۔ اور اس طریقہ تجارت میں بے حد نقصانات ہیں، مثلاً ایک چیز جدہ بندرگاہ سے ایک کروڑ میں چلی اور پہنچنے سے پہلے دسیوں میسوں ہاتھوں فروخت ہوتی رہی، ہندوستان

آتے آتے وہ چیز دو کروڑ کی ہو جائے گی اور یہ سارا بار عوام پر پڑے گا، یہ دولت اور نفع چند سرمایہ داروں کو حاصل ہوگا اور لاکھوں عوام پر بوجھ پڑے گا۔

رسول اللہ ﷺ کے فرامین میں کس قدر حکم ہیں سبحان اللہ اس لئے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے۔

مولانا تقی عثمانی نے ”تکملہ فتح الملہم“ شرح صحیح مسلم میں اس موضوع پر بہت تفصیل سے لکھا ہے (دیکھئے: مکتبہ فتح الملہم)۔

☆☆☆

شرعی اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض

مولانا ابراہیم بن محمد بزدوی

۱- شرع اسلامی کے اعتبار سے بیع قبل القبض ناجائز ہے، اس ناجائز بیع کا شمار بیع فاسد میں ہے۔

”ما روى أن النبي ﷺ نهى عن بيع ما لم يقبض والنهي يوجب فساد المنهى عنه“ (احکام المعاملات المالیہ ۲۹۱)۔

”اشتری دارا أو عبیدا أو عرضا وترکھا فی ید البائع نباعھا وریح فالبیع باطل، فإن أجازہ المشتري ففساد أيضا؛ لأنه بیع المبیع قبل القبض ویجب فسخه“ (المحرر الرائق ۸/۱۱۷)۔

۲- قبضہ کی حقیقت تخلیہ ہے، یہ متفق علیہ بات ہے کہ اصل قبضہ تمام قسم کے اموال میں تخلیہ کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے، جس چیز کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو تخلیہ تصور کیا جائے گا وہی قبضہ ہوگا۔

”لا خلاف أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال“۔

کون سی چیز پر کیسے قبضہ تصور کیا جائے گا اس کی بہترین صورتیں (التقوید والدردود المحتار ۴۸۴، ۴۸۵، اور بدائع الصنائع ۵/۲۴۴) میں مذکور ہیں جو عام طور پر مشہور ہیں۔

۳- حنفیہ کے نزدیک اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں۔

”التسليم فى اللغة عبارة عن جعله سالما خالصا يقال : سلم فلان لفلان اى خلص له، قال الله تعالى : (ورجلا سلما لرجل) أى سالما خالصا لا يشركه فيه أحد ، فتسليم المبيع إلى المشتري هو جعل المبيع سالما للمشتري اى خالصا له بحيث لا ينازعه فيه غيره وهذا يحصل بالتخلية فكانت التخلية تسليما من البائع والتخلي قبضا من المشتري“ (احكام العائلات المألية/ ۲۹۱)۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نبی سے متعلق احادیث معلول بالعلت ہیں، اور علت نبی ہلاکت کا اعتبار کرتے ہوئے عقد کے فسخ ہونے کا غرر ہے، ”لا يصح بيع المنقول لنبيه ﷺ عن بيع ما لم يقبض؛ ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك“ (البحر الرائق ۱۱۸/۸)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے اشیاء منقولہ کی بیع بالاتفاق ناجائز ہے، کیونکہ حدیث میں اس کی ممانعت ہے، لیکن اشیاء غیر منقولہ، یعنی زمین کی بیع قبضہ سے پہلے جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، امام محمد، امام زفر، امام مالک کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ حدیث نبی مطلق ہے، جس میں منقول وغیرہ کی کوئی تفصیل نہیں، شیخین کے نزدیک جائز ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں نبی کی علت یہ ہے کہ ہلاکت مبیع کی صورت میں انفساخ بیع کا احتمال ہے، اور زمین کی ہلاکت نادر الوجود ہے، اور نادر کا اعتبار نہیں ہوتا، پس جب بیع عقار میں علت مذکورہ نہ پائی جائے تو بیع جائز ہوگی، اور علت مذکورہ پائی جائے، مثلاً زمین دریا کے کنارہ پر واقع ہو اور اس کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہو، تو شیخین بھی اس کی اجازت نہیں دیتے (البحر الرائق ۱۱۸/۸، معدن الحقائق ۲/۳۹۹)۔

۶۔ فیکٹری سے مال خرید کر اس کو دوسرے آدمی کے ہاتھ قبضہ سے پہلے فروخت کرنا اور خریدار (۱) کا مال کی ہلاکت کی صورت میں ضامن بننا اگرچہ ”بيع ما لم يضمن“ کی صورت میں داخل نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی قبضہ تام کے مفقود ہونے کی وجہ سے یہ صورت معاملہ ناجائز رہے گی، لہذا ضمان قبضہ حسی کا قائم مقام نہیں سمجھا جائے گا، قبضہ تام کا معنی یہ ہے کہ بائع

کے ضمان سے نکلنے کا مترتب ہو۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت میں جہاز پر مال چڑھانے کے بعد اصل بائع کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، اور اگر مشتری تک مال پہنچنے سے پہلے ضائع ہو جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوتا۔

”ومن اشتری شیئاً مما ینقل ویحوّل لم یجزلہ بیعہ حتی یقبضہ“۔

خریدار اول اگر منقولہ اور محولہ چیز کو خریدنے کے بعد قبضہ سے پہلے بیچے تو جائز نہیں، کیونکہ جب قبضہ سے پہلے ہلاک ہو جائے تو بیع فسخ ہو جائے گی، اس صورت میں مشتری غیر کی ملک کو بیچنے والا شمار کیا جائے گا، البتہ قبضہ کر لیا تو اپنی ملکیت کا بیچنے والا سمجھا جائے گا، قبضہ سے پہلے معلوم نہ ہوگا کہ بیع تام ہوگئی یا نہیں، اس میں غرر کا امکان ہے، لہذا باطل ہوگی (شرح فتح القدیر ۸/۱۳۸)۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اور اس کے چند اہم پہلو

مولانا اخلاق الرحمن قاسمی ☆

۱۔ بیع پر قبضہ ہونے سے قبل دوسرے کے ہاتھ اس کی فروختگی شریعت میں جائز نہیں ہے، ”بیع قبل القبض“ کے بارے میں فرمایا کہ:

”ومنہا بیع ما ہو مملوک لہ ، لكن قبل القبض۔“ اور بیع فاسد کے مختلف انواع و اقسام میں سے ایک یہ ہے کہ بیع جو مشتری کی ملک ہے قبل القبض فروخت کیا جائے (تحفۃ الفقہاء، ۳/۲۸۸) اور بیع فاسد کے عدم جواز کی وضاحت کرتے ہوئے ایک جگہ علامہ سمرقندی (۵۳۹ھ) رقم طراز ہیں کہ:

”ومنہا أن المبیع إذا کان لا یقدر علی تسلیمہ وقت العقد ، مثل الطیر الذی طار عن یدہ یکون البیع فاسداً ، ولو قدر علی التسلیم فی المجلس ، لا یعود إلى الجواز ، لأنه وقع فاسداً“ (تحفۃ الفقہاء، ۳/۲۸۸)۔

من جملہ بیع فاسد میں سے ایک یہ ہے کہ وہ بیع کہ عقد کے وقت قبضہ کرانے پر قدرت نہ ہو، مثلاً ایک پرندہ جو بائع کے ہاتھ سے فرار ہو چکا اس کی فروختگی، تو یہ بیع فاسد ہوگی، اور اگر مجلس عقد ہی میں بائع تسلیم پر قادر بھی ہو جائے تو جائز نہ ہوگا، کیونکہ عقد کا وقوع فساد پر مبنی ہے۔

۲- اسلامی شریعت میں قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ صاحب مال، یعنی مشتری وغیرہ اس پر قابض ہو جائے اور اس پر ہر طرح سے تصرف کر سکتا ہو، چنانچہ حدیث شریف میں اس کی عمدہ وضاحت پائی جاتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”من ابتاع طعاما فلا یبعہ حتی یقبضہ“ فی روایۃ: حتی یتستوفیہ، وفی روایۃ: التفصیل ہکذا، عن ابن عمر قال: کنا فی زمان رسول اللہ ﷺ یتباع الطعام فیبعث علینا من یأمرنا بانتقالہ من المكان الذی ابتعناہ فیہ إلی مکان سواہ قبل أن ینبعہ، وعنہ ہکذا: وکنا نشتري الطعام من الرکبان جزافا فہنا رسول اللہ ﷺ أن ینبعہ حتی ننقلہ من مکانہ“ (مسلم شریف ۵۰۲)۔

”والمعروف أن القبض والاستيفاء بمعنى واحد، والقبض فهو أن يأتي الشيء بحوزة وضمائه“ (تکملۃ الفقہ ۳/۵۱۸، قواعد الفقہ ۳/۲۲۲)۔

جس نے کھانے کی اشیاء خریدی تو تا وقتیکہ اس پر قابض نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی فروختگی کی اجازت نہیں ہے، ایک روایت میں ”یقبضہ“ کے بجائے ”یتستوفیہ“ کا لفظ آیا ہے، اور تفصیلی روایت اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آنحضور ﷺ کے زمانہ میں ہم غلہ خریدتے (اور بیچتے تھے) چنانچہ آنحضور ﷺ ہمارے پاس اپنا قاصد بھیجتے جو آنحضور ﷺ کی طرف سے یہ حکم ہمیں سناتے کہ جس غلہ کو ہم نے جہاں خریدا ہے وہاں سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے بعد ہی ہم اس کی فروختگی کریں، اور حضرت عبداللہ بن عمر ہی سے اس طرح بھی مروی ہے: ہم سواروں سے غلے جزافاً (کیل دوزن کئے بغیر) خریدا کرتے تھے، پھر حضور ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمادیا کہ جب تک ہم بیع کو مقام بیع سے منتقل نہ کر لیں، نہ فروخت کریں (مسلم ۵۰۲)، اور حدیث شریف میں جو قبض و استيفاء کے دو لفظ آئے ہیں دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی کسی شے کا اپنی حرز و ضمان اور ملکیت میں کر لینا۔

متذکرہ عبارت سے دو باتیں ثابت ہوئیں:

۱۔ قبضہ کے معنی، جو حدیث شریف کے لفظ ”یا امرنا بانتقاله من المكان الذی ابتعناہ فیہ الی مکان سواہ قبل أن نبیعہ“ میں موجود ہے، کیونکہ انسان مملوکہ شیء ہی کے فروخت کرنے یا دینے کا حق رکھتا ہے، اور بیع پر آدمی کا مکمل قبضہ اسی وقت سمجھا جاتا ہے جب بیع بائع کی ملکیت سے نکل کر مشتری کے ہاتھ میں اور مکان میں پہنچ جائے، معلوم ہوا کہ قبضہ اسی وقت سمجھا جائے جب کہ انسان پر اس کے تصرف میں کوئی مانع پیش نہیں آئے، اور اس کی صورت یہی ہے کہ اس کے ہاتھ اور مکان میں پہنچ جائے، ورنہ تو ملک کے باوجود ”قبض ضعیف“ کی وجہ سے آدمی تصرف سے بہرہ مند نہیں ہوتا ہے، اور یہی ”قبض ضعیف“ فساد کی وجہ ہے جو بیع قبل القبض کے بیع کی صورت میں پیدا ہوتی ہے، غرض کہ ”قبضہ“ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کا فلاں کی ملکیت اور تصرف میں ہونا، قواعد الفقہ میں ہے کہ ”قبض الشئ أخذه وهذا الشئ فی قبضة فلان ای فی ملکہ و تصرفه“، شئی کے قبضہ کے معنی ہیں شئی کا لینا، اور کہا جاتا ہے کہ یہ چیز فلاں کے قبضہ میں ہے، یعنی اس کی ملکیت میں اور تصرف میں ہے۔

۲۔ دوسری چیز جو حدیث مذکورہ سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ قبضہ کی شریعت نے ایک خاص حد مقرر کر دی ہے جو مذکورہ حدیث میں مذکور ہے، نمبر ایک کے تحت بھی اس قبضہ شرعی کی پوری پوری وضاحت موجود ہے، اور یہی صحیح بات ہے، کیونکہ اگر لوگوں کے عرف و عادت پر قبضہ کی حد کو باقی رکھنا شریعت کے پیش نظر ہوتا تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ جو اپنے زمانہ کا عمل بتلا رہے ہیں کہ ”ہم غلہ خریدا کرتے تھے تو آنحضرت ﷺ نے اس پر قبضہ سے قبل فروخت کرنے سے منع فرمادیا“، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بین التجار اس طرح کا عمل رائج تھا، جس سے حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کو منع فرمایا، معلوم ہوا کہ قبضہ کے باب اور حد میں عرف و عادت کو دخل و اثر نہیں، باقی رہا یہ مسئلہ کہ یہ حدیث شریف ہر قسم کی بیع سے متعلق ہے یا اس سے کوئی خاص بھی ہے کہ جس میں قبل القبض تصرف جائز ہو، سو اس بارے میں پوری تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

۳۔ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ میں قبضہ کی نوعیت میں فرق ہے، چنانچہ منقولی اشیاء میں بیع

قبل القبض باطل ہے، اور غیر منقولی اشیاء میں احناف میں سے حضرات شیخین کے یہاں اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ عقار کے ہلاک ہونے کا خوف نہ ہو، تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

۱- حضرت امام شافعیؒ اور حضرات احناف میں سے حضرت امام محمدؒ کا قول اس بارے میں یہ ہے کہ جملہ اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہیں ہے، خواہ طعام ہو یا غیر طعام، منقولی ہو کہ غیر منقولی، ان کے قول کا مستدل حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول ہے، جو بظاہر ان کے قول کی دلیل بن رہا ہے، روایت یہ ہے کہ: ”عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال من ابتاع طعاما فلا يبعه حتى يستوفيه“، قال ابن عباس: وأحسب كل شيء مثله“ (تکملۃ فتح الملہم ۱/۲۵۰)۔

”حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی غلہ خریدے تو قبل القبض اس کی بیع نہ کرے، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے اس پر فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ معاملہ جملہ اشیاء میں ہے، یہی وہ بات ہے جس سے امام شافعیؒ استدلال کرتے ہیں، مزید تفصیل آئندہ آرہی ہے۔

۲- حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں منقولی اشیاء میں بیع قبل القبض جائز نہیں، لیکن غیر منقولی اشیاء میں جس کے ہلاک ہونے کا خوف نہ ہو ایسی اشیاء کی بیع قبل القبض جائز ہے (تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۵۱ بحوالہ فتح القدیر ۵/۲۲۶)، مزید تفصیل اولہ کے تحت آرہی ہے۔

۳- حضرت امام مالکؒ کے نزدیک سوائے طعام کے دوسری جملہ اشیاء خواہ منقولہ ہوں یا غیر منقولہ قبل القبض بیع کی بیع جائز ہے (تکملۃ فتح الملہم ۱/۳۵۱، کتاب الفقہ ۲/۲۳۵)، مزید تفصیل اولہ کے ضمن میں آرہی ہے۔

۴- حضرت امام احمد بن حنبل کی سب سے زیادہ ظاہر روایت یہ ہے کہ ”بیع قبل القبض“ کی ممانعت صرف طعام سے متعلق ہے، باقی اس کے سوا جملہ اشیاء منقولہ ہو کہ غیر منقولہ

ہر ایک کی قبل القبض بیع جائز ہے، جیسا کہ مذہب حنبلی کے سب سے بڑے ترجمان ابن قدامہ نے مغنی میں اس کی وضاحت فرمائی ہے (مجلد ۱۱، ص ۳۵۰)۔

ادلہ مذاہب اربعہ:

حضرت امام شافعی کی دلیل ذیل کی تین روایتیں ہیں:

۱- ”عن ابن عمر قال : ابتعت زیتا فی السوق فلما استوجبتہ لقینی رجل فاعطانی به ربحاً حسناً ، فأردت أن أضرب علی یدہ ، فأخذ رجل من خلفی بذراعی ، فالتفت ، فإذا زید بن ثابت ، فقال : لا تبعه حیث ابتعته ، حتی تحوزہ إلی رحلک ، فإن رسول اللہ ﷺ نہی أن تباع السلع حیث تبتاع ، حتی یحوزها التجار إلی رحالہم (فقد عمم هذا الحدیث الحکم فی سائر السلع)۔“

۲- ”عن حکیم بن حزام قال : قلت : یا رسول اللہ ! إنی أبتاع هذه البیوع ، فما یحل لی منها وما یحرم علی؟ قال : یا ابن أخی لا تبیعن شیئاً حتی تقبضہ ، وفی رواۃ ابان : إذا اشتريت بیعاً فلا تبعه حتی تقبضہ۔“

۳- ”عن عبد اللہ بن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال : لا یحل سلف وبيع ، ولا شرطان فی بیع ، ولا ربح ما لم یضمن ، ولا بیع ما لیس عندک ، أخرجه الترمذی فی باب کراهیة بیع ما لیس عنده ، وقال هذا حدیث حسن۔“

۱- (حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ میں نے بازار میں زیت خریدی اور جب مکمل طور پر میں اس کا مستحق ہو گیا تو ایک شخص سے ہماری ملاقات ہو گئی جو مجھ سے زیادتی منافع کے ساتھ اس کی قیمت دے کر لینا چاہا، اور میں نے بھی ارادہ کر لیا کہ اس کے ہاتھ ہی فروخت کر دوں، اسی آثناء میں جانب خلف سے ایک شخص نے میرے بازو پکڑ لئے، میں نے جو دیکھا تو وہ حضرت زید بن ثابت تھے، انہوں نے فرمایا جس چیز کی تم نے جہاں خرید کی ہے وہاں فروخت

روانا آنکھ و تیری ملکیت میں نہ آجائے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ جہاں تم سامان خریدو وہیں چھو، مگر یہ کہ وہ تیرے پاس منتقل ہو جائے اور تیری ملکیت میں آجائے۔

اس حدیث شریف سے استدلال اس طور پر ہے کہ یہ حدیث شریف تمام اشیاء و سامان کو عام اور شامل ہے، طعام پر انحصار نہیں، لہذا تمام اشیاء کی بیع قبل القبض جائز نہ ہوگی، خواہ وہ شی عتقار اور غیر منقولی ہو یا غیر عتقار اور منقولی ہو۔

۲۔ (حضرت حکیم بن حزام سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ میں اس طرح سے خرید و فروخت کرتا ہوں، سو اس میں کوئی صورت حلال ہے اور کیا حرام ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: او میرے بھتیجے! کسی بھی شی کی بیع قبل القبض نہ کیا کرو، اور حضرت ابان کی روایت میں ہے کہ جب تو کسی چیز کو خریدے تو قبل القبض اس کی بیع نہ کرو۔)

اس حدیث شریف میں بھی قبل القبض کی ممانعت تمام ہی اشیاء کو شامل ہے، جیسا کہ حدیث کا ظاہر کسی سے مخفی نہیں ہے۔

۳۔ (حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: کوئی بیع اور سلف حلال نہیں، اور نہ ہی بیع میں دو شرطیں، اور نہ ہی ایسا منافع جائز ہے جس کا ضمان نہ ہوا ہو، اور نہ ہی ایسی شی کی بیع جو تیرے پاس نہ ہو، ترمذی کی روایت میں بیع کی کراہت کے باب میں یہ ہے کہ ایسی چیزوں کی بیع درست نہیں جو اس کے پاس نہ ہو۔)

اس حدیث شریف سے استدلال اس طور پر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ”ربح مالہم یضمن“ سے منع فرمایا ہے، اور ”بیع قبل القبض، ربح مالہم یضمن“ کو شامل ہے، کیونکہ بیع مشتری کے ضمان میں بعد القبض ہی ہو سکتا ہے، لیکن اگر منافع کے ساتھ قبل القبض فروخت کر دیا تو یہ ”ربح مالہم یضمن“ ہو جائے گا، یعنی ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضمان نہ ہوا ہو، اور یہ علت قبل القبض کی صورت میں ہر ایک کو عام ہے خواہ طعام ہو یا غیر طعام ہو، لہذا منقولی

اشیاء ہو یا غیر منقولی اشیاء، بیع قبل القبض کسی حال میں درست نہیں (مکملہ فتح الہم، ۱: ۲۵۲، ۲۵۳)۔
حنفیہ کے دلائل:

حضرات حنفیہ کے دلائل بعینہ وہی ہیں جو حضرات شوافع کے ہیں، الا یہ کہ حضرات احناف نے عقار کو نبی کے عموم سے مستثنیٰ کیا ہے، کیونکہ نبی کی علت عقار میں منتفی ہے، کیونکہ متذکرہ تین حدیثوں میں اخیر حدیث جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے وہ اس بات پر دال ہے کہ بیع کے بیچنے کی ممانعت قبل القبض ”ربح مالہ یضمن“ (یعنی ایسی چیز سے نفع حاصل کرنا جس کا ضامن نہ ہوا ہو) کو مستلزم ہے (جو علت نہیں ہے) اور انسان پر ہلاکت کی صورت میں ضمان ایسی چیزوں ہی میں تو ہو سکتا ہے جس کے بارے میں ہلاکت کا خطرہ ہو، اور عقار اور اراضی وغیرہ میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، لیکن اگر کوئی عقار کی قسم ایسی نکل گئی جو خطرہ کے دہانے پر ہے، جیسے سمندر کے کنارے جس کے کٹ کر سمندر میں مل جانے کا خطرہ ہے، تو اس صورت میں پھر یہ عقار جو اس صفت مذکورہ کے ساتھ ہو قبل القبض جائز نہیں ہے (مکملہ فتح الہم، ۱: ۵۳، ۵۴، ۵۵)۔
القدر ۵/۲۶۶۔

مالکیہ کی دلیل:

حضرت امام مالک کی دلیل وہ حدیث شریف ہے جس میں بیع نا پنے سے قبل کی ممانعت ہے، اور وہ حدیث شریف یہ ہے: ”من اشتری طعاما فلا یبعہ حتی یکتالہ“ (مکملہ فتح الہم، ۱: ۳۵۷، کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعہ ۲/۳۵۷)۔

حنابلہ کی دلیل:

حضرات حنابلہ نے اپنی دلیل میں حدیث باب کو پیش کیا ہے جو اولاً مذکور ہوئی اس طور پر کہ اس میں نبی مقصود علی الطعام ہے، حضور ﷺ کا طعام کی صراحت خود اس بات پر واضح دلیل ہے کہ غیر طعام خواہ منقولی ہو یا غیر منقولی بیع قبل القبض ہے (مکملہ فتح الہم، ۲۵۱، کتاب الفقہ علی

۴، ۵ - ان دونوں سوالوں کے جوابات نمبر ۳ کے تحت تفصیلاً مذکور ہو چکے ہیں اس لئے اعادہ کی حاجت نہیں۔

۶ - مذکورہ بیع کا طریقہ درست نہیں ہے، اور اگرچہ بائع بعد والے مشتری کیلئے بصورت بلاکت اشیاء دوران راہ اپنی ضمانت کے بموجب اس کا بدلہ پیش کرتا ہے، لیکن ضمانت کو قبضہ حسی کے قائم مقام بوجہ قبضہ کی تعریف کے جو مذکور ہوئی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ راہ چلتے اشیاء، یعنی بیع کے ساتھ حادثہ کا پیش آجانا یہ ایک اتفاقی امر ہے، جس کو قبضہ کے قائم مقام کسی صورت نہیں کیا جاسکتا، لہذا فیکسری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ حسی نہ پائے جانے کی وجہ سے ضمانت کو قبضہ حسی نہیں قرار دیا جائے گا (بعض لوگوں نے اس کو قبضہ حکمی قرار دے کر جائز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، سو رقم کا اس سے اتفاق نہیں ہے، جب کہ قبضہ حسی پایا جانا بہت حد تک ممکن ہے، ہاں اگر دشواری کی صورت ہے تو گنجائش ہے) اور دوسرے شخص کے ہاتھ اس کی فروختگی کو ناجائز قرار دیا جائے گا، لیکن یہ بات حضرات شوافع اور احناف کے یہاں ہے، دوسرے مذاہب میں اس کی گنجائش ہے اور معاملات میں ناگوار شی کو بھی گوارا کر لیا جاتا ہے اس لئے حضرات احناف کے یہاں بھی اس کی گنجائش ملتی ہے، لہذا اس وقت جب کہ اس کا خلاصہ راج ہو چکا ہے، جائز قرار دینا چاہئے۔

۷ - ظاہر ہے کہ بحث منقولی اشیاء سے ہے، لہذا اگر طعام کے قبیل سے ہے تو بالاتفاق ائمہ اربعہ میں سے کسی کے یہاں جائز نہیں ہے طعام کے علاوہ ہے لیکن منقولی ہی ہے، حضرات احناف و حضرات شوافع کے یہاں بالکل جائز نہیں ہے، کیونکہ علت نبی "ربح ما لم یضمن" پائی جارہی ہے، باقی دوسرے مذاہب میں اس کی گنجائش ہے، جیسا کہ پوری پوری وضاحت نمبر ۳ کے تحت آچکی ہے، اب جہاں تک موجودہ دور میں اس کا سلسلہ کچھ زیادہ ہی ہوتا جا رہا ہے، ساتھ ساتھ بیع کے بازار میں پہنچنے سے قبل ہی متعدد مشتریوں کے درمیان میں آجانے کی وجہ سے اشیاء میں گرانی حساب سے زیادہ ہو جاتی ہے۔

مختصر تحریریں

{۲۶۰}

باوجود اس کے معاملات کے باب میں ناگوارشی کو بھی گوار کر لیا جاتا ہے، اس لئے فتویٰ جائز کا ہونا چاہئے۔

☆☆☆

www.KitaboSunnat.com

یا گیا ہے، ا
کی ہے، الب

علیہ بلا

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت

معاونات خورشید احمد شاہ

مگر

- ۱۔ شرعاً قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اگر اشیائے مملوکہ میں ہے تو یہ بیع غیر مقدور التسلیم ہونے کی وجہ سے ”بیع فاسد“ میں داخل ہے۔ ”ہو کل بیع فائہ شرط من شرائط الصحة“ (بدائع ۲۹۹/۵، مطبع رشیدیہ پاکستان)، لیکن اگر قبضہ سے پہلے خرید و فروخت اشیائے مملوکہ میں نہیں ہے تو اس وقت بیع مال متقوم کے علاوہ مباح الاصل ہے، تو ایسی شکل میں شرائط انعقاد میں سے ”شرط تخلیہ“ مفقود ہونے کی وجہ سے بیع باطل ہوگی، ”وأما البيع الباطل فهو كل بيع فائہ شرط من شرائط الانعقاد من الأهلية والمحلية وغيرها“ (بدائع ۳۰۵/۴)۔
- علامہ شامیؒ فرماتے ہیں: ”(قوله لبطلان بيع المعدوم) إذ من شرط المعقود عليه أن يكون موجوداً مالا متقوماً مملوكاً في نفسه وأن يكون ملك البائع فيما بيعه لنفسه“ (شامی ۱۰۵/۴ مطبوعہ بیروت)۔
- ۲۔ قبضہ کی حقیقت:

قبضہ کی حقیقت یہ ہے کہ بائع مشتری کو بیع پر قابو دیدے اور بیع پر قابو پانے کیلئے جو موانع من جانب البائع ہو سکتے ہوں اسے دور کر دیا جائے، گرفتگی کے سلسلہ میں یہ رفع موانع عرفاً اور عادتاً جس طریقہ سے متصور ہوں سبھی صورتوں میں قبضہ شرعی متحقق ہوگا، قبضہ کی حقیقت صرف قبضہ حسی ہی نہیں ہے، بلکہ بیع اس طرح ہو کہ دوسرے کے حق میں مشغول نہ ہو، بلکہ وہ بیع مفرز یعنی علاحدہ اور جدا ہو۔

”ولا يشترط القبض بالبراجم؛ لأن معنى القبض هو التمكن والتخلي، وارتفاع الموانع عرفاً وعادة“ (بدائع ۵/۱۳۸)، وقوله: بلا مانع، بأن يكون مفرزاً غير مشغول بحق غيره وفي الملتقط ولو باع داراً وسلمها إلى المشتري وله فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليمها حتى يسلمها فارغة وكذا لو باع أرضاً وفيها زرع“ (شامی ۴/۴۳)۔

۳۔ بیع دو طرح کے ہوتے ہیں: اشیاء منقولہ، اور غیر منقولہ۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قبضہ کی نوعیت اشیاء منقولہ و غیر منقولہ میں جدا جدا ہے یا ایک ہی ہے، اس سلسلہ میں باوجود تنوع و تلاش کے کوئی صریح نص فقہی پر واقفیت اور کامیابی نہیں مل سکی، تاہم علامہ شامی نے درمختار کی عبارت ”ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلا مانع وحائل“ کے تحت قبضہ کی حقیقت و ماہیت کی وضاحت و صراحت میں اشیاء منقولہ و غیر منقولہ دونوں طرح کی مثال تحریر فرمائی ہیں، جس سے بطریقہ ظن غالب کہا جاسکتا ہے کہ قبضہ کی نوعیت منقولہ و غیر منقولہ دونوں میں یکساں ہیں، مثلاً:

بیع پر قبضہ شرعی اس وقت ہوگا جبکہ وہ بیع جدا اور علاحدہ اس طور پر ہو کہ دوسرے کا حق مشغول نہ ہو، بلکہ وہ بیع دوسرے کے حق سے خالی و عاری ہو، لہذا اشیاء غیر منقولہ میں صاحب مکان، یا صاحب ارض بیع دار یا بیع ارض کو مشتری کے حوالہ اس طور پر کیا کہ اس مکان میں بائع کا یا کسی اور کا، کسی قسم کا نجی سامان (خواہ وہ قلیل ہو، یا کثیر) موجود اور رکھا ہوا ہے، یا اس زمین میں بائع کی فصل آباد اور لگی ہوئی ہے، تو اس طرح کی بیع غیر کے حق سے جدا نہ ہونے اور غیر کے حق میں مشغول ہونے کی وجہ سے اسے تسلیم بیع اور قبضہ علی البیع نہیں کہہ سکتے۔

”(قوله بلا مانع) بأن يكون مفرزاً غير مشغول بحق غيره، وفي الملتقط: ولو باع داراً وسلمها إلى المشتري وله فيها متاع قليل أو كثير لا يكون تسليمها حتى يسلمها فارغة وكذا لو باع أرضاً وفيها زرع“ (شامی ۴/۴۳)۔

ایسا ہی اشیاء منقولہ میں پرندہ یا گھوڑا وغیرہ، بائع نے اس طرح فروخت کیا کہ وہ بیع بند دروازہ میں ہے، مشتری نے بائع کی طرف سے قبضہ کی اجازت مل جانے پر دروازہ کھولا، دروازہ کھولنے کے بعد بغیر دوسرے کی معونت کے اور بغیر کلفت و تکلیف، یعنی حیلہ کے مشتری بذات خود بیع کو پکڑ سکتا ہے تو اس اجازت کو شرعی حیثیت سے قبضہ شرعی قرار دیا جائے گا، لیکن اگر دروازہ کھولنے کے بعد باسانی خود نہیں پکڑ سکتے، بلکہ حیلہ و تدبیر یا دوسرے شخص کی معونت پر رفتگی موقوف ہو تو اس طرح کی اجازت کو قبضہ شرعی قرار نہیں دیا جاسکتا۔

”ولو اشترى طيرا أو فرسا في بيت وأمره البائع بقبضه ففتح الباب فذهب إن أمكنه أخذه بلا عون كان قبضا وتماه في البحر، وحاصله أن التخلية قبض حكما لو مع القدرة عليه بلا كلفة“ (شای ۴/۲۳)۔

۴۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نبی سے متعلق جو احادیث و آثار صحابہ ہیں وہ معلول بالعلت ہیں، وہ علت ”غرر اور خطر“ ہے، کیونکہ مشتری کا قبل القبض فروختگی عین ممکن ہے کہ معقود علیہ کے تلف و اتلاف کے موجب عقد اول فسخ ہو جائے اور وہ بیع پر قبضہ دلانے سے عاجز رہ جائے، تو پھر مشتری کا یہ تصرف ”غرر اور خطر“ کے علاوہ چہ معنی دارو۔

صاحب ”فتح القدیر“ نے ہدایہ کی عبارت ”قوله ولا يجوز بيع السمك في الماء“ کے سلسلہ میں مختلف شکل یعنی سمک مملوک اور غیر مملوک قبل القبض اور اس کا حکم تحریر فرمائے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا قول نقل کر کے علت ”غرر اور خطر“ ہی کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”وقال أبو يوسف في كتاب الخراج: رخص في بيع السمك في الآجام أقوام فكان الصواب عندنا في قول من كره، حدثنا العلاء ابن المسيب بن رافع عن الحرث العكلى عن عمر بن الخطابؓ قال: لا تباعوا السمك في الماء فإنه غرر، وأخرج مثله عن ابن مسعودؓ، ومعلوم أن الأجمة قد يؤخذ منها

السمک بالید ، والغرر الخطر ، وغیر المملوک علی خطر ثبوت الملك وعدمه فلذا جعل من بیع الخطر“ (فتح القدیر ۱۹/۶، مکتبہ رشیدیہ پاکستان)۔

چنانچہ علامہ کاسانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”(ومنها) القبض فی بیع المشتري المنقول فلا یصح بیعه قبل القبض كما روى أن النبی علیہ السلام نهى عن بیع مالم یقبض ، والنهی یوجب فساد المنهی ، ولأنه بیع فیہ غرر الإنفساخ بهلاك المعقود علیہ؛ لأنه إذا هلك المعقود علیہ قبل القبض یبطل البیع الأول فینفسخ الثانی؛ لأنه بناء علی الأول وقد نهى رسول الله ﷺ عن بیع فیہ غرر، وسواء باعه من غیر بانه أو من بانه ، لأن النهی مطلق لا یوجب الفصل بین البیع من غیر بانه و بین البیع من بانه وكذا معنى الغرر لا یفصل بینهما فلا یصح الثانی“ (بدائع ۱۸۰/۵)۔

۵۔ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت عام نہیں ہے، بلکہ اس میں کچھ استثناءات اور تخصیصات بھی ہیں جس میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی صرف ”صحت“ کا حکم ہوگا، نہ کہ نفاذ بیع اور لزوم بیع کا۔

وہ اشیاء متشکی یہ ہیں: عقار یعنی اشیاء غیر منقولہ، مہر، بدل، خلع، بدل عتق، بدل صلح عن دم العمد، میراث، عتق، تدبیر، استیلاء، وصیت۔

مشتري کا قبل القبض عقار فروخت کرنا امام شیعین کے نزدیک جائز اور صحیح ہے، جبکہ امام محمد، زفر اور امام شافعی علیہم الرحمۃ کے نزدیک ناجائز ہے، ائمہ ثلاثہ کی دلیل: ”روی أن النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نهى عن بیع ما لم یقبض، وقد نهى رسول الله ﷺ عن بیع فیہ غرر“ اور اس جیسی روایتیں ہیں۔

امام شیعین علیہا الرحمۃ کی دلیل: ”أحل الله البیع“ (سورۃ بقرہ: ۲۷۵) اور ”إذا قضیت الصلوٰۃ فانثشروا فی الأرض“ (سورۃ حمد: ۱۰) وغیرہ جیسی آیتوں کی تفسیر ہے، جس

تعمیم کو خبر واحد کے ذریعہ تخصیص و تنقید نہیں کر سکتے، یا خبر واحد اور آیتوں کے درمیان یوں تطبیق دی جائے کہ خبر واحد سے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نہی کو اشیاء منقولہ پر، اور آیتوں کی تعمیم کو اشیاء غیر منقولہ پر حمل کر کے دفع تعارض کر لیا جائے۔

ان تمام باتوں کے باوجود امام شیخین علیہما الرحمۃ بھی مشتری کا قبل القبض عقار فروخت کرنا احتساباً یعنی قیاس خفی کی بنیاد پر جائز فرماتے ہیں، ورنہ قیاس جلی کو مد نظر رکھتے ہوئے اس طرح کی بیع کو یہ دونوں حضرات بھی ائمہ ثلاثہ کی طرح ناجائز کہتے ہیں، وجہ احتساب یہ ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت بر بنائے ”غرر“ ہے، وہ غرر یہ ہے کہ معقود علیہ کی ہلاکت کی وجہ سے انفساخ عقد کا احتمال ہے، اور یہ اشیاء منقولہ ہی میں متصور ہے، اسلئے اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے، اور جبکہ اشیاء غیر منقولہ میں اس قسم کا احتمال غرر متصور ہے ہی نہیں، ”فثبت أن بیع المشتري العقار قبل القبض جائز“ (بدائع ۱/۵۸۱)۔

ایسا عقد جو احتمال نقض و فساد رکھتا ہے یعنی اگر بائع نقض بیع کرے تو وہ معاملہ عقد ثلوث سکتا ہے، خواہ یہ نقض و فساد اس وقت ہو جبکہ مشتری قبل القبض بیع میں تصرف وغیرہ کرے، یا بعد القبض تصرف کرے، لیکن یہ قبضہ بدون اذن البائع ہو، تو اس قسم کے عقود میں مشتری کے تصرفات کے سلسلہ میں امام شیخین اور محمد و زفر وغیرہ کا باہم اختلاف ہوا ہے۔

لیکن وہ عقود اگر اس طرح کے ہیں کہ مشتری کی طرف سے کئے گئے تصرفات احتمال نقض رکھتے ہی نہیں، جیسے تصرف عتق، تدبیر، استیلا، وغیرہ، تو ایسی صورت میں بالاتفاق مشتری کے یہ تصرفات صحیح اور درست قرار پائیں گے، خواہ یہ تصرف قبل القبض ہو، یا بعد القبض بدون اذن البائع ہو، ہمارے اس دعویٰ کی دلیل علامہ شامیؒ کی یہ عبارت ہے:

” (قوله صح بیع عقار) ای عندهما و قال محمد لا يجوز الخ
إلی أن قال . و کذا کل تصرف یقبل النقض إذا فعله المشتري قبل القبض أو بعده بغير إذن البائع فللبائع إبطاله بخلاف ما لا یقبل النقض کالعتق والتدبیر

والاستیلاء، بحر“ (شامی ۴/۱۶۲، مطبوعہ بیروت)۔

ہر وہ عقد جو عوض کی ہلاکت کے سبب عقد ٹوٹ سکتا ہے، تو اس قسم کے عوض میں مالک کو قبضہ سے پہلے کسی قسم کے تصرف کا حق و جواز نہیں، لیکن تمام وہ عقود جو عوض کی ہلاکت سے نفس عقد باطل اور زائل نہیں ہو پاتا، تو اس قسم کے عوض میں قبل القبض مالک کو تصرف کا حق و جواز حاصل ہے، بشرطیکہ ان عقود کا عوض متعین فی الخارج ہو، جیسے مہر، بدل خلع، عتق علی مال، بدل صلح عن دم العمد۔

ان دونوں شکلوں (ہلاکت عوض سے فسخ عقد اور عدم فسخ عقد) میں سے پہلی شکل میں قبضہ سے پہلے تصرف کی ممانعت اور دوسری شکل میں تصرف کی اجازت، ان کبھی امور میں امام ابو یوسف اور امام محمد علیہما الرحمۃ متفق اور متحد ہیں، لیکن امام محمدؒ پہلی شکل میں صرف صدقہ، رہن، قرض، ان تصرفات کے جواز کے قائل ہیں جو تصرفات قبضہ کے بعد ہی تام اور مکمل ہوتے ہیں، جبکہ امام ابو یوسفؒ پہلی شکل میں مطلقاً بشمول تمام تصرفات کو حتیٰ کے ہبہ کو بھی ناجائز ہی قرار دیتے ہیں، معلوم نہیں اس مقام پر دیگر ائمہ کرام کا کیا مسلک و مذہب ہے، ملاحظہ ہوشامی کی پوری تفصیلی عبارت:

”قال فی الفتح الأصل أن كل عقد يفسخ بهلاك العرض قبل القبض لم يجز التصرف في ذلك العرض فالتصرف فيه قبل القبض جائز كالمهر وإذا كان عينا يجوز بيعه و هبته وإجارته قبل قبضه وسائر التصرفات في قول أبي يوسف ثم قال محمد: كل تصرف لا يتم إلا بالقبض كالهبة والصدقة والرهن والقرض فهو جائز قلت: وحيث مشى المصنف على قول محمد كان ينبغي للمشارح ذكر الأصل الثاني أيضا؛ لأنه يظهر مما ذكرنا أن الأصل الأول غير خاص بقول أبي يوسف إلا أن الشق الأول منه وهو ما يفسخ بهلاك العرض قبل القبض كالبيع والإجارة لا يجوز التصرف قبل القبض في

عوضہ المعین عند ابی یوسف مطلقاً وأجاز محمد فیہ کل تصرف لا یتیم إلا بالقبض کالہبہ ونحوها لأن الہبۃ لما كانت لا تتم إلا بالقبض صار الموهوب لہ نائباً عن الواهب“ (شامی ۴/۱۶۲-۱۶۳)۔

قبضہ سے پہلے ملک موروث میں وارث اور مال موصی بہ میں موصی لہ تصرفات کا مکمل اختیار رکھتا ہے اور اس کے تصرفات صحیح ہوں گے، بدائع میں ہے:

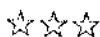
”و كذلك الميراث يجوز التصرف فيه قبل القبض؛ لأن معنى الغرر لا يتقرر فيه؛ ولأن الوارث خلف الميت في ملك الموروث وكذلك الموصى به بأن أوصى إلى إنسان بشئ ثم مات الموصى؛ فللموصى له أن يتصرف قبل القبض؛ لأن الوصية أخت الميراث ويجوز التصرف في الميراث قبل القبض فكذا في الموصى به“ (بدائع ۵/۱۸۱، مطبوعہ پاکستان)۔

۶- ایک شخص کسی فیکٹری سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، لیکن فیکٹری سے خرید ہوا مال اپنے قبضہ میں نہیں لیتا، بلکہ براہ راست فیکٹری سے خریدار نمبر (۲) کو روانہ کر دیتا ہے، اور معاملہ یہ طے پاتا ہے کہ فیکٹری سے مال روانہ ہونے کے بعد خریدار نمبر (۲) کے پاس پہنچنے سے پہلے اگر درمیان میں مال ہلاک ہو جائے تو اس نقصان کی ذمہ داری اسی شخص (خریدار) نمبر (۱) کا نقصان قرار پاتا ہے، یہ صورت معاملہ اگرچہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے شخص کا اس مال پر حقیقی قبضہ نہیں ہوا، لیکن وہ مال خریدار نمبر (۲) تک پہنچنے سے پہلے اس کی ضمانت میں رہا، سوال یہ ہے کہ فیکٹری سے خریداری کرنے والے کی طرف سے قبضہ حسی نہ پائے جانے کی وجہ سے دوسرے شخص کے ہاتھ اس فروختگی کو ناجائز قرار دیا جائے، یا ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے گا؟

سوال مذکور میں جب بائع نے مشتری سے مال فروخت کر دیا، اور بائع نے یا وکیل بائع یا ولی بائع نے براہ راست خرید شدہ مال کو مشتری آخر کے پاس بھیج دیا، یہ پتہ دے رہا ہے کہ بائع

نے تمام موانع اور رکاوٹ کو دور کر دیا ہے، جس کے نتیجہ میں مشتری خرید کردہ مال کو مشتری ثانی کے پاس بھیج رہا ہے، جو عین قبضہ پر دال ہے، مشتری اول کا مشتری ثانی کے پاس مال بھیج کر مبیع میں تصرف کرنا بعد القبض ہے نہ کہ قبل القبض، جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اگر مال راستہ ہی میں ہلاک ہو جائے تو اس مال کا ضمان مشتری اول پر عائد ہوتا ہے، خرید و فروخت کے باب میں حنا قبضہ لازم نہیں ہے، بلکہ دراصل وہی قبضہ معتبر ہے جسے عرف عام میں قبضہ کہا جاتا ہو، جس کی تشریح پیچھے گزر چکی ہے۔

۷۔ بین الاقوامی تجارت میں جب یہی عرف و شرط ہو کہ جہاز پر مال چڑھانے کے بعد، وہ مال بائع کے قبضہ سے نکل کر مشتری کے قبضہ و احراز میں چلا آتا ہے، اگر وہ مال دریا میں غرق ہو جائے تو مال کا خسارہ صرف مشتری کو برداشت کرنا پڑتا ہے، اس کے باوجود جبکہ وہ مال سمندر میں ہے، مشتری اول اس مال کو مشتری ثانی کی معرفت فروخت کر دیتا ہے، اور یہ بھی طے ہو جاتا ہے کہ اگر مال ہلاک ہو جائے تو ضمان مشتری ثانی کو برداشت کرنا پڑے گا، تو یہ معاملہ مشتری اول کا مشتری ثانی سے کرنا فی نفسہ جائز ہے، کیونکہ مشتری اول کیلئے مبیع مقبوض ہے، لیکن ابھی اس مال پر مشتری ثانی کا قبضہ متحقق نہیں ہے، اس لئے ہلاکت کی صورت میں مال مذکور کا ضمان مشتری ثانی پر برہنہ عائد نہیں ہوگا۔



قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کا شرعی حکم

مولانا ظلیل احمد قاسمی

قبضہ سے پہلے خرید و فروخت سے متعلق موصول شدہ سوالنامہ میں سات سوالات ہیں، ان کے جوابات اختصار کے ساتھ پیش کرنے سے پہلے چند اصولی تمہیدی سطور عرض ہیں، جن کی روشنی میں تمام سوالات کے جوابات انشاء اللہ آسان ہوں گے، فقہاء کرام کے یہاں کچھ اصول ایسے مسلمہ ہوتے ہیں، کہ جن میں کسی کا اختلاف نہیں ہوتا ہے، اسی لئے تعریفات کے لئے جو الفاظ ذکر کئے جاتے ہیں وہ بہت محدود ہوتے ہیں، یعنی نہ ان میں ایسی وسعت ہوتی ہے کہ غیر معرف بھی داخل ہو جاتے اور نہ ایسا اختصار ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے معرف کے کچھ انفراد تعریف سے خارج ہو جاتے ہیں، البتہ کچھ جزئیات ایسے ہوتے ہیں جن میں حکم بیان کرتے وقت مسلمہ اصول کے الفاظ جو مقید ہوتے ہیں ان کی تشریح میں اختلاف ہونے کی وجہ سے کچھ اختلافات پیدا ہوتے ہیں، لیکن انہیں اختلاف میں ایک بات غور طلب ہے کہ کسی قید کی جب کہیں تشریح موجود ہوتی ہے تو وہ اکثر شرح عبارت، یا مسئلہ کے مقابلہ میں اصولاً زیادہ رائج قرار پائے گی یعنی وہ اختلاف جس میں استدلال قید مشرح سے کیا جائے وہ رائج ہوگا، اس قول پر جس میں استدلال قید غیر مشرح سے کیا جا رہا ہو، یہ بات اس لئے تحریر کی گئی ہے کہ قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کے مسئلہ پر قبضہ کی جو مسلمہ تعریف ہے، اس میں جو قیود لگائی گئی ہیں ان سے زیر بحث مسئلہ پر حکم کے اعتبار سے ضرور روشنی پڑے گی۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نفس بیع کے انعقاد میں قبضہ کی کیا حیثیت ہے، کیا قبضہ اگر نہ ہو تو بیع بھی منعقد نہ ہوگی، یا بیع تو منعقد ہوگی، لیکن مشتری کو فسخ کا اختیار ہوگا؟

”بدائع الصنائع“ کی عبارت سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ بیع مطلق کے صحیح ہونے کیلئے قبضہ ضروری نہیں ہے:

باب

بہا جاتا ہو، جس

”لأن التقابض في البيع المطلق ليس بشرط لصحة الـ

لیکن یہ مسئلہ الگ ہے کہ کسی شے کے بیع و شراء کا معاملہ ہوا، ابھی منسوخ

نہیں کیا لیکن مشتری بیع غیر مقبوض میں تصرف کرے، یعنی کسی اور کے ہاتھ فروخت کرے تو اس کیلئے یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ کی وضاحت سے پہلے قبضہ کی تعریف جو مسلم ہے اس کو بیان کرنا ضروری ہے اور اس میں جو قیود لگائی گئی ہیں ان سے پیش کردہ سوالات کے جوابات میں کافی مدد ملے گی، صاحب ”بدائع الصنائع“ نے نفس قبضہ کی تعریف یہ کی ہے:

”ولا يشترط القبض بالبراجم لأن معنى القبض هو التمكين والتخلي

وارتفاع الموانع عرفاً وعادة حقيقة“۔

یعنی حصول قبضہ کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ”بدأً بید“ یا مکمل طور پر حسی گرفت ہو، جیسا کہ لفظ براجم سے سمجھا جا رہا ہے، بلکہ مفہوم یہ ہے کہ بائع کا مشتری کے سامنے رکھ دینا یا اپنی حفاظتی گرفت سے خارج کرنا کہ جس پر مشتری اپنا تصرف کر سکے، یعنی مشتری کی گرفت اس بیع پر جس حیثیت سے ہو اسی حیثیت سے ان کا قبضہ عرفاً مانا جاتا ہو، اور عادتاً لوگوں میں مشتری کا قبضہ متصور ہو، البتہ یہ تصور حقیقت ہو نہ کہ مجازاً، یعنی لوگوں میں مثلاً عادتاً جس حیثیت سے قبضہ مانا جاتا ہو اسی حیثیت سے ہونا ضروری ہے، نہ تاویلاً، یا ارادہ وغیرہ، اور مشتری اس پر تصرف کرنے پر قادر ہو، نیز مشتری کے تصرفات میں کسی طرح کی بائع کی طرف سے رکاوٹ نہ ہو، اور مکمل تخلیہ ہو، مراد اس سے یہ ہے کہ بائع کا حق تصرف اس سے ختم ہو گیا ہو اور مشتری کی اس پر تمکین ہو چاہے یہ تمکین ”من حيث الأخذ باليد“ ہو، یا رفع حائل وموانع سے ہو، جو بھی عرف میں معتبر مانا جاتا

ہو یہ حقیقت ہو، یا حکماً، درحقیقت بات یہ ہے کہ ایسے تخلیہ کو شرعاً قبضہ کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے کہ علامہ شامی نے شرائط التخلیہ کو بیان کرتے ہوئے اس بات کی صراحت کی ہے، البتہ یہ مبیع کی حالت کے اعتبار سے مختلف بھی ہوتا ہے، عبارت یہ ہے:

”و حاصله أن التخلية قبض حکماً لو مع القدرة عليه بلا كلفة لكن ذلك يختلف بحسب حال المبيع“ (۵۶۲/۳)۔

مگر تخلیہ کے اندر یہ بات ملحوظ ہونی چاہئے کہ مبیع اتنی قریب ہو کہ اس پر اگر قبضہ حقیقی کرنا چاہے تو کوئی دشواری پیش نہ آئے۔ اگر فی الحال مبیع اتنی دوری پر ہو کہ اگر اس پر قبضہ حقیقی کرنا چاہے تو بہت مشکل ہو، یعنی قبضہ حقیقی دوری کی وجہ سے غیر متصور ہو، تو ایسی صورت میں تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا، چونکہ خانیہ کے حوالہ سے علامہ شامی نے یہ ذکر کیا ہے جس کا ابھی ترجمہ ہوا عبارت یہ ہے:

”وفى الخانية: والصحيح ما ذكر فى ظاهر الرواية لأنه إذا كان قريباً يتصور فيه القبض الحقيقى فى الحال فتقام التخلية مقام القبض، أما إذا كان بعيداً لا يتصور القبض فى الحال فلا تقام التخلية مقام القبض“ (۵۶۳/۳)۔

لیکن علامہ شامی نے اس مذکورہ عبارت کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

”قلت: لكن نقل ابن المصنف فى زواهر الجواهر عن بیوع فتاوى قارى الهداية أنه متى مضى مدة يتمكن من الذهاب إليها والدخول فيها كان قابضاً وإلا فلا قبة۔“

یعنی اوپر کی عبارت میں یہ کہا گیا ہے کہ دوری اگر ایسی ہے کہ اس میں فی الحال قبضہ حقیقی غیر متصور ہے تو تخلیہ قبضہ کے قائم مقام نہ ہوگا، اس کی تشریح یہ کی ہے کہ دوری اگر ایسی ہے کہ وہاں تک رسائی ہو سکتی ہے، اس پر قدرت ممکن ہے تو ایسی دوری بھی تخلیہ کو قبضہ حقیقی کے قائم مقام ہونے سے نہیں روکے گی، اور قبضہ کا حاصل ہونا تخلیہ کے ذریعہ یہ تمام اموال کے اندر ہے، کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے:

”ثم لا خلاف بين أصحابنا في أن أصل القبض يحصل بالتخلية في سائر الأموال“ (بدائع ۵/۲۳۴)۔

اور قبضہ کی جو تعریف کی گئی ہے اور تفصیل گزر چکی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے حکم کو بیان فرمایا گیا ہے کہ قبضہ وہ تخلیہ ہی ہے، لہذا بائع اگر مال میع کو خلی کر دے تو اسے مسلم یعنی سونپ دینے والا کہا جائے گا، اور مشتری کو قابض، یعنی قبضہ کرنے والا کہا جائے گا:

”فالتسليم والقبض عندنا سوا التخلية والتخلي وهو أن يخلي البائع بين المبيع وبين المشتري من التصرف فيه فيجعل البائع مسلماً للمبيع والمشتري قابضاً له“ (بدائع الصنائع ۵/۲۳۴)۔

اب بات یہ رہ جاتی ہے کہ اشیاء منقولہ اور غیر منقولہ کے اعتبار سے قبضہ سے پہلے خرید و فروخت میں کوئی فرق ہے، یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں بات یہ ہے کہ اشیاء غیر منقولہ کے اندر قبضہ سے پہلے خرید و فروخت درست ہے، یعنی زمین، جائداد، مکان، دوکان وغیرہ کی بیع ہونے کے بعد ہی بغیر کسی طرح کے قبضہ کے اس میں تصرف چاہے بیع ہو، یا ہبہ ہو وغیرہ، درست ہے، اور یہ قول طرفین رحمہما اللہ کا ہے، اگرچہ اس میں امام محمد کا اختلاف ہے، لیکن فتویٰ طرفین کے قول پر ہے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ بیع کا صدور اہل بیع، یعنی عاقل، بالغ ہونا اور محل یعنی مال مملوک میں ہوا ہے، اور اس میں کوئی غرر بھی نہیں ہے، اس لئے کہ زمین وغیرہ کی ہلاکت بہت نادر ہوتی ہے، البتہ اشیاء منقولہ کا حکم اس سے جداگانہ ہے۔

اور قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی ممانعت والی حدیث معلول بالعلۃ ہے، یعنی غرر کی وجہ سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے، لہذا جہاں غرر کا امکان ہے وہاں یہ ممانعت ہوگی، اور جہاں غرر نہیں ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے، اور زمین میں غرر نہیں ہے اگرچہ بھی تو نادر ہے، اور نوادر عام حکم کا مدار نہیں ہوتے ہیں:

”ویجوز بیع العقار قبل القبض عند أبی حنیفہ وأبی یوسف وقال محمد: لا یجوز رجوعاً إلى إطلاق الحديث واعتباراً بالمنقول، ولهما أن ركن البيع صدر من أهله في محله ولا غرر فيه، لأن الهلاك في العقار نادر بخلاف المنقول والغرر المنهى عنه غرر إنفساخ العقد والحديث معلول به عملاً بدلائل الجواز“ (ہدایہ ۵۹/۳)۔

البتہ اشیاء منقولہ کے اندر بیع پر قبضہ کا ہونا جواز بیع کیلئے ضروری ہے، اور یہ حکم بالا جماع ہے:

”ولا یجوز التصرف فی المبیع المنقول قبل القبض بالإجماع“ (بدائع الصنائع ۵، ۲۳۴)۔

لہذا قبضہ کی جو تفصیل اوپر گزری ہے اگر اس کے مطابق قبضہ نہ ہو تو ایسی صورت میں بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع کرنا جائز نہیں ہے اور یہ عدم جواز کا تعلق نہ بیع باطل سے ہے اور نہ فاسد سے، البتہ اس کا تعلق کراہت سے ہے، چونکہ احتمال غرر کا ہے اور ایسا احتمال جہاں ہوتا ہے وہاں کراہت کا اطلاق ہوگا نہ کہ فساد کا، اس لئے کہ فساد کا تعلق عموماً قطعیت کے ساتھ ہوتا ہے لیکن احتمال ناشی عن دلیل ہے تو اس کا بھی شمار فساد میں ہوتا ہے۔

خلاصہ:

مذکورہ بالا تحریرات و عبارات کی روشنی میں نمبر وار سوالات کے اختصار کے ساتھ جوابات عرض ہیں:

۱- اشیاء منقولہ میں قبضہ سے پہلے خرید و فروخت جائز نہیں اور اس کا شمار بیع مکروہ میں ہے۔

۲- جس عرف میں قبضہ کا جو بھی تصور متصور ہے وہی قبضہ شرعاً بھی معتبر ہے۔

۳- فرق ہے مختصر آئیہ کہ اشیاء منقولہ میں تخلیہ عرفی کا اعتبار ہے۔

۴- احادیث النبی عن القبض سے پہلے خرید و فروخت معلول بالعلۃ ہیں اور علت نہیں

تہاں غور ہے۔

۵۔ تخصیصات ہیں، آراء ائمہ مذکورہ بالا تحریر میں ہیں۔

۶۔ جائز قرار دیا جائے گا، اس لئے کہ دلیل ضمان علامت قبضہ ہے۔

۷۔ مشتری جب فروخت کرنے سے پہلے ضامن تھا بعد میں البتہ نہیں رہا تو یہ صورت

شہ جائز ہے۔



قبضہ سے پہلے متعلق احادیث کی حیثیت اور غرر کے احکام

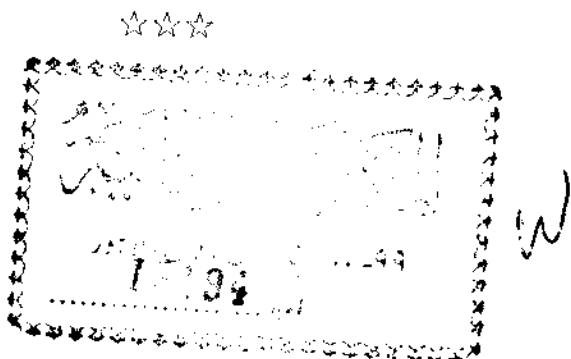
۱۰۰ نمبر ۱۰۰

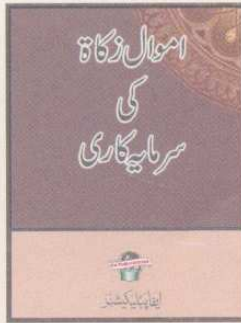
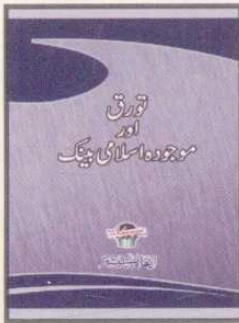
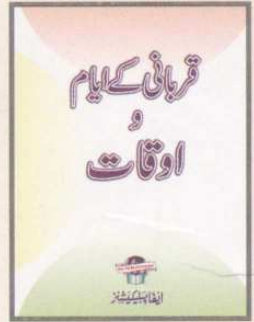
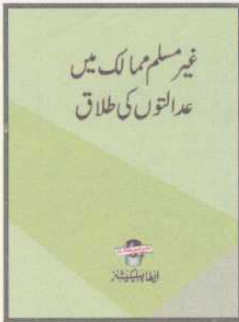
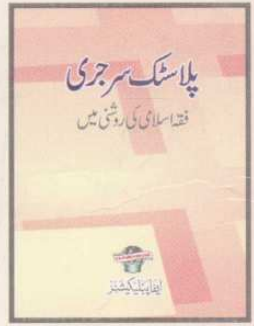
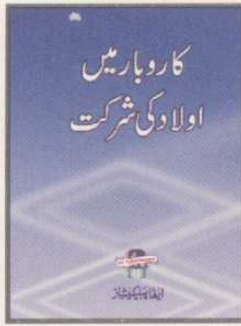
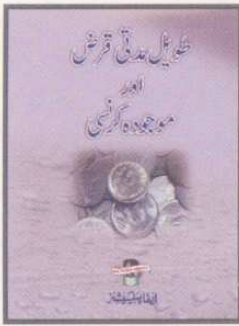
- ۱- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت ناجائز ہے، حدیث میں اس کی ممانعت موجود ہے، ”لَقَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ: نَهَى عَنْ بَيْعِ مَا لَمْ يَقْبُضْ“، خرید شدہ مال پر قبضہ حاصل کرنے سے پہلے اس کا سودا کرنا بحیثیت مالکانہ نفع فاسد ہے، اصول فقہ کے مشہور ضابطہ کے تحت اس کا شمار نفع فاسد میں ہونا چاہئے، ضابطہ یہ ہے کہ نئی افعال شرعیہ میں قبیح لغیرہ و حسی پر محمول ہوتی ہے، اور تمام بیوں فاسدہ اور اموال ربویہ وغیرہ پر یہی حکم لگتا ہے۔
- ۲- اسلامی شریعت میں قبضہ سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں ہے، قبضہ ہر شی کا اس کے مناسب حال ہوتا ہے، قبضہ کبھی قانوناً ہوتا ہے، کبھی حسی معتبر ہوتا ہے اور کبھی حکمی، یعنی جب وہ چیز ضمان میں آجائے تو اس کو آگے فروخت کرنا جائز ہو جائے گا۔
- ۳- منقولات میں سے جو چیز خریدے، جب تک وہ اپنے قبضہ میں نہ آجائے (یعنی اپنے تصرف میں) مالکانہ تصرف جائز نہیں، ہاں جب ضمان و تصرف میں آجائے تو اب مالکانہ تصرف کا حق حاصل ہو گیا، جیسے چاہے کرے، اور اشیاء غیر منقولہ میں کاغذی کارروائی مکمل ہو جانے کے بعد ہی حق تصرف حاصل ہوتا ہے، پس اسی قبضہ کرنے سے پہلے بھی تصرف کرنا جائز ہے۔
- ۴- قبضہ سے پہلے خرید و فروخت کی نئی سے متعلق احادیث ”معلول بالعدت“ ہیں ”لَقَوْلُهُ

۵۔ ”کل عوض ملک بعقد ینفسخ بہلاکہ قبل قبضہ فالتصرف فیہ غیر جائز فما لا فجائز...“ (البحر الرائق ۱۲/۲۶۷) امام مالک کے نزدیک بیع اور غیر بیع میں تصرف کرنا قبضہ سے پہلے جائز ہے، امام مالک کے نزدیک طعام کا استثناء ہے، اور امام محمد کے نزدیک ہبہ اور صدقہ میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز ہے اور ائمہ حنفیہ کے نزدیک منقولات میں قبضہ سے پہلے تصرف کرنا جائز نہیں، شیخین کے نزدیک زمین کی بیع حسی قبضہ سے پہلے بھی جائز ہے، کیونکہ زمین کی ملاکت نادر ہے۔

۶۔ ضمان کو قبضہ حسی کا قائم مقام سمجھ کر اس کی خرید و فروخت کو جائز قرار دیا جائے گا۔

۷۔ - بائع کی ذمہ داری عرف میں جہاں تک ہے وہاں تک بیع بائع کے ضمان میں متصور ہوگی، اور وہی ہلاکت پر ضامن ہوگا، اور جب اس کے عرفی ضمان و ذمہ داری سے نکل جائے گی تو مشتری کا ضمان شروع ہوگا، اب اگر وہ سامان ضائع و ہلاک ہوتا ہے تو مشتری ضامن ہوگا، یہی حال مشتری ثانی و ثالث وغیرہ کا ہوگا۔





IFA Publications

161 - F, Basement, Joga Bai, Post Box No - 9708,
Jamia Nagar, New Delhi - 110025

Tel : 26981327 Email: ifapublications@gmail.com